مُڑ آ کے مُول نہ جائیں

شگفتہ بھٹی

پیش لفظ

سوا چودہ سو برس قبل نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لائے ہوئے دین اسلام کے ذریعے سے عورت کا باوقار مقام بحال کروایا تھا لیکن شیطانی خواہشات کے پجاریوں نے آہستہ آہستہ اسے نہ صرف اس کے باوقار مقام سے گرانے کی کوششیں جاری رکھیں بلکہ اسے مادہ پرستانہ اور ملحدانہ تہذیب کے ذریعے ورغلا کر ذلیل و رسوا بھی کر دیا۔

آج ترقی اور روشن خیالی کے نعرے دے کر اسے مرد کے برابر اور ہر شعبہ زندگی میں آگے لانے کی ایک باقاعدہ مہم چل نکلی ہے۔ خاص طور پر ''شو بزنس'' میں انہیں ایک ذہنی تربیت اور زیادہ روپے کی کشش دے کر لانے کی منصوبہ بندی اور عملی کوششیں بڑی تیزی سے جاری ہیں۔ جس طرح ماضی میں ایک تعلیم یافتہ لڑکی کے لیے ''درس و تدریس'' یا ''ڈاکٹری'' کے شعبے کو عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور لڑکیاں ان شعبوں میں آ کر فخر محسوس کرتی تھیں بالکل اسی طرح آج کی ایک تعلیم یافتہ اور خوبصورت لڑکی بغیر کسی جھجک یا پس و پیش کے ''ماڈل گرل'' بننے کو ترجیح دیتی ہے۔

خصوصاً وہ لڑکیاں جن کے گھروں میں مالی مسائل زیادہ ہوتے ہیں اور وہ اس شعبے میں آ کر سہولت سے زیادہ روپیہ کما سکتی ہیں۔ دوسری وہ لڑکیاں جن کے لیے ''دولت اور شہرت'' کا حصول ہی سب کچھ ہو' وہ باآسانی اس طرف آ جاتی ہیں۔ ''شوبز'' جس کا مطلب ہی کچھ دکھا کر کاروبار کرنا ہے۔ ایک ''ماڈل گرل'' سب سے پہلے جس چیز کو پیش کرتی ہے وہ اس کا حسن ہے اور پھر وہ چیز' جس کی فروخت کو بڑھانا مقصود ہوتا ہے۔ یعنی ''زن سے زر'' کا حصول۔

آج عورت کا وجود ہر چیز کی خرید و فروخت کے لیے لازم ہو گیا ہے اور آج کوئی بھی اشتہار بنا کسی حسین عورت کی نمائش کے مکمل نہیں ہوتا۔

"شوبز" کے راستے بڑے چمکیلے، کشادہ اور پُر آسائش تاحدِ نگاہ پھیلے ہوئے، جن پر اکثر معصوم اور بھولی بھالی لڑکیاں بغیر یہ سوچے ہی چل پڑتی ہیں کہ ان راستوں کا اَنت ان کی منزل وہ نہیں جو انہوں نے سوچی تھی۔ یہ بہ ظاہر پھولوں سے بھرے راستے جس خوفناک دلدل میں جا کر گرتے ہیں وہاں سے واپسی پھر ممکن نہیں رہتی۔

"مُڑ آ کے مُول نہ جائیں" وہ کہانی ہے جو آج ہماری مشرقی تہذیب اور اسلامی اقدار سے ٹکراتی بہت سے ایسے گھروں میں جنم لے رہی ہے۔ جہاں مجبوری اور ضرورت بہت سی معصوم بچیوں کو انگلی تھام کر کیمرے کی روشنیوں اور سونے کے سکوں کی جھنکار میں لے آتی ہیں۔ "مُڑ آ کے مُول نہ جائیں" میں وہ انجام دکھانے کی کوشش کی گئی ہے جو اس راستے کے اختتام پر ہے۔

اسلام نے عورت کو "عورت" رکھ کر اس کی فطرت کے مطابق اس کو حقوق و فرائض سونپے ہیں۔ اس کہانی کے ذریعے میں نے اپنی پاکستانی بہنوں کو شیطانی خواہشات کے پجاری اُن مردوں کا مکروہ چہرہ دکھانے کی کوشش بھی کی ہے۔ جو عورت کو اشتہار بازی میں استعمال کر کے اس کو اس کی رفعت و عظمت سے محروم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ اللہ کرے یہ کہانی اپنا پیغام اپنی قارئین بہنوں کو پہنچا سکے کہ خدارا مغربی معاشرے کے سراب اور آزادی کے حصول میں اتنا نہ بھاگیں کہ اپنی شرم اور حیاء کو ہی کھو دیں۔ اپنی عصمتوں کے گوہر ہی لُٹا دیں۔

آخر میں مَیں اپنے وطن کی ہر بیٹی کے لیے دعا کروں گی کہ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے اصل محسنِ نسواں کو پہچانیں اور پوری بصیرت کے ساتھ اپنی عفت و عظمت کے گوہرِ آبدار کو محفوظ رکھ سکیں۔ آمین۔

والسلام
شگفتہ بھٹی

"بھئی عمیر اب بہت ہو گئی، پسند کر لو جلدی سے کسی لڑکی کو......"
رامین بھابی نے اس کی شرٹ استری کر کے اسے تھماتے ہوئے کہا۔

"کیوں بھابی میرے کام کر کر کے گھبرانے لگی ہیں؟" اس نے جھوٹ موٹ کا منہ بنایا۔

"بکواس مت کرو۔ تمہیں پتا ہے میں کیوں کہہ رہی ہوں؟" انہوں نے ایک ہلکی سی چپت دیور کی کمر پر رسید کی اور کچن کی طرف چل دیں۔

"تو کیا گھر میں سکون اچھا نہیں لگتا؟" وہ شرارت سے ان کے سامنے آ گیا۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہو کر بولیں۔

"بھئی دیورانی آئے گی تو حسد و بغض کے سلسلے چلیں گے۔ لڑائیاں ہوں گی۔ میں زیادہ کام کرتی ہوں۔ وہ مہارانی ہے۔ کیوں کیوں وہ کوئی مجھ سے بڑھ کر ہے۔" وہ باقاعدہ ایکٹنگ کر کے دیورانی جیٹھانی کا ایسا روایتی نقشہ کھینچ رہا تھا کہ رامین کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ پیچھے کوریڈور میں آئی صبورہ خاتون کو بھی ہنسی آ گئی۔

"ٹھہر ذرا میں پوچھتی ہوں تجھے۔ تُو میرے گھر میں ایسا ماحول بنائے گا۔ ایسی بیوی لائے گا۔"

"ارے ارے...... امی...... خدا کے واسطے...... میری بات تو سنیں۔"
وہ ڈر کے مارے بھابی کے پیچھے چھپ گیا۔

"دیکھیں ناں امی جان یہ موصوف میرے لیے ایسی دیورانی لائیں گے۔ جو مجھ سے لڑے۔" رامین نے بھی جان بوجھ کر اسے آگے کر دیا اور خود معصوم سی شکل بنا لی۔

"گھر سے نہ نکال دوں گی ان دونوں کو۔" انہوں نے فوراً بہو کو سینے سے لگا لیا۔

"میری رامین سے کوئی لڑ کر تو دکھائے۔"

وہ بہو پر یوں بھی بہت فدا رہتیں ایک تو وہ ان کی سگی بھتیجی تھی دوسرے وہ عادات کی بھی بے حد سلجھی ہوئی تھی۔ ہر ایک سے محبت کرتی تھی تب ہی تو ہر ایک اس سے بھی محبت کرتا تھا۔

"واہ امی جان! یہ تو سراسر ناانصافی ہے ایک بہو کو آپ اتنا سر چڑھا کے رکھیں اور دوسری کو ابھی سے گھر سے نکال رہی ہیں۔" وہ مصنوعی خفگی دکھانے لگا۔

"واہ بیٹا! آپ کے بھی طور نرالے ہیں ایک جو گھر میں موجود ہے اس سے متنفر ہو رہے ہیں اس کی وجہ سے جو ابھی گھر میں آئی بھی نہیں۔" صبورہ خاتون نے بھی بیٹے کی ہی نقل اتاری۔

"اور کیا اماں! دیکھیں نا جب دلہن لے آئیں گے تو کیا کریں گے ابھی سے یہ عالم ہے۔" رامین نے جان بوجھ کر اسے جلانے کو ساس کی طرف داری کی اور معصوم سی شکل بنا کر ان کے کندھے سے لگ گئی۔

"ارے یہ دلہن لائے تو سہی...... ہامی تو بھرے، پھر اس کی کون چلنے دے گا۔ وہ تو خود بخود ہماری ہو جائے گی۔"

صبورہ خاتون نے بیٹے کی طرف پیار بھری نگاہوں سے دیکھا۔

"نہ......نہ...... بابا مجھے نہیں لانی دلہن۔ اس گھر میں تو پہلے ہی بہت سیاست ہے پھر سب مل کر جانے میرا کیا حشر کریں۔"

اس نے کان پکڑے اور بھابی کی اوٹ سے نکل کر باہر جانے کو پلٹا۔

"برخوردار چلے کہاں؟" ماں نے اسے کان سے پکڑ لیا۔

"امی جان مجھے حشام سے ملنے جانا تھا۔" اس نے بہانہ بنایا۔

"وہ سب بعد میں پہلے تم ادھر چلو میرے ساتھ اور رامین تم چائے بنا کر لاؤ۔ آج ذرا ہو جائیں اس سے بھی دو دو ہاتھ۔" وہ اسی طرح اسے کان سے پکڑے پکڑے اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

"ارے ارے امی کان تو چھوڑیں۔ ورنہ میری قربانی بھی جائز نہ رہے گی جو آپ دینا چاہتی ہیں۔" اس نے اپنا کان چھڑایا اور سی سی...... کرنے لگا۔ صبورہ خاتون مسکرانے لگیں۔

"امی جان پہلے حشام سے مل آؤں پھر آ کر آپ کی عدالت کی پیشی بھگت لوں گا مجھے واقعی حشام سے ضروری کام ہے۔ ایک بہت اہم کیس کے سلسلے میں کچھ ڈسکشن کرنی ہے۔"

"سچ؟" انہوں نے بیٹے کی آنکھوں میں دیکھا۔

"سچ مچ۔" اس نے ماں کے دونوں ہاتھ چوم لیے۔

"اچھا جا خدا تجھے قدم قدم پر کامیابیاں عطا کرے۔"

"آمین......ثم آمین۔" سامنے سے آتی ارم نے فوراً کہا۔

"ایکسکیوز می۔" وہ تیزی سے مڑتے ہوئے کسی سے ٹکرا گیا تھا۔

"بھائی ذرا دیکھ کر...... ہر وقت جلدی میں نہ رہا کریں۔"

ارم نے فوراً اپنی دوست طوبیٰ کو سنبھالا جس سے عمیر ٹکرا گیا تھا۔

"سو......سوری۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔ ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی جو اپنا ماتھا سہلا رہی تھی۔ چہرہ تو اس کا وہ نہ دیکھ سکا تھا نہ ہی اس کی ایسی عادت تھی، لیکن...... لیکن اس نے جاتے جاتے پلٹ کر دوبارہ اس کی طرف ضرور دیکھا تھا۔ دراز قد اور بے حد نازک اندام، لمبے بال۔ جانے کیوں جی چاہا پلٹ آئے اور آ کر اس سیمیں بدن کو دوبارہ دیکھے مگر ایک تو اسے حشام سے لازمی ملنا تھا دوسرا یہ اس کی فطرت کے بھی خلاف تھا۔

"دھت تیرے کی......"

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے اپنے اس خیال کو کوسا۔

"حد ہو گئی یار تم کب سے ایسے گھٹیا ہو گئے۔" اسے اپنے آپ پر حیرت ہوئی۔

دل و دماغ کو زور سے جھٹک کر اس نے فوراً ہی اس خیال سے چھٹکارا پا لیا جو اس پر جانے کیسے طاری ہونے لگا تھا۔ گاڑی پورچ سے نکالی اور کشادہ سڑک پر آ گیا۔ رات ہونے والی بارش نے موسم اور نظاروں کو ایک دم بدل دیا تھا۔ دُھلے دُھلے درخت، نکھرے نکھرے پھول اور صاف ستھری سڑکیں۔ ہوا بھی بہت ہلکی پھلکی اور مستی بھری لگ رہی تھی۔

اس نے گاڑی کے سارے شیشے نیچے گرا دیئے اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ تر و تازہ ہوا نے اسے فوراً ہی فریش کر دیا تھا۔ اس نے ٹیپ آن کر دیا۔

اب اس کا دماغ اپنے نئے کیس کے متعلق تیزی سے کام کر رہا تھا اور وہ سارے نکات ترتیب دے رہا تھا جس پر اس نے حشام سے ڈسکس کرنا تھا۔

☆======☆======☆

"ارے یہ عمیر۔" رامین چائے کی ٹرالی لے کر آئی تو اسے غائب دیکھ کر حیران ہوئی۔

"بھائی تو چلے گئے۔ چلیں اچھا ہے آپ کو دوبارہ زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی، لائیں ادھر کریں۔" ارم نے چائے کی ٹرالی کھینچ کر اپنے آگے کر لی اور چائے بنانے لگی۔

"بھابی یہ میری دوست ہے طوبیٰ اور طوبیٰ یہ ہیں ہماری بہت پیاری بھابی۔ روایتی

بھابیوں سے بہت مختلف۔'' اس نے چائے کا کپ پہلے اپنی امی جان کو تھمایا۔

''کیا مطلب؟'' وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''مطلب......یعنی لگتا نہیں کہ یہ ہماری بھابی ہیں یا بہن یا دوست......''

''بس......بس......'' رامین اپنی تعریف پر شرما گئی۔

''آپ یہ لیں......اسے تو بس بولنے کی عادت ہے۔'' رامین نے ایک رول کی پلیٹ طوبیٰ کی طرف بڑھا دی۔ وہ مسکرا دی۔

''شکریہ۔'' ایک رول اٹھا کر اس نے اپنی پلیٹ میں رکھ لیا۔ رامین نے دیکھا اس کے ہاتھ بہت خوبصورت تھے۔ لمبی لمبی مخروطی انگلیاں' بے داغ چٹے سفید اور کانچ جیسے نازک۔

''بھابی! میری دلہن کے تو آپ ہاتھ دیکھیے گا وہی اتنے حسین ہوں گے کہ آپ دیکھتی رہ جائیں گی۔''

اس کے ذہن میں عمیر کی بات گونجی۔ وہ اپنی دلہن کا جو نقشہ کھینچا کرتا تھا۔ وہ بالکل پریوں جیسا ہوتا تھا۔

رامین نے ایک گہری نظر سے طوبیٰ کو دیکھا اور کچھ سوچ کر مسکرا دی۔ اس نے دیکھا کچھ ایسی مسکراہٹ امی جان کے چہرے پر بھی تھی اور ارم کی آنکھوں میں تو صاف شرارت بھرا اشارہ تھا۔

''بھابی! طوبیٰ وغیرہ ابھی کچھ روز ہوئے کوئٹہ سے یہاں لاہور شفٹ ہوئے ہیں اور طوبیٰ کی ابھی مائیگریشن ہو رہی ہے مگر اس نے کلاسز لینا شروع کر دی ہیں۔ اس کے ابو آرمی آفیسر ہیں۔ کرنل صاحب کی بیٹی ہے یہ۔''

اس نے طوبیٰ کا تفصیلی تعارف کرواتے ہوئے رامین کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ جیسے کچھ اور بھی کہہ رہی ہو۔ وہ اس کی ساری بات سمجھ گئی تھی۔ پھر دیر تک وہ لوگ بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔

ان کے ڈیپارٹمنٹ میں کوئی مشاعرہ ہو رہا تھا بڑے بڑے شعراء آ رہے تھے۔ ان کے ذمے بہت سارا کام تھا۔ انتظامات اور مہمانوں کو دعوت نامے پہنچانا انہی کی ذمہ داری تھی۔ وہ دونوں اسی سلسلے میں کچھ مشورے وغیرہ کر رہی تھیں۔

چائے کے بعد ارم اسے اپنے کمرے میں لے گئی۔ رامین دوپہر کے کھانے کے لیے کچن میں آ گئی اور صبورہ خاتون کو پڑوس میں بیگم خاتون کی تیمارداری کے لیے جانا تھا ان کا کچھ روز پہلے ہی گردے کا آپریشن ہوا تھا۔ لہٰذا وہ رامین کو بتا کر پڑوس میں چلی گئیں۔ رامین

کے ذہن میں ایک ساتھ بہت سی خوشیاں کروٹیں لے رہی تھیں۔ دوپہر کے لیے کیا کیا بنائے' شام کو بڑی خالہ کی طرف کون سا ڈریس پہن کر جائے' اس کی بھانجی ماہم کی برتھ ڈے تھی۔ اس نے فریزر سے چکن نکال کر باہر رکھا۔

''بوا ذرا لہسن پیاز تو بنائیں۔'' اس نے اپنی پرانی ملازمہ (جو اس گھر میں ایک بزرگ کی طرح رہتی تھیں) کو بہت پیار سے کہا۔

''وہ تو میں نے کب کا بنا کر رکھ دیا تھا۔'' انہوں نے دُھلے برتنوں کو ٹوکری سے نکال کر برتنوں والے ریک میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا بوا' ورنہ آج کھانے کو دیر ہو جاتی۔'' اس نے پریشر ککر نکال کر چکن اس میں ڈالا۔

''اور کیا بناؤں؟'' وہ سوچنے لگی۔ ''ارم کی دوست بھی کھانے پر رکے گی۔ مچھلی کو بھی تو مصالحہ لگایا تھا۔'' اسے فوراً یاد آ گیا مچھلی نکال کر باہر رکھی تاکہ فرائی کر سکے۔

''اور......اور......مٹن پلاؤ بنا لیتی ہوں۔'' وہ خود کلامی کرتے کرتے سارے کام نبٹا لیا کرتی تھی۔

''بوا! آپ ذرا سلاد بنائیے گا۔''

اس نے دوپٹہ اتار کر سر پر اسکارف باندھا اور ایپرن شرٹ کے سامنے باندھ کر اپنے کام میں جت گئی۔ ہر کام کو سلیقے اور تیزی سے کرنے کی یہ عادت اسے اپنی ساس جو اس کی پھپھو بھی تھیں سے پڑی تھی۔

''سعد کو کون سا رنگ سب سے زیادہ پسند ہے؟'' وہ مچھلی کو ڈیپ فرائز میں ڈالتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''سعد کو تو سب ہی رنگ اچھے لگتے ہیں؟'' وہ خود بخود مسکرا دی۔

''تم رنگوں کے لیے نہیں بنی ہو رنگ تمہارے لیے بنے ہیں۔ جو رنگ پہنتی ہو وہ خود رنگین ہو جاتا ہے۔'' اسے سعد کا تعریف کرنے کا خاص انداز یاد آ گیا اور وہ شرما گئی' اسے لگا اس کے اردگرد سعد کی گہری گہری آنکھیں ہوں۔ گنگناتی' گدگداتی آنکھیں۔

''بلیو کلر......ہاں میری وہ بلیو ساڑھی سعد کو بھی بہت پسند ہے وہی پہن لوں گی۔'' اس نے سوچ کر فیصلہ کیا اور مطمئن ہو کر اپنے کام میں مگن ہو گئی۔

☆======☆======☆

صبورہ خاتون بیگم فرقان کی تیمارداری کر کے لوٹیں تو رامین تقریباً سارا کام ختم کر چکی

تھی۔ انہوں نے تعریفی نظروں سے بہو کو دیکھا۔

''چلو اب باقی میں دیکھتی ہوں۔ تم جا کر نہاؤ اور جلدی سے فریش ہو کر آؤ پھر کھانا کھاتے ہیں۔''

''بس امی جان تھوڑا سا کام رہ گیا ہے۔'' اس نے مچھلی کا آخری پیس بھی ڈیپ فرائیر سے نکال کر اخبار پر رکھا۔

''نہیں بس اب تم جاؤ۔ پلاؤ کی یخنی تو تیار ہے اسے تڑکا میں لگا دیتی ہوں۔'' انہوں نے اپنی ساڑھی کا پلو سمیٹ کر دوسری طرف سے کمر کے گرد لپیٹ کر اسے کمر پہ اڑس لیا۔ یہ ان کے ایزی ہونے کا انداز تھا۔ رامین نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور ''جی بہتر امی جان!'' کہہ کر کچن سے جانے لگیں۔

صبورہ خاتون نے پلاؤ کو تڑکا لگانا شروع کیا اور دوسری طرف بوا کے ہاتھ بھی تیزی سے چلنے لگے۔ وہ کھانے کی میز پر برتن لگانے لگیں۔

☆======☆======☆

''چلو عمیر جلدی کرو دیر ہو رہی ہے؟'' سعد خان نے یہ تیسری بار جھانک کر بھائی سے کہا تھا۔

''بھائی جان آپ لوگ چلے جائیں مجھے رہنے دیں۔'' اس نے جان چھڑانے کی بہت کوشش کی تھی مگر اس کی کون سنتا۔

''چلو چلو فوراً تیار ہو جاؤ نخرے مت دکھایا کرو۔'' رامین بھی اپنے لمبے بالوں کا جوڑا بناتی آ گئی۔

''مگر بھابی میں وہاں کیا کروں گا جا کر۔''

''اپنے لیے لڑکی پسند کرنا اور کیا کرو گے۔'' سعد خان نے اسے چھیڑا۔

''ہاں عمیر، میں کہہ رہی ہوں اگر آج تم نے کوئی لڑکی پسند نہ کی تو بس میں پھر اپنی پسند کو فائنل کر دوں گی۔'' صبورہ خاتون نے بھی اسے دھمکی دے ڈالی۔

''بس بس امی جان بہت ہو گئی آپ اپنی پسند کو فائنل کریں اور کریں بھائی کی شادی......''

ارم بھلا کب موقع ہاتھ سے جانے دیتی اس نے بھی پورا پورا بدلہ لیا۔ کیونکہ وہ بھی تو بہن کو بہت تنگ کیا کرتا تھا۔ کتنا چڑایا کرتا تھا اسے بات بات پر، وہ شاپنگ پہ لے جانے کو کہتی تو کیسے نخرے اور رعب دکھایا کرتا تھا۔

''ویسے امی اب فیصلہ آپ ہی کر لیں تو بہتر ہے۔'' سعد خان کو بھی مزہ آ رہا تھا وہ بھی ٹکڑے لگائے چلے جا رہے تھے۔

''لگتا ہے سب نے مل کر میرے خلاف محاذ قائم کر لیا ہے۔'' وہ زچ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''جسے دیکھو میرے ہی پیچھے پڑا ہے۔'' اس نے زور سے اپنی وارڈ روب کھولی۔

''ذرا بن ٹھن کر چلنا۔ ایسا نہ ہو جسے تم پسند کر لو وہ تمہیں ناپسند کر دے۔'' سعد خان نے پھر اسے چھیڑا۔

''بھائی جان آپ تو بس کریں۔'' وہ روہانسا ہو گیا۔

''دیور جی آپ بھی تو بس کریں ہمیں تنگ کرنا اور پسند کر لیں کسی لڑکی کو......؟'' رامین نے آگے بڑھ کر وارڈ روب سے اس کے لیے نیوی بلیو سوٹ نکالا اور ہینگر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''آخر میری شادی کی کیا جلدی ہے آپ لوگوں کو۔'' وہ گھور کر بھابی کو دیکھنے لگا۔

''یہ بحث بعد میں ہو گی فی الحال آپ تیار ہوں جلدی سے۔ ہمیں پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔'' ارم نے بھائی کو باتھ روم میں دھکیلا۔

''ارے واقعی......'' سعد خان نے گھڑی دیکھی۔ ''یہ نہ ہو کھانا ختم ہو چکا ہو ہمارے ہاں پہنچنے تک......اب تو شادی والے روز کھانا بھی نہیں ملتا مہندی کی رات جو مل گیا سو مل گیا۔'' انہیں کھانے کی فکر ہونے لگی ویسے بھی وہ بھوک زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

''آپ کو تو بس کھانے کی پڑی رہتی ہے۔'' رامین اپنے شوہر کی عادت کو جانتی تھی۔

''اور آپ کو؟'' انہوں نے گہری گہری نگاہیں اس پر گاڑ دیں۔

''توبہ ہے۔'' وہ بوکھلا گئی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔ جہاں ارم اپنے بھائی کی اس شرارت کو دیکھ چکی تھی اور اس کی آنکھوں میں بھی شرارت ہی تھی۔

''عمیر جلدی کرنا۔'' اسے کچھ اور نہ سوجھا تو پھر عمیر کو پکارنا شروع کر دیا۔

''ارے میں بھی جلدی سے بال بنا لوں۔'' ارم بہانے سے کھسک گئی۔

''ذرا آپ چلیں گی۔'' سعد خان نے ذرا جھک کر بیوی کی آنکھوں میں دیکھا۔

''کہاں؟'' وہ گھبرا گئی۔

''اپنے کمرے میں۔'' سعد خان نے اس کی ساڑھی کا پلو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''کک......کیوں؟'' اس کے قدم زمین سے جڑ گئے اور پلکوں پر منوں بوجھ آ گیا۔

''بھئی مجھے ٹائی لگانی ہے۔ چلو نکال کر دو۔'' وہ ایک دم سیریس ہو گئے۔ اسے زیادہ

ستانا انہیں اس وقت مناسب نہ لگا کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس کی اس حالت سے کافی دیر تک
محظوظ ہوتے۔

''چلیے۔'' اس نے بھی ذرا خفگی سے میاں کو آنکھیں دکھائیں۔

''جناب عالی۔'' وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر کورنش لائے پھر دونوں مسکراتے ہوئے اپنے
کمرے کی طرف چل دیئے۔

☆======☆======☆

''خان ہاؤس'' کے یہ مکین لگتا تھا جس مٹی سے بنائے گئے تھے وہ محبت اور چاشنی سے
گوندھی تھی۔ محمد احمد خان آرمی افسر تھے اور 1971ء کی جنگ میں وطن کی آبرو پر قربان ہو
گئے تھے اس وقت سعد خان کی عمر چھ برس کی تھی اور عمیر خان دو برس کا تھا جبکہ ارم اس وقت
پیدا بھی نہ ہوئی تھی۔ محمد احمد خان کو بیٹی کا بہت ارمان تھا انہیں بیٹیاں بہت پسند تھیں اور وہ خد
سے بار بار دعائیں کیا کرتے تھے کہ۔

''اے خدایا! تو مجھے بیٹی کی نعمت سے نواز تاکہ میرا گھر بھی رحمتوں سے بارآور ہو۔''

خدا نے ان کی یہ دعا سن بھی لی تھی مگر اس بے نیاز کی بے نیازیاں وہی جانے کہ جب
بیٹی اس دنیا میں آئی انہیں دنیا سے رخصت ہوئے سات ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔

صبورہ بہت مضبوط اعصاب کی عورت تھیں۔ انہوں نے شوہر کی شہادت کو ایک صدمہ
نہیں اپنی خوش بختی جانا تھا۔ وہ جو ایک پل کو محمد احمد کی جدائی برداشت نہ کرتی تھیں۔
برداشت کرنے پر آئیں تو حوصلے کی مثال بن گئیں' پھر حالات اور وقت کی چیرہ دستیوں کے
سامنے وہ ایسی چٹان بنیں کہ گردشیں خود بخود رحمتیں بنتی گئیں۔ محمد احمد خان فوج میں میجر ہونے
کے ساتھ ساتھ ایک زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ بھی تھے۔ لہٰذا صبورہ کو مالی تنگدستی کا
سامنا یوں بھی نہ ہوا اور ویسے بھی ان کا سسرال بے حد اچھا تھا دوسرا وہ خود اتنی اچھی تھیں کہ
کوئی برا ان کے لیے رہا ہی نہ تھا حالانکہ وہ قریشی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ محمد احمد خان
نے انہیں کسی تقریب میں دیکھا اور پسند کر لیا تھا' ان کی شادی آسانی سے نہ ہوئی تھی۔

ان کے خاندان والے اور بہن (ان کی ایک ہی بہن تھی رابعہ) نے صبورہ کے گھر کے
اتنے چکر لگائے تھے کہ ان لوگوں کو اقرار کرتے ہی بنی۔ صبورہ پہلی لڑکی تھی جس کی شادی
خاندان سے باہر ہوئی تھی۔ صبورہ کی رخصتی کے وقت ماں نے کہا تھا۔

''اب تم دو خاندانوں کے درمیان سفیر بن کر جا رہی ہو۔ ذات پات کے فرق کو محبت
سے بالکل ہی مٹا دینا۔''

تب ہی صبورہ نے سسرال میں پہلا قدم رکھتے ہی اس عہد کو اپنی گرہ میں باندھ لیا تھا
لہ اب یہ گھر اس کا ہے۔

ساس سسر اور نند بلاشبہ بہت اچھے تھے لیکن باقی خاندان والوں کے دل جیتنے میں صبورہ
لو بہت برس کانٹوں پر چلنا پڑا تھا۔ احمد خان کی بے انتہا محبت نے یہ سفر اگرچہ دشوار گزار نہ
ہنے دیا تھا لیکن اتنا سہل بھی نہ تھا مگر وہ اپنے عہد کی پکی تھیں۔ محبتوں کی سفیر بنی تھیں تو محبتیں
ھیلاتی ہی گئیں۔

احمد خان کی شہادت کے دوسرے ہی برس ان کے سسر آفتاب احمد خان بھی وفات پا
ئے تب ان پر ذمہ داریوں کا ایک پہاڑ آن گرا تھا۔ زمینوں کی دیکھ بھال' خاندان کے مسئلے اور
پنے بچوں کی پرورش۔ مگر یہ سب کچھ انہوں نے بہت ہمت سے کیا تھا۔ خدا سے ان کا تعلق
ت گہرا تھا۔ ہمیشہ خدا سے مدد مانگتی تھیں' اور خدا نے بھلا کب اپنے مانگنے والوں کو تہی داماں
ھا ہے۔ ان کا دامن خدا کی رحمتوں سے بھرتا رہا اور رستے آسان ہوتے گئے۔ اور وہ جوان
رت صبورہ خان سے صبورہ خاتون بن گئیں۔

سعد احمد خان نے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلنا اپنے لیے فخر سمجھا اور وہ فوج میں ہی
لیا۔ جبکہ عمیر کو خود صبورہ نے فوج میں نہ آنے دیا وہ چاہتی تھیں ان کا یہ بیٹا سول سروس میں جا
ر ملک و معاشرے کی خدمت کرے۔ عمیر خان نے بہت اعلیٰ اعزاز کے ساتھ وکالت پاس
ی۔ اس کی پریکٹس بھی شاندار جا رہی تھی بہت جلد بہت ساری عزت اس نے خدا کے فضل
ے کما لی تھی۔ اور اب وہ سی۔ ایس۔ ایس کی تیاریاں کر رہا تھا مگر گھر میں سب اس کے پیچھے
ے ہوئے تھے کہ وہ جلد شادی کر لے۔ صبورہ خاتون دوسری بہو لانا چاہتی تھیں۔ رامین کو
یورانی چاہیے تھی' ارم ایک اور بھابی سے اپنے ناز اٹھوانا چاہتی تھی لیکن ایک یہ عمیر تھا کہ اسے
وئی لڑکی بھاتی ہی نہ تھی۔

سعد خان کی شادی بچپن میں ہی ان کی دادی جان اپنی نواسی (رابعہ خان کی بیٹی)
مین سے طے کر گئی تھیں۔ رامین اگرچہ بہت حسین نہ تھی لیکن دیکھنے میں بہت پُرکشش دکھائی
یتی تھی۔ مناسب قد' متناسب جسم اور اس پر اس کے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ۔ وہ بہت سی حسینوں
ے حسین دکھائی دیتی تھی۔ شادی کے بعد سعد خان کی محبت اور صبورہ خاتون کی تربیت نے
سے اور اچھا کر دیا تھا۔

''بیٹا! شادی شدہ عورتوں کو سلیقے سے بن سنور کر رہنا چاہیے اپنے شوہروں کے لیے خود
سنوارنا' خدا کو بھی راضی کرتا ہے۔''

وہ ہمیشہ رامین کو سمجھاتیں اور اب تو اسے عادت پڑ گئی تھی ہر بات میں سعد کی پ
مدِنظر رکھنے کی۔

عمیر بھی بس یہی چاہتا تھا کہ اس کی شریکِ حیات بھی رامین کی طرح ہو۔ وہ تھوڑا
پرست بھی تھا کہتا تھا کہ اگر وجودِ زن سے خدا نے تصویرِ کائنات میں رنگ بھرا ہے تو ا
رنگوں اور خوشبوؤں کا مجموعہ ہونا چاہیے۔ اسے نازک اندام لڑکیاں پسند تھیں فربہ بدن جا
کیوں اسے اچھی نہ لگتی تھیں۔ ابھی تک اسے کوئی لڑکی بھائی ہی نہ تھی مگر صبورہ خاتون فیص
چکی تھیں کہ اب وہ اپنی مرضی کریں گی۔ خاندان کی کئی لڑکیاں ان کی نظر میں تھیں۔ آج ا
یہ آخری وارننگ اسی لیے دی گئی تھی۔

☆======☆======☆

جب وہ لوگ میرج ہال پہنچے تو مہندی کی رسم ہونے ہی والی تھی۔ یہ صبورہ خاتو
خالہ زاد بہن نورینہ کی بیٹی واجدہ کی مہندی تھی اور صبورہ خاتون کا سارا میکا بھی جمع تھا۔

''آپا! اتنی دیر کر دی آپ لوگوں نے۔'' نورینہ آگے بڑھیں وہ کچھ خفا تھیں۔

''بس نورینہ دیر ہو ہی گئی میں معذرت خواہ ہوں۔'' انہوں نے ایک نظر عمیر پر ڈا
دیر اسی کی وجہ سے ہوئی تھی۔

''ارے خیر آپا! دیر ہو ہی جایا کرتی ہے ایسے موقعوں پر۔'' صبورہ خاتون اتنی محبت
بہن سے گلے ملیں کہ وہ فوراً ہی شکوہ بھول گئیں۔

''بس آپ ہی کا انتظار تھا۔ آیئے۔'' انہوں نے ان کا ہاتھ تھاما اور لے جا کر سب
اگلی نشستوں پر بٹھا دیا۔ سعد خان اور رامین سامنے والی رو میں بیٹھے اپنے رشتہ دارو
ملنے چلے گئے۔ صبورہ خاتون اپنی ہم عمروں میں سلام دعا کرنے لگیں اور ارم تو آتے
لڑکیوں میں جا بیٹھی جہاں اسٹیج پر ڈھول پر خوب تھاپ پڑ رہی تھی اور اس سے بڑھ کر تا
کی گونج اور لڑکیوں کا گلے پھاڑ کر گانا' لڑکے والے آ چکے تھے لہٰذا گانوں کا مقابلہ زورو
تھا۔ عمیر بڑی دلچسپی سے اس مقابلے کو انجوائے کر رہا تھا۔

''یہ لیجیے ٹھنڈا۔'' کسی نے گلا کھنکار کر اس کی توجہ ہٹائی۔

''آں...... ہاں......'' وہ چونکا۔ یہ اس کی خالہ زاد ماریہ تھی۔ اورنج کلر کے اَ
اسٹائل کام دار سوٹ پر ویسا ہی میک اپ کیے۔ وہ بہت چارمنگ لگ رہی تھی۔

''جی شکریہ۔'' عمیر نے کوک اس کے ہاتھ سے لے لی۔ وہ ایک ادا سے مسکرائی
آگے بڑھ گئی۔ عمیر نے دیکھا اس کی پشت پر لہراتی چوٹی اس بات کی غماز تھی کہ اس کے

خاصے خوبصورت اور لمبے ہیں مگر قد...... قد سے مار کھا گئی۔ وہ اس کے بُوٹے سے قد پر مسکرا
دیا۔ ورنہ......؟ دل سے آواز آئی۔

''ورنہ سوچا جا سکتا تھا......'' اس نے بھی خوش دلی سے جواب دیا۔

''کیوں دیور جی۔ فائنل سمجھیں۔'' رامین جانے کب سے اسے نوٹ کر رہی تھی فوراً ہی
اس نے اس کی یہ چوری پکڑ لی۔

''جی نہیں۔'' اس نے مذاق سے بھابی کو منہ چڑا دیا۔

''لیکن یہ سوچ لو کہ آج فیصلے کا دن ہے۔ اگر تم نے اپنی پسند نہ بتائی تو امی جان کی پسند
قبول کرنی پڑے گی۔'' وہ معنی خیز انداز میں عمیر کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

''امی جان کی پسند۔'' وہ تھوڑا الرٹ ہو گیا۔

''جی جناب...... وہ پسند کر چکی ہیں تمہارے لیے لڑکی۔''

رامین نے ایک ایک لفظ ذرا چبا کر کہا تو اسے لگا معاملہ واقعی سیریس ہو گیا ہے۔

''کک کون ہے وہ۔'' اب اسے فکر تھی۔

''خدا جانے۔'' وہ جان بوجھ کر انجان بن گئی۔

''بھابی پلیز۔'' اس نے دوسری طرف جاتی رامین کو بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

''بتائیں ناں...... آپ کو سب پتا ہے۔''

''مجھے کچھ پتا نہیں۔''

''پتا ہے آپ بتانا نہیں چاہتیں۔'' وہ زچ ہو گیا۔ اسے غصہ جلدی آ جاتا تھا۔ بس یہی
ایک خامی اس میں بہت بڑی تھی اور اس پر وہ اپنی امی جان سے کئی بار ڈانٹ کھا چکا تھا۔

''جاؤ نہیں بتاتی' پتا ہے مجھے پھر......'' وہ بھی ستانے کے موڈ میں تھی' بنا بتائے ہی وہاں
سے اٹھ گئی۔ عمیر کو چونکہ غصہ آ چکا تھا اس لیے اس نے بھی نہ روکا۔ پھر مہندی کی رسمیں کیسے ادا
ہوئیں مقابلہ کیسا رہا؟ وہاں کون کون موجود تھا؟ عمیر کے لئے سب کچھ غیر اہم ہو گیا۔ وہ
کھانے کے وقت بھی چپ چاپ رہا اور رامین جان بوجھ کر اسے دور دور سے دیکھ کر مسکراتی
اور جلاتی رہی۔

وہاں رنگ ونور کا سیلاب تھا۔ ایک سے ایک حسین لڑکی موجود تھی وہ جسے پسند کرتا صبورہ
خاتون اسے ہی بیاہ کر لاتیں کیونکہ صبورہ خاتون کو کوئی انکار نہ کرتا بلکہ بیٹیوں والے تو چاہتے
تھے کہ ان کی بیٹی صبورہ کی بہو بنے۔ مگر یہ عمیر...... اب تو ویسے بھی اس کی سُوئی اٹک چکی تھی
دل و دماغ اسی بات پر جامد ہو کر رہ گئے تھے کہ آخر امی جان نے اس کے لیے کس لڑکی کو پسند

کرلیا ہے؟ وہ بھی اس سے پوچھے بغیر۔ امی جان اتنی سخت کب سے ہوگئیں وہ یہی سوچتا رہا اور مہندی کا فنکشن ختم ہوگیا۔ اور وہ لوگ نورینہ خالد سے اجازت لے کر واپسی کے لیے چل پڑے۔

☆======☆======☆

''بھائی! آپ کو امی بلا رہی ہیں۔'' ارم چائے کا کپ تھامے وہیں آگئی۔

''اٹھیں نا بھائی۔'' اس نے کمبل اس پر سے کھینچ لیا۔

''اوہو کیا ہے؟'' وہ پھر بھی نہ اٹھا اور کمبل دوبارہ اوڑھ کر لیٹ گیا۔

''امی جان! بھائی نہیں اٹھ رہے۔'' اس نے چھوٹے بچوں کی طرح وہیں سے زور سے آواز دے ڈالی۔

''اٹھتا ہوں' اچھا بابا اٹھتا ہوں۔'' دوسرے ہی لمحے وہ ساری سُستی بھول کر اٹھ گیا۔

''جب دیکھو بندریا کی طرح سر پر سوار رہتی ہو' تمہیں اپنا کوئی کام نہیں۔'' وہ ... ہونے لگا۔

''بندریا کیسی ہوتی ہے یہ تو پتا چلے گا۔'' وہ چائے کا کپ وہیں سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بھائی کا کمبل تہہ کرنے لگی۔

''یہ تم لوگ کیا مجھے دھمکیاں دے رہے ہو دو روز سے...... بتانا ذرا......'' وہ لڑنے کو تیار ہوگیا۔

''ہم لوگ کون؟'' اس نے کمبل کو الماری کھول کر رکھا اور بستر درست کرنے لگی۔

''تم اور رامین بھابی۔'' وہ آستین اوپر چڑھاتا غصے سے کہہ رہا تھا۔

''بھائی! انداز تو بہت اچھا ہے۔ بالکل لڑاکا عورتوں والا۔'' وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔

''آج کل کس قسم کے کیس لڑ رہے ہیں آپ؟'' وہ معنی خیز انداز میں بھائی کے قریب ہو کر پوچھنے لگی۔

''ایک لگاؤں گا ادھر سے۔'' وہ جھینپ گیا۔

''ایسے۔'' اس نے تکیہ اٹھا کر اس کے دے مارا اور خود بھاگ کر باہر نکل گئی۔

''پگلی۔'' وہ تکیہ تھام کر ہنس دیا۔

دونوں میں ہر وقت چھوٹے موٹے جھگڑے بھی ہوتے رہتے تھے اور محبت بھی بے انتہا کرتے تھے دونوں۔ ارم کے سارے کام بھی وہی کیا کرتا تھا مگر ہزار نخروں کے بعد وہ بھی

بڑبڑاتے ہوئے۔ صبورہ خاتون اسے بہت سمجھاتیں کہ عمیر اپنے مزاج پر قابو پاؤ بیوی آئے گی تو کہیں تمہاری یہ عادتیں مسئلے پیدا نہ کر دیں مگر وہ اچھا امی جی کہہ کر جلد ہی بھول جاتا تھا۔

☆======☆======☆

وہ صبورہ خاتون کے کمرے میں پہنچا تو ارم اپنا بیگ کندھے پر ڈالے باہر نکل رہی تھی۔

''گڈ لک بھائی۔'' وہ عجیب سی ہنسی ہنستی باہر نکل گئی اور وہ جانے کیا بڑبڑاتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔

''السلام علیکم امی جان۔'' اس نے سر جھکا کر ماں سے دعائیں لیں۔

''جیتے رہو۔'' وہ مسکرائیں۔

''خدا نصیب اچھے کرے۔'' رامین جو ساتھ ہی کرسی پر بیٹھی تھی ہولے سے بولی تو اس نے گھور کر بھابی کو دیکھا۔

''میں تمہارے لیے ناشتہ یہیں لے آتی ہوں۔'' وہ جلدی سے اٹھ کر چل دی سعد خان ...ں آج گھر ہی میں تھے وہ بھی ہنسنے لگے۔

''کیا ہے آج سب لوگوں کو ہنسی کے دورے کیوں پڑ رہے ہیں؟''

''تم نے اپنے سر پر نہیں دیکھا...... دیکھو۔'' سعد خان نے بڑی سنجیدگی سے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا۔

''کک...... کیا ہوا؟'' وہ پریشان ہو کر اپنا سر ٹٹولنے لگا۔

''سینگ نکل رہے ہیں تمہارے۔'' سعد خان نے ایسی حیران شکل بنا کر کہا کہ صبورہ خاتون کو بھی اپنی ہنسی روکنا مشکل ہوگئی۔

''بھائی جان...... آپ بھی......'' وہ خفا ہوگیا۔

''ارے نہیں ناں۔ ابھی کہاں نکلے ہیں ابھی تو آثار ہیں البتہ بہت جلد نکل آئیں گے۔'' انہوں نے پھر بھی اسے ستانا نہ چھوڑا۔

''دیکھیں ناں امی۔'' وہ روہانسا ہونے لگا۔

''سعد بس کرو۔'' انہوں نے اپنی ہنسی ضبط کر کے بیٹے کو ڈانٹا۔

''سوری عمیر۔'' انہوں نے جلد ہی سوری کرلی۔

''ارے نہیں بھائی جان۔'' وہ فوراً شرمندہ ہوگیا۔

''لیں جناب ناشتہ۔'' رامین نے چائے کا کپ اٹھا کر صبورہ خاتون کو دیا اور ٹرالی عمیر کے سامنے کر دی۔ دوسرا کپ سعد خان کو دیا اور ایک کپ اٹھا کر خود لے لیا اور سامنے کرسی پر

بیٹھ گئی۔

''ہریسا اور پراٹھے؟'' عمیر کھل گیا یہ اس کا پسندیدہ ناشتہ تھا۔ وہ بہت چٹورا بھی تھا مگن ہو کر ناشتہ کرنے لگا اور سب لوگ ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے۔ جب وہ ناشتہ کر چکا تو رامین نے آگے بڑھ کر چائے بنا کر اسے دی اور ٹرالی ایک طرف کر دی۔

''ہاں تو عمیر میاں اب کہیے آپ کا کیا ارادہ ہے؟'' سعد خان نے بات شروع کی۔

''جی بھائی جان۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' وہ حیران ہوا۔

''مطلب صاف کہ کوئی لڑکی اگر تم پسند کر چکے ہو تو فوراً بتا دو ورنہ جو امی جان پسند کر چکی ہیں اس پر تو ہمیں سر جھکانا ہی پڑے گا۔'' انہوں نے تفصیل سے اسے بتایا تو اس کے تو چھکے ہی چھوٹ گئے۔

''اتنی کیا جلدی ہے آپ لوگوں کو؟'' اس نے دامن بچانا چاہا۔

''بس اور انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ تمہیں ہم نے بھرپور موقع دیا تھا لیکن اب تمہیں ہمارا فیصلہ قبول کرنا پڑے گا۔'' صبورہ خاتون نے اٹل انداز میں کہا۔

''لیکن امی جان؟''

''لیکن ویکن ختم بس اب تم کچھ نہیں کہو گے۔ کیا ماں کے حکم سے سرتابی کرو گے؟'' انہوں نے جان بوجھ کر اسے جذباتی کرنا چاہا۔ ان کا نشانہ درست بیٹھا تھا۔ واقعی عمیر نے پھر کچھ نہیں کہا وہ چپ ہو گیا تھا۔

''جیسے آپ کی مرضی۔'' وہ مرے مرے انداز میں کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا۔

''واہ امی جان اب مزہ آئے گا۔'' اسے اپنے پیچھے سعد خان کا قہقہہ، رامین اور امی جان کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔

☆======☆======☆

''چلو شکر ہے خدا کا یہ مرحلہ بھی طے ہوا ورنہ مجھے تو ڈر تھا کہ کہیں وہ لوگ انکار ہی نہ کر دیں۔''

شام کے وقت وہ لان میں بیٹھا شام کا اخبار دیکھ رہا تھا جب وہ تینوں گھر واپس آئیں۔

''ویسے لوگ بہت اچھے ہیں۔'' صبورہ خاتون اپنا پرس وہیں میز پر رکھ کر لان میں بچھی کرسیوں پر ہی بیٹھ گئیں۔

''ویسے امی جان ساری بہنیں ہی بہت اچھی ہیں کاش میرا ایک اور بھائی ہوتا تو میں دو بھابیاں لاتی وہاں سے۔'' ارم کچھ زیادہ ہی خوش ہو رہی تھی۔

''اونہہ۔'' عمیر نے اخبار کی اوٹ سے اسے دیکھا۔

''لڑکی کا ذرا قد چھوٹا ہے ورنہ بالکل ہیرا ہے۔'' رامین نے بھی اپنی سنائی۔

''چھوٹا قد۔'' عمیر کے کان کھڑے ہو گئے اور دل کو کچھ ہونے لگا۔

''اور ذرا سی صحت مند بھی ہے۔ مطلب تھوڑی سی موٹی مگر بھئی اخلاق کی بہت اچھی ہے۔''

''موٹاپے کا کیا ہے ویسے بھی اکثر لڑکیاں شادی کے بعد ذرا وزنی ہو ہی جاتی ہیں۔ اصل بات تو مزاج کی ہے اور مزاج کی وہ بے حد پیاری ہے۔'' رامین جان بوجھ کر ایسی باتیں کر رہی تھی اور اخبار میں منہ دیئے عمیر کا دل دھک دھک کر رہا تھا چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ جی چاہا کہ پوچھے وہ کون ہے کس کی بیٹی ہے؟ کہاں رہتی ہے؟ مگر وہ کچھ نہ بول سکا۔ امی جان نے فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی زبان ویسے ہی بند کر دی تھی۔ وہ جل کر اٹھا اور اندر جانے لگا۔

''کیا ہوا دیور جی۔ لڑکی کی تصویر تو دیکھتے جائیں۔'' رامین نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''ایسی ہیرا لڑکی کو آپ ہی دیکھیں۔'' وہ موڈ خراب کر کے اندر چلا گیا۔

''ہاں بھائی اب آپ تو عمر بھر دیکھیں گے۔'' ارم نے آواز کسی اس کا جی چاہا پلٹ کر جائے اور تصویر ان کے ہاتھ سے لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور کہہ دے مجھے نہیں کرنی شادی مگر وہ خون کے گھونٹ پیتا اندر چلا گیا۔

''ساری اکڑ نکل جائے گی۔ صاحبزادے درست ہو جائیں گے۔'' صبورہ خاتون بیٹے کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

''بھابی! تصویر نہیں دکھانی بھائی کو بالکل بھی۔'' ارم نے رامین کے ہاتھ سے تصویر لے لی۔

''تم فکر نہ کرو وہ اب دیکھے گا بھی نہیں۔'' وہ مسکرائی۔

''اور اگر دیکھ لیا تو۔'' ارم کو بھائی کی اس حالت کا سوچ کر ہی ہنسی آ رہی تھی۔

''تو دیکھتا رہ جائے گا۔'' صبورہ خاتون نے تصویر اٹھا کر اپنے سامنے کر لی۔

''ویسے ہے زیادتی۔''

''کس کے ساتھ۔'' ارم چونکی۔

''لڑکی کے ساتھ۔'' رامین بھی تصویر پہ جھک گئی۔

''ہمارے ساتھ روٹھا رہتا ہے ہر وقت۔ اس بیچاری کا کیا حال کرے گا؟''

"خدا بہتر کرے گا۔" صبورہ خاتون نے دعا دی۔

پھر وہ تینوں دیر تک لڑکی والوں کی طرف سے ہاں ہو جانے پر خدا کا شکر ادا کرتی رہیں اور شادی کی تیاریوں کے لیے پلان بناتی رہیں۔ منگنی وغیرہ کے چکر میں نہ وہ پڑنا چاہتی تھیں نہ لڑکی والے لہٰذا ایک ماہ بعد شادی کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ لڑکی والوں نے لڑکے کو دیکھا ہوا تھا ان کے خاندان کو بھی جانتے تھے۔ ویسے بھی یہ بات پچھلے ایک ماہ سے چل رہی تھی سوائے عمیر کے سب کو اس کی خبر تھی۔ اسے صرف چار پانچ روز پہلے یہ بات پتا چلی تھی جب تک فیصلہ ہو چکا تھا۔

"خدا جانے ان سب نے مل کر کیا پسند کر لیا ہے میرے لیے' کاش میں خود ہی پہلے فیصلہ کر لیتا۔" وہ اوندھے منہ بستر پر لیٹا سوچ رہا تھا۔

"قد چھوٹا ہے اور موٹی ہے۔" خوفزدہ ہو کر وہ سیدھا ہو گیا۔

"میرے دوست تو میرا بہت مذاق اڑائیں گے اور سب سے زیادہ حشام...... ہاں حشام۔"

حشام کا خیال آتے ہی اس کے ذہن میں بجلی سی کوندی۔

"کیوں نہ حشام سے کچھ مشورہ کریں وہ ضرور کوئی حل نکالے گا۔" وہ تیزی سے اٹھا اور حشام کے پاس جانے کی تیاری کرنے لگا۔

☆======☆======☆

"بہت اچھا ہوا۔" حشام نے ساری بات سن کر ایک قہقہہ لگایا۔

"میری ہی غلطی تھی جو تمہیں اپنا دوست سمجھتا رہا۔" اسے پھر غصہ آ گیا۔

"اور میں تو تمہارا دشمن ہوں۔ ہے ناں۔" اس نے اس کے پھولے ہوئے منہ کو اوپر اٹھایا۔

"بکومت۔" وہ بھی ہنس پڑا۔

اس کا غصہ بس ایسا ہی ہوتا تھا ہوا جیسا' ایک پل میں ہوا ہو جاتا تھا اگر دوسرا جلد اس کو سمجھ لیتا ورنہ یہی ہوا اس کے دماغ میں اگر گھسی رہتی تو حبس مچا دیتی تھی اس کے اندر اور وہ گھنٹوں کڑھتا رہتا تھا۔

"یار! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟" وہ خاصا روہانسا ہو رہا تھا۔

"انکار کر دو بات ختم۔" حشام نے بہت آسانی سے کہہ دیا۔

"کیا' انکار کر دوں؟ میں امی جان کی پسند' ان کے فیصلے کے سامنے انکار کر دوں؟" اس

نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا وہ آنکھیں پھاڑ کے حشام کو دیکھ رہا تھا۔

"تو پھر صبر کرو۔" وہ ویسا ہی پُرسکون تھا۔

"اور کوئی حل نہیں کہ میرا مسئلہ بھی حل ہو جائے اور امی جان بھی ناراض نہ ہوں۔" وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

"ہے۔" اس نے بڑی رازداری سے کہا۔

"کیا! جلدی بتاؤ؟" وہ بے تاب تھا۔

"شادی کر لو اور لڑکی کو اپنی بیوی بنا کر کمپرومائز کر لو۔" اس نے آہستہ سے بتایا مگر عمیر کو تو جیسے آگ ہی لگ گئی۔

"حشام قریشی۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کی گردن دبوچ لی۔

"حشام قریشی کو مرحوم نہ کر دینا۔" اس کی پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"دفع ہو۔" اس نے ایک جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی اور گاڑی کی چابی اٹھا کر جانے لگا۔

"چائے کون پیئے گا۔" حشام نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم ہی ٹھونسو۔"

"آں ہاں چائے ٹھونستے نہیں پیا کرتے ہیں۔" سامنے سے چائے کی ٹرالی کو کھینچتی مائدہ آ گئی۔ یہ حشام کی چھوٹی اور لاڈلی بہن تھی۔ عمیر کو بھی وہ بہنوں ہی کی طرح عزیز تھی۔

"سوری۔ سوری۔" وہ شرمندہ ہو کر بیٹھ گیا۔

"یار! تم بھی ٹھیک انہی سے ہوتے ہو۔ میرے تو خواہ مخواہ لتے لیے رکھتے ہو۔" حشام نے کباب اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے مائدہ کی طرف اشارہ کیا تو وہ مسکرا دی۔

"شکر؟"

"ساری ہی ڈال دو۔ آج یہ بہت کڑوا ہو رہا ہے۔" حشام نے مائدہ کے شکر پوچھنے پر پھر عمیر کا مذاق اڑایا۔

"خیریت؟" مائدہ نے ڈیڑھ چمچ شکر چائے میں ملا کر پیالی عمیر کو تھمائی۔

"کہاں۔ بیچارے کی شادی ایک چھوٹے قد کی موٹی لڑکی سے ہو رہی ہے۔ ہائے وہ گل بداماں...... نازک بدن پریاں جو ان کے خوابوں میں آیا کرتی تھیں۔" وہ کوئی موقع نہ جانے دے رہا تھا اور بھگو بھگو کر عمیر کو مار رہا تھا۔

"باز آ جاؤ حشام ورنہ......" اس نے چائے کی پیالی واپس ٹرالی پر رکھ دی۔

''اچھا اچھا میری توبہ۔'' حشام نے کانوں کو ہاتھ لگا کر پیالی اٹھائی اور دوبارہ اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ مائدہ ان دونوں کی اس نوک جھونک پر مسکرا رہی تھی۔

''ارے نہیں عمیر بھائی وہ تو بہت Good looking ہے۔''

''کیا...... کہا تم نے اسے دیکھا ہے مجھے بتاؤ کیسی ہے گھر میں تو کوئی مجھے بتاتا ہی نہیں۔'' وہ خوش ہو کر مائدہ کے قریب آ گیا۔

''بھئی زیادہ بھی موٹی نہیں ہے بس ذرا سی وزنی ہیں مگر شکل کی بہت پیاری ہیں۔''

''مطلب ابھی جتنی وزنی ہیں شادی کے بعد تو مزید وزنی ہو جائیں گی۔'' حشام نے پھر مائدہ کی بات اچکی۔

''بھائی آپ تو چپ کریں۔'' مائدہ نے بھائی کو آنکھیں دکھائیں تو اس نے پھر منہ پر انگلی رکھ لی مگر آنکھوں سے صاف شرارت ٹپک رہی تھی۔

''قد بھی زیادہ چھوٹا نہیں بس بابرہ شریف جتنی ہوں گی لیکن بھئی بہت زیادہ سلیقہ شعار اور بااخلاق ہیں میں تو ایک لمحے میں ان کی گرویدہ ہو گئی تھی۔ آپ تو بہت لکی ہیں عمیر بھائی جو آپ کو اتنی اچھی بیوی مل رہی ہے۔'' اس نے ساری بات بتا کر عمیر کی طرف مسکرا کر دیکھا مگر اس کے چہرے پہ ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''اچھا اب میں چلتا ہوں۔'' اس نے چائے کی پیالی خالی کر کے واپس رکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''یار! پوری تفصیل تو سن لو۔ ہاں مائدہ اور بتاؤ گھر میں تو کوئی اسے بتاتا نہیں۔'' حشام نے پھر وار کیا۔

''بکومت۔'' اس نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹکا اور باہر نکل گیا۔

''سنو تو...... سنو تو۔'' حشام پیچھے لپکا مگر اس نے ایک نہ سنی اور تیزی سے گاڑی اسٹارٹ کی اور چلا گیا۔

''ڈفر۔'' حشام نے آسمان کی طرف دیکھ کر زور سے قہقہہ لگایا۔

☆======☆======☆

سارے گھر میں شادی کے ہنگامے برپا تھے۔ ہنسی کی جلترنگ تھی' ڈھولک کی تھاپ پر گانے گائے جا رہے تھے۔ ہر روز رات گئے تک محفل سجی رہتی۔ مگر وہ اپنے کمرے سے باہر ہی نہ نکلتا یا پھر دیر تک گھر سے باہر گاڑی سڑکوں پر لیے گھومتا رہتا۔ آج کل اس نے سارے کیس بھی فائل بند کر کے رکھ دیئے تھے۔ ذہن بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔ اس کی شادی میں

صرف چار روز رہ گئے تھے اور اسے لگ رہا تھا کہ اسے پھانسی ہونے میں چار روز رہ گئے ہوں۔ اس کے سارے خواب سارے تاج محل مسمار ہو رہے تھے۔ پہلے وہ آنکھیں بند کرتا تھا تو ایک اَن دیکھی مگر دل کے انتہائی قریب رہنے والی ایک نازک اندام خوبصورت سی پری چھم سے پلکوں تلے آ جاتی تھی اور اب تو چاروں طرف اسے لگتا چھوٹی سی فٹ بال جیسی لڑکی۔ اس کے اردگرد پھدکتی پھر رہی ہو اور وہ ڈر کے مارے آنکھیں کھول دیتا۔

''اوہ خدایا۔'' وہ روہانسا ہو جاتا۔

''میں کیا کروں گا؟'' یہ ایسا سوال تھا جس کا کوئی جواب اسے خود سے نہ ملتا تھا۔

آج اس کی مہندی تھی صبح ہی سے گھر میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ ان کے سب رشتے دار آ چکے تھے۔ خاص طور پر پھپھو رابعہ (رامین کی امی) تو اپنی پوری فیملی سمیت انگلینڈ سے آئی تھیں وہ لوگ کچھ عرصہ ہوا انگلینڈ جا آباد ہوئے تھے اور اب پورے دو برس کے بعد پاکستان عمیر کی شادی اٹینڈ کرنے آئے تھے۔ دونوں خالاؤں کے بیٹے بیٹیاں بھی پچھلے پانچ روز سے یہیں براجمان تھے۔ لڑکیاں ویسے بھی مہندی کے فنکشن کے لیے کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوتی ہیں اس لیے وہ تو آج کے دن کی تیاریاں کرنے میں کب سے مصروف تھیں اور آج ان کی محنتوں کے ثمر وصول ہونے تھے۔ دلہن والوں کے ساتھ ان کا ڈنکے کی چوٹ کا مقابلہ ہونا تھا۔ گانے...... لڈی...... سب تیار تھے اور پھر اپنے اپنے کپڑوں اور جیولری کا مقابلہ۔ فیشن کا مقابلہ' صبح ہی سے سب نے اپنے کپڑے استری کر کے ہینگروں پر لٹکا دیئے تھے اور سب ہی بن سنور رہی تھیں۔

وہ صبح ہی سے دل گرفتہ سا منہ لپیٹے اپنے کمرے میں پڑا تھا۔ آج تو اس نے کچھ کھایا پیا بھی نہ تھا۔ بس ایک کپ چائے رامین زبردستی اسے پلا گئی تھی۔ اس کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔ آج تو بچوں کی طرح رونے کو اس کا جی چاہ رہا تھا اسی افسردگی میں اسے کچھ پتا نہ چلا کہ کب رات ہوئی اور کب مہندی کا فنکشن شروع بھی ہو گیا۔

''چلیں دیور جی۔'' گرین کامدار ساڑھی میں سجی سنوری رامین اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''کہاں؟'' وہ چونک اٹھا اور غور سے رامین کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔

''چلیئے جناب! پہلے ہی دیر ہو رہی ہے؟'' رامین نے بازو سے پکڑ کر اسے اٹھا دیا۔

''آپ کے سسرال والے آ چکے ہیں اور وہ مہندی کی رسم پہلے کرنا چاہتے ہیں بعد میں

گانے بجانے ہوتے رہیں گے۔ چلو باتھ روم میں گھسو اور اپنی حالت جلد درست کر کے باہر آؤ۔''

وہ اپنی کہے جا رہی تھی اس نے زبردستی اسے باتھ روم میں دھکیلا اور مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔ یہ کہتی ہوئی کہ ''حشام کو بھیجتی ہوں وہی درست کرے گا اسے آ کر۔'' تھوڑی دیر بعد حشام اس کے سر پر سوار تھا۔

''بھئی جلدی کرو۔'' وہ بار بار باتھ روم کا دروازہ پیٹ رہا تھا اور ہاتھ ملتا اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔

''نکلتے ہو باہر یا......'' وہ دروازہ پیٹنے کو دوبارہ آگے بڑھا تو وہ تولیے سے چہرہ رگڑتا باہر آ گیا۔

''کیا مصیبت ہے؟'' اس کا موڈ کچھ اچھا نہ تھا۔

''مصیبت نہیں قیامت ہے یار جلدی کرو ناں؟'' اس نے ایک آنکھ کا کونا دبا کر شرارت سے اس کی طرف دیکھا اور الماری کھول کر اس نے سبز راء سلک کی پگڑی اس کے سر پر رکھی اور سیٹ کرنے لگا۔

''واہ...... بالکل شہزادہ لگ رہا ہے۔'' اس نے نظر بھر کے اپنے دوست کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی بہت اچھا لگ رہا تھا۔ سفید لٹھے کے کُرتے شلوار پہ سبز سلک کی پگڑی۔ شیو اس کی بڑھی ہوئی تھی آنکھیں بے خوابی کی وجہ سے گلابی اور متورم ہو رہی تھیں۔

''یار تم تو آج کسی فلم کے غمزدہ ہیرو لگ رہے ہو۔ ایسے حسن پر لڑکیاں بہت مرتی ہیں۔ خدا خیر کرے۔'' اس نے ذرا سرگوشی سے کہا۔

''اور مُردہ دل...... ٹوٹے خواب۔'' عمیر نے کچھ اس قدر دکھ سے کہا کہ ایک لمحے کو حشام کا دل بھی دکھ گیا اور اسے اس کی حالت پر رحم آنے لگا مگر دوسرے ہی لمحے شرارت پھر اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔

''یہ بھی چاند ہوتے ہیں حسن کے...... غم اور آنسو...... آہ۔'' وہ ایکٹنگ کرنے لگا۔

''کبھی تم ان سے آشنا ہوئے تو پوچھوں گا؟'' وہ ویسا ہی رونی شکل بنائے ہوئے تھا۔

''اچھا بس اب چلو۔'' اس نے اسے کندھوں سے تھاما اور باہر لے جانے لگا۔

''ارے واہ بھئی آپ تو بہت زبردست لگ رہے ہیں۔'' سامنے سے ارم اپنی ڈھیروں کزنز کے ساتھ آ گئی۔

''واقعی یو لکنگ اے پرنس (You looking a prince)۔'' رامین کی چھوٹی

بہن اور عمیر کی پھپھوزاد بہن رمشاء نے بھی اس کی تعریف کی۔

''تھینک یو۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اسے کہنا پڑا۔

''چلو بھئی جلدی کرو۔'' رامین بھی اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتی آ گئی۔ رمشاء، مائدہ، ماریہ اور زرغونہ نے سرخ کامدار دوپٹے کے چاروں کونے تھام کے دوپٹہ اس کے اوپر تان دیا۔ رامین اور ارم نے اسے آگے بڑھ کر کندھوں سے تھاما۔

''ٹھہریں بھئی پریوں کے اس جلوس میں ایک شہزادہ اور ہے۔'' حشام نے بھی جھک کر دوپٹے کا ایک کونا اٹھایا اور وہ بھی عمیر کے ساتھ جڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''بھائی کیا آپ کے بھی دو بول پڑھوا دیں کل۔'' مائدہ نے اپنے بھائی کو چھیڑا۔

''شیور۔ بس ذرا آج میں کوئی مہوش پسند کر لوں۔'' اس نے اپنے کندھے اچکائے۔

''بشرطیکہ مہوش بھی آپ کو پسند کر لے۔'' ایک دھیمی سی آواز سنائی دی۔ حشام نے ''آں......'' کر کے آواز کی جانب دیکھا۔ رمشاء چہرہ دوسری جانب کیے ہنس رہی تھی۔ وہ ہنسی تو اس کے گالوں میں بڑے حسین ڈمپل پڑ رہے تھے اور سیاہ آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ حشام نے ایک نظر بھر کے اسے دیکھا اور پھر مسکرانے لگا۔

''آف کورس۔''

''بھائی اس طرح کا منہ تو نہ بنائیں۔'' ارم نے عمیر کا سُوجا ہوا منہ دیکھا تو شکایت کرنے لگی۔

''تو کیسا بناؤں۔'' وہ پھر کھانے کو دوڑا۔

''ایسا۔'' ارم نے اپنی باچھیں پھیلا دیں جس پر عمیر کو بے ساختہ مسکرانا پڑا۔

''گڈ۔'' اس نے اپنا سر بھائی کے بازو سے لگا دیا۔

انہوں نے اسے لا کر اسٹیج پر بٹھا دیا۔ جہاں دونوں جانب ڈھولکیاں رکھی ہوئی تھیں یعنی دو پارٹیوں میں ابھی مقابلہ شروع ہونے والا تھا۔ پہلے مہندی کی رسم شروع ہوئی۔ اس کی سب کزنز اس کے پیچھے کھڑی گا رہی تھیں۔

مہندی الڑ سولڑے نوں لانی امڑی۔

ساری کی ساری مسرت نذیر کی چیلیاں بننے کی کوشش میں اچھے خاصے گلے پھاڑ رہی تھیں۔ حشام نے گھور کر سب کو دیکھا۔

''بے سُری ذرا سُر میں گاؤ۔''

''بھلا کیسے؟'' رمشاء نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں نکالیں۔

"ایسے۔"

"مہندی الڑسولڑے نوں لانی امڑی۔"

حسام نے باقاعدہ گا کر بتا دیا' وہ تو اچھا خاصا گلوکار تھا کالج میں اکثر اسٹیج پر گایا کرتا تھا۔ رمشاء کچھ شرمندہ ہوگئی۔

"But never mind......آپ بے سُرا ہی گائیں۔" اس نے سرگوشی کے سے انداز میں رمشاء کے قریب ہو کر کہا تو وہ گھبرا کر دو قدم پرے ہوگئی۔

"بھائی ذرا مسکرائیں مووی بن رہی ہے۔"

ارم نے پھر عمیر کے کان میں ذرا ڈانٹنے والے انداز میں کہا تو اسے زبردستی مسکرانا پڑا۔

آف وائٹ سلک کی ساڑھی میں ایک دراز قد اور خاصی مدبری خاتون اس کی امی جان کے ساتھ اسٹیج پر آئیں تو رامین نے جھک کر سرگوشی کی۔

"تمہاری ساس آرہی ہیں ادب سے اور مسکرا کر سلام کرنا۔"

"السلام علیکم۔" اس نے بالکل کسی فرمانبردار بچے کی طرح تعمیل کی۔

"جیتے رہو۔" انہوں نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور رامین کے ہاتھ میں تھامی مہندی کی پلیٹ سے ذرا سی گیلی مہندی لے کر عمیر کی ہتھیلی پر لگادی۔ اور ایک گلاب جامن اٹھا کر اس کے منہ میں ڈال دیا۔

"لیجیے جناب رسمِ حنا کا افتتاحی فیتہ کٹ گیا اب باقاعدہ پروگرام شروع ہوگا۔" حسام جو عین اس کے سر پر کھڑا تھا لائیو کمنٹری دینے لگا۔

"میاں آپ کی رسم حنا کب ہے؟" انہوں نے حسام کی بات سن لی اس لیے مسکرا کر کہنے لگیں۔

"جی وہ؟" حسام کھسیانا سا ہو کر سر کھجانے لگا اور وہ اس سچویشن کے لیے تیار نہ تھا۔

"جیتے رہو۔ ہنستے مسکراتے رہو۔" انہوں نے فوراً پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر دیا اور یہ کہتی ہوئی اسٹیج سے اتر گئیں کہ "لو بھئی اب باقاعدہ پروگرام شروع کرلو۔"

عمیر بڑے غور سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"کتنی سوبر اور زندہ دل خاتون ہیں۔ اور حسین بھی......" اس کا دل اپنی ساس کو دیکھ کر خوش ہوگیا۔

"کیوں میاں کہاں گم ہو۔ ابھی سے......؟" ایک ویسی ہی آواز پھر اس کے کانوں سے ٹکرائی عمیر نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔

"تمہاری بڑی سالی صاحبہ ہیں سلام کرو۔" رامین نے پھر جھک کر سرگوشی کی۔

"السلام علیکم۔" وہ مسکرا دیا۔

"وعلیکم السلام۔ خاصے فرمانبردار ہو اچھے شوہر ثابت ہوگے۔" نویرہ (اس کی بڑی سالی) نے مہندی کی رسم ادا کرتے ہوئے خاصی شوخی سے کہا۔

"جی بلاشبہ۔" حسام بھلا کب چپ رہ سکتا تھا اس نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔ عمیر نے گھور کر اسے دیکھا تو اس نے فوراً منہ پر انگلی رکھ لی۔ اس کی اس حرکت پر نویرہ بھی ہنس پڑی۔ موتیوں جیسے دانت ایک قطار میں بہت خوبصورتی سے جڑے ہوئے تھے۔ ہونٹ' ناک' آنکھیں۔ سب ہی کچھ تو خدا نے بہت فرصت اور توازن سے بنایا تھا۔ پھر اس کی چھوٹی سالی نانیہ بھی اسٹیج پر آگئی اور اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگی۔ وہ بھی بے حد اسمارٹ' دراز قد اور خوبصورت تھی۔ وہ تین بہنیں اور ایک بھائی تھا کیپٹن سمیر۔ بھائی بھی بڑا ڈیشنگ تھا۔

سب ہی لوگ بہت اچھے تھے اس کے سسر کرنل واجد خان تو بہت ہی زندہ دل آدمی تھے۔ بات بات پر بے باک قہقہے لگاتے تھے۔

"فیملی تو واقعی بہت زبردست ہے۔" وہ دل ہی دل میں اس بات پر خاصا مطمئن اور خوش ہوگیا تھا۔ مگر یہ دل کم بخت اسے تو اس کی فکر تھی جو پوری حیات کی ہم سفر بننے جا رہی تھی۔ "سارا خاندان اس قدر خوبصورت اور اسمارٹ......تو کیا وہ ایک میرے حصے میرے نصیب کی ہی ان سے الگ تھلگ ہوئی تھی۔ موٹی......قد کی چھوٹی' اور......اور......" اس کا دماغ پھر جلنے لگا مہندی کی رسم ختم ہوتے ہی وہ وہاں سے اٹھ گیا۔

رامین اور ارم اسے روکتی ہی رہ گئیں۔

"بھائی! ذرا گانوں کا مقابلہ تو دیکھ کر جائیے گا۔ دیکھیں ذرا ہم کیسے آپ کے سسرال والوں کے چھکے چھڑاتے ہیں۔"

"میرے سر میں شدید درد ہے۔" وہ بہانہ بنا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

"بھئی تم جاؤ۔ ہم تو پریوں کے دیس میں ہی رہیں گے۔" حسام نے اسے لیونگ روم کے دروازے پر ہی خدا حافظ کہہ دیا اور واپس لان کی طرف دوڑا۔ جہاں سے ڈھولک کی تھاپ اور تالیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ الجھا الجھا سا کمرے میں اِدھر اُدھر چکر لگانے لگا۔ اب واقعی اس کے سر میں درد شروع ہوگیا تھا۔ وہ آرام کرسی پر بیٹھ کر جھولنے لگا۔ اس کی انگلیاں اپنی کنپٹیوں کو دبا رہی تھیں اور ذہن آئندہ زندگی کے بارے میں پریشان ہو رہا تھا۔

"میں اپنے ٹوٹے خوابوں کے ساتھ کیسے خوش رہوں گا؟ کیا وہ اپنی خوبیوں سے واقعی

مجھے مطمئن کر دے گی؟ کیا میں اسے وہ پذیرائی‘ محبت کی وہ شدت دے پاؤں گا جو میں
شریکِ حیات کے لیے سوچا کرتا تھا...... میری زندگی کل سے بالکل بدل جائے گی۔
ایک نئی ڈگر پر ایک نئی ساتھی کے ساتھ چل پڑے گی۔ کل اور آج...... اب رات ہے‘
اور پھر شام...... رات۔ اوہ اس قدر کم وقت رہ گیا ہے۔‘‘ وہ خوفزدہ سا ہو کر کرسی سے اُٹھ
گیا اور دوبارہ کمرے میں چکر لگانے لگا۔

’’میں نے تو کتنا کچھ سوچ رکھا تھا۔ ان دنوں کے لیے کہ یہ کروں گا وہ کروں گا۔‘‘

جی چاہا کہ باہر نکل جائے اور ساری رات سڑکوں پر گاڑی بھگاتا رہے لیکن باہر
نہیں سکتا تھا۔ اس نے کھڑکی کھول کر باہر لان میں جھانکا۔ ڈھولک پر بڑی زوردار تھاپ
رہی تھی اور اس کی سالیاں گلا پھاڑ پھاڑ کر گا رہی تھیں۔

پے گیا ساڈے پلے نالائق عمیر

اور سامنے والی ڈھولک پارٹی میں کھسر پھسر جاری تھی۔ حسام جوان لڑکیوں کے بیچ
مارے بیٹھا تھا اس نے ارم کے کان میں کچھ کہا جس پر ارم کے چہرے پر ایک دم رونق
اور وہ مائدہ کے کان کی طرف جھکی۔ مائدہ کے ہونٹ رمشاء کے کانوں سے جا لگے اور یوں
پھوسی کا سلسلہ چل پڑا۔

مساں مساں اونوں کالج بھیج ایا
کڑیاں نوں تکھیاں جھلے نالائق عمیر

اس کی سسرال والیاں بڑے جوش و خروش سے اور اونچی آواز میں گانے لگی تھیں۔
لمحے کو یہ منظر دیکھ کر اس کا جلتا دماغ کچھ ٹھنڈا ہو گیا اور وہ سب کچھ بھول کر مسکرانے لگا۔
وہ ایسا ہی تھا جتنی جلدی تپتا اتنی ہی جلدی ٹھنڈا بھی ہو جاتا تھا۔ وہ وہیں کھڑکی سے لگ
سارا مقابلہ دیکھنے لگا۔

☆======☆======☆

بارات کے ساتھ بہت کم لوگ گئے تھے۔ صبورہ خاتون نے مہندی کے روز تو لڑکیا
ہلا گلا کرنے کی پوری اجازت دی تھی لیکن وہ شادی سادگی اور متانت سے ہی کر رہی تھ
انہوں نے اپنے گھر پر ہی تمام مہمانوں کو شاندار کھانا کھلا دیا تھا۔ دلہن والوں پر انہوں
کسی قسم کا کوئی بوجھ ہرگز نہ ڈالا تھا۔ اور انہوں نے سچ مچ جہیز کے نام پر کچھ بھی نہ لیا
انہوں نے کرنل صاحب کو یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ ’’بھائی صاحب گھر میں خدا کے فضل
ہر چیز ہر نعمت موجود ہے۔‘‘

’’پھر بھی لوگ کیا کہیں گے؟‘‘ سعدیہ بیگم نے کہنا چاہا۔

’’لوگوں کا کیا ہے اگر آپ اپنی تمام پونجی بھی ہمیں دے دیں گی تو لوگ پھر بھی کہنے کا
ن نکتہ نکال ہی لیں گے۔‘‘ انہوں نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ان کی آنکھوں
جھانکا تھا۔

’’آپ کی عمر بھر کی پونجی آپ کے گھر کا نور تو ہم لے جا رہے ہیں اور کیا دیں گی آپ
سے بڑھ کر۔‘‘ انہوں نے ایک ماں کی آنکھوں کی نمی اپنی ہتھیلیوں پر اتار لی۔

’’بس ہمارے لیے دعا کیجیے گا کہ ہم اس نور سے عمر بھر سیراب ہو سکیں۔ قدر کر سکیں اس
ہر نایاب کی اسے آپ کی کمی محسوس نہ ہونے دیں۔‘‘ وہ خود گلوگیر ہو گئی تھیں۔ انہوں نے
ی کی پسند معلوم کر کے عمیر کو ساتھ لے جا کر ان کے بیڈ روم کے لیے فرنیچر پر دے اور
ورت کی ہر چیز خود خریدی تھی۔ رامین اور ارم نے بڑی محبت سے عمیر کا بیڈ روم سجایا تھا۔ اور
صبح سے حسام رامین کے بھائیوں اور کزنز کے ساتھ اندر گھسا جانے کیا کر رہا تھا۔ بڑی
ل سے وہ بارات کے ساتھ تیار ہو کر شریک ہوا تھا۔

’’ارے صاحب کمرا کھولو گے تو ہوش اُڑ جائیں گے۔‘‘ اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی
ر کے کان میں کہہ دیا تھا۔

بارات کے ساتھ مرد حضرات تو سیدھے جامع مسجد کی طرف چلے گئے تھے اور لڑکیوں
دونوں گاڑیاں کرنل صاحب کے گھر کی طرف مڑ گئی تھیں صبورہ خاتون‘ رابعہ خان‘ محمد علی
مین کے امی ابو) اور عمیر کے دونوں ماموں اور خالوان کے ساتھ مسجد گئے تھے۔ یہ مسجد ان
کے ٹاؤن میں گھر سے کچھ ہی فاصلے پر تھی۔ امام صاحب نے وہیں مسجد کے صحن میں بیٹھ کر
ح پڑھایا۔

وہ ایک بڑی سی چادر میں گٹھڑی سی بنی کرنل صاحب کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی۔ سوائے
کے ہاتھوں کے کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا‘ وہ اس پٹھان خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو اپنے
ا اسلام کے ساتھ اپنی جڑیں بہت گہری رکھتا تھا۔ نکاح کے بعد دلہن کو تو خواتین کے ساتھ
ہی واپس بھیج دیا گیا۔ مرد حضرات نے دو رکعت نماز نفل شکرانہ وہیں ادا کیے اور پھر دودھ
تواضع کی گئی۔ جلد ہی گھر سے بھی چند ضروری رسموں کے بعد رخصتی کر دی گئی۔ اسے اس
سالیوں نے اسٹیج پر لا کر بٹھایا تھا فوٹو گرافی بھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہلکی پھلکی چھیڑ
ڑ بھی ہوئی تھی۔ دودھ پلائی بھی ہوئی۔ چھوٹی سالی تانیہ نے اسے دودھ پلایا تھا مگر کسی قسم
شرارت کے بغیر نہایت ادب اور محبت کے ساتھ دودھ بھی بہت لذیذ تھا۔ اس نے اپنی امی

جان کی ہدایات کو یاد رکھتے ہوئے فوراً ہی تانیہ کو دودھ پلائی بھی ادا کر دی تھی۔ جلد ہی وہ ا
رسموں سے فارغ ہو گئے تو رخصتی کا وقت آ گیا۔

دلہن کی بہنیں ماں اور کرنل صاحب سب ہی کی آنکھیں نم تھیں۔

"بیٹا یہ بہت نادان ہے مگر ہمارے دل کا ایک حصہ ہے۔ اس کی خطاؤں کو معاف ک
کرنا یہ تمہاری بڑائی ہو گی اسے پیار سے سمجھایا کرنا کوئی سخت سزا نہ دینا میرا دل دکھے گا۔
میرا دل تمہاری مٹھی میں ہے اسے پیار سے سنبھال کر رکھنا۔"

رخصتی کے وقت کرنل صاحب نے بھیگی آنکھوں سے کانپتے لہجے میں عمیر سے کہا تو
کا دل فوراً ہی پانی پانی ہو گیا۔

"انکل پلیز۔" اس نے فوراً ہی ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے
لرزتے ہاتھ۔ اسے آج پتا چلا کہ ایک بیٹی کے باپ کا سر کب جھکتا ہے' بیٹیاں کتنی پیاری
ہیں اور انہیں رخصت کرنا کس قدر مشکل۔

"میری بچی کا خیال رکھنا۔" وہ چھوٹے سے بچے کی طرح رو پڑے۔ اس نے ا
لمحے کو دیکھا اس کے ساتھ کھڑی وہ سرخ لباس میں سمٹی سمٹائی کسی کچی دیوار کی طرح کمز
کھڑی تھی۔ اس کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا وہ ہچکیاں لے رہی تھی' خود بھی رو رہی تھ
اپنے روتے باپ کا ہاتھ تھام کر اسے کوئی تسلی نہ دے سکتی تھی۔

یہ کیسا بندھن بندھتا ہے ایک مرد و عورت میں کہ باقی سب بندھن فوراً ہی کمز
جاتے ہیں۔ کیسے ایک دیوار اٹھ جاتی ہے کسی فصیل کی طرح ان رشتوں کے درمیان جو
جان ہوا کرتے ہیں اور اقرار کی ڈور بندھتے ہی کیسے دل کسی اور کے ساتھ یوں دھڑ
ہے کہ پھر سابقہ دھڑکنیں اس سے دور ہونے لگتی ہیں۔ عمیر کو یہ منظر اندر سے کرید رہا تھا
کے اندر جو الٹ پلٹ سوچوں کا غبار بھرا ہوا تھا وہ کرنل صاحب کے دو ہی آنسوؤں نے
ڈالا تھا۔ وہ جو اس کے ساتھ کھڑی تھی اس کے قدم کے ساتھ اپنے قدم ملانے کے انتظا
جس کے لیے وہ پچھلی کئی راتوں سے جانے کیا کیا بکواس سوچ رہا تھا۔ فوراً ہی اپنی ا
لگنے لگی۔ اس نے کرنل صاحب کے ہاتھوں کو اپنی حدت دے کر دبایا۔

"ڈونٹ وری انکل۔" اس کے لہجے میں مضبوطی تھی۔ جسے ساتھ کھڑی صبورہ خا
نے محسوس کر لیا تھا انہوں نے فخر سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور مسکرا دیں۔

"بھائی صاحب آپ کی بیٹی اب میری بچی ہے۔ اس کا خیال رکھنا میرا فرض ہے
آپ کا بچہ ہے ان شاء اللہ کبھی آپ کا دل دکھنے نہ دے گا۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر سعدیہ خان کے آنسو اپنی چادر میں قیمتی موتیوں کی طرح باندھ
لیے۔ انہیں گلے لگایا اور پیار سے حوصلہ دیا۔ گیٹ کے قریب ہی ایک کونے سے سمیر لگا کھڑا
تھا۔ اس کی آنکھیں بھی بھیگی ہوئی تھیں جو بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ عمیر نے آگے بڑھ کر اسے
گلے لگایا اور پیار کیا۔

"کم آن یار۔"

سمیر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا وہاں جانے کیا نظر آیا کہ وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ
ہنس پڑا۔

"بس یونہی۔" وہ اپنی آنکھیں رگڑ رہا تھا۔

"ہاں بس یونہی۔" پیچھے کھڑے حشام نے اس کی نقل اتاری تو سب ہنس پڑے۔ نویرہ'
تانیہ جو اپنی آنکھیں سرخ کیے کھڑی تھیں بے ساختہ مسکرا دیں۔

"گڈ گرل (Good Girl)۔"

حشام نے آہستگی سے تانیہ کے پاس جا کر کہا۔ جس پر اس نے اپنی آنکھیں دکھائیں تو
وہ جلدی سے خدا حافظ کہتا آگے بڑھ گیا۔

گھر آ کر جب وہ گیٹ پر اترے تو پہلی بار دل نے چاہا کہ وہ اس کی طرف دیکھے۔ نگاہ
اٹھائی تو وہ ارم اور رامین کی بانہوں کے سہارے گاڑی سے اتر رہی تھی۔ ارم نے گاڑی سے
اتارتے ہی اس کے اوپر اوڑھی چادر کا گھونگھٹ کچھ اور نیچے سرکا دیا۔

"بس اب بھائی سے پہلے یہ چہرہ کوئی نہیں دیکھے گا؟" اس نے گویا حکم صادر کر دیا۔

"چودھویں کا چاند اور کسی نے دیکھ کر اپنی بینائی گنوانی ہے۔" حشام نے عمیر کے کان
میں سرگوشی کی' اس کے چہرے پر بلا کی شرارت تھی۔ عمیر سمجھ ہی نہ پایا کہ وہ طنز کر رہا ہے یا کچھ
اور...... اس کا دل پھر انجانے وسوسوں سے لرزنے لگا۔

"جانے کیسی ہے؟"

"یہ میرے دل کا حصہ ہے۔" کرنل صاحب کی آنسوؤں سے بھیگی آواز اس کے دل
سے ٹکرائی۔ سارے وسوسے کسی کونے سے جا لگے اور دل جانے کیوں مطمئن ہو گیا۔

"جو خدا کو منظور۔" اس نے اپنے دل و دماغ کو سمجھایا۔ ارم اپنی سب کزنز کو لے کر
گیٹ پر کھڑی ہو گئی۔ سب راستہ روک کر کھڑی تھیں۔

"بھائی صاحب دلہن لائے ہیں۔ ایسے کیسے اندر جانے دیں؟" وہ سب دیوار بنی ہوئی
تھیں۔

''تو آپ کی کیا خدمت کی جائے؟'' عمیر کی بجائے حشام سامنے ہوگیا۔

''پہلے تو اس کی جیب ہلکی کرو تاکہ اس کی زبان بھی ہلکی ہو۔'' سعد خان جواب تک بہت سنجیدہ بنے تمام ذمہ داریاں انجام دے رہے تھے ایک دم اپنی شوخیوں پر اتر آئے۔

''ارے آپ کہاں دشمنوں کی پلٹون میں چلے گئے۔'' وہ آگے بڑھ کر زبردستی کرنے لگے۔

''چلو بھئی آگے ہو جاؤ یہ تمہارا پرسنل معاملہ ہے۔'' حشام نے نہایت چالاکی سے عمیر کو آگے کر دیا۔

''واہ! اسے کہتے ہیں جُل دے کر نکل جانا۔'' رمشاء نے حشام پر تیر پھینکا۔

''اسے معاملے کی نزاکت کو سمجھنا بھی کہتے ہیں۔'' وہ بھلا کب چپ رہتا۔ فوراً جواب دے دیا۔

''کنجوس لگتے ہیں۔'' ماریہ بھی بولی۔

''مکھی چوس بھی۔'' مائدہ نے تو اپنے بھائی کا سارا ہی پول کھول دیا۔

''نیگ دو بیٹا یہ بہنوں کا حق ہے۔'' صبورہ خاتون نے آگے بڑھ کر عمیر کو سمجھایا۔

''جی امی جان۔'' اس نے اپنی جیب میں سے پرس نکالا تاکہ کچھ روپے نکالے۔

''جناب یہ تو پورا ہی جائے گا۔'' رامین نے ایک دم سے پرس اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

''بھابی آپ بھی۔'' وہ تو ہکا بکا رہ گیا۔

''جناب اس وقت میں بھابی نہیں بہن ہوں۔ چلو لڑکیو جانے دو انہیں اندر......'' انہوں نے عمیر کا پرس اچھال کر سعد خان کے سپرد کیا جسے انہوں نے فوراً کیچ کر لیا۔

''بھیا پلیز۔'' عمیر منمنایا۔

''سوری جینٹل مین (Sory Gentle Man)۔'' انہوں نے خالص میجروں والے اسٹائل میں کہا تو ساری لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

''چلو بیٹا بچی کو کیوں کھڑا کر رکھا ہے یہاں؟'' صبورہ خاتون نے آگے بڑھ کر دلہن کو اپنی بانہوں کے گھیرے میں لیا۔ وہ رامین کی طرف گھورتا ماں کے ساتھ اندر چلا گیا۔

''جناب آپ کدھر؟'' حشام گزرنے لگا تو لڑکیاں پھر دیوار بن گئیں۔

''کیوں؟ کیوں؟'' وہ بوکھلا گیا۔

''دولہا کا لنگوٹیا یار اور خالی ہاتھ...... ناممکن۔'' رمشاء پھر بولی۔

''تو یہ لے لیجیے۔ حاضر ہے۔'' اس نے اپنے سینے کی بائیں جانب اشارہ کر دیا۔

''یہ کیا؟'' وہ حیران ہوگئی۔

''میرا دل...... سب کی گواہی میں دے رہا ہوں' میری تو یہی متاعِ حیات ہے اس سے بڑھ کر کیا پیش کروں۔'' اس نے اتنی بے باکی سے یہ سب کہہ دیا کہ رمشاء کے تو چھکے چھوٹ گئے اس کے وہم و گمان میں یہ بات نہ تھی وہ تو فوراً ہی وہاں سے بھاگ گئی۔

''لیں جناب میرا تو کام ہوگیا۔ اب تو جانے دیں۔'' وہ رامین کی طرف گہری نظروں سے دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

''صرف دل دے رہے ہو؟'' رامین کو وہ عمیر کی طرح عزیز تھا۔

''نہیں بلکہ عہد بھی کہ وقت پڑنے پر جان بھی حاضر کر دوں گا۔'' اس کے لہجے میں بڑا اعتماد تھا۔

''یار بڑے گھُنے نکلے ہو۔'' سعد خان نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''گھُنے نہیں میجر صاحب ہم تو سیدھے سادھے سچے ہیں جو دل نے چاہا وہ زبان نے کہہ دیا۔ اب جو جیوری فیصلہ کرے۔'' اس نے رامین اور سعد خان کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جیوری کو کچھ وقت چاہیے اور اپنے بزرگوں سے کہو ہمارے بزرگوں سے رابطہ کریں۔'' رامین نے بڑے نخرے سے جواب دیا۔

''ابھی سے طوطا چشمی بھابی۔'' وہ رامین کے بدلتے لہجے پر کہنے لگا۔

''جی۔ جی۔ فی الحال تو آپ اپنی جیب جھاڑیں اگر اندر جانا ہے تو۔'' وہ پھر اصل مطلب پر آ گئیں۔

''جیب جھاڑ دیں تو اندر جانے دیں گی۔''

''بالکل۔'' اس بار ارم آگے ہو چکی تھی۔

''تو لو سنبھالو۔'' اس نے اپنا پرس نکال کر ارم کی طرف اچھالا اور اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ اس کی نظریں اِدھر اُدھر کسی ہنستی مسکراتی خوشبو جیسی صورت کو تلاش کر رہی تھیں۔

رات کو گھر پر بہت پُر تکلف ڈنر کا انتظام تھا۔ سب مہمان وہیں رکے ہوئے تھے کل انہوں نے ولیمہ کھا کر جانا تھا۔

''بیٹی! دلہن کو فریش کر دیا ہے؟'' صبورہ خاتون نے کھانا سرو کرتی رامین کو بلا کر پوچھا۔

''جی امی جان۔''

''اور کھانا کھلا دیا ہے؟''

''جی وہ بھی کھلا دیا ہے۔''

''دلہن کے پاس کون ہے؟''

''جی وہ ارم' رمشاء اور مائدہ وہیں اندر ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے ان سے کہنا جلد باہر آجائیں' رات زیادہ ہو رہی ہے اور یہ عمیر کہاں ہے۔ اس نے کھانا کھایا؟'' انہوں نے اپنی گرے سلک کی ساڑھی کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''جی وہ ادھر ڈرائنگ روم میں ہے سارے لڑکے وہیں ہیں۔'' رامین نہایت اطمینان اور محبت سے ہر بات کا جواب دے رہی تھی۔

''سعد کو بھیجو میرے پاس۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

''جی بہتر۔'' وہ سعد خان کو بلانے اس طرف چلی گئی جدھر سے بلند و بانگ قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ سارے کزنز مل کر عمیر کے سر ہو گئے تھے اور سعد خان بھی ساتھ میں ملے ہوئے بھائی کو تنگ کر رہے تھے۔

''سعدی آپ کو امی جان بلا رہی ہیں۔'' وہ شروع سے ہی سعد خان کو سعدی کہا کرتی تھی۔

''جی جناب چلئے۔'' وہ فوراً بیوی کے ساتھ ہو لیے۔

''ہائے آج تو لوگ قیامت لگ رہے ہیں؟'' انہوں نے ایک نگاہ بھر کے رامین کو دیکھا فیروزی کامدار ساڑھی میں وہ بے حد چارمنگ لگ رہی تھی سعد خان کی بات سن کر وہ اور بلش ہو گئی۔

''آپ کو تو بس......''

''موقع چاہیے۔'' انہوں نے درمیان سے ہی رامین کی بات اچک لی۔

''امی بلا رہی تھیں۔'' اس سے پہلے کہ وہ اور کوئی شرارت کرتے اس نے انہیں صبورہ خاتون کے کمرے میں دھکیل دیا اور خود مہمانوں کو دیکھنے چلی گئی کہ کہیں کسی کو کچھ ضرورت تو نہیں۔

☆======☆======☆

سعد خان نے عمیر کو بلایا اور اپنے ساتھ لے گئے۔

''عمیر یہ امی جان نے دیئے ہیں اپنی دلہن کو پہنا دینا۔'' اس نے بڑے خوبصورت

جڑاؤ کنگن اسے تھماتے ہوئے کہا۔

''بھائی جان۔'' وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔

''ہمیں پتا تھا کہ تم بزدل ہو تم تو اپنی دلہن کے لیے کچھ بنواؤ گے نہیں ویسے بھی امی جان کے یہ خاندانی کنگن ہیں۔ دو انہوں نے مجھے دیئے تھے رامین کے لیے دو یہ تمہارے حصے کے ہیں اور دو ارم کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔'' اس نے پوری تفصیل سے اسے سمجھایا۔

''جاؤ اپنی نئی زندگی کا آغاز اچھے اور خوبصورت طریقے سے کرو۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔'' انہوں نے بڑی محبت سے بھائی کو گلے لگا کر پیار کیا۔

''دیکھو عمیر' ظاہری حسن کی عملی زندگی میں اتنی اہمیت نہیں ہوتی جتنی محبت کی ہوتی ہے۔ تم اسے زندگی بھر محبت دینے کا عہد اپنے دل سے اپنے آپ سے کرنا۔ ہر چیز خود بخود حسین دکھائی دے گی۔ جاؤ دلہن کو زیادہ دیر انتظار کرانا مناسب نہیں۔'' انہوں نے شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''کہاں چل دیئے دیور جی؟'' وہ اپنے کمرے میں داخل ہونے لگا تو رامین راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

''اب تو میری جیب میں کچھ نہیں بچا۔'' وہ ہراساں سا ہو گیا۔

''میں کچھ لینے کے لیے نہیں دینے کے لیے کھڑی ہوں۔ نئی زندگی کا آغاز مبارک ہو۔ عمیر یہ وہ زندگی ہے جو دو دلوں کی ڈور سے بندھی ہوتی ہے۔ اور یہ ڈور محبت کے دھاگوں سے بنتی ہے اعتماد اور بھروسے کے موتی اس میں پروئے جاتے ہیں۔ دھڑکنوں کی لے سے جڑی ہوتی ہے اور یہ دھڑکنیں دو انسان یک قالب سمجھ کر ایک دوسرے کے نام کر دیتے ہیں عمر بھر کے لیے ایک دوجے سے وفاداری کا عہد کرنا پڑتا ہے آج کی رات' اور پھر اس عہد کو عمر بھر ایفاء کرنا پڑتا ہے۔ مجھے یقین ہے تم اسے مایوس نہیں کرو گے جس نے اپنی پوری زندگی بنا دیکھے بنا جانے تمہارے نام کر دی ہے۔''

''اور میں نے کب دیکھا کب جانا ہے اسے؟ میں نے بھی تو......'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''اب دیکھ لینا اور جاننے کے لیے پوری زندگی پڑی ہے۔'' وہ سامنے سے ہٹ گئی۔

''بڑے سخت امتحان میں ڈال دیا ہے آپ لوگوں نے۔'' وہ کچھ ڈرا ہوا تھا۔

''امتحان کڑا ضرور تھا مگر منزل پر جاؤ گے تو......''

''تو کیا......'' رامین کی ادھوری بات پر وہ بے چین ہو گیا۔

"تم جاؤ تو سہی ابھی بھاگے بھاگے آؤ گے واپس۔" اس نے ہاتھ پکڑ کر بچوں کی طرح اسے کمرے میں بھیجا۔

"کیوں بھابی واپس کیوں......؟" وہ حیران ہوا اور کچھ خوفزدہ بھی۔

"جاؤ ناں۔" وہ ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔

"یا اللہ خیر۔" اس کے تو ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ وہ کمرے میں اِدھر اُدھر چکر لگانے لگا۔ حالانکہ نومبر کا آخری ہفتہ تھا اور خاصی سردی ہو جاتی تھی رات کو مگر اسے تو جیسے پسینے آرہے تھے۔ پورے کمرے میں تازہ سرخ گلابوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ سرخ گلابوں کی سیج پر وہ سرخ گٹھڑی اس کی منتظر تھی۔

"میں کیا کروں؟ کیا بات کروں؟" وہ سہما سہما آکر بیڈ کے ایک کونے پر بیٹھ گیا۔ اور اپنے ہاتھ مروڑنے لگا۔

"چلو تعارف کروا لیتا ہوں......اوراوں ہوں۔" اس نے اپنا گلا کھنکارا۔

"پاگل یہ تو وہ جانتی ہی ہوگی۔" دل نے اسے ڈانٹا۔

"تو پھر کیا بتاؤں؟" وہ پھر سوچنے لگا۔

"گھونگھٹ تو اٹھاؤں۔ یا اللہ خیر......" اس نے ڈرتے ڈرتے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے ہاتھ واضح طور پر کانپ رہے تھے۔ وہاں تو قیامت تھی۔ آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ اس نے اپنی دونوں آنکھوں کو زور زور سے مسلا اور پھر دیکھا۔ وہ آنکھیں جھکائے بیٹھی تھی اس کی پلکیں اس کے گالوں پر سایہ کیے ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔ چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا۔

"آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔" وہ سکتے کے عالم میں بمشکل بول سکا۔

"عجیب شخص ہے۔" دوسری طرف جھکی پلکوں نے سوچا۔

"آپ کا نام۔" اس نے پھر پوچھا۔

"جی طوبیٰ۔" دبی دبی سی آواز نکلی۔

"طوبیٰ۔" اسے تو جیسے کرنٹ لگا۔

"طوبیٰ......ارم کی دوست۔" اب وہ بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آواز خاصی بلند تھی اور حیرت زدہ بھی۔

"جی ارم کی دوست۔" دلہن بیچاری تو ہول ہی گئی کہ آخر اس شخص کو کیا ہو گیا ہے۔ اور کیا دلہنوں سے اسی طرح کی باتیں کی جاتی ہیں پہلی ملاقات پر۔

"پلیز اگر آپ برا نہ منائیں تو ذرا بیڈ سے نیچے آئیں گی۔" اس نے اُس کا ہاتھ تھام کر

اسے اٹھانا چاہا۔ وہ تو روہانسی ہوگئی۔ ناچار بغیر کچھ کہے بغیر کچھ پوچھے بیڈ سے نیچے اتر آئی۔ وہ نظریں جھکائے کھڑی اپنے آنسو پی رہی تھی اور وہ پاگلوں کی طرح اس کے گرد چکر لگا رہا تھا اور اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس کے لہنگے کا پائنچہ ذرا سا اٹھایا وہ ننگے پاؤں کھڑی تھی۔ دراز قد' اسمارٹ' نازک بدن اور حسین۔

"اوہ! ارم کی بچی اور رامین بھابی۔ مجھے اتنا بے وقوف بنایا تم لوگوں نے۔" وہ خوشی سے چلاتا باہر نکل گیا۔

"ارم......ارم...... بھابی...... بھابی۔"

اور وہ بیچاری اپنا چکراتا سر تھام کر بستر پر بیٹھ گئی۔ "یا اللہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کہیں یہ شخص ابنارمل تو نہیں۔ یا کہیں یہ کسی اور کو تو نہیں چاہتا تھا اور زبردستی گھر والوں نے......نہیں نہیں......خدایا یہ کیا امتحان ہے؟" آنسو آخر پلکیں توڑ کر نکل ہی آئے۔

"کیا پرابلم ہے؟ کیوں چلا رہے ہو؟" کوریڈور میں ہی سعد خان اسے مل گئے ان کے چہرے پر بلا کی شرارت چمک رہی تھی۔

"وہ......وہ......ارم......" وہ شرمندہ سا ہو کر سر کھجانے لگا۔

"یہ وقت ارم اور رامین کو تلاش کرنے کا نہیں ہے۔ جاؤ اپنی دلہن کے پاس وہ کیا سوچتی ہوگی کہ اس کی شادی کس پاگل سے ہوگئی ہے۔" انہوں نے اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"ہائے دیور جی......ہائے بھیا......" سامنے سے دونوں نمودار ہوگئیں۔ ان کے چہروں پر بھی وہی شرارت اور وہی مسکراہٹ تھی۔

"ارم کی بچی تم نے مجھے......" وہ اسے مارنے کو دوڑا۔

"دیکھیں ناں بھیا۔" وہ بھاگ کر سعد خان کے پیچھے ہوگئی۔

"اور بھابی آپ بھی۔" وہ رامین کو گھور رہا تھا۔

"بھئی کیا کرتے امی جان کا حکم تھا ہم نے تو بہت کہا کہ ہمارے عمیر کو یہ چھوٹے قد کی موٹی بھدی لڑکی پسند نہ آئے گی مگر وہ کہنے لگیں شکل سے کیا ہوتا ہے سو......" وہ کمر پہ ہاتھ رکھ کر ایکٹنگ کرنے لگیں۔

"بھئی اب کرو گزارا۔ جاؤ اور دیکھو دلہن کو زیادہ پریشان نہ کرنا۔" سعد خان نے اسے زبردستی کمرے میں دھکیلا باہر ان تینوں کے قہقہے گونج رہے تھے اور اندر اس کے دل میں شہنائیاں بج رہی تھیں۔ مارے خوشی کے وہ بے تاب ہو رہا تھا۔

"آہ......یہ طوبیٰ ہے۔" اس نے وہیں قریب بڑے صوفے پر گر کے آنکھیں بند کر

لیں۔ اس کی آنکھوں میں طوبیٰ سے وہ پہلی ملاقات کا منظر گھوم رہا تھا۔ جب وہ پہلی بار ان کے گھر میں آئی تھی اور جاتے جاتے اس سے ٹکرا گئی تھی۔ لمبے سیاہ بال کمر پر لہرا رہے تھے اور بڑی بڑی آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔

"خدا کتنا مہربان ہے۔" وہ خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ اچانک وہ ہڑبڑا گیا۔

"اوہ طوبیٰ......سوری......سوری......"

اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ تو وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔

"آں ہاں...... یہ نہیں......کبھی نہیں۔" اس نے ان موتیوں کو اپنی ہتھیلیوں پر جذب کر لیا۔

"میں تمہیں بتا نہیں سکتا میں تمہیں پا کر کس قدر خوش ہوں۔ میرے اللہ تیرا احسان کہ میں اتنا خوش بخت ہوں۔" اس نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا لیے۔ آنکھیں بھی نم تھیں۔

"عجیب شخص ہے۔" طوبیٰ سوچ رہی تھی۔ "کبھی دھوپ کبھی چھاؤں ابھی کیا تھا اب کیا ہو گیا۔" مگر اس کے دماغ سے کچھ لمحے پہلے آنے والے سب خدشات نکل چکے تھے۔

☆======☆======☆

"السلام علیکم۔" صبح ہی رامین چائے کی ٹرالی لے کر حاضر ہو گئی۔

"وعلیکم السلام۔" طوبیٰ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"کہاں ہیں ہمارے دیور جی۔ سنو اس بیوقوف نے تمہیں پریشان تو نہیں کیا۔"

"جی...... جی نہیں تو۔" وہ شرما گئی۔ اس کے چہرے پہ کھلی خوشی بتا رہی تھی کہ وہ مطمئن اور خوش ہے۔

"بس ذرا جھلا ہے ویسے دل کا بہت اچھا ہے۔ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔" وہ چائے بناتے بناتے اسے بتا رہی تھی۔ اور وہ سر جھکا کر سن رہی تھی۔ "جھلا" کہنے پر مسکرا بھی دی تھی کیونکہ اسے عمیر کی رات والی حرکتیں یاد آ رہی تھیں۔

"لو چائے پیو اور جی چاہ رہا ہو تو ساتھ میں کچھ لے بھی لو۔" انہوں نے چائے کا کپ اس کے ہاتھ میں تھما کر بسکٹ اور فروٹ کیک والی پلیٹ اس کی طرف بڑھا دی۔

"شکریہ بھابی۔" اس نے ایک بسکٹ اٹھا لیا۔

"سدا سہاگن رہو۔ خوش رہو۔" رامین نے بڑی محبت سے دعا دی۔

"السلام علیکم بھابی جان۔" وہ کمرے میں داخل ہوا اور سامنے رامین کو پا کر اس نے اپنا

ہاتھ پیچھے کی طرف چھپا لیا اور بھابی کو سلام کر کے وہیں کھڑا ہو گیا۔

"وعلیکم السلام۔ مگر یہ کیا حرکت ہے۔" رامین نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ کھینچا۔

"وہ...... وہ بھابی۔" وہ شرمندہ سا ہو گیا اس کے ہاتھ میں سرخ تازہ گلابوں کا بڑا خوبصورت "بکے" تھا۔

"اوہو۔" وہ شرارت سے مسکرا دی۔

"تو شرما کیوں رہے ہو۔ جس کے لیے لائے ہو اسے دو ناں؟" رامین نے عمیر کو طوبیٰ کے آگے کر دیا۔ اس کا رنگ بھی گلابی ہو رہا تھا۔ وہ دونوں کے چہروں پر خوشی کا یہ رنگ دیکھ کر مسکرا دی۔

"خدا ہمیشہ خوش رکھے۔ تم بھی دلہن کے ساتھ چائے پی لو پھر امی جان ادھر آنا چاہ رہی ہیں اور ہاں طوبیٰ کی بہنیں بھی تو آتی ہی ہوں گی۔" وہ جاتے جاتے مڑ کر بولی تو عمیر "بکے" ہاتھوں میں لیے آگے بڑھا۔

"تمہارے لیے۔" وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

"تھینک یو۔" اس نے لرزتے ہاتھوں سے پھول تھام لیے۔

"مینشن ناٹ (Mention Not) یہ تمہارا حق تھا۔" وہ اس کے ساتھ بیٹھ گیا تو وہ ذرا سمٹ کر پڑے ہو گئی جس پر وہ مسکرا دیا۔

"طوبیٰ! ان لوگوں نے مجھے بہت ستایا ہے پورے ڈیڑھ ماہ تک۔" عمیر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ پھر اس نے وہ تمام واقعات طوبیٰ کو بتا دیئے جس طرح صبورہ بیگم، رامین، ارم اور سعد خان نے مل کر اسے بے وقوف بنایا تھا۔

"اگر میں سچ مچ ویسی ہی ہوتی جیسا ان لوگوں نے کہا تھا تو کیا آپ مجھے......؟" جانے کیوں اس کے ذہن میں خدشہ آ گیا۔

"مگر تم تو ویسی نہیں ہو......تم تو......" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ جو بارِ حیا سے اور جھک گئی تھیں۔

"تم بالکل ویسی ہو جیسی میں سوچا کرتا تھا۔ جیسی میں چاہتا تھا۔" عمیر نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔ اس کے ہاتھوں کی چوڑیاں اور کنگن بج اٹھے۔

"ارے۔" وہ مسکرا کر انہیں دیکھنے لگا۔

"طوبیٰ۔"

"جی۔" وہ ہولے سے بولی۔ وہ اس کے کنگنوں سے کھیل رہا تھا۔

"یہ کنگن ہمارے خاندانی کنگن ہیں اور یہ تو تمہیں امی جان کی طرف سے تحفہ ہیں میں نے بس رات تمہیں پہنا دیئے تھے۔" وہ بتانے لگا۔

"اچھا...... یہ آپ نے نہیں دیئے۔" اس نے ایک لمحے کو اسے حیرت سے دیکھا۔

"نہیں۔" وہ ہنس پڑا۔ "دراصل میں تو ان لوگوں کی وجہ سے اتنی ٹینشن میں تھا کہ میں نے تو خود کچھ بھی نہ خریدا تھا۔"

"مطلب اگر میں ویسی ہی ہوتی تو آپ مجھے کوئی تحفہ نہ دیتے۔" اس کا دل پھر اداس ہو گیا۔

"پتا نہیں۔ لیکن اب تو میں تمہیں بہت خوبصورت تحفہ دوں گا۔" اس نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس کا دل تو جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا۔

☆======☆======☆

کچھ ہی دیر کے بعد صبورہ بیگم' سعد خان اور رامین اس کے پاس آ گئے۔ اس نے تعظیم سے اٹھ کر سب کو سلام کیا۔

"سدا خوش رہو۔" صبورہ بیگم نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا اور اس کا ماتھا چوما۔

"یہاں بیٹھو ہمارے پاس۔" انہوں نے اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

"اور میاں تم جاؤ ذرا باہر۔ ہمیں دلہن سے کچھ کام ہے۔" سعد خان نے عمیر کو حکم دینے والے انداز میں کہا۔

"سعد کیوں تنگ کرتے ہو بھائی کو......" صبورہ خاتون نے محبت سے بڑے بیٹے کو گھُرکا۔

"جی امی جان۔" انہوں نے مسکرا کر عمیر کا ہاتھ تھاما اور اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

"نئی زندگی مبارک ہو بیٹی۔ خدا تمہیں ہر دن نئی خوشیاں نصیب کرے۔ آج سے یہ گھر تمہارا ہے۔ ہم لوگ تمہارے اپنے ہیں۔ اور یہ...... یہ تمہارا ساتھی۔ تمہارا محافظ۔ تمہارے دکھ سکھ کا ساتھی۔ یہ اگر تمہیں کبھی ستائے تو مجھے بتانا۔ میں اس کی خبر لوں گی۔ ویسے یہ تمہیں ستائے گا نہیں۔" وہ بہت محبت سے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھیں۔ طوبیٰ کا دل بہت مطمئن تھا وہ خوش تھی کہ اسے اپنے تصور سے بڑھ کر چاہنے والے لوگ ملے ہیں۔

"یہ چھوٹا سا تحفہ میری طرف سے نئی زندگی کے آغاز پر۔" انہوں نے بڑے ہی خوبصورت قیمتی نگینوں سے جڑا نیکلس اس کے گلے میں پہنا دیا۔

"شکریہ امی جان۔" اس کی آواز مارے تشکر کے بھاری ہو گئی۔ اتنا پیار پا کر اس کا دل ٹھکانے پر نہ تھا۔

"یہ میری طرف سے۔ طوبیٰ تم میرے لیے بالکل ارم ہی ہو۔ مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھنا اور باپ بھی۔" سعد خان نے ایک چیک اس کی طرف بڑھا دیا ان کی آواز میں سنجیدگی اور محبت کے ساتھ ساتھ ان آنسوؤں کی نمی بھی شامل تھی جو اپنے مرحوم والد کی یاد میں اس وقت آنکھوں میں آ گئے تھے۔

"تم اپنی پسند کی کوئی چیز خرید لینا۔" وہ پیار سے اس کا سر تھپک رہے تھے۔

"جی بھائی جان۔" وہ جھکی نظروں سے بس اتنا ہی کہہ سکی۔

"اور یہ میری طرف سے۔" رامین نے آگے بڑھ کر اپنی داہنی انگلی میں پڑی ڈائمنڈ کی خوبصورت انگوٹھی اتار کر اسے پہنا دی۔

"یہ میری ماں نے مجھے بہت محبت سے دی تھی۔ مجھے بہت عزیز بھی ہے اور میرے لیے بہت پیاری ہے۔ مجھے اپنی بڑی بہن سمجھنا اور اسے سنبھال کر رکھنا۔" اس نے انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا کر محبت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اور ہاں ایک اور قیمتی چیز بھی میں نے تمہارے سپرد کر دی۔" اس نے عمیر کی طرف شرارت سے دیکھا۔

"یہ میرا چھوٹا بھائی۔ میرا دیور' میرا دوست' سب کچھ ہے۔ یہ بہت محبت کرنے والا ہے بس ذرا بچپنا ہے اس میں۔ اس لیے اس کا تمہیں بہت خیال رکھنا پڑے گا۔" اس نے عمیر کا ہاتھ تھام کے طوبیٰ کے آگے کر دیا تو وہ شرما دی۔

"اور میرے لیے کچھ بھی نہیں۔ سب کچھ نئی دلہن کے لیے۔"

وہ بچوں کی طرح شکایت کرنے لگا۔

"لیں امی جان اور سنیں اس کے لیے۔" سعد خان پر پھر شرارت کا دورہ پڑ گیا۔ وہ زیادہ دیر سنجیدہ رہ بھی نہیں سکتے تھے۔

"ارے بھئی یہ کیا ہے؟" انہوں نے طوبیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس سے بڑا خوبصورت اور قیمتی تحفہ ہماری نظر میں تو اور کوئی تھا نہیں تمہارے لیے ورنہ وہ لے آتے۔ اب اسی پہ گزارہ کرو' کیا کریں مجبوری ہے۔" انہوں نے طوبیٰ کو بڑی محبت سے تھام کے اس کے آگے کر دیا۔

"نہیں' نہیں۔ بس یہی ٹھیک ہے۔ یہ بہت قیمتی تحفہ ہے۔" عمیر نے بھی شرارت سے

طوبیٰ کی طرف دیکھ کر کہا تو اس نے شرما کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

☆======☆======☆

طوبیٰ کے گھر سے ناشتہ لے کر نویرہ آپا' تانیہ اور کیپٹن سمیر آئے تھے۔ ارم انہیں اپنے ساتھ طوبیٰ کے بیڈروم تک لے آئی تھی۔

''آئیں ناں پلیز۔'' اس نے کمرے کے دروازے پر رک کر نویرہ آپا کو پہلے اندر داخل ہونے کی دعوت دی۔ وہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہو گئیں۔

''ہاؤ بیوٹی فل۔'' تانیہ نے کمرے میں قدم رکھتے ہی چاروں طرف دیکھا۔ وہ بہن کا اس قدر خوبصورت سجا ہوا بیڈروم دیکھ کر بہت خوش تھی۔ گرے کارپٹ' گرے سلکی کرٹن' گرے اور گولڈن ڈیکو پینٹ کا بے حد نفیس اور قیمتی فرنیچر۔ دیواروں پر آویزاں خوبصورت پینٹنگز اور گلابوں سے مہکتا کمرا۔ وہ ہر چیز کو بہت شوق سے دیکھ رہی تھی۔

''آپا!'' طوبیٰ بڑی بہن کو دیکھتے ہی خوشی سے ان کی طرف بڑھی اور ان سے لپٹ گئی۔

''میری چندا۔'' انہوں نے اس کا ماتھا چوم لیا اور چہرہ ہاتھوں میں لے کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگیں۔ جہاں خوشی اطمینان اور حیا کا بڑا خوبصورت سا گلابی پن جھانک رہا تھا۔ ان کی روح تک اطمینان سے سرشار ہو گئی۔ سسرال میں بیٹیوں کی پہلی صبح ہی ان کے مستقبل کا پتہ دے دیا کرتی ہے اور وہ اپنی بہن کے سکھی مستقبل کی بڑی واضح جھلک دیکھ رہی تھیں۔ خوشی طوبیٰ کے چہرے پر بھی اور باقی سب گھر والوں کی آنکھوں میں بھی۔

''السلام علیکم۔'' عمیر نے آگے بڑھ کر نویرہ کو بڑے ادب سے سلام کیا۔

''خوش رہو۔'' بڑی محبت سے جواب ملا۔

''کیسے ہیں عمیر بھائی؟'' تانیہ نے مسکراتے ہوئے اس کا حال پوچھا۔

''ایک دم فائن۔'' وہ بہت خوش تھا۔

''آیئے کیپٹن صاحب یہاں تشریف رکھیے۔'' سعد خان نے آگے بڑھ کر سمیر سے ہاتھ ملایا اور اسے صوفے کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔

''تھینک یو سر۔'' وہ مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔

''ارے بھئی یہ سر' ور یہاں نہیں چلے گا۔ یہ گھر ہے۔'' انہوں نے اس کے کندھے بے تکلفی سے ہاتھ مارا۔

صبورہ بیگم نے نویرہ سے ان کے امی ابو کا حال دریافت کیا۔ دونوں بہنوں کو پیار کیا رامین بھی بڑی محبت سے نویرہ اور تانیہ سے ملی۔

''اچھا بچو تم لوگ بیٹھو۔'' صبورہ خاتون نے اجازت چاہی۔

''میں آپ لوگوں کے لیے ناشتہ بھیجتی ہوں۔'' رامین بھی چل دی۔

''اور میں بھی ولیمے کے انتظامات دیکھوں گا تم لوگ گپ شپ کرو۔ او کے۔'' سعد خان نے سمیر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور مسکراتے ہوئے باہر چل دیئے۔ پیچھے ہی ارم بھی چلی گئی تھی یہ کہتے ہوئے کہ وہ ان کے لیے ناشتہ لے کر آتی ہے۔ دراصل وہ سب چاہتے تھے کہ طوبیٰ اپنے گھر والوں کے ساتھ کھل کر باتیں کر لے اور بے تکلفی سے وہ لوگ آپس میں مل بیٹھیں۔ ان کے جاتے ہی تانیہ کو کھد بد شروع ہو گئی اور وہ طوبیٰ کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی۔

''اے۔ بہت خوش ہو۔'' اس نے بڑی شرارت سے طوبیٰ کو دیکھا تو اس نے شرما کر اقرار میں اپنا سر ہلکا سا ہلا دیا۔

''واہ' اتنا پسند آ گئے۔ عمیر بھائی۔'' وہ جھک اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

''اچھا بتاؤ کیا ملا منہ دکھائی میں۔'' وہ تجسس اور شرارت پر مصر نظر آ رہی تھی۔ دراصل دونوں بہنیں اوپر تلے کی تھیں اس لیے ان میں بے حد بے تکلفی اور دوستی تھی۔ نویرہ سب سے بڑی تھی لہٰذا ان کے ساتھ ایک احترام کا رشتہ محبت کے ساتھ تھا۔

''بتاؤ ناں۔'' وہ کریدنے لگی۔

''یہ۔'' طوبیٰ نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا جس میں پڑے خوبصورت جڑاؤ کنگن ایک دوسرے کو چھو کر ہنس پڑے۔ چھن نن چھن......

''اور یہ......؟'' اس نے پاس پڑے تازہ سرخ گلابوں کے بکے کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

''اچھا! دونوں میں زیادہ اچھا کیا تھا؟'' تانیہ نے بکے اٹھا کر ہاتھ میں لے لیا۔ بڑا مشکل سوال تھا۔ وہ کیا جواب دیتی۔

''دونوں۔'' پھر وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

عمیر سامنے صوفے پر بیٹھا سمیر اور نویرہ آپا سے باتیں کر رہا تھا مگر اس کی نظریں چوری چوری اسی طرف اٹھ رہی تھیں۔ جسے نویرہ آپا نے صاف محسوس کر لیا تھا اور وہ عمیر کے چہرے پر ایک خوشی اور بے تابی کا یہ رنگ دیکھ کر دل ہی دل میں خوش تھیں اور خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں۔

رامین اور ارم کچھ ہی دیر میں ناشتے کی ٹرالی وہیں لے آئیں رامین تو یہ کہہ کر واپس چلی

گئی کہ اس نے ابھی مہمانوں کو دیکھنا ہے کہیں ناشتے میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ البتہ ارم وہیں ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگی وہ انہیں ناشتہ سرو بھی کر رہی تھی۔ اور خود بھی ناشتے میں ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ کمرے میں بڑا اچھا ماحول قائم ہو گیا تھا۔ لگتا ہی نہ تھا کہ یہ دو خاندان پہلے الگ الگ تھے۔

☆======☆======☆

"مما چلیں ناں آپ بھی۔"

"نہیں مجھے نہیں جانا۔" بیگم رفیع نے سپاٹ انداز میں جواب دے کر منہ دوسری طرف کر لیا۔

"مگر کیوں مما؟" مائدہ پریشان ہو گئی۔

"بس مجھے نہیں جانا۔" وہ بضد تھیں۔

"مما! آنٹی کیا سوچیں گی؟ کیا کہیں گی؟" وہ ماں کو موقع کی نزاکت سمجھا رہی تھی۔

"کہہ دینا میرا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا اس لیے نہیں آ سکی اور ویسے بھی میرا بلڈ پریشر ہائی ہو چکا ہے۔" انہوں نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا اور گھور کے حشام کو دیکھنے لگیں۔ جو سامنے فلور کشن پر دھرنا دیئے بیٹھا مزے سے چلغوزے کھا رہا تھا۔

"مما آپ کا بلڈ پریشر میری وجہ سے ہائی ہوا ہے ناں؟" وہ منہ چلاتا ماں کے قریب آ گیا۔

"تم سے مطلب؟" وہ بدستور خفا تھیں ٹی وی پر نظریں جمائے دیکھتی رہیں۔

"اور اگر میں آپ کو منا لوں تو؟" اس نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"تو اپنی فضول خواہش واپس لے لو۔" انہوں نے بیٹے کی آنکھوں میں دیکھا۔

"مما! وہ فضول خواہش نہیں ہے۔" حشام ایک دم اداس ہو گیا۔

"خواہش فضول نہیں تو اور کیا ہے۔ تمہیں دو چار روز میں وہ لڑکی اتنی بھا گئی ہے کہ تم نے خاندان کے رسم و رواج کو رد کر دیا ہے۔" وہ بحث کرنے کے موڈ میں تھیں۔

"وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ ایسی لڑکی آپ کو بھلا کہاں ملے گی؟" وہ پھر بھی ماں کو بہلا رہا تھا۔

"ملے گی کہاں میں نے اس سے بھی اچھی لڑکی تلاش کر رکھی ہے اپنے راجہ کے لیے۔" وہ لہجے میں ڈھیر ساری محبتیں سمو کر بولیں۔

"نورینہ...... مما آپ اسے بہت اچھی لڑکی کہتی ہیں۔" اس بار مائدہ کو بھی ماں کی بات

سے اختلاف ہونے لگا۔

"تو کیا کیڑے پڑے ہیں اس میں۔ اتنی اچھی تو ہے اور پھر اپنے خاندان کی ہے۔"

"خاندان، خاندان۔ مما کیا ہمارے خاندان کے علاوہ دنیا میں کوئی خاندان اچھا نہیں؟"

وہ ماں کی اس بات پر غصے میں آ گئی۔

"تم چپ رہو مت بولا کرو ہر بات میں۔ خاندان، ریت، رواج، ذات برادری، تم نوجوان نسل کے لوگ کیا جانو اور پھر تمہارے ابو کسی صورت نہیں مانیں گے۔" انہوں نے مائدہ کو بری طرح ڈانٹ دیا۔

مائدہ نے بھائی کی طرف اداسی سے دیکھا تو اس نے خاموشی اختیار کرنے کا اشارہ کیا۔

"اچھا مما اس بات پر پھر ڈسکس کریں گے۔ فی الحال آپ تیار ہوں یہ باتیں پھر بھی ہوتی رہیں گی لیکن عمیر کا ولیمہ تو پھر نہ ہوگا۔ وہ کیا سوچے گا؟" اس نے ماں کے ہاتھ پکڑ کر انہیں اٹھایا۔

"کیا سوچے گا؟" وہ ہاتھ چھڑا کر پھر بیٹھ گئیں۔

"سوچے گا کہ حشام کی ماں نے مجھے بیٹا کہا ضرور مگر سمجھا نہیں اور دکھی ہوگا یہ سوچ کر۔" مائدہ نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ "

اور بیچاری آنٹی صبورہ...... وہ...... سوچیں گی انہوں نے جسے اپنی سب سے عزیز دوست اور بہن سمجھا...... وہ تو......" حشام نے بھی ماں کو جذباتی ہوتے دیکھ کر ذرا سی چوٹ اور دی لوہا پہلے ہی گرم ہو رہا تھا۔ وہ فوراً پریشان ہو گئیں۔

"وہ تو کیا......؟ بولو کیا کہیں گی وہ......؟" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

"وہ تو بالکل بہن ہی نکلی۔" اس نے ہنستے ہوئے ماں کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

"بہت بدمعاش ہو تم۔" وہ بھی سارا غصہ بھول کر مسکرا دیں۔

"ہُرے۔" دونوں بہن بھائیوں نے نعرہ لگایا۔

"زیادہ مسکا مت لگاؤ۔ چلو...... اور دیکھو۔" وہ پھر سوچ کر رک گئیں۔

"وہ لڑکی کیا نام ہے اس کا......؟"

"رمشاء۔" حشام نے فوراً یاد دلا دیا۔ انہوں نے گھور کر حشام کو دیکھا۔ جس پر وہ سر کھجاتا اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"میں اس لڑکی کو ہرگز پسند نہیں کروں گی۔"

"مگر کیوں مما اس کا قصور؟" حشام سے پھر رہا نہ گیا۔

''پھر بحث' جاؤ میں نہیں جاتی۔'' وہ پھر بیٹھ گئیں۔ وہ بھی بالکل بچوں جیسی تھیں بات بات پر خفا ہو جاتیں اور بے بات ہی مان جاتیں۔

''ارے رے مما۔ چلیں دیر ہو رہی ہے۔'' مائدہ نے آگے بڑھ کر ماں کو ہاتھ پکڑ کر پھر سے اٹھا لیا۔

''بس بھائی اب کوئی بحث نہیں ہو گی۔'' اس نے بھائی کو ڈانٹا۔

''میری توبہ اب کوئی بحث نہیں ہو گی۔'' اس نے شرارت سے ہنستے ہوئے کان پکڑے۔

دراصل بیگم رفیع زیادہ پڑھی لکھی نہ تھیں زمیندار گھرانے کی بیٹی تھیں اور زمیندار گھرانے کی بہو بھی بن گئیں۔ رانا محمد رفیع صاحب چار بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔ باپ دادا کی اچھی خاصی جاگیر تھی مگر انہوں نے زمینداری کی بجائے تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دی تھی۔ جلد ہی وہ بہت کامیاب اور نامور وکیل بن گئے تھے۔ ان کی شادی دوران تعلیم ہی ان کی مرضی کے خلاف خاندان کے رسم و رواج کے مطابق کر دی تھی۔

منجھلی آپا ذکیہ کے لیے بڑے تایا کے گھر سے رشتہ آیا تو ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد تھی کہ ذکیہ کے وٹے میں انہیں بڑے تایا کی لاڈلی صاحبزادی نزہت کا رشتہ محمد رفیع سے طے کرنا پڑے گا۔ بھائیوں نے آپس میں بات چیت کی اور دونوں رشتے گھر کے گھر میں ہی اور خاندان کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے طے کر لیے۔

محمد رفیع کو مجبوراً یہ فیصلہ تسلیم کرنا پڑا۔ وہ ویسے بھی کسی اور کو تو پسند کرتے نہیں تھے بس اپنی تعلیم اور کیریئر کے لیے فکرمند تھے مگر جب انہیں تعلیم جاری رکھنے اور کیریئر کو اپنی مرضی سے بنا لینے کی اجازت مل گئی تو انہوں نے شادی کر لی۔

نزہت ویسے تو بہت لاڈلی تھی اور نخرے والی بھی لیکن وہ جانے کب سے رانا رفیع کی محبت کو دل ہی دل میں پروان چڑھا رہی تھی اس کے مل جانے پر وہ اس قدر نہال ہوئی تھی کہ اس نے انہیں شہر میں رہ کر اپنی تعلیم مکمل کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ ایک ماہ کے بعد دو روز کے لیے گھر آتے تو نزہت کے چہرے پر گلاب کھل جاتے۔ وہ سارے سسرال کو نخرے دکھاتی مگر شوہر کو دیکھتے ہی ان کے آگے بچھ بچھ جاتی بس اسی ادا نے محمد رفیع کا دل جیت لیا تھا وہ بھی نزہت کو چاہنے لگے تھے۔ آہستہ آہستہ ان کا دل بھی نزہت کے لیے اداس اور بے قرار ہونے لگا اور جب حشام پیدا ہوا تو وہ وکالت پاس کر چکے تھے۔ تب وہ شہر میں ایک بہت اچھا گھر خرید کے بیوی اور بچے کو شہر لے آئے۔

حشام دو برس کا تھا تو مائدہ نے ان کے گھر کو رحمتوں سے بھر دیا۔ اب وہ اپنے بچوں کے بغیر ایک پل نہ رہ سکتے تھے۔ نزہت بھی شہر کے ماحول میں ڈھل چکی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ اتنا بدلیں کہ نزہت خان سے بیگم رفیع کہلانے لگیں۔ اب رانا محمد رفیع ایک بہت بڑے جج تھے اور حشام باپ کے نقشِ قدم پر وکالت کے شعبے میں آ گیا تھا جبکہ مائدہ کا ایم ایس سی فزکس کا فائنل ایئر تھا۔

رانا محمد رفیع اور میجر محمد احمد خان آپس میں بہت گہرے دوست تھے اس لیے ان دونوں گھرانوں میں بھی ویسی ہی محبت تھی۔ نزہت اور صبورہ خاتون گہری سہیلیاں تھیں۔ حشام اور عمیر کی مثالی دوستی تھی تو ارم اور مائدہ میں بھی کم پیار نہ تھا۔ یہ سب بچپن سے جوانی تک ساتھ ساتھ پل کر بڑھے تھے۔ اتنے تعلیم یافتہ اور ماڈرن ہونے کے باوجود رانا صاحب اور بیگم رانا نزہت کے خیالات شادی بیاہ کے معاملات میں اب بھی وہی تھے کہ رشتے گھر کے گھر میں اور خاندان میں ہی ہوں گے۔

''چلیں نا امی جان اب، اٹھ بھی جائیں۔'' مائدہ جو تیار بھی ہو کر آ گئی تھی اس نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر انہیں ماضی کی یادوں سے باہر نکال لیا۔

''آں ہاں۔ چلو۔'' وہ چونکیں۔

''میں نے آپ کی ساڑھی استری کر دی ہے۔ بس اب آپ جلدی کریں۔'' وہ اپنے بالوں سے رولرز کھولتی دوبارہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور وہ تیار ہونے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

☆======☆======☆

''بہت دیر کر دی حشام! تم لوگوں نے۔'' رامین انہیں خوش آمدید کرنے کو دور ہی سے بھاگ آئی تھیں۔

''وہ بس بھابی ذرا امی......'' حشام نے سر کھجاتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا۔

''کیا امی۔'' انہوں نے اسے گھورا تو وہ فوراً بول پڑا۔

''امی کی ذرا طبیعت ٹھیک نہ تھی۔''

''کیا ہوا تھا آنٹی کو۔'' وہ پریشان سی ہو گئیں۔

''بس ذرا بی پی ہائی ہو گیا تھا۔'' مائدہ نے مسکرا کر ماں کو دیکھا اور دوسرے ہی لمحے وہاں سے کھسک بھی گئی یہ کہتے ہوئے۔

''میں دیکھوں ارم مجھے بلا رہی ہے۔''

''آئیں ناں بھابی آپ نے تو بہت انتظار کروایا۔'' صبورہ خاتون اپنی آف وا
سلک کی ساڑھی کا پلو سمیٹتیں آکر حشام کی امی کے گلے لگ گئیں۔

''بس بھابی ذرا بی پی ہائی ہو گیا تھا۔'' وہ بھی اپنے بچوں کی کہی جھوٹی بات دہرا گئیں

''اپنا خیال رکھا کریں اور چھوٹی چھوٹی باتوں کی ٹینشن نہ لیا کریں۔'' وہ انہیں تھا
اسٹیج کی طرف لے گئیں۔

''ماشاء اللہ بہت حسین جوڑی لگ رہی ہے دونوں کی۔'' انہوں نے دولہا دلہن کو
سے ہی دیکھ کر تعریف کی۔

''بس خدا نظر بد سے بچائے۔'' جواباً وہ انکساری سے مسکرا دیں۔ دونوں میں بہت ا
اور برسوں کی دوستی تھی اس لیے غیریت کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ وہ اسٹیج پر آئیں تو ع
نے تعظیماً اٹھ کر انہیں سلام کیا۔

''جیتے رہو۔'' انہوں نے دعا دی۔

''ماشاء اللہ بہت پیاری دلہن ملی ہے تمہیں۔'' انہوں نے طوبیٰ کا جھکا ہوا چہرہ ذرا
اوپر کو اٹھا کر دیکھا اور سلامی کے طور پر ایک سفید لفافہ دلہن کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''خدا تم لوگوں کو سدا خوش و آباد رکھے۔''

''آمین۔'' صبورہ خاتون نے فوراً ہی کہا۔

''امی جان پلیز ایک تصویر۔'' مائدہ نے ماں کو دولہا دلہن کے ساتھ بٹھا دیا۔

''آنٹی آپ بھی بیٹھیں پلیز۔'' اس نے ایک خوبصورت تصویر کیمرہ میں مقید کر لی۔

''اب لاؤ کیمرہ مجھے دے دو۔'' حشام نے کیمرہ ایک دم ہی اس کے ہاتھ سے اچکا
لیا۔

''بھائی۔'' وہ پریشان ہو کر بھائی کو دیکھنے لگی۔

''بس ایک تصویر۔'' اس نے بہن سے التجا کی تو وہ سمجھ گئی۔

''لائیں مجھے دیں میں بنا دوں گی۔ اگر امی نے دیکھ لیا تو برا ہو گا۔'' اس نے بھائی
کان میں سرگوشی کی۔

''خاصی سمجھدار ہو گئی ہو۔'' اس نے کیمرہ بہن کو واپس کر دیا۔

''ذرا بہت اچھی سی بنانا۔'' اس نے دوبارہ سرگوشی کی۔

''میں کیا بناؤں گی۔ اسے تو خدا نے خود بنایا ہے۔'' وہ ہنستی ہوئی اسی طرف چلی
جہاں سب لڑکیاں بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھیں اور رمشاء سب سے منفرد اور حسین دکھا

دے رہی تھی۔

''بیٹھو ناں تم کہاں گم ہو؟'' عمیر نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

''لگتا ہے کافی گھائل ہوئے کروں بات رامین بھابی سے۔'' عمیر جو اس کے حالِ دل
سے واقف تھا اس کی کیفیت دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

''نہیں ابھی نہیں۔'' وہ اداس سا ہو گیا۔

''کیوں کیا مسئلہ ہے؟'' عمیر بھی پریشان ہو گیا۔

''بس ہے ناں کوئی مسئلہ پھر بتاؤں گا۔''

''نہیں ابھی بتاؤ ورنہ مجھے فکر رہے گی۔''

''تم فکر نہ کرو اور ادھر دیکھو۔ تمہیں فی الحال اور کچھ دیکھنے یا سوچنے کی ضرورت نہیں۔''

''کیوں بھابی؟'' اس نے عمیر کا سر ساتھ بیٹھی طوبیٰ کی طرف گھما دیا جو لجا کر اور بھی جھک
گئی۔

''ویسے یار پسند آئی تمہیں ہماری پسند چھوٹے قد والی اور بھاری وزنی سی۔'' وہ اسے
چھیڑنے لگا۔

''بکو مت۔ تم سے تو میں پھر حساب لوں گا تم نے بھی مجھے ستانے میں بہت مزے
لیے۔'' وہ اسے مکا دکھا کر کہنے لگا۔

''ارے ارے دولہے میاں بری بات۔ اسٹیج پر بیٹھ کر لڑائی جھگڑا۔'' رامین بھابی جو
رمشاء کے ساتھ تھیں اسٹیج پر آتے ہی انہوں نے عمیر کو مکا اٹھائے دیکھ لیا تھا۔

''جی وہ بس۔'' اس نے شرمندہ سا ہو کر اپنا ہاتھ نیچے کر لیا۔

''چلیں جناب آپ یہاں سے اٹھیں، دھرنا ہی مار لیا ہے۔'' ارم بھی وہاں آ گئی تھی اس
نے حشام کو اٹھنے کا حکم دیا۔

''تم لوگوں کو کیا مسئلہ ہے میرے یہاں بیٹھے رہنے سے۔'' اس کی شرارت کی رگ
پھڑکنے لگی۔

''ہے ناں کچھ مسئلہ۔ بس اٹھیں۔'' مائدہ نے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اسے زبردستی اٹھانا
چاہا۔

''تم بھی انہی میں بیٹھ جاؤ۔'' اس نے بہن کو بھی وہیں بٹھا لیا۔

''بھائی۔'' اس نے بھائی کو گھورا۔

''چپ۔'' جواباً اس نے اس کے منہ پر انگلی رکھ دی۔

"لگتا ہے دولہا بننے کی پریکٹس ہو رہی ہے۔" ماریہ نے اپنے طور پر تو فقرہ ہی کسا تھا مگر وہ اسے الٹا ہی پڑ گیا۔

"آئیں آپ دلہن بننے کی پریکٹس کر لیں۔"

"حشام بھائی۔" وہ تو بیچاری بلش ہی ہو گئی۔

"بری بات اس طرح کھلے عام بھائی بھائی نہیں کہتے۔" وہ بھلا کب چپ رہتا۔

"اچھا چلیں آپ بھی دولہا بن ہی جائیں گے اگر کسی بیچاری کا نصیب پھوٹا ہوا تو۔" ماریہ نے بھی زبردستی اسے اٹھا ہی دیا۔

"ارے واہ قسمت کیوں پھوٹی ہو گی، میری دلہن تو بہت خوش نصیب ہو گی۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"کیوں ایسی کیا خاص بات ہے آپ میں؟" اب کی بار ارم نے آنکھیں نکالیں۔

"تمہاری کیا نظر کمزور ہے۔ بی بی ذرا غور سے دیکھو۔" حشام نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑی شان سے کہا۔

"اتنا اسمارٹ اور وجیہہ نوجوان، لڑکیاں مرتی ہیں مجھ پر اور میری دلہن بننے کے تو خواب دیکھا کرتی ہیں۔" اس نے رمشاء کی طرف بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔

"اور میری دلہن، کوئی عام سی لڑکی تھوڑی ہو گی۔" رمشاء اس کی آنکھوں کی تپش سے گھبرا گئی۔

"تو کیسی ہو گی؟" ارم کو ہنسی آنے لگی۔

"شہزادیوں جیسی آن بان والی ہو گی، پریوں جیسی حسین ہو گی۔" وہ مسلسل رمشاء کو دیکھ رہا تھا۔

"پھر تو آسمان سے اترے گی۔" ماریہ پھر بول پڑی۔

"آسمان سے تو اتر چکی ہے۔"

"اچھا کہاں ہے ہمیں بھی تو دکھاؤ۔" ارم نے دلچسپی ظاہر کی۔

"وہ صرف مجھے دکھائی دیتی ہے اسے صرف میں محسوس کر سکتا ہوں اور کوئی نہیں۔"

"اچھا اس کا نام تو بتا دو۔" رامین جو سب جانتی تھیں اسے چھیڑنے کو بولیں۔

"میری آنکھوں میں پڑھ لیں، بلکہ دیکھ لیں نظر آ جائے گی۔" وہ مسکراتا ہوا رامین کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"چلو بھاگو یہاں سے۔" رامین نے اس کے کندھے پر ہلکا سا ہاتھ مارا وہ دل ہی دل

میں ڈر گئی تھیں کہ کہیں وہ نام ہی نہ لے دے سب کے سامنے۔ وہ ہنستا ہوا چلا گیا مگر جاتے جاتے رمشاء کی طرف ایسی نظروں سے دیکھ کر گیا تھا کہ اس نے اپنا چہرہ ارم کے پیچھے چھپا لیا۔

یہ محبت بھی عجیب شے کا نام ہے جانے کب سے دلوں کے اندر پلتی رہتی ہے بالکل راکھ میں دبی ہوئی ننھی سی چنگاری کی مانند اور جب اپنے مقابل وہ اس چمک کو پاتی ہے جو خود اس کے اندر بھی دبی ہوتی ہے۔ تو بھڑک اٹھتی ہے۔ چنگاری سے آگ بن جاتی ہے اور لوبان کی دھونی کی طرح چاروں جانب پھیل جاتی ہے۔

رمشاء جس نے کبھی ایسا نہ سوچا تھا جو عام سی سوچ کی مالک لڑکی نہ تھی۔ خوابوں میں نہ رہتی تھی لیکن ایک ہی لمحے میں جانے کیا ہوا کہ وہ خواب دیکھنے لگی۔ اسے حشام کو دیکھ کر بالکل ایسا نہ لگا کہ وہ اس کے لیے اجنبی یا غیر ہے۔ بلکہ ایسا لگا کہ یہ تو وہی ہے جس کا اسے انتظار تھا۔

حشام لاکھ شرارتی اور شوخ تھا لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا تھا مگر عورت کو بہت قابلِ عزت اور مقدس سمجھتا تھا۔ اس کی کلاس فیلوز اس خوش فہمی میں اکثر رہا کرتیں کہ شاید حشام دوستی سے بڑھ کر کسی طرح کے التفات سے انہیں نواز دے گا۔ مگر وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا۔

"محبت تو بس میں اسی سے کروں گا جو میری حیات کا حصہ بنے گی۔ جسے میں چاہوں گا وہ میری حیات ہو گی اور حیات اسی کے نام ہو گی۔"

"کیا وہ بے حد حسین ہو گی۔" وہ پوچھتیں۔

"نہیں صرف حسن میرا معیار نہیں۔ وہ کوئی عام سی شکل و صورت کی لڑکی بھی ہو سکتی ہے۔"

"تو وہ ہم میں سے بھی تو کوئی ہو سکتی ہے۔" دانیہ جو حشام پر اچھی خاصی فدا تھی جھٹ پوچھتی۔

"نہیں وہ تو جب میرے سامنے آئے گی مجھے خود پتا چل جائے گا۔" وہ آنکھیں بند کر کے کہتا۔

"کیا چاروں طرف گھنٹیاں بجنے لگیں گی۔" وہ جل کر کہتی۔

"گھنٹیاں تو نہیں البتہ ایک کھنک سی ضرور ہو گی۔ یہاں۔" وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ دیتا۔

"اور ایک آواز آئے گی کہ یہ وہی ہے اس کی اپنی ایک خوشبو ہو گی جو اپنا تعارف خود کرا دے گی۔"

''اسے دماغی امراض کے ماہر کی ضرورت ہے۔'' دانیہ ہنستی۔

''تمہیں کیا خبر یہ کیا چیز ہوتی ہے؟ یہ جذبوں کی بات ہے بی بی فیشن کی نہیں۔'' وہ دانیہ کا منہ چڑاتا کیونکہ وہ کچھ زیادہ ہی فیشن کیا کرتی تھی۔ وہ جل کر منہ پھلالیتی اور وہ ہنستا ہوا اپنی نوٹس بک اٹھا کر چل دیتا۔

اور جب رمشاء پر اس کی پہلی نظر پڑی تو اس کے دل میں ایک کھنک ہوئی ایک شوخ ہنسی دھڑکنوں سے ابھری۔ وہ قریب سے گزری تو اس کی مخصوص خوشبو نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''یہ میں ہوں۔'' اس نے اپنا تعارف کرادیا۔

''وہی جس کا تمہیں انتظار تھا۔ میں اس خوبصورت وجود کی مکین ہوں۔'' وہ سرسرا کر گزری۔

''سنو! میں نے تمہیں پتا بتا دیا ہے اب اسے حاصل کرنا تمہارا کام ہوگا۔''

وہ ایک لمحے کو ٹھہری اور چاروں طرف پھیل گئی۔ باہر بھی اور اس کے اندر بھی۔ ایسا ہی ایک تعارف حسّام کے وجود سے جدا ہونے والی خوشبو نے رمشاء کے ساتھ بھی کروا دیا تھا جس کے بعد اس کی پلکوں پر حیا کا بھاری بوجھ خود بخود آ گیا تھا۔ اور تب سے جب بھی دونوں کا سامنا ہوتا تھا دونوں تو چپ رہتے مگر آنکھوں سے نکلنے والی روشنی باتیں کرتی یا وجود سے اٹھتی خوشبوئیں۔ وہ تو بس سنا کرتے تھے۔

حسّام کا جب سے خوشبو سے تعارف ہوا تھا وہ تو اسے پانے کی سعی میں بے قرار تھا۔ اور ایک عہد سے تو وہ بندھ ہی چکا تھا کہ اگر یہ نہیں تو کوئی نہیں۔ کچھ نہیں کبھی نہیں' اپنی امی جان سے بات وہ کر چکا تھا اور اب ابو سے بات کرنے کا سوچ رہا تھا۔

☆======☆======☆

دعوتِ ولیمہ بھی اچھے طریقے سے اپنے انجام کو پہنچی۔ شہر سے آئے سب مہمان تو رخصت ہو گئے تھے اب صرف چند دور سے آئے مہمان وہاں موجود تھے یا پھر طوبیٰ کے گھر والے۔ وہ طوبیٰ کو ساتھ لے کر جانے کے لیے رکے ہوئے تھے۔ اور جب سے عمیر کو یہ پتا چلا کہ آج طوبیٰ اپنے میکے جائے گی اس کا دل بے چین ہو گیا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر پریشانی سے پھر رہا تھا۔ طوبیٰ کو اگرچہ واپس اس کے بیڈروم میں بٹھا دیا گیا تھا مگر اس کے پاس اس کی آپا اور چھوٹی بہن تھیں۔ ارم اور رمشاء بھی وہیں تھیں۔ سمیر سعد خان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں تھا۔

''بھابی...... بھابی۔'' وہ آخر کچن میں کشمیری چائے بناتی رامین کے پاس آ گیا۔

''ہاں کہو۔'' وہ چائے پھینٹتے ہوئے بولیں۔

''بھابی وہ طوبیٰ آج اپنے گھر جائے گی۔'' وہ پریشانی سے اپنے ہاتھ مروڑ رہا تھا۔

''ہاں جائے گی۔ سب ہی دلہنیں جاتی ہیں۔'' وہ غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

''کیا ضروری ہے؟''

''ہاں ضروری ہے۔''

''کل چلی جائے میں خود لے جاؤں گا۔''

''نہیں کل تم جا کر اسے لے آنا بلکہ ہم سب جائیں گے اسے لے کر آئیں گے۔''

''بھابی پلیز۔'' وہ منت کرنے لگا۔

''کیوں جان نکال رہے ہو' تم بھی ساتھ جاؤ گے اس کے۔ وہ تنہا تھوڑی جائے گی۔'' انہوں نے اس کی مشکل حل کردی۔

''کیا سچ؟'' وہ ایک دم کھل گیا۔

''جی مگر ذرا دھیان سے اور تمیز سے رہنا سسرال میں پہلی بار جا رہے ہو۔'' وہ نصیحت کرنے لگیں۔

''کیا مطلب کیا میں نہیں جانتا۔'' وہ کچھ خفا ہو گیا۔

''جانتے ہو بھئی جانتے ہو۔ اچھا سنو تمہیں ہمارا انتخاب واقعی پسند آیا۔'' وہ جان بوجھ کر اسے ستانے کو پوچھنے لگیں۔

''پسند! بھابی آپ نے تو مجھے میرے خوابوں کی تکمیل دی ہے۔ یہ تو احسان ہے مجھ پر۔'' وہ بھابی کا شکریہ ادا کرنے لگا۔

''اونہہ...... یہ تو خدا کا فیصلہ تھا۔ اس کا شکر ادا کرو۔ انعام ہے اس کی رحمت کی طرف سے۔''

''بے شک۔'' وہ خدا کے حضور شکر گزار ہوا۔

''اچھا اب جاؤ اندر میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' وہ اس کے چہرے پر خوشی کا رنگ دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

''بھابی! میری تیاری۔'' وہ بچوں کی طرح پوچھنے لگا۔

''کروی ہے تمہاری ساری تیاری' لیکن اب بس' اب اپنی دلہن سے کروایا کرنا یہ سب...... میری ڈیوٹی ختم۔'' انہوں نے ساتھ ہی فیصلہ بھی سنا دیا۔

''آخر اب میں بھی تو آرام کروں گی۔ رعب جماؤں گی کسی پر...... آخر کو جیٹھانی بن گئی

ہوں۔'' وہ ذرا کمر پر ہاتھ رکھ کر اکڑ گئیں۔

''واہ...... کیا ارادے ہیں۔ لڑائی جھگڑوں کی ابتدا ہونے والی ہے۔'' وہ بھابی کے انداز پر ہنسنے لگا۔

''جی بالکل اب تو کچن سے ایسی ہی آوازیں آیا کریں گی۔''

''رامین...... رامین۔'' سعد خان آوازیں دیتے آ رہے تھے۔

''جی۔'' وہ ایک دم ہی الرٹ ہو گئیں۔

''بھئی چائے کہاں ہے دیر ہو رہی ہے ان لوگوں کو۔'' وہ کچن میں آ کر پوچھنے لگے۔

''بس دو منٹ۔ ابھی لائی۔'' وہ جلدی سے چائے کو ٹی پاٹ میں انڈیلنے لگیں۔

''اور تم کیا کر رہے ہو یہاں جاؤ جا کر سسرال جانے کی تیاری کرو۔'' انہوں نے عمیر کو وہاں کھڑے دیکھ کر کہا۔

''جی وہی کر رہا ہوں۔'' وہ فوراً ہی وہاں سے کھسک گیا۔

''پہلی بار سسرال جانے کا شوق بھی کیا چیز ہوتا ہے آدمی اپنے حواسوں میں ہی نہیں رہتا۔'' وہ اسے جاتا دیکھ کر کہنے لگے۔

''اور پہلی بار کسی کو دیکھنے اور ملنے کا خمار بھی کیا چیز ہوتا ہے۔ ساری عمر نہیں اترتا۔'' انہوں نے چائے کے کپ ٹرالی پر رکھتی رامین کا ہاتھ تھام لیا اور آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال دیں۔

''میرا تو خود دل کر رہا ہے اپنے سسرال جانے کو۔'' وہ پھر شرارت پر اتر آئے تھے۔

''تو چلے جائیں۔'' رامین نے اپنا ہاتھ چھڑا کر ٹرالی کو گھسیٹا۔

''ہاں چلے تو جائیں مگر اسی طرح چلیں تو بات ہے۔'' انہوں نے اس کی لمبی چوٹی اپنے ہاتھ میں لے لی۔

''کس طرح؟'' رامین کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

''اسی طرح جیسے عمیر اپنی دلہن کے ساتھ جا رہا ہے۔'' وہ ذرا سے جھجکے۔

''آں ہاں۔ امی جان آواز دے رہی ہیں۔ آئی امی جان بس چائے تیار ہے۔'' انہوں نے جھوٹ موٹ ہی امی جان کا نام لیا اور ٹرالی کھینچتی باہر نکل گئیں۔

''پگلی۔'' سعد خان بیوی کی اس ادا پر مسکرا دیئے اور خود بھی ان کے پیچھے چل دیئے۔

☆======☆======☆

کرنل سمیع اللہ کے گھر آج وہ اس گھر کا ایک باقاعدہ فرد بن کر نکاح کے بعد پہلی بار آیا

اس کا شایانِ شان استقبال ہوا تھا۔ سب سے پہلے کرنل صاحب نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

''کیسے ہو نوجوان؟'' وہ اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''دیکھنے میں تو بہت اچھے اور پیارے دکھائی دے رہے ہو اور فٹ بھی۔'' وہ خود ہی جواب دے کر مسکرانے لگے۔

''السلام علیکم۔'' بیگم کرنل کو دیکھ کر عمیر نے ادب سے سلام کیا۔

''جیتے رہو۔ خدا خوش رکھے۔'' انہوں نے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ نویرہ آپا اور تانیہ تو ان کے ساتھ ہی آئی تھیں۔

''آؤ بھئی دولہا میاں۔ تم لوگوں کو تمہارا کمرا دکھا دوں۔'' نویرہ آپا انہیں ساتھ لے گئیں۔ شرمائی لجائی سی طوبیٰ بھی اس کے ہم قدم تھی۔

''یہ کمرا پہلے صرف طوبیٰ کا تھا اب تم دونوں کا ہے۔ آؤ۔'' نویرہ آپا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔

''تم لوگ ذرا سا آرام کرو پھر تمہیں بہت اچھی کافی پلواتے ہیں۔ البتہ تفصیلاً بات چیت تو تم لوگوں سے صبح ہی ہوگی۔'' وہ انہیں کمرے میں چھوڑ کر جلد ہی باہر چلی گئیں۔

''طوبیٰ تمہیں گرے کلر بہت پسند ہے۔'' عمیر نے کمرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ یہاں بھی گرے کلر اسکیم کے تحت ہی ساری سیٹنگ تھی۔

''جی۔ بس ایسے ہی۔'' اس نے جھکی جھکی نظروں سے آہستگی سے جواب دیا۔

''اب تو میرا دل کر رہا ہے کہ میرا رنگ بھی گرے ہی ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔'' وہ سامنے صوفے پر بیٹھ کر اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔

''کیوں۔'' اس نے ایک دم نظریں اوپر اٹھائیں۔

''کم از کم تم مجھے توجہ اور شوق سے دیکھا تو کرتیں۔'' وہ شرارت سے مسکرایا۔ وہ اور شرما گئی۔

''آپ برا نہ منائیں تو میں ذرا امی کے پاس جاؤں۔''

''جی تو نہیں چاہتا کہ ایک پل کو بھی تم آنکھوں سے اوجھل ہو مگر امی جان کے پاس جانا ہے تو منع نہیں کروں گا۔ جاؤ......''

''سنو۔'' فوراً ہی اس نے پکار لیا۔

''جی۔'' اس کے اٹھتے قدم وہیں رک گئے۔

''جلدی آنا۔''

''بہتر۔'' وہ اس کی آنکھوں کی تپش سے بچ کر نکل گئی۔

☆======☆======☆

''امی جان! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ آ کر ماں کی گود میں چھپ گئی۔

''کیوں بیٹا۔'' بیگم سمیع اللہ پریشان ہوگئیں۔

''اماں! آپ لوگوں نے انہیں ساری بات بتا دی تھی ناں؟'' وہ کسی خوف سے پیلی ہو رہی تھی۔

''میں نے صبورہ بہن سے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ کچھ بھی نہیں چھپایا۔'' وہ خود بھی پریشان ہوگئی تھیں۔

''کیا عمیر کو خبر ہے؟'' وہ رو دینے کو تھی۔

''خبر ہوگی بیٹا! سعد' رامین' ارم۔ صبورہ بیگم کسی سے ہم نے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ انہوں نے بتا دیا ہوگا۔''

''نہیں اماں ایسے نہیں' پتہ نہیں عمیر کو پتا ہے کہ نہیں۔'' وہ خوفزدہ سے بچے کی طرح لگ رہی تھی۔

''کیا ہوا طوبیٰ! میری جان۔'' نوریہ آپا کو جب پتا چلا کہ طوبیٰ پریشان ہو رہی ہے وہ بھاگی آئیں۔

''آپا! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ ان کے گلے سے لگ گئی۔

''کس بات سے ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ پیار سے اس کے بال سنوارنے لگیں۔

''آپا عمیر بہت اچھے ہیں۔ مگر......''

''مگر کیا؟''

''آپا آپ لوگوں کو چاہیے تھا کہ انہیں سب کچھ بتا دیتے۔''

''ہم نے اس کے گھر والوں کو سب بتا دیا تھا انہوں نے اگر عمیر کو نہیں بتایا تو اس کی کوئی مصلحت ہوگی۔ تم کیوں اپنا جی برا کرتی ہو۔''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے آپا۔ وہ تو...... وہ تو میرے بارے میں یہ تک نہیں جانتے تھے کہ میں کون ہوں۔'' طوبیٰ نے ساری بات نوریہ آپا کو سنا دی. کہ اس کے گھر والوں نے عمیر کو کس قدر سسپنس میں رکھا ہوا تھا۔

''اچھا خدا خیر کرے گا۔'' وہ بھی کچھ کچھ پریشان ہوگئیں۔

''مگر تم اپنا دل خراب نہ کرو۔ میں رامین اور سعد بھائی سے کہوں گی وہ معاملے کو بہتر طور پر سنبھالیں گے۔ چلو اب تم اپنا حال درست کرو۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارو۔ دیکھو آنکھیں کیسی لال ہو رہی ہیں۔'' انہوں نے اسے پکڑ کر باتھ روم میں دھکیلا۔

''نوریہ! کیا ہوگیا۔'' بیگم سمیع بہت پریشان ہوگئی تھیں۔

''اماں خدا سے دعا کریں وہ بہتر کرے گا۔ اور اب سب خود کو نارمل رکھیں' عمیر پہلی بار ہمارے گھر آئے ہیں انہیں کچھ محسوس نہ ہو۔'' انہوں نے ماں کو پیار سے تسلی دی اور خود کچن میں کافی بنانے چل دیں۔ پھر وہ ٹی وی لاؤنج میں کافی اور ڈرائی فروٹ وغیرہ لے آئیں تانیہ نے مٹن چانپ روسٹ کر لیا تھا۔ عمیر اور طوبیٰ کو بھی وہ لوگ وہیں بلا لائے۔ کافی دیر تک خوش گپیوں کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کا سلسلہ چلتا رہا۔

کرنل صاحب اور کیپٹن سمیر بالکل ایک سی نیچر کے انسان تھے خوش دل اور جولی' انہوں نے فوج کے دلچسپ قصے' فوجیوں کے لطیفے اور دلچسپ واقعات سنا سنا کر سب کو خوب ہنسایا۔ عمیر کو بالکل نہ لگ رہا تھا کہ وہ پہلی بار ان لوگوں میں یوں آ کر بیٹھا ہے بلکہ اسے تو لگ رہا تھا کہ ان کے درمیان کبھی غیریت اور اجنبیت تھی ہی نہیں۔ طوبیٰ بے تکلفی و بےفکری سے ہنستے عمیر کو دیکھ کر دل ہی دل میں دعائیں کر رہی تھی۔

''خدایا! جسے تُو نے میرا مجازی خدا بنا دیا ہے اب کبھی میری وجہ سے اسے دکھی نہ کرنا۔ خدایا! تُو میری لاج رکھنا اور تُو جانتا ہے میں بالکل بے قصور تھی۔ خدایا! اس کی محبت کو اب کبھی مجھ سے جدا نہ کرنا۔''

☆======☆======☆

عمیر کی شادی کو ایک ہفتہ ہوگیا تھا۔ وہ بے انتہا خوش تھا طوبیٰ بھی گھر والوں کے ساتھ گھل مل چکی تھی۔ وہ بہت خوش تھی اسے بالکل نہ لگتا تھا کہ اسے اس گھر میں آئے چند روز گزرے ہیں بلکہ لگتا تھا کہ وہ ہمیشہ سے اسی گھر میں رہتی تھی۔ اب تو وہ عمیر کے سب کام خود کرنے لگی تھی اور چاہتی تھی کہ گھر کے کاموں میں بھی رامین بھابی کا ہاتھ بٹائے لیکن رامین اسے منع کر دیتیں۔

''نہیں ابھی نہیں ابھی تو تمہاری مہندی کا رنگ بھی ہلکا نہیں ہوا۔''

''کرنے دیں بھابی ورنہ اسے فارغ رہنے کی عادت پڑ جائے گی۔'' عمیر اسے چھیڑنے کو کہتا۔

''جب میں محسوس کروں گی اسے فراغت کی عادت ہو رہی ہے تب کام میں لگا دوں گی'

اور پھر یہ ہم دونوں کا معاملہ ہے تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟'' وہ اسے فوراً ہی ٹھنڈا کر دیتیں۔

''واہ مزے ہیں۔'' وہ طوبیٰ کی طرف دیکھ کر ہنستا۔

''اپنے اپنے نصیب ہیں۔'' وہ بھی جواباً مسکرا دیتی۔

''عمیر...... بھئی عمیر کہاں ہو تم؟'' ایک شام سعد خان گھر میں داخل ہوئے تو اسے پکارنے لگے۔

''جی السلام علیکم بھائی جان۔'' فوراً ہی طوبیٰ نے اپنا دوپٹہ درست کیا۔

''جیتی رہو...... عمیر کہاں ہے؟'' وہ اسے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔

''جی وہ......'' اس نے باتھ روم کی طرف اشارہ کیا۔

''اچھا......'' وہ باتھ روم کے قریب آ گئے۔

''بھئی جلدی نکلو' ایک خوشخبری ہے۔'' ان سے صبر نہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے باتھ روم کا دروازہ بجانا شروع کر دیا۔

''بھائی جان آپ بیٹھیں ناں۔'' طوبیٰ نے انہیں بیٹھنے کو کہا۔

''تم ایسا کرو امین سے کہو چائے بنائے اور ساتھ کچھ میٹھا بھی۔'' وہ بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔

''جی بہتر۔'' وہ فوراً کچن کی طرف چل دی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ خود ہی چائے بنا لائے گی اور پھر امین کو بتائے گی۔

''او یار نکلو بھی' بہت دیر لگاتے ہو عورتوں کی طرح۔'' وہ بے صبرے ہو کر بار بار باتھ روم کا دروازہ پیٹ رہے تھے۔

''جی بھائی جان...... خیریت......؟'' وہ گھبرا کر باہر نکلا۔

''خیریت ہے بالکل خیریت۔'' انہوں نے اسے کندھوں سے تھام لیا۔

''تمہیں بہت مبارک ہو۔'' وہ بہت خوش تھے۔

''کیا ہوا؟'' وہ حیران تھا۔

''تمہیں...... تمہیں ہائر اسٹڈی کے لیے اسکالرشپ مل گیا ہے۔ اور فوراً بلایا ہے بس تیاری کرو۔'' ان سے خوشی چھپائی نہ جا رہی تھی۔

''کیا بھائی جان؟'' اسے یقین نہ آیا۔

''جی...... یہ دیکھو......'' انہوں نے ایک لفافہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ''چلو امی جان کو یہ خوشخبری سنائیں۔'' وہ اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لیے چل دیئے۔

وہ بھی بہت خوش تھا وہ بہت زیادہ تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا اور بہت آگے جانا چاہتا تھا' اور جب سے طوبیٰ اسے ملی تھی تب سے اس کی یہ خواہش شدید ہو گئی تھی وہ اسے دنیا کی ہر نعمت دینا چاہتا تھا۔ طوبیٰ کی بھی یہ خواہش تھی کہ عمیر بہت ترقی کرے اس کا ایک نام ہو' جس پر وہ فخر کر سکے۔

☆======☆======☆

صرف ایک ماہ کے بعد اس نے جانا تھا پورے ایک سال کے لیے اور بار بار اسے یہی یقین دلا رہا تھا کہ وہ وہاں جا کر سب سے پہلی کوشش یہ کرے گا کہ جلد ہی طوبیٰ کو وہاں بلا لے...... لیکن وہ بہت اداس ہو گئی تھی۔

''طوبیٰ...... طوبیٰ...... پلیز دیکھو...... دیکھو ایسے مت کرو......'' وہ بے قراری سے اسے سمجھا رہا تھا۔ اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔

''ایسے مت روؤ...... یہ آنسو...... یہ تو میری جان لے لیں گے۔'' وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیے ہوئے تھا۔

''کیا میں نہ جاؤں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''نہیں میں نے یہ تو نہیں کہا۔'' اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''تم نے تو نہیں کہا مگر تمہارے آنسو تو زنجیر بن رہے ہیں میرے پاؤں کی۔'' اس نے چمکتے قطروں کو اپنی ہتھیلی پر اتار لیا۔

''اب نہیں روؤں گی۔'' اس نے جھٹ اپنے آنسو صاف کر لیے۔ مگر وہ تو رک ہی نہیں رہے تھے۔

''میں...... میں......'' وہ اٹھ کر واش روم میں بھاگ گئی اور جا کر پانی کا نل کھول دیا اور خوب روئی۔

''طوبیٰ مجھے پتا ہے تم اندر کیا کر رہی ہو' چلو باہر آؤ۔'' عمیر جانتا تھا کہ وہ اندر آنسو بہا رہی تھی۔ اس نے جلدی سے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر مارے چہرہ سرخ ہو گیا تھا رگڑ رگڑ کر اپنی آنکھیں خشک کیں اور مشکل سے خود پر قابو پا کر باہر آئی۔

''چلو میں نہیں جاتا...... گولی مارو ہائیر اسٹڈی کو۔'' وہ اسے دونوں کندھوں سے تھام کر کھڑا ہو گیا۔

''نہیں آپ ضرور جائیں گے۔'' وہ مسکرا دی۔

''ہرگز نہیں جاؤں گا' تم میرے بعد میں رو رو کر ہلکان ہو جاؤ گی۔''

"نہیں روؤں گی۔" وہ اس کے ہاتھوں سے کھیلنے لگی۔

"مجھے کیسے یقین آئے گا؟" اس نے اس کی کلائی میں کھنکتے کنگنوں کو چھیڑ دیا۔

"وعدہ' نہیں روؤں گی۔" اس نے اپنا سر اس کے کندھے سے لگا دیا۔

"پکا وعدہ۔"

"ہوں پکا۔"

"چلو پھر اس پورے مہینے میں تمہارا امتحان ہوگا۔" اس نے اسے صوفے پر بٹھا دیا۔

"کیسا امتحان؟" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر پوچھا۔

"میرے جانے تک اور میرے جانے کے بعد بھی تم آنسو نہیں بہاؤ گی نہیں بہاؤ گی نا۔" وہ اقرار چاہتا تھا۔

"نہیں......" اس نے بمشکل کہا۔

"شاباش......چلو اٹھو......" اس نے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"کہاں؟"

"چلو تمہیں آئس کریم کھلا کر لاؤں۔"

"رمشاء' ارم اور رامین بھابی کو بھی لے لیں۔" وہ خوش ہوگئی۔

"چلو انہیں تیار کرو۔" وہ وارڈ روب سے اپنی شرٹ نکالنے لگا۔ اور وہ خوش خوش ارم' رامین وغیرہ کو تیار کرنے چل دی۔

☆======☆======☆

رامین کی امی اور ابو تو واپس کوئٹہ چلے گئے تھے مگر رمشاء کو ارم نے ضد کر کے روک لیا کہ کچھ روز لاہور اور رہے گی۔ رامین اور صبورہ خاتون نے بھی انہیں کہہ دیا تھا کہ رمشا رہنے دیں۔ سعد خان تو یہاں تک کہہ رہے تھے کہ خود وہ اور رامین رمشاء کو چھوڑنے کو آئیں گے اور اس طرح وہ بھی کچھ روز کوئٹہ رہ لیں گے۔

"رامین! ذرا بہن کا دھیان کرنا۔" رابعہ خان نے ایسی اداسی سے کہا تھا کہ جیسے رمـ کوئی چھوٹی بچی ہو۔

"یہ میری بہن ہے امی جان اور پھر یہ رمشاء کا اپنا گھر ہے۔" وہ ماں کی طرف پیار دیکھتی ہوئی بولیں۔

"میرا مطلب ہے اب اس کے بارے میں کچھ اور سوچو......تمہارے ابو انگلینڈ وا کا کہہ رہے ہیں مگر میں کہتی ہوں کہ اس کا کچھ ہو جائے تو اچھا ہو۔" وہ معنی خیز انداز

بولیں تو رامین کو معاملہ سمجھ آ گیا۔

"آپ فکر نہ کریں امی......اللہ تعالیٰ بہتر ہی کرے گا اور اسے تو بہت اچھا بر ملے گا۔"

وہ کچھ سوچ کر مسکرا دیں۔

"اچھا' ہے کوئی نظر میں......" وہ خوش ہوگئیں۔

"دیکھیں امی جو خدا کو منظور ہو......قبل از وقت تو کسی سے امید نہیں باندھنی چاہیے یہ فیصلے تو خدا ہی کرتا ہے اور وہی جانتا ہے۔"

"پھر بھی......دیکھنا تو سہی......" وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھیں جو آخر ان کی زبان سے نکل ہی گیا۔

"وہ حشام کیسا ہے؟"

"بہت اچھا ہے۔" وہ ماں کے دل کی بات جان کر ہنس دیں۔

"مجھے محسوس ہوا ہے جیسے وہ رمشاء میں دلچسپی لے رہا تھا تم سعد نہیں' نہیں اپنے عمیر سے بات کر کے دیکھنا۔"

ان کے لہجے میں امید کے ساتھ ایک خوشی کا عنصر بھی شامل تھا ان کا اپنا دل چاہتا تھا کہ ایسا ہو جائے۔ حشام انہیں اچھا لگا تھا اور انہوں نے کئی بار حشام کی نظروں میں رمشاء کا عکس لہراتا دیکھا تھا۔ وہ کھلے دل و دماغ کی عورت تھیں ان کے خیال میں بڑوں کے فیصلوں میں اگر چھوٹوں کی رضا اور خوشی شامل ہو تو زندگی میں پھر خوشی کی ضمانت سی ہو جاتی ہے۔

"امی جان آپ فکر نہ کریں اگر خدا کو منظور ہوا تو ایسا ضرور ہوگا۔"

رامین نے ماں کو مطمئن کر کے بھیجا تھا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اک آس کی گرہ اپنے آنچل میں لگا لے گئی تھیں۔ یہ جوان بیٹیوں کی مائیں بھی عجیب دل رکھتی ہیں ادھر بیٹی نے جنم لیا ادھر یہ اس کے مستقبل کے خواب دیکھنے لگیں۔ ادھر بیٹی نے بلوغت کو چھوا اور ادھر ان کے دل میں فکریں اور وسوسے بس گئے۔ خدا کرے اسے کوئی دکھ نہ ملے' ایسا گھر ملے' ایسا بر ملے۔ اور پھر تو جہاں کوئی خوبصورت اور لائق نوجوان دیکھا آنکھوں نے اسے اپنی بیٹی کے دولہا کے روپ میں دیکھنا شروع کر دیا۔ پتا نہیں ماؤں کے دل ایسے کیوں ہوتے ہیں؟

دل تو شاید ہر عورت کا ایک ہی جیسا ہوتا ہے بس محبت ہی چاہتا ہے۔ پہلے اپنے لیے' پھر اپنے ہم سفر کے لیے اور پھر بچوں کے لیے یہ تو ایک سلسلہ جاری رہتا ہے' دھڑکنوں کے شمار کے ساتھ' عورت تو جب تک زندہ رہتی ہے محبت ہی کو تلاشتی رہتی ہے وہ اسے ملے یا نہ ملے مگر وہ اپنی تمام عمر اس کی کھوج اور اس کے حصول میں ہی گزار دیتی ہے۔

رابعہ خان تو ایک امید اپنے ہمراہ لے گئیں مگر رامین کو بھی فکر مندی کا ایک نیا رخ دے
گئیں' انہیں تو خود حشام بہت پسند تھا' بالکل اپنے بھائی کی طرح عزیز تھا اس نے کبھی عمیر اور
حشام میں کوئی فرق نہ سمجھا تھا' حشام کے اشارے' اس کی ذومعنی باتیں اور وہ گہری گہری
رمشاء کی طرف دیکھتی آنکھیں' وہ جان گئی تھیں کہ حشام خود یہی چاہتا ہے' اور اب تو وہ ہر پل
یہی دعا کر رہی تھیں کہ خدا کرے حشام کے گھر سے جلد یہ پیغام آئے' مگر جانے کیا بات تھی
پچھلے چار پانچ روز سے نہ تو حشام کا فون آیا تھا اور نہ وہ خود آسکا تھا ان کا دل پریشان سا تھا۔

☆======☆======☆

''چلو ایسا کرتے ہیں راستے میں سے مائدہ اور حشام کو بھی لے لیتے ہیں۔'' عمیر نے
اچانک ہی گاڑی کا رخ فیصل ٹاؤن کی طرف موڑ دیا۔
''کیا خیال ہے رمشاء؟'' عمیر نے رمشاء کو چھیڑا۔
''جج...... جی......'' وہ اس اچانک سوال پر ہکلا گئی۔
''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' ارم نے رمشاء کو کہنی ماری' جواباً اس نے گھور کر ارم کو دیکھا تو اس
نے کندھے اچکا دیئے۔
''کئی روز ہو گئے حشام آیا کیوں نہیں؟'' رامین پوچھنے لگیں۔
''بھابی اسے کچھ ٹمپریچر ہے تین چار روز سے۔''
''کیا بہت بیمار ہے؟'' رامین پریشان ہو گئیں ایک سایہ سا رمشاء کے چہرے پر بھی آ
گیا تھا اور دل بھی اداس ہو گیا تھا۔
''نہیں نہیں بیمار کہاں بس ایکٹنگ زیادہ کرتا ہے' بالکل بچوں جیسا دل ہے توبہ ذرا کچھ
ہو جائے تو بچوں کی طرح شور مچاتا ہے۔'' وہ اس کی نقلیں اتار کے بتانے لگا۔
''توبہ ہے عمیر تم تو بس۔'' رامین نے ہنستے ہنستے اسے روکا وہ سب ہی اس کے چہرے
کے زاویئے دیکھ کر ہنس رہی تھیں۔
''دیکھنا ابھی کیسا منہ بسورتا آئے گا۔'' اس نے گاڑی بلاک اے کی طرف موڑ لی۔ جلد
ہی وہ حشام کے گیٹ پر تھا اور زور زور سے گاڑی کا ہارن بجا رہا تھا۔
''عمیر بس کرو' ہارن مت دو' ہو سکتا ہے گھر میں اور بھی کسی کی طبیعت خراب ہو۔'' رامین
نے پھر اسے منع کیا۔
''باقی تو خیر ہے بس نزہت آنٹی کا بلڈ پریشر ہائی نہ ہو۔'' ارم نے کانوں کو ہاتھ
لگائے۔

''بری بات ارم۔'' رامین نے اسے بھی روکا۔
''بھابی آپ نے آنٹی کا پیار دیکھا ہے غصہ نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا ہے اُف! خدایا
غصے میں ہوں تو......''
''بات کو ادھورا چھوڑ کر اس نے پھر کانوں کو ہاتھ لگا دیئے اور رمشاء کی طرف دیکھنے
لگی۔
''بس یہی ایک خراب بات ہے ان میں ویسے دل کی بہت اچھی ہیں۔'' ساتھ ہی اس
نے اس کے ہلکی سی چٹکی لے لی۔
''اُف۔'' بے ساختہ رمشاء کے منہ سے نکل گیا۔
''کیا ہوا؟'' فوراً ہی طوبیٰ نے پلٹ کر دیکھا اس سارے راستے اور پورے وقت میں
وہ پہلی بار بولی تھی ورنہ تو صرف ان کی باتیں سن کر انجوائے کر رہی تھی۔
''کک...... کچھ نہیں' مچھر تھا موٹا سا۔'' ارم نے خالی ہاتھ اوپر کو لہرا کر جھوٹ موٹ کا
مچھر بھگایا۔
''اچھا......'' طوبیٰ جو بہت کچھ سمجھ چکی تھی اور جسے عمیر نے سب کچھ بتا دیا تھا کہ حشام
رمشاء کے لیے سیریس ہے' مسکرا دی۔
''میں اسے کھینچ کر لاتا ہوں اندر سے' سست آدمی جان بوجھ کر نہیں نکل رہا ہوگا۔''
عمیر نے گاڑی کا انجن بند کیا اور باہر نکل گیا۔ بیرونی گیٹ صرف اوپر سے بند تھا کنڈا گرا کر
اندر داخل ہو گیا۔
''دیکھنا اب بھائی انہیں گرم بستر سے بھی کھینچ لائیں گے۔'' ارم بتانے لگی۔
''ہائے کہیں سچ مچ ہی بیچارے کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہو۔'' رامین پھر پریشان ہو
گئیں۔
''ارے نہیں بھابی حشام بھائی کا دل واقعی بہت چھوٹا ہے' آپ کو ایک دن کی بات
بتاؤں۔'' وہ کوئی واقعہ سنانے لگی ساتھ ہی اس نے پھر رمشاء کا ہاتھ دبا دیا تھا۔
''ایک بار حشام بھائی کے کندھے کا کوئی پٹھہ کھینچ گیا' باؤلنگ کراتے ہوئے' حشام
بھائی کرکٹ بہت کھیلتے ہیں اور بہت اچھے باؤلر ہیں۔ بس پھر کیا تھا انہوں نے پورے گھر کا
ناک میں دم کیا ہوا تھا ہاتھ کو یوں اٹھائے پھرتے تھے جیسے کوئی پالتو لاڈلا طوطا' میں نے پوچھا
حشام بھائی کیا واقعی بہت درد ہے۔ جواباً آنکھیں نکال کر بولے۔
''اور نہیں تو کیا...... ہائے...... تمہیں کیا پتا کس قدر تکلیف ہے۔'' مائدہ نے چھیڑ دیا

کہ۔

''بس بھائی آپ شور بھی بہت کرتے ہیں۔'' تڑخ کر بولے۔

''تمہیں اتنا درد ہو تو پتا چلے...... ہائے...... میری جان پر بنی ہے اور تمہیں پروا نہ
ہائے بہنیں ایسی ہوتی ہیں۔''

وہ پھر نقل اتارنے لگیں طوبیٰ اور رامین کے تو اسے دیکھ کر ہنستے ہنستے آنسو نکل آئے
اور رمشاء البتہ ہونٹ دبا کر مسکراہٹ بھی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''حسام بھائی اپنی بیوی سے بہت خدمت لیا کریں گے۔ ہر وقت بچے ہی بنا کریں
اس کے سامنے اور وہ...... ہائے بیچاری۔'' ارم نے پھر رمشاء کی آنکھوں میں جھانکا اور وہ
گھبرا کر باہر دیکھنے لگی مگر اس کے دل میں جیسے کوئی کلیاں سی چٹکا رہا تھا اور اک خوشبو دھڑکن
سے اٹھنا شروع ہو گئی۔

☆======☆======☆

''ہائے...... تم لوگ...... وٹ اے سرپرائز۔'' مائدہ تو بھاگ کر اندر سے آئی تھی
انہیں دیکھتے ہی خوش ہو گئی تھی۔

''ہم تو ایسے ہی ہیں...... آؤ۔'' ارم گاڑی سے نکل کر اس سے ملی دونوں میں بہت د
تھی بلکہ تینوں میں طوبیٰ بھی تو ان کی دوست اور کلاس فیلو ہی تو تھی۔

''واہ' کیا بات ہے دلہن صاحبہ کیا حال ہیں؟'' مائدہ ارم سے مل کر طوبیٰ کی طرف پلٹ

''محبتوں کے خمار میں ہو۔'' گلے ملتے ہوئے اس نے اس کے کان میں سرگوشی کی
وہ بلش ہو گئی۔

''یہ تم کچھ موٹی نہیں ہو رہی ہو۔'' وہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔

''کہاں؟'' وہ فکرمند ہو کر خود کو دیکھنے لگی۔

''نہیں ہوئی تو ہو جاؤ گی اور چند روز بعد۔'' وہ گہری سی بات کہہ گئی جس پر طوبیٰ
اس کے دل نے گدگدی سی لی ہو پھر وہ رامین اور رمشاء سے ملی۔

''اور یہ ادھر کس بات کی سرخیاں ہیں۔'' وہ رمشاء کو چھیڑنے لگی۔ وہ سب گاڑی
نکل کر باہر کھڑی تھیں باہر خاصی خنکی تھی۔ وہ ایک دوسرے کا حال چال پوچھنے لگیں۔

''اوئے تم آؤ تو سہی باہر' کیا ہائے ہائے لگا رکھی ہے۔'' عمیر زبردستی حسام کو کھینچ کر
لا رہا تھا۔

''یار! واقعی میری طبیعت خراب ہے۔'' وہ معذرت کرنا چاہ رہا تھا۔

''طبیعت خراب ہے یا اداس؟'' عمیر نے اس کی آنکھیں جن میں نمایاں طور پر اک
اداسی کا رنگ نظر آ رہا تھا۔ غور سے دیکھیں۔

''کچھ بھی کہہ لو۔'' وہ مکرتا نہ تھا مان جاتا تھا یہی بات اس میں بہت اچھی تھی۔

''یار! مر کیوں رہا ہے لڑکی ہی تو تھی وہ چلی گئی تو کیا ہوا؟'' عمیر نے بمشکل اپنے
ہونٹوں پر آ جانے والی ہنسی کو روکا۔

''صرف لڑکی۔'' اس نے حیرت سے عمیر کو دیکھا۔

''اور کیا......؟'' وہ مسکرایا۔

''نہیں وہ میرے لیے صرف اک لڑکی نہیں تھی۔''

''تو اور کیا تھی؟''

''میرے دل کا ایک سرا بندھ گیا تھا اس سے' خوشبو تھی میرے احساس کی' پرتو تھی میری
سوچ کا......'' وہ اداسی سے کہہ رہا تھا۔

''اچھا بابا...... اداس کیوں ہوتے ہو کوئٹہ ہی تو گئی ہے ابھی انگلینڈ تو نہیں گئی۔'' وہ اِدھر
اُدھر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا کیونکہ اگر وہ نظر ملاتا تو اس کی ہنسی نکل جاتی۔ اس کے منہ پر بارہ
بج رہے تھے۔

''کوئٹہ! یہ ساتھ ہی تو کھڑا ہے۔'' اس نے جل کر کہا۔

''اچھا تم آؤ تو سہی کوئٹہ بھی چلیں گے۔'' وہ ہاتھ کھینچتا اسے باہر لے آیا۔

''مجھے ٹھنڈ لگ رہی ہے۔'' وہ ہاتھ چھڑانا چاہتا تھا۔

''اب گرمی لگے گی۔'' وہ اسے کھینچتا ہوا لے آیا۔

''لو آ گیا بیمار دل۔''

''کیا حال ہے حسام بھائی؟'' ارم نے سب سے پہلے پوچھا وہ شرارت سے مسکرا بھی
رہی تھی۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ ویسے ہی بور ہو رہا تھا۔

''کیسی ہیں بھابی؟'' وہ رامین سے پوچھنے لگا۔

''تم اپنی سناؤ۔'' وہ الٹا اسے پوچھنے لگی۔

''جی بہتر ہوں۔'' وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

''رمشاء تم کیوں ادھر کھڑی ہو' بھئی ادھر آ جاؤ طوبیٰ کے پاس۔''

ذرا فاصلے پر کھڑی اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے زمین کھرچتی رمشاء کو عمیر نے جان

بوجھ کر ذرا بلند آواز سے پکارا۔

''رمشاء۔'' حسام کے لبوں سے ہلکی سی آواز نکلی اور اس نے تیزی سے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ تو سامنے ہی کھڑی تھی۔ ایک بار دیکھا پھر دیکھا' وہ تو واقعی موجود تھی۔ خواب نہ تھا' اس نے عمیر کی طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

''یار چلتے ہو یا تمہیں ٹھنڈ لگ رہی ہے' چلو طوبیٰ ہم چلتے ہیں اس کو تو بہت بخار ہے کہاں جاسکے گا چلو پھر سہی۔'' عمیر نے انجان بنتے ہوئے بڑی لاپرواہی سے کہا۔

''ہاں...... ہاں حسام بھائی اگر آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہے تو رہنے دیں آرام کریں۔'' طوبیٰ جو اس ساری شرارت میں عمیر کے ساتھ ہمراز تھی اس نے بمشکل اپنی ہنسی دباتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... نہیں بھابی نہیں بالکل ٹھیک ہوں چلتے ہیں ہم بھی' کیوں مائدہ......؟'' اس نے فٹافٹ کہا کہ کہیں وہ سچ مچ ہی چھوڑ نہ جائیں۔

''مگر تم......'' عمیر نے اسے سر سے پاؤں تک گھورا۔

''سر میں درد تھا تمہارے؟''

''بکومت تمہیں تو میں پھر پوچھوں گا۔'' وہ عمیر کو بازو سے پکڑ کر ذرا پرے لے گیا۔

''یہ کیا بے ہودگی تھی؟''

''کون سی......'' اس نے کندھے اچکا دیئے۔

''سر توڑ دیتا تمہارا اگر اس وقت......'' اس نے غصے سے اس کی لاپرواہی پر دانت کچکچائے۔

''اسے کہتے ہیں نہلے پہ دہلا' اور ہاں حساب برابر کرنا بھی کہتے ہیں۔'' وہ مزے سے ہنس رہا تھا۔

''تم نے ان سب کے ساتھ مل کر مجھے تھوڑا ستایا تھا' پورا ایک ماہ میں نے تو صرف پانچ روز تک تمہارا خون جلایا' چاہتا تو رمشاء کو انگلینڈ بھی پہنچا سکتا تھا۔'' اس نے اپنا بدلہ لے لیا تھا۔

''یہ تو میں پھر بتاؤں گا تمہیں کہ نہلے پہ دہلا کیا ہوتا ہے فی الحال......'' وہ بڑبڑاتا اندر چلا گیا۔

''جلدی آنا ورنہ ہم چلے جائیں گے۔'' وہ ہنستا ہوا واپس آ گیا...... جلد ہی وہ گاڑی پورچ سے نکال لایا تھا۔

''چلو بھئی اب تم لوگ حسام کے ساتھ...... فٹافٹ۔'' عمیر نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

''وہ کیوں بھائی؟'' ارم حیران ہوئی۔

''بھئی اب کچھ تو خیال کرو ہمارا میں تو ویسے بھی پردیسی ہوں۔''

عمیر نے طوبیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ اس انداز میں کہا کہ ارم کو بھائی کی ادا پر پیار آ گیا۔

''تو یوں کہیں کباب میں سے ہڈی نکال رہے ہیں۔''

''ہڈی نہیں ہڈیاں چلو پھوٹو......'' اس نے جان بوجھ کر انہیں حسام کی گاڑی میں بھیجا تھا' دراصل اس نے پانچ روز پہلے حسام کو فون کر کے رمشاء کا...... اپنے والدین کے ساتھ کوئٹہ چلے جانے کی خبر سنا کر اسے تنگ کرنے کی سکیم بنائی تھی۔ مگر وہ اپنے دوست کی حالت دیکھ کر اسے زیادہ ستا نہ سکا تھا۔ لہٰذا آج وہ جان بوجھ کر ان سب کو آئس کریم کھلانے کے بہانے سے لایا تھا تاکہ اچانک جا کر حسام کو حیران بھی کرے اور اس کی اداسی بھی ختم کرے اور اب اس نے سب کو حسام کی گاڑی میں اس لیے بٹھا دیا تھا تاکہ اسی بہانے رمشاء کو وہ دیکھ سکے۔

''ہائے یہ ہجر و فراق' ہائے یہ اداسیاں......'' ان کے حسام کی گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور طوبیٰ کو دیکھنے لگا۔

''طوبیٰ! تم نے آج ہی وعدہ کیا ہے۔'' فوراً ہی اس کی آنکھوں میں چمکتی نمی دیکھ کر اس نے اسے ٹوک دیا۔

''تو آپ بھی تو ایسی باتیں نہ کریں ناں۔'' وہ دوسری جانب دیکھنے لگی۔

''اچھا نہیں کرتا ایسی باتیں۔'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی میں بٹھایا اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی ٹیپ بھی آن کر دیا۔

خنجر ہیں تیری آنکھیں تلوار تیری آنکھیں۔

نصرت فتح علی کی خوبصورت آواز گاڑی میں گونجنے لگی اور وہ غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''اچھا ہجر و فراق کو مارو گولی...... قربت کا ذکر تو کیا جا سکتا ہے ناں؟''

وہ ذرا سا اس کی جانب جھکا۔

''آوارہ گردی کے الزام میں دھر لیے جاؤ گے۔'' طوبیٰ نے سامنے کھڑے سارجنٹ کی طرف اشارہ کیا جو ان کی گاڑی کی طرف بڑے غور سے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ان سے تو خدا کی پناہ۔'' جلد ہی وہ سیدھا ہو گیا اور گاڑی میں ان دونوں کی ہنسی کی

ہلکی سی آواز گونجی۔

☆======☆======☆

آئس کریم پارلر آ کر دونوں گاڑیاں آگے پیچھے رکیں۔

''دیکھا اب کیسی باچھیں کھل رہی ہیں' سارا بخار ہوا ہو گیا۔'' عمیر نے گاڑی سے اتر کر پچھلا دروازہ کھولتے حشام کو دیکھ کر کہا۔

''محبت چیز ہی ایسی ہے۔'' طوبیٰ نے جانے کس دھن میں کہہ دیا۔

''اچھا......واقعی......'' وہ پیار سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''طوبیٰ۔'' بھاری آواز میں پوچھا گیا۔

''جی۔'' ڈوبی ڈوبی آواز آئی۔

''تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے۔'' اس نے جواباً اقرار میں اپنا سر ہلا دیا۔

''کتنی......؟'' جاننے کا تجسس تھا۔

''بے انتہا......'' اس نے دھیرے سے مگر بہت اعتماد سے جواب دیا۔

''سنو......میں اپنی محبت میں ہمیشہ اضافہ ہی چاہوں گا' کبھی اسے بٹتا نہ دیکھ سکوں گا میں بڑا کریزی ہوں اس معاملے میں' تم دیکھ لینا میں تو اپنے بچوں کے ساتھ بھی جیلس ہوا کروں گا اگر تم ان پر مجھ سے زیادہ توجہ دو گی۔''

اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جانے اس کی ہتھیلیوں میں کیسی تپش تھی وہ گھبرا ہی گئی اور اس شخص کا چہرہ دیکھنے لگی۔ جو واقعی بڑا کریزی تھا۔

''خدایا خیر۔'' دل کے ایک کونے سے سہمی سہمی سی آواز آئی۔

''چلیں وہ لوگ بلا رہے ہیں۔'' اس نے جلدی سے اس کی توجہ ہٹائی' کیونکہ وہ عجیب گدگداتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اچھا چلو......'' فوراً ہی وہ آنکھیں پھول بن گئیں۔

☆======☆======☆

آئس کریم کھانے کے لیے انہوں نے قدرے کونے کی میزوں کا انتخاب کیا تھا۔ طوبیٰ اور رامین کو عمیر نے اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا اور ارم اور مائدہ حشام کے سر ہو گئی تھیں۔ رمشاء عجیب کشمکش کے عالم میں پریشان سی شکل بنائے کھڑی تھی ارم نے اس کا ہاتھ سختی سے اپنے ہاتھ میں دبوچ رکھا تھا اور اسے اپنے ساتھ بٹھا رکھا تھا اس کا دل بھی عجیب کیفیت سے دوچار تھا چاہ رہا تھا اس کے سامنے اس کے پاس بیٹھے اور ڈر بھی رہا تھا کہ کہیں کسی کو اس خواہش کی

خبر نہ ہو جائے۔

مائدہ بھابی کے ساتھ بحث کر رہی تھی حشام کا اصرار تھا کہ کافی پی جائے سردی بہت زیادہ ہے مگر وہ کہہ رہی تھی کہ آئس کریم کھانی ہے۔ اسے پہلے ہی فلو تھا مگر وہ باز نہ آ رہی تھی۔

خیر بات اس پر ختم ہوئی کہ ارم اور مائدہ تو آئس کریم ہی کھائیں گی۔

''حشام بھائی آپ اپنے اور رمشاء کے لیے کافی منگوا لیں' اسے بھی کافی بہت پسند ہے۔''

ارم نے جلدی سے کہہ دیا جس پر رمشاء کچھ بھی نہ بول سکی کیونکہ حشام نے بھی فوراً ہی ''یہ ٹھیک ہے'' کہہ کر ویٹر کو آواز دے دی تھی۔

''عمیر! تمہارا کیا خیال ہے حشام رمشاء کے لیے واقعی سنجیدہ ہے۔''

رامین جو کب سے حشام کی بار بار اٹھتی اور رمشاء کے چہرے پر ٹھہرتی نظروں کو نوٹ کر رہی تھیں نے عمیر سے پوچھ لیا۔

''بھابی! وہ بہت سنجیدہ ہے؟'' عمیر نے بھی سامنے کی میز پر حشام کی طرف دیکھا وہ ذرا سا میز پر جھک کر انہیں کوئی بات سنا رہا تھا جس پر وہ تینوں مسکرا رہی تھیں۔

''میرا مطلب ہے' اس کی ذرا عادت ہی جولی اور گھل مل جانے کی ہے کہیں وہ عادتاً اور اخلاقاً ایسا کر رہا ہو اور ہم لوگ کچھ اور توقعات لگا لیں۔''

رامین دراصل عمیر کے ذریعے حشام کے اندر کی بات جاننا چاہ رہی تھیں۔

''بھابی! گھل مل جانا سب کے لیے ہوتا ہے مگر یہ جو جذبہ ہے یہ تو اور ہی کچھ ہوتا ہے۔ جو صرف کسی ایک کے لیے ہوتا ہے اور وہ ایک......حشام کے لیے صرف رمشاء ہی ہو سکتی ہے بلکہ ہے۔''

عمیر نے تفصیلاً اپنی بھابی کو سمجھایا تا کہ وہ حشام اور رمشاء کے بارے میں زیادہ پریشان نہ ہوں۔

''حشام کے گھر والے مان جائیں گے۔'' رامین کے دل میں ایک اور خدشے نے سر اٹھایا۔

''وہ منا لے گا۔''

''کیوں؟ کیا کوئی مسئلہ ہے؟'' طوبیٰ نے عمیر کے چہرے پر پریشانی کے ہلکے سے آثار دیکھ کر پوچھا۔

''ان لوگوں کی فیملی کا مسئلہ ہے خاندان اور ذات سے باہر رشتے کرنا بڑا معیوب سمجھا

جاتا ہے۔'' عمیر نے اصل بات بتادی۔

''اتنا پڑھ لکھ کر جانے اور ماڈرن ہونے کے بعد بھی۔'' طوبیٰ کو حیرت ہوئی۔

''بس ہوتے ہیں کچھ خاندان ایسے بھی جو کسی صورت بھی ذات پات کے چکر سے نہیں نکلتے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ بات ناممکن ہی ہوگی۔'' رامین اداس سی ہوگئیں۔

''یہ میں نے کب کہا؟'' وہ بھابی کی شکل دیکھنے لگا۔

''تو پھر......؟'' طوبیٰ بھی پریشان تھی۔

''بھئی یہ حسام بڑا پکا ہے ضد کا' یہ منا لے گا اپنے گھر والوں کو۔''

عمیر نے طوبیٰ کی طرف دیکھا وہ ایسے پریشان ہو رہی تھی جیسے رمشاء اس کی بہن ہو۔

''لیکن عمیر ماں باپ کی ناراضگی مول لے کر......نہیں نہیں رہنے دو پھر رہنے دو' پھر بات کو آگے ہی نہ بڑھائیں۔''

رامین نہیں چاہتی تھیں کہ رمشاء ایسے گھر میں بیاہ کر جائے جہاں کچھ لوگ اس کے آنے سے ناراض ہوں' وہ سمجھتی تھیں کہ بزرگوں کی رضامندی اور تعاون ہی عملی زندگی کی کامیابی کے لیے لازم ہوتا ہے بزرگوں سے ہی تو خاندان بنتے ہیں' اور شادی محض ایک لڑکی اور ایک لڑکے کے کسی بندھن میں بندھ جانے کا نام تو نہیں ہوتی یہ تو دو الگ الگ خاندانوں کے ایک ہو جانے کا سبب اور بنیاد ہوتی ہے۔ اسی سے تو مکان گھر بنتے ہیں اور معاشرہ جنم لیتا ہے ایک تہذیب بنتی ہے اور اس تہذیب کا تمدن چلتا ہے۔

''بھابی آپ فکر نہ کریں وہ کچھ بھی ایسا نہیں کرے گا جس سے کوئی بھی ناراض ہو۔'' اس نے بھابی کا ہاتھ پکڑ کر دلاسا دیا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے عمیر' حسام کے ساتھ ساتھ کچھ سپنوں کے رنگ میں رمشاء کی آنکھوں میں بھی دیکھ رہی ہوں جن کی دھنک اب اس کے گالوں پر بھی کھلنے لگی ہے۔ ایسے میں اگر وہ اور دور چلی گئی تو اس کے لیے پلٹنا مشکل ہو جائے گا۔''

وہ دراصل اپنی بہن کے دکھی ہو جانے سے خوفزدہ تھیں۔

''نہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا آپ حسام پر اعتماد کریں اور خدا پر بھروسا رکھیں۔'' عمیر نے انہیں بہت ضمانت کے ساتھ تسلی دی۔

''اچھا اب اسے تو کھائیں پانی ہو رہی ہے۔'' عمیر نے ان کے آگے رکھی آئس کریم کی طرف اشارہ کیا جو تیزی سے پگھل رہی تھی۔

''اور آپ بھی......آپ کے تو منہ پر بارہ کے بھی ساڑھے بارہ ہو رہے ہیں۔'' اس نے گم صم سی طوبیٰ کو ہلایا۔

''آں......ہاں......'' وہ چونک پڑی۔

''کیا بات ہے تمہیں کیا ہوا؟'' عمیر کے ساتھ ساتھ رامین نے بھی دیکھا اس کا چہرہ تو زرد پڑ رہا تھا۔

''کک......کچھ نہیں۔'' وہ خوفزدہ سی کسی طرف دیکھ رہی تھی۔ عمیر اور رامین نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا کہ کیا چیز دیکھ کر وہ ڈر رہی ہے۔ سامنے ایک کونے کی میز پر جو قدرے اندھیرے میں تھی دو آدمی بیٹھے تھے جو آمنے سامنے بیٹھے کافی پی رہے تھے اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہے تھے۔ مگر وہ بالکل اجنبی تھے اور لاپرواہی سے بیٹھے تھے ایسی کوئی بات نہ تھی جو خوف کا باعث ہو ان کی شکلیں بھی بہت اچھی خاصی تھیں' گورے چٹے اور اسمارٹ سے آدمی تھے۔ دیکھنے میں بھی کسی بہت اچھے خاندان کے لگ رہے تھے۔

''کیا ہے بھئی ادھر کیا ہے؟'' عمیر کو کچھ فکر سی ہوگئی۔

''ہوں......کچھ نہیں بس ایسے ہی۔'' وہ وہاں سے نظریں ہٹا کر ادھر دیکھنے لگی۔

''میری طبیعت کچھ خراب ہو رہی ہے۔'' اس کا لہجہ لرز رہا تھا۔

''کک......کیا ہوا' خیریت تو ہے۔'' رامین نے فوراً اس کی پیشانی کو چھوا......جو پسینے سے شرابور ہو رہی تھی۔

''بھابی میرے سر میں سخت درد ہو رہا ہے' ٹیسیں سی اٹھ رہی ہیں۔'' وہ رامین کا ہاتھ پکڑے کہہ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور ٹھنڈے بھی ہو رہے تھے۔

''چلو......چلو عمیر گھر چلیں طوبیٰ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' رامین اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔ وہ بھی پریشان ہوگیا۔

''ویٹر......'' اس نے ویٹر کو آواز دی جلدی سے پرس سے روپے نکالے اور پلیٹ میں رکھ دیئے۔

''طوبیٰ......طوبیٰ......تم ٹھیک تو ہوناں۔'' اس کی تو جان پر بن گئی تھی۔

''حسام......ارم......مائدہ......'' وہ سب کو آوازیں دینے لگا۔ سب پریشان ہو کر وہاں آگئے۔

''کیا ہوا بھابی کو......؟'' ارم بھاگی۔

''کچھ نہیں۔''

"عمیر تم سنبھالو اسے۔" رامین نے ہاتھ پاؤں چھوڑتی طوبیٰ کو دیکھ کر کہا۔

"جی......" فوراً ہی عمیر نے اسے اپنی بانہوں میں تھام لیا۔

"طوبیٰ...... کیا ہوا؟" وہ اس کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ گھر چلیں...... پلیز جلدی......" وہ رو پڑی آنسو اس کے سفید گالوں پر ڈھلکنے لگے۔

"ہاں چلو چل رہے ہیں۔" وہ اسے سہارا دیئے باہر نکل رہا تھا۔ جب کوئی اس سے ٹکرایا۔

"اوہ سوری......" یہ انہی دو خوبصورت آدمیوں میں سے ایک تھا۔ جو سامنے والی میز پر بیٹھے تھے۔

"کیا ان کی طبیعت خراب ہے؟" وہ عجیب سی نظروں سے طوبیٰ کو دیکھنے لگا۔

"جی......" عمیر کو اچھا نہ لگا وہ تیزی سے طوبیٰ کو گاڑی کے پاس لے آیا۔ وہ تو تقریباً بے ہوش ہو چکی تھی۔

"طوبیٰ...... طوبیٰ...... ہوش کرو۔" رامین اس کے چہرے پر ہلکے ہلکے اپنے ہاتھ مار رہی تھیں۔

"گھر چلیں۔" اس نے ذرا سی آنکھیں کھول کر دیکھا اور رامین کے ہاتھ کو سختی سے اپنے ہاتھوں میں دبا لیا۔

عمیر نے تیزی سے گاڑی کو پارکنگ سے نکالا' سامنے ہی وہ دونوں اجنبی بھی ایک سیاہ کرولا میں موجود تھے انہیں باہر نکلتے دیکھ کر انہوں نے بھی گاڑی اسی روڈ پر ڈال دی جس پر عمیر کی گاڑی تھی۔

آگے عمیر کی گاڑی تھی پھر وہ سیاہ کرولا اور اس کے پیچھے حشام کی گاڑی تھی۔

عمیر نے بیک مرر میں دیکھا وہ سیاہ کرولا ان کے ساتھ ساتھ ہی تھی اس کے دماغ میں غصے کی ایک تیز لہر اٹھی اور اس کا خون آگ بن گیا۔

☆======☆======☆

"یہ کون ہے اور آخر ہمارا پیچھا کیوں کر رہا ہے؟"

عمیر دیکھ رہا تھا۔ کہ وہ کار مسلسل ان کے تعاقب میں تھی اور وہی پُراسرار شخص جو اس میں بیٹھے تھے ان کے چہروں پر عجیب شیطانی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کا جی چاہا کہ گاڑی روک لے اور اتر کر ان دونوں کے مزاج درست کر دے لیکن رامین بھابی کی گود میں لیٹی طوبیٰ کی

طبیعت زیادہ خراب ہو رہی تھی۔

"عمیر جلدی کرو۔" رامین پریشان ہو رہی تھیں۔ طوبیٰ کے ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے ہو رہے تھے اور اس کے ہونٹوں پر نیلاہٹ بھی گہری ہو رہی تھی۔ جلد ہی وہ ایک پرائیویٹ ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں تھے۔

"بھابی! طوبیٰ......" وہ بے جان سی طوبیٰ کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"ارے اتنا تو دل نہ چھوڑو۔ خدا خیر کرے گا۔"

انہوں نے اسے تسلی دی۔

"کیا ہوا۔ بھابی کو کیا ہوا؟" پیچھے ہی ارم' مائدہ' اور رمشاء بھی بھاگی آئیں۔

"حشام یار......" وہ حشام کو دیکھتے ہی حوصلہ چھوڑنے لگا اس کے کندھے سے لگ گیا۔

"اچھا' دل میرا چھوٹا ہے ذرا سی تکلیف پر ہائے ہائے کرتا ہوں اور ادھر......" وہ اس کی طرف اشارہ کرتا ہوا اسے چھیڑ رہا تھا۔

"یہاں دل نہیں جان پر بنی ہے۔" وہ ذومعنی بات کہہ کر مسکرایا۔

"ہاں اسی لیے......" حشام نے اسے مسکراتا دیکھ کر اس کے کندھے پر تھپکی دی۔

"ڈاکٹر دیکھ رہے ہیں۔ خدا خیر کرے گا۔"

"اچھا سن کہیں چکر وکر تو نہیں آ رہے تھے بھابی کو......" اس نے شرارت سے عمیر کی طرف دیکھا۔

"نہیں تو۔" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

"کوئی دل ول گھبرا رہا ہو۔" وہ بڑی رازداری سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ حیران تھا کہ اس کے ان سوالوں کا مطلب کیا ہے؟

"کوئی کھٹی میٹھی چیزیں کھا رہی ہوں آج کل؟"

اس نے خالص عورتوں والی کھوجتی نظریں اس پر جما رکھی تھیں۔

"بکواس نہ کر......" وہ اس کا مطلب جان کر جھینپ گیا۔

"نہیں نہیں سوچ تو سہی شاید......" وہ شرارت پر اترا ہوا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے اور تُو اپنے اندازے بند کر۔" وہ جانے کیوں سرخ پڑ رہا تھا۔

"اچھا کنفرم ہے۔" وہ پھر بھی پیچھے لگا رہا۔

"حشام دیکھ میں ایک کھینچ کے دوں گا۔" اس نے کاؤنٹر پر پڑے پیپر ویٹ کو اٹھا لیا تو استقبالیے پر کھڑی نرس مسکرا دی۔

''سوری۔'' اس نے پیپر ویٹ واپس رکھ دیا۔

''کیری آن۔'' وہ کتنی دیر سے ان دونوں کی حرکتوں اور باتوں سے محظوظ ہو رہی
مسکرا کر بولی تو وہ اور شرمندہ ہو گیا۔

''عمیر۔'' رامین بھابی نے آواز دی۔

''جی بھابی۔'' وہ بھاگ کر پہنچا۔

''یہ دوائیں لے آؤ۔'' انہوں نے ایک نسخہ اسے تھما دیا۔

''بھابی۔'' اس کی آنکھوں میں ایک سوال تھا۔

''سب خیریت ہے بس بلڈ پریشر لو ہو گیا ہے کوئی ذہنی دباؤ ہے شاید۔'' انہوں نے ا
کے کندھے پر اپنے محبت بھرے ہاتھوں کا دباؤ ڈالا۔

''سامنے ہی میڈیکل اسٹور ہے۔''

اس استقبالیے کی نرس نے اسے بتایا۔

''جی شکریہ۔'' وہ فٹافٹ دوائیں لینے چل دیا حشام بھی اس کے ساتھ تھا۔

باہر نکلتے ہی سامنے اسے پھر وہ بلیک کرولا کھڑی نظر آ گئی جسے دیکھتے ہی اس کے
پورے بدن میں پتنگے لگ گئے۔ وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ حشام بھی کچھ پریشان ہو گیا تھا
کب سے اس سیاہ کرولا کو ان کا پیچھا کرتے دیکھ رہا تھا اور اب یہاں بھی۔ پھر سامنے
کینٹین پر اسے وہ پُراسرار سے دونوں شخص چائے پیتے نظر آ گئے۔

''عمیر دوائیں لینی ہیں۔'' حشام نے اس کا دھیان ہٹایا۔

''ہوں...... ہاں۔'' اس نے اپنی ہتھیلی پر زور سے مکا مارا۔

جب وہ دوائیں لے کر واپس جا رہے تھے تو وہ دونوں کچھ بول رہے تھے عمیر اور حشا
کے کانوں میں جو پڑا وہ تھا لفظ طوبیٰ۔

''طوبیٰ......'' حشام اور عمیر کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''ان کا تو میں خون پی جاؤں گا۔'' عمیر بھرے ہوئے شیر کی طرح پلٹا۔

''نہیں۔ نہیں اس وقت نہیں بعد میں دیکھیں گے معاملہ کیا ہے۔''

حشام اسے بمشکل کھینچتا ہوا اندر لے گیا۔

''طوبیٰ کا نام ان کی گندی زبان پر آیا کیسے؟''

اس کا دماغ شعلوں کی لپیٹ میں تھا اور پورے جسم میں آگ دوڑ رہی تھی۔

''دوائیں پلیز۔'' ایک نرس نے آ کر دوائیں مانگیں تو اس نے لفافہ فوراً اسے تھما دیا

تقریباً دوڑتا ہوا واپس گیا۔

''عمیر پلیز...... عمیر!''

حشام آوازیں دیتا اسے پکڑنے کو لپکا لیکن اسے تو جیسے کوئی اُڑا کر لیے جا رہا تھا۔ وہ
چاروں طرف دوڑ دوڑ کر انہیں دیکھنے لگا لیکن سیاہ کرولا اب وہاں نہیں تھی۔

''میں شوٹ کر دوں گا انہیں۔'' وہ غرانے لگا۔ لگتا تھا اس کے سارے بدن کا خون اس
کی آنکھوں میں آ گیا تھا۔

''ذلیل منحوس، میں تو انہیں پاتال سے بھی نکال لاؤں گا۔''

وہ اپنے ایک ہاتھ کے مکے سے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی کو بار بار پیٹ رہا تھا حشام نے
اس وقت اسے کچھ نہ کہا۔ بس اس کے غصے سے لرزتے وجود کو اپنی مضبوط بانہوں میں لے لیا
اور کتنی ہی دیر اسے بھینچے کھڑے رہا۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا رہا پھر خاموش ہو گیا اب اس کی
دھونکنی کی مانند چلتی سانسیں بھی نارمل ہو گئی تھیں اسے غصہ آتا تھا تو وہ جنون کی بھی شدت تک
جا پہنچتا تھا۔

''حشام...... عمیر۔'' رامین انہیں آوازیں دیتی باہر آ گئی۔

''تم لوگ یہاں کھڑے ہو۔ چلو طوبیٰ اب ہوش میں ہے اور بہتر ہے۔''

''جی بھابی آ رہے تھے۔ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟''

حشام اسے اپنی بانہوں میں لیے ہی چل رہا تھا۔ اس کا آگ کی مانند تپتا وجود اب ٹھنڈا
برف ہو رہا تھا۔

''کسی سے کچھ ذکر نہیں کرنا نہ طوبیٰ سے۔''

حشام نے اس کے کان میں آہستگی سے کہا تو اس نے اپنی سوال کرتی نگاہیں اس پر جما
دیں۔

''کل میں آؤں گا پھر بات کریں گے۔ اوکے۔'' اس نے پیار سے اسے تھپکا۔

''چلو اب نارمل نظر آؤ۔ مسکراؤ چلو۔ شاباش۔'' اس کے ہونٹوں پر ذرا سی مسکان پھیلی تو
وہ بھی خوش ہو گیا۔

دونوں بہت مثالی دوست تھے۔ بہت پیار تھا دونوں میں اور دونوں اس کی عملی تصویر
تھے۔ وہ اندر داخل ہوئے تو وہی استقبالیے کی نرس مسکرائی۔

''آپ کی مریضہ اب ٹھیک ہیں۔''

''جی ان کی مریضہ کیا یہ آپ کو مریض نہیں لگتے۔'' حشام کی رگِ شرارت پھر پھڑکی۔

’’جی......‘‘ اس کی بڑی بڑی آنکھیں اور پھیل گئیں۔

’’جی میرا مطلب ہے مریضِ عشق......اپنی بیگم کے۔‘‘

آخری جملہ اس نے کچھ اس ادا سے کہا کہ نرس کی تو ہنسی ہی چھوٹ گئی عمیر کے لبوں
ہلکی مسکان کچھ گہری ہو گئی۔

☆======☆======☆

کچھ ہی دیر کے بعد طوبیٰ کافی بہتر ہو گئی تھی اسے ہسپتال رکھنے کی ضرورت نہ تھی
لیے وہ اسے گھر لے گئے۔ اس پر دواؤں کی غنودگی طاری تھی اس لیے وہ رامین کی گود میں
گئی۔ حشام وغیرہ تو گھر ان کے ساتھ جانا چاہ رہے تھے مگر رامین نے منع کر دیا۔

’’نہیں مائدہ اب تم لوگ گھر جاؤ پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔‘‘

’’اچھا ٹھیک ہے بھابی پھر ہم صبح گھر آئیں گے۔‘‘ حشام نے بھی ان کی بات کی
کی۔

’’او کے عمیر...... خیال رکھنا۔‘‘ اس نے عمیر کو جاتے جاتے بھی نصیحت کی۔ جواباً وہ
ہلا کر رہ گیا۔ مگر وہ چہرے سے خاصا پریشان لگ رہا تھا بات بھی ایسی ہی تھی۔

وہ گیٹ پر پہنچے تو ہارن پر سعد خان نے فوراً گیٹ کھول دیا۔ لگتا تھا وہ گیٹ کے قریب
ہی تھے اور ان کا انتظار کر رہے تھے۔

’’یار کہاں رہ گئے تھے تم لوگ۔‘‘ وہ بے حد پریشان تھے۔

’’کیا ہوا؟‘‘ طوبیٰ کو گاڑی میں یوں بے سدھ دیکھ کر وہ اور پریشان ہو گئے۔

’’کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟‘‘ وہ آگے بڑھ کر عمیر سے پوچھنے لگے۔

’’سنبھالو عمیر......‘‘ رامین سے طوبیٰ کا وزن نہیں سنبھالا جا رہا تھا۔ عمیر نے آگے بڑھ
کر بے سدھ سی طوبیٰ کو سنبھال لیا۔

’’میں پوچھ رہا ہوں کیا ہوا۔‘‘ سعد خان نے رامین کو کندھوں سے تھام کر کچھ ڈانٹتے
ہوئے پوچھا وہ اس قدر پریشان تھے مگر انہیں کوئی بتا ہی نہ رہا تھا۔

’’بھئی خیریت ہے سب، آپ صبر تو کریں۔‘‘ رامین نے کمال تحمل سے مسکراتے ہو
جواب دیا۔

’’عمیر تم طوبیٰ کو اپنے کمرے میں لے جاؤ میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔ اور رمشاء اور
تم لوگ چلو اپنے کمرے میں آرام کرو۔‘‘

رامین نے سب کو ہدایات دیں اور پھر سعد خان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

’’شش......ش...... چپ کریں۔ امی جان سنیں گی تو پریشان ہوں گی۔‘‘ انہوں نے
سعد خان کو دوبارہ سوال کرنے سے روک دیا۔

’’آئیں میں تفصیل سے بتا دوں گی پہلے میں امی جان کو بتا دوں کہ ہم آ گئے ہیں۔‘‘ وہ
سعد خان کا ہاتھ پکڑ کے ایسے چل دیں جیسے وہ کسی چھوٹے بچے کا ہاتھ ہو اور وہ بھی خاموشی
سے چل دیئے۔

’’السلام علیکم امی جان۔‘‘ وہ آہستگی سے صبورہ خاتون کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہ
اپنے بیڈ پر لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں۔

’’وعلیکم السلام۔‘‘ انہوں نے چشمہ اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اس سے پہلے کہ وہ یہ سوال
کرتیں کہ اتنی دیر کیوں ہو گئی وہ ان کے پاس بیٹھ گئیں۔

’’سوری۔ امی جان ہم لوگوں کو بہت دیر ہو گئی۔‘‘

’’خیریت تو تھی۔‘‘ انہوں نے سامنے لگے وال کلاک کی طرف نگاہیں اٹھائیں جہاں
رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

’’جی وہ عمیر نے راستے میں حشام اور مائدہ کو لینا تھا۔ حشام کو بخار تھا ضد کر کے ہم لے
گئے مگر اس کی طبیعت کافی خراب ہو گئی تھی۔ واپسی پر اسے گھر چھوڑنے جانا پڑا۔ وہاں دیر
ہو گئی۔‘‘ انہوں نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔ سعد خان دیکھ رہے تھے کہ ان کی بیوی نے کس قدر عقل
مندی سے ان کی ماں کو اس وقت کی سخت پریشانی سے بچایا تھا ورنہ اگر وہ یہ جان لیتیں کہ طوبیٰ
کو کچھ ہو گیا تھا تو وہ رات بھر نہ سو سکتیں وہ دل کی مریضہ تھیں ان کے لیے اچانک پریشانی اور
اچانک خوشی دونوں خطرناک ہو سکتی تھیں۔ رامین جانتی تھیں اور انہیں ان سے بہت محبت تھی
اس لیے وہ ہمیشہ ایسے معاملات کو خود ہی سنبھال لیا کرتی تھیں۔

’’بہتر ہوتا اگر تم لوگ مجھے فون کر دیتے۔‘‘ وہ کچھ خفا تھیں۔

’’غلطی ہو گئی امی جان۔‘‘ وہ شرمندہ ہو گئیں۔

’’خیر جاؤ اب آرام کرو۔‘‘ وہ بھی ٹھیک ہو گئیں ان کی ناراضگی کو رامین بڑھنے ہی نہ دیا
کرتی تھیں فوراً اپنی غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی ہار مان کر بات کو ختم کر دینا ان کی خوبیوں میں
سے ایک خوبی تھی۔

’’آپ بھی آرام کریں۔‘‘ رامین نے کتاب اور چشمہ اٹھا کر بک ریک میں رکھے اور
کمبل کھول کر ان پر اوڑھا دیا۔

’’جیتی رہو۔‘‘ انہوں نے خوش ہو کر دعا دی۔ پھر کمرے کی لائٹ آف کر کے زیرو کا

بلب آن کر کے وہ باہر آ گئیں۔

''واہ بھئی مان گئے۔'' سعد خان نے کوریڈور میں آتے ہی کہا۔

''کس بات کو۔'' وہ کچھ سمجھ نہ پائیں۔

''یہی کہ تمہارے بہت نمبر ہیں اور وہ بڑھتے ہی رہتے ہیں۔'' وہ چھیڑنے لگے۔

''نمبر......'' وہ وہیں رک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

''سعد کیا میں یہ سب نمبر بنانے کے لیے کرتی ہوں۔'' انہیں کچھ دکھ ہوا۔

''یقین کریں یہ تو میری تربیت کا حصہ ہے۔ یہ محبت تو میری فطرت میں ہے آپ رہے ہیں نمبر......''

''ارے رے میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو مذاق کر رہا تھا۔ سوری......'' سعد خان فوراً اپنے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''آئندہ یہ مت کہیے گا۔ نمبر۔'' رامین نے ان کے انداز میں ''نمبر'' کہا تو سعد ہنس پڑے۔

''شش......ش۔'' رامین نے فوراً اپنا ہاتھ سعد خان کے منہ پر رکھ دیا جسے پکڑ کر انہوں نے ہونٹوں پر لگا لیا۔

''عمیر اور طوبیٰ کے لیے کافی بنانی ہے۔'' فوراً ہی انہوں نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''رامین......'' سعد خان کی آواز میں شہد گھلا تھا۔

''جی۔'' وہ جھکی نظروں سے بولیں۔

''مجھے لگتا ہے ابھی ہماری شادی نہیں ہوئی۔'' انہوں نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرا اٹھایا۔

''تم مجھ سے کتراتی کیوں ہو؟'' سعد خان نے جان بوجھ کر کہا۔

''نہیں تو......'' ایک دم ہی اس نے آنکھیں اوپر اٹھا دیں۔

''تو پھر......'' انہوں نے کچھ کہتی ہوئی گہری نظروں سے اسے دیکھا جس پر وہ سر کر رہ گئی۔

''وہ کافی۔'' وہ تیزی سے کچن کی طرف چل دیں۔

وہاں عمیر پہلے سے موجود تھا جو جگ میں پانی اور گلاس ٹرے میں رکھ رہا تھا۔

''بھابی کافی رہنے دیں طوبیٰ تو بے خبر سو رہی ہے۔'' اس نے کافی بنانے سے منع کر دیا۔

''ہاں دواؤں کا اثر ہے۔ چلو خیر اسے سونے دو۔ دیکھو اگر رات کو کوئی مسئلہ ہو تو مجھے اٹھا لینا۔''

''جی بہتر۔'' وہ ٹرے لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''چلیں جی اب تو کافی نہیں بنانی۔'' سعد خان نے بیوی کا ہاتھ تھاما اور اپنے بیڈ روم میں لے آئے۔

''اب بتاؤ کیا معاملہ تھا۔'' وہ پوچھنے لگے۔

''سعد! ہم نے اچھا نہیں کیا؟ وہ بہت پریشان تھا۔''

''کیا ہوا؟'' انہیں کچھ سمجھ نہ آئی تھی۔

''طوبیٰ ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ رہتی ہے اور وہ مجھ سے کئی بار کہہ چکی ہے۔'' رامین نے کمبل کھول کر سعد خان کو اوڑھایا اور خود قریب بیٹھ کر ان کے بالوں کو سہلانے لگیں۔ یہ ان کی شروع کی عادت تھی۔

''ہمیں چاہیے کہ ہم عمیر کو ساری بات بتا دیں بلکہ ہمیں بہت پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔''

''تم طوبیٰ کو سمجھاؤ کچھ نہیں ہو گا اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ خوفزدہ ہو۔'' سعد نے رامین کا ہاتھ تھام لیا وہ بھی کچھ فکرمند ضرور تھے۔

''بات چھوٹی ہو یا بڑی اگر بلاوجہ اسے چھپایا جائے تو وہ سچ ہوتے ہوئے بھی جھوٹ لگنے لگتی ہے۔'' وہ انہیں سمجھنا چاہ رہی تھیں۔

''مطلب؟'' سعد اب پریشان ہونے لگے۔

''جھوٹ ہمیشہ اعتماد کی جڑیں کاٹ دیتا ہے اور دلوں کو آپس میں ملانے والی چیز اعتماد ہی تو ہوتی ہے۔ اعتماد نہ رہے تو پھر دلوں میں کچھ بھی نہیں رہتا۔'' وہ بہت گہری باتیں کر رہی تھیں اور بات تھی بھی سچی۔

''لیکن آج کیا ہوا؟'' سعد خان نے اصل بات پوچھی۔

''سعد آج آئس کریم پارلر میں دو عجیب سے شخص ہمارے سامنے ہی بیٹھے تھے۔''

''تو......'' سعد ایک دم سیدھے ہو گئے۔

''وہ مسلسل طوبیٰ کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے اور عجیب سا رویہ تھا ان کا۔'' وہ بولتے بولتے ذرا سا رکیں۔

''اور انہی کو دیکھ کر طوبیٰ کی طبیعت ایک دم اتنی بگڑ گئی۔ ورنہ تو بہت مطمئن خوش بیٹھی

تھی۔'' انہوں نے بات مکمل کی تو سعد خان کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی آ چکی تھی اور آنکھ
میں تفکرات۔
''اچھا...... ان کا حلیہ کیسا تھا۔'' وہ پوچھنے لگے۔
''دیکھنے میں بہت اچھے گھرانے کے تھے اور بڑے ویل ڈریسڈ اور مہذب دکھائی
دیتے تھے پر......''
''پر...... پر...... کیا؟'' وہ چوکنا ہو گئے۔
''ان کے چہروں پر مکاری صاف چھلک رہی تھی اور آنکھیں...... آنکھوں میں
بڑی غلیظ سی چمک تھی۔'' بتاتے ہوئے رامین کے چہرے پر بے زاری پھیل گئی تھی۔
''عمیر کو تو کوئی شک نہیں ہوا؟'' سعد کو عمیر کی طرف سے زیادہ فکر تھی۔
''میرا خیال ہے اسے شک ہو گیا تھا؟'' وہ سارے واقعہ کو ذہن میں دہراتی
بولیں۔
''کیسے؟'' اس وقت سعد خان واقعی ایک آرمی آفیسر لگ رہے تھے۔
''سعد! جب طوبیٰ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو ہم اسے فوراً لے کر وہاں سے
پڑے اور پتا ہے وہ دونوں ہسپتال تک ہمارا پیچھا کرتے رہے۔'' رامین نے ساری تفصیل
دی۔
''باسٹرڈ......''
سعد خان نے غصے سے اپنی ہتھیلی پر مکا مارا...... ان کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو
تھیں۔
''سعد...... کول ڈاؤن۔'' رامین نے دیکھا وہ اس وقت بہت غصے میں تھے بات تھی
غصے والی۔
''میں ہوتا تو ان کا خون پی جاتا۔'' وہ خود بے قابو ہو رہے تھے۔
''اگر آپ بھی اسی طرح غصہ کریں گے اور اپنے حواس کھو دیں گے تو پھر عمیر کو
سنبھالے گا۔ سعد اس معاملے کو آپ نے اور میں نے ہی سنبھالنا ہے۔''
وہ ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر بیٹھ گئیں اور ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگیں۔
''آپ کو پتا ہے ناں کہ عمیر کو سنبھالنا آسان کام نہیں؟''
اب وہ ان کے ہاتھوں کو اپنے نرم ہاتھوں سے آہستہ آہستہ دبا رہی تھیں سہلا رہی تھیں
یہاں تک کہ ان کی ہتھیلیوں کی وہ اکڑی تنی ہوئی نسیں دھیرے دھیرے ڈھیلی پڑنے لگیں۔

شدید غصے کی جگہ فکر نے لے لی تھی۔ محبت بھی عجیب فارمولا ہی ہوتی ہے بس اسے استعمال
کرنے کا گُر آنا چاہیے ہر مشکل کو آسان کر ڈالتی ہے۔ رامین کو محبت کے سب ہی گُر آتے
تھے۔
''رامین یہ تو اچھا نہیں ہوا۔'' اب سعد خان کے ہاتھوں میں ان کے ہاتھ تھے اور وہ
انہیں ہولے ہولے دبا رہے تھے۔
''یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔'' وہ تھوڑا سا مسکرائیں۔
''سعد! یقیناً وہ دو شخص ان ہی لوگوں میں سے ہوں گے تب ہی تو طوبیٰ کی یہ حالت ہو
گئی انہیں دیکھ کر۔ وہ اس قدر خوفزدہ تھی کہ بچوں کی طرح میری گود میں چھپ رہی تھی۔''
رامین نے طوبیٰ کی کیفیت بتائی۔
''خیر...... اس قدر ڈرنے کی ضرورت نہیں انہیں تو بہت اچھی طرح دیکھا جا سکتا ہے
بس بات ذرا عمیر کو سمجھانے کی ہے۔''
وہ ان لوگوں سے کم اور عمیر کی جذباتی طبیعت سے زیادہ پریشان تھے۔
''تو آپ عمیر کو حقیقت بتا کیوں نہیں دیتے۔'' رامین نے مشورہ دیا۔
''بتانی تو ہو گی مگر کیا ابھی فوراً اس واقعہ کے بعد مناسب ہو گا کہ بتائیں۔'' وہ رامین
سے پوچھنے لگے۔
''اور بھی غیر مناسب ہو گا اگر اس واقعہ کے بعد کوئی دوسرا واقعہ بھی ہو گیا تو......'' وہ
ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولیں۔
''مجھے تو یہ ڈر ہے کہ کہیں وہ لوگ ہمارے گھر تک نہ آ گئے ہوں اور کوئی......'' وہ کہتے
کہتے رک گئیں۔
''ایسی بھی قیامت نہیں کہ وہ گھر تک آئیں اور اگر آئے تو کیا بچ کر جائیں گے۔'' سعد
کا پٹھان خون پھر گرم ہونے لگا۔
''پھر غصہ......'' رامین نے خفگی سے گھورا۔
''تو اور کیا کروں۔'' وہ کچھ بے بس ہو گئے۔
''صبح امی جان سے بات کریں وہ جس طرح کہیں گی۔ پھر عمیر سے بھی اگر جلد ہی
بات کر لی جائے تو ٹھیک ہو گا۔ باقی خدا خیر کرے گا۔'' رامین نے ایک پل میں سارا حل پیش
کر دیا۔
''واہ کیا دماغ پایا ہے۔'' سعد خان کو ان کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

''شکریہ......شکریہ......'' وہ بھی آداب بجالائیں۔

''مگر رامین میرا دماغ بھی ایک ترکیب پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔''

''ارشاد......ارشاد۔'' وہ شوخ ہو رہی تھیں۔

''ایسا کرتے ہیں کہ کچھ دنوں کے لیے عمیر اور طوبیٰ کو کوئٹہ بھیج دیتے ہیں وہ گھوم آئیں گے طوبیٰ کی ٹینشن بھی کچھ کم ہو جائے گی اور ہم لوگ بھی کچھ سوچ سمجھ کر راہ نکال لیں گے کہ مسئلہ کیسے حل کریں جو ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے۔''

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ واہ کیا دماغ پایا ہے؟''

رامین نے ان ہی کے انداز میں ان کی نقل اتاری تو وہ جھینپنے کی بجائے کچھ شوخ ہو گئے۔

''ویسے بھی انہیں چند روز کے لیے کوئٹہ بھیجنا میرے لیے بھی مناسب رہے گا۔'' انہوں نے کھینچ کر رامین کو اپنے قریب کر لیا۔

''وہ کیوں؟'' وہ کچھ نہیں سمجھیں۔

''دیکھو ناں۔ میری بیوی تو ہر وقت ان ہی کے ساتھ لگی رہتی ہے اور پاس رہتے ہوئے بھی ہجر سہنا بڑا مشکل ہو گیا ہے اب۔'' انہوں نے اپنا چہرہ رامین کے بالوں میں چھپا لیا۔

''سعد پلیز۔ اس وقت آپ یہ سوچیں کہ صبح امی جان سے بات کرنی ہے۔'' وہ انہیں پرے ہٹانے لگیں۔

''وہ تو صبح کرنی ہے۔'' ان کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

''سعد؟'' اس کی آواز میں حیا کا بوجھ تھا۔

''رامین......صرف رامین۔''

اندر رامین کی آواز محبت سے بھیگتی چلی گئی اور باہر رات خوشبو اور چاندنی میں نہا رہی تھی۔

☆======☆======☆

ادھر طوبیٰ بے سدھ بستر پر پڑی تھی۔ اس کا ریشمی لباس بے ترتیب اور شکن آلود ہو رہا تھا۔ اس کے لمبے بال بھی اس کے چہرے پر اور تکیے پر بکھرے پڑے تھے۔ چہرے پر گلابی پن کی بجائے عجیب سا خوف اور زردی نظر آ رہی تھی۔ عمیر نے کمبل اس کے سینے تک اوڑھا دیا تھا۔ بہت دیر تک تو وہ کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا تھا اس کا دماغ بری طرح سلگ رہا تھا اور بار بار ایک آواز شعلے کی طرح اس پر لپکتی تھی۔ ''طوبیٰ......'' اور وہ دو عیار ہنسی ہنستے شیطان

چہرے اس کی نس نس میں دھواں پھیل جاتا۔

''آئی وِل کل ہم (I Wiil Kill Him)۔'' وہ زور سے اپنی مٹھیاں بھینچتا۔

''طوبیٰ......'' وہ زیر لب بڑبڑاتا ہوا بے سدھ طوبیٰ کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔

''طوبیٰ سے ان کا کیا تعلق؟'' شک کے ایک سانپ کی پھنکار اس کے دل کے اردگرد سنائی دی۔

''وہ طوبیٰ کو جانتے ہوں گے مگر کیا صرف جانتے......''

سانپ نے ذرا سا سر بھی اٹھایا۔

''نہیں نہیں......طوبیٰ تو صرف میری ہے بلا شرکت غیرے۔'' دل نے اپنا آپ سمیٹ کے اس زہر سے بچنا چاہا۔

''تمہاری تو اب ہے۔ اس سے پہلے کیا خبر۔'' اب اس پھنکار میں زہر کا اثر بھی تھا۔

عمیر کو لگا اس کا لہو آگ بن رہا ہے۔ وہ طوبیٰ سے ذرا دور ہٹنا چاہتا تھا۔

''عمیر......عمیر......'' اس لمحے طوبیٰ کے لب ہلے اور اس نے کروٹ لی۔ اس کا خوبصورت نرم ہاتھ اس کیفیت میں عمیر کے ہاتھ پر آن پڑا۔ اس کی نرمی میں کیسی ٹھنڈک تھی ساری آگ برف ہونے لگی۔

''عمیر۔'' نازک لب پھر ہلے۔

''طوبیٰ۔'' وہ سب کچھ بھول کر اس پر جھک گیا اور اس کے چہرے پر سے بال ہٹانے لگا۔

''پانی۔'' اس کی آگ کو بجھا کر اسے خود پیاس لگ گئی تھی۔

عمیر نے فوراً اٹھ کر گلاس میں پانی ڈالا اور اس کا سر اٹھا کر پانی پلانے لگا۔

''پانی پی لو طوبیٰ۔'' وہ اس کا زرد زرد چہرہ دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔

''ہاں......ہاں......'' وہ اتنی بے جان ہو رہی تھی کہ پھر لڑھک گئی۔

''طوبیٰ ہوش کرو۔ ہوش کرو۔'' وہ اس کے گالوں پر ہلکے ہلکے ہاتھ مارنے لگا۔

''ہاں۔'' اس نے مشکل سے اپنی آنکھیں کھولیں۔

''عمیر۔'' اس کی آنکھوں میں محبت کے ساتھ ساتھ عجیب سی التجا بھی تھی۔

''پانی پیو۔'' عمیر نے پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا اس نے دو گھونٹ پی کر منہ موڑ لیا۔

''آنکھیں کھولو۔'' عمیر نے پھر اسے ہلایا۔ اس نے آہستگی سے پکارا ''عمیر!'' اور نقاہت سے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ وہ بار بار اس کا نام لے رہی تھی۔

''ہاں کہو کیا بات ہے۔ طوبیٰ مجھ سے کہہ دو۔ پلیز۔'' وہ اس کے اندر کی بات جاننا چاہتا تھا۔

''عمیر میں آپ کے بغیر اب نہیں رہ سکتی۔'' وہ بہت مشکل سے بول رہی تھی۔ اس کے لرزتے ہاتھوں میں عمیر کے مضبوط ہاتھ تھے۔

''میں کب رہ سکتا ہوں تمہارے بنا۔ ایک لمحہ نہیں ایک پل نہیں۔'' وہ بہت بے قرار تھا۔

وہ کتنی دیر تک خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر اس کی آنکھیں سرسراتی رہیں، بہت کچھ کہہ رہی تھیں جسے عمیر محسوس کر رہا تھا۔ بس آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ کوئی بہت گہرا دکھ تھا تب ہی تو طوبیٰ کی آنکھیں رو پڑیں۔ خود بخود آنسو اس کے گالوں پر لڑھکنے لگے۔

''نہیں...... طوبیٰ نہیں......''

عمیر نے تڑپ کر وہ آنسو صاف کر دیئے۔ مگر ایک بار جب آنسو پلکوں کے کناروں سے چھوٹ جائیں تو بھلا پھر کب یہ رکتے ہیں۔ ساون بھادوں کی طرح برسنے لگے۔ وہ اس کے ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر رو پڑی۔ روتی گئی بے حد۔

وہ اس قدر موسلا دھار بارش کو بھلا کیا روکتا۔

''عمیر مجھے کبھی خود سے جدا نہ کرنا۔'' جب وہ ہتھیلیوں میں نہ سما سکی تو اس کے وسیع سینے پر جا لگی۔ وہ چھوٹی سی معصوم بچی کی طرح ڈری سہمی سی اس کے سینے میں اپنا چہرہ چھپا رہی تھی۔ ان آنسوؤں میں جانے کیا تھا۔ عمیر کے سینے میں جلتی حسد کی آگ اور پھنکاریں مارتا وہ شک کا سانپ...... سب ہی کو ٹھنڈا ہونا پڑا اور وہ محبت جو عمیر کو طوبیٰ سے تھی مگر ایک ذرا پہلے شک کے زہر سے ہری ہونے لگی تھی وہ پھر زندہ ہو گئی۔

''نہیں طوبیٰ ہمیں کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیے پیار سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''کبھی بھی نہیں۔'' اس کے اندر خوف لرز رہا تھا۔

''کبھی بھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔''

اس نے ان سہمی ہوئی آنکھوں پر اپنے لب رکھ دیئے۔ جلتی ہوئی آنکھوں کو قرار مل گیا اور وہ دوبارہ بے سدھ ہو گئی۔

☆======☆======☆

''عمیر!'' سعد خان نے کمرے کے دروازے پر آ کر گلا کھنکارا۔

''جی بھائی جان! آ جایئے۔'' وہ جو اپنے بستر پر نیم دراز سا تھا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

طوبیٰ اس وقت باتھ روم میں تھی۔

''کیسے ہو؟'' وہ سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''فائن......'' وہ مسکرایا۔

''کیا بنا تمہارا...... میرا مطلب ہے کب پردیس سدھار رہے ہو؟'' وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

''دیکھیں بھائی جان ابھی اسلام آباد جانا ہے۔ امریکہ جانا کون سا آسان ہے؟'' وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتا ہوا بولا۔

''واہ! یہ امریکہ بھی عجیب ہے۔'' وہ زور سے ہنسے۔

''خود ہی بلاتے ہیں اور پھر خود انویسٹی گیشن شروع کر دیتے ہیں دیکھو ناں۔ تمہیں اعلیٰ تعلیم کے لیے اسکالرشپ بھی دے دیا ہے اور ویزا لگانے میں بھی حجتیں کریں گے۔''

''یہ ان کا طریقہ کار ہے دراصل وہ ہر طرح سے تسلی کر لینا چاہتے ہیں۔''

عمیر نے جواب دینا چاہا مگر سعد خان نے درمیان میں سے اس کی بات اچک لی۔

''یار یہ سب ڈھکوسلے بازی ہے اور کچھ نہیں۔''

ڈھکوسلے بازی۔'' وہ مسکراتا ہوا انہیں دیکھنے لگا۔

''دراصل یہ امریکن بڑے بزدل ہوتے ہیں ڈرپوک۔'' وہ ذرا سا آگے کو جھک کر راز داری سے کہنے لگے۔

''اچھا وہ کیسے؟'' اس پر اسے ہنسی آ گئی۔

''سیدھی سی بات ہے یہ انگریز قوم آج بھی مسلمانوں سے خوفزدہ ہے تم نے دیکھا نہیں یہ جس قدر بھی ترقی پسند بنیں مگر اسلام کی ایک دلیل کے سامنے جھاگ ہو جاتے ہیں۔ بس اسی لیے یہ مسلمانوں پر ذرا زیادہ پابندیاں عائد کر کے اپنا رعب جمانا چاہتے ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ کہیں مسلمان ان کے ملک میں داخل ہو کر ان کے چہروں کے نقاب نہ الٹ دیں۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ عمیر کو اس لمحے وہ ایک سچے مسلمان فوجی دکھائی دیئے۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' اسے بھی ماننا پڑا۔

''السلام علیکم بھائی جان۔'' طوبیٰ نے باتھ روم سے باہر آتے ہی انہیں دیکھا تو فوراً اپنا

دوپٹہ درست کرتے ہوئے بولی۔

''وعلیکم السلام۔خوش رہو کیسی ہو؟'' وہ اس کا اُترا اُترا چہرہ دیکھ کر کچھ پریشان سے ہو گئے۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' اس نے ہولے سے جواب دیا۔

''ارے ہاں میں تو باتوں میں بھول ہی گیا۔طوبیٰ تمہارے ابو کا فون آیا تھا۔'' وہ بتانے لگے۔

''ابو کا فون......'' وہ کچھ اور پریشان ہوگئی۔

''تمہاری امی جان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں انہوں نے تمہیں بلایا ہے۔'' وہ تفصیل سے بتانے لگے۔

''امی کی طبیعت......'' وہ وہیں بیڈ کے ایک کونے پر بیٹھ گئی۔

''ارے اتنی بھی خراب نہیں بس ذرا گھبرا رہی ہیں تم جا کر ہو آؤ۔'' انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

اس نے عمیر کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا تو فوراً ہی سعد بولے۔

''عمیر تم کورٹ سے واپسی پر وہیں چلے جانا اب میں طوبیٰ کو ڈراپ کر دوں گا۔''

انہیں پتا تھا آج عمیر کے ایک کلائنٹ کی بڑی اہم پیشی تھی اور اس کا اس وقت جانا مشکل تھا۔

''بالکل یہ ٹھیک ہے بھائی جان۔طوبیٰ تم بھائی جان کے ساتھ چلی جاؤ میں واپسی وہیں آجاؤں گا۔'' وہ اپنی مشکل آسان ہونے پر کچھ مطمئن ہو گیا۔

''چلو کم آن طوبیٰ...... ہری اَپ...... مجھے دیر ہو رہی ہے تم دیر نہ لگانا۔'' وہ چٹکی بجا کر باہر نکل گئے۔

''عمیر......آپ......'' وہ عمیر کی طرف جانے کیوں سہمی سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں...... مجھے کیا ہے؟'' وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

''آنٹی نے تمہیں بلایا ہے وہ اداس ہوں گی بیمار نہیں۔'' وہ اس کا دل بہلانے کو کہہ رہا تھا۔

''آپ دوپہر کو آجائیں گے۔'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''نہ آنے کی وجہ......'' اس نے اس کے گالوں کو ہلکا سا چھوا۔

''جاؤ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔سنا نہیں تھا سعد بھائی کو دیر ہو رہی ہے۔'' اس۔

مسکرا کر اسے جانے کی اجازت دی اور دوبارہ اپنی فائل پر جھک کر آج کی بحث کے اہم پوائنٹ دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ تیار ہو کر صبورہ خاتون کے کمرے میں کھڑی انہیں خدا حافظ کہنے آئی تھی۔اور وہ محبت سے اسے کہہ رہی تھیں۔

''ذرا ذرا سی بات پر پریشان نہیں ہوتے۔تمہاری امی جان بالکل ٹھیک ہوں گی میں اور رامین بھی شام کو چکر لگائیں گے۔اب تم جاؤ۔''

''میں رات تک واپس آجاؤں گی امی جان۔'' وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

''ارے نہیں نہیں...... بیٹا رات کو کیوں آؤ گی؟'' وہ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

''بلکہ عمیر سے بھی کہنا آج رات وہیں رک جائے۔جب ان کی طبیعت بہتر ہو اور جب تمہارا دل بہل جائے تو آجانا۔والدین کا گھر شادی کے بعد پرایا تو نہیں ہو جاتا۔ان کا بھی اتنا ہی حق ہوتا ہے جتنا سسرال والوں کا۔''

''جی شکریہ امی جان۔'' وہ ان کی انصاف پسند طبیعت کی اور بھی معترف ہو گئی۔

''چلو اب جاؤ'' سعد خان نے باہر سے گاڑی کا ہارن دینا شروع کر دیا۔

''بھابی! میرا دل بہت پریشان ہے۔'' وہ باہر آکر رامین کی طرف التجا کرتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

''کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' رامین نے اسے تسلی دی۔

سعد خان نے دوبارہ گاڑی کا ہارن بجایا تو وہ اسے خدا حافظ کہہ کر جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

کچھ دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی وہ گاڑی سے باہر دیکھ رہی تھی۔رات کی بارش کی وجہ سے سب کچھ دھلا دھلا دکھائی دے رہا تھا۔سڑک کے کناروں پر کہیں کہیں پانی بھی کھڑا تھا۔بادل ابھی تک گھرے ہوئے تھے البتہ آج پچھلے کئی روز والی شدید دھند نہ تھی۔آسمان نکھر گیا تھا۔اس نے لمبی سانس لی اور اندر گھٹی گھٹی سانس کو باہر چھوڑ دیا۔سعد خان نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا وہ کچھ تازہ دم لگ رہی تھی اس لیے انہوں نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ کچھ اور بات کر کے اسے پریشان کریں۔

کرنل صاحب کا گیٹ آ چکا تھا۔

''آئیں ناں بھائی جان آپ اندر......'' طوبیٰ نے اترتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

"نہیں مجھے دیر ہو رہی ہے شام کو ہم لوگ آئیں گے۔" وہ اسٹیئرنگ پر انگلیاں بج
ہوئے کہنے لگے۔

"اچھا...... شکریہ۔"

"نو کمپلی منٹ (No Compliment)۔"

"اللہ حافظ۔"

"خدا حافظ۔" وہ اندر جانے لگی تو سعد خان نے پھر پکار لیا۔

"طوبیٰ۔"

"جی۔" وہ پلٹ کر واپس آ گئی۔

"تم دو چار روز یہیں رہ لو......" نہ چاہتے ہوئے بھی پریشانی ان کے چہرے پر
گئی۔

"جی۔" وہ کچھ سمجھی کچھ نہ سمجھی۔

"بہتر ہوگا۔ تفصیل سے بات شام کو ہوگی۔" انہوں نے زیادہ دیر وہاں رکے
مناسب نہ سمجھا اور وہ تیزی سے گاڑی آگے بڑھا لے گئے اور وہ کچھ سوچتی ہوئی اندر چلی گ

☆======☆======☆

"بی بی جی! اگر آپ برا نہ مناویں تو ہم کچھ کہنا چاویں ہیں آپ سے۔" اماں شری
نے برتن دھوتے دھوتے بات شروع کی۔

"ہاں کہیں اماں۔" فریج سے ٹماٹر نکالتی رامین نے مسکرا کر اماں کو دیکھا کہ آخر ایس
بات ہے جس پر اماں کو اجازت لینی پڑ رہی ہے۔ وہ ان کی بہت پرانی ملازمہ تھی اتنی پرانی
اب تو وہ اس گھر کا ایک فرد بھی تھی۔ اماں شریفاں کا سوائے ایک بیٹے کے اس دنیا میں کوئی
نہ تھا اور اس بیٹے کی بیوی اللہ کی ایسی بندی تھی کہ اسے پوری دنیا میں یہی ایک اماں شریف
ہی برداشت نہ تھی اس پر بیٹا ایسا جورو کا غلام تھا کہ اماں کو تو بے سہارا چھوڑ سکتا تھا مگر بیوی
گھٹنے سے الگ نہ ہو سکتا تھا۔ شریفاں نام کی ہی نہیں بلکہ ذات کی بھی شریف عورت تھی لڑ
جھگڑے سے گھبراتی تھی لہٰذا وہ بیٹے کا گھر دل پر پتھر رکھ کر چھوڑ آئی تھی۔ اب وہ رات
یہیں رہتی تھی اور مہینے میں ایک بار جا کر بیٹے اور پوتیوں سے مل آتی تھی۔ وہ بھی اس گھر کو
اپنا ٹھکانہ جانتی اور گھر والوں کو اپنا سمجھتی تھی۔ اماں کو رامین سے بہت محبت تھی۔ اور وہ ہر د
اسی کے لیے فکر مند رہتی تھی۔

"بیٹیا جہاں اکرم (اس کا بیٹا) رہتا ہے ادھر ایک مالی جمال دین ہے۔" انہوں

ہمیشہ کی طرح بات کو الف سے شروع کیا۔

"اچھا۔" رامین نے دلچسپی کا اظہار کیا

"اس کی بہو بھی پانچ برس سے اولاد کی نعمت کو ترس رہی تھی۔" وہ اپنے دوپٹے کے پلو
سے ہاتھ پونچھتی رامین کے قریب آ گئی۔ اب رامین کے چہرے پر بھی ایک اداسی آ گئی جسے
چھپانے کے لیے وہ اوون کھول کر جھانکنے لگی۔

"اب اللہ کا فضل ہے اس کا پاؤں بھاری ہے۔" وہ پیڑھی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ
چکی تھیں۔

"وہ بتا رہی تھی کہ اس نے کسی اللہ والے سے تعویذ لیا ہے۔"

"اماں میں ان چکروں میں نہیں پڑتی۔ اور بھلا آج کل کون درست ہے کون غلط۔" وہ
اماں شریفاں کو سمجھانے لگی۔

"توبہ توبہ کرو بٹیا ایسا نہیں کہتے۔" وہ رامین کی بات سن کر کانوں کو ہاتھ لگانے لگیں۔ وہ
اماں کو دیکھ کر مسکرا دی وہ اب بھی اپنے کانوں کو دائیں بائیں سے پکڑ رہی تھیں۔

"تم ایک بار جا کر تو دیکھو۔" وہ اب بھی اپنی بات پر قائم تھیں۔

"اچھا آپ امی جان سے اجازت لے لیں۔" اس نے جان بوجھ کر صبورہ خاتون کا
کہہ دیا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ تو ایسی باتیں سننا بھی گوارہ نہیں کرتیں۔

"بڑی بی بی جی...... نہ بابا نہ......" وہ پیڑھی سے اٹھ کر دوبارہ برتنوں والے سنک کے
پاس چلی گئی۔

"وہ تو مجھے بہت ڈانٹیں گی۔" وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح ڈرنے لگی۔

"تو بس پھر آئندہ ایسی کوئی بات نہ کرنا۔" اس کے چہرے کا رنگ اُڑا ہوا دیکھ کر اسے
ہنسی آ گئی جسے اس نے بمشکل دبایا تھا۔

"لیکن بٹیا کچھ تو کرنا چاہیے پانچ برس ہو گئے ہیں۔" اس نے پھر گردن موڑ کر رامین کو
دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی وہی اداسی تھی جو اس کی اپنی آنکھوں میں اکثر لہرایا کرتی تھی۔

"اماں! وہ جو ہے ناں۔" وہ اس کے قریب آ گئی اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ
دیا۔

"وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ ساری امیدیں اسی کی ذات سے ہونی چاہئیں۔ وہ کبھی کبھی
اپنے بندوں کا صبر دیکھنا چاہتا ہے۔" اس کی اپنی آواز کچھ رندھ سی گئی۔ دراصل خود اسے بچوں
کے ساتھ بے حد محبت تھی بچے اسے بہت اچھے لگتے تھے۔ وہ ایسی عورت تھی جو بہت جلد ماں

بننے کی خواہش مند ہوا کرتی ہے جس کے اندر ممتا کا عنصر اس وقت سے شامل ہوتا ہے جب
خود ماں کی محتاج ہوتی ہے۔ وہ بچپن سے ہی گڑیوں کی شادیاں کر کے انہیں ایک ما
طرح رخصت کرتی ہے۔ اور جب وہ خود ماں کا گھر چھوڑ کر پیا کے گھر آئی تھی تب سے
کے دل میں ممتا کا میٹھا میٹھا احساس کروٹیں نہ لے رہا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ یہ احساس در
تبدیل ہونے لگا اور آنکھوں میں قلقاریاں مارتے خوابوں میں دھواں بھرنے لگا۔ وہ
اپنے دل کی اداسیوں کی خبر تو نہ ہونے دیتی تھی مگر خود چھپ چھپ کر رویا کرتی تھی۔ او
سے گڑگڑا کر دعائیں کیا کرتی تھی۔

سعد خان کو بھی بچوں کی آرزو بہت تھی مگر انہوں نے اس موضوع کو کبھی اس لیے
چھیڑا تھا کہ رامین کا دل دُکھے گا۔ وہ شہر کی سب سے اچھی گائنا کالوجسٹ سے مشورہ کر
تھی۔ سب کچھ نارمل تھا بس یہ دیر اس اللہ کی طرف سے تھی۔

وہ اپنی آنکھ کے بھیگے کونوں کو چھپا کر پھر مسکرا دی۔

''اچھا تمہاری مرضی...... ویسے......''

''اماں...... اللہ تو ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ پھر ہم اسے ڈھونڈنے دوسر
کے در پر کیوں جائیں۔ آپ اللہ پر بھروسا رکھیں۔''

اس نے اماں کے ساتھ اپنے آپ کو بھی تسلی دی۔ اور دوبارہ کام میں لگ گئی۔

☆======☆======☆

''امی جان! ہم لوگ ذرا لبرٹی تک جا رہے ہیں۔'' ارم نے صبورہ خاتون کے کمر
میں آ کر اجازت طلب کی۔

''کوئی خاص کام؟'' وہ ہیٹر کے سامنے ایزی چیئر پر بیٹھی تھیں ان کے ہاتھ میں ''تذ
صحابیات'' تھی جس کا وہ مطالعہ کر رہی تھیں اس سے نظریں ہٹا کر وہ ارم کو دیکھنے لگیں۔

''کچھ چیزیں مجھے لینی ہیں اور تھوڑی سی شاپنگ رمشاء نے کرنی ہے۔'' اس نے مح
سے اپنی بانہیں ماں کے گلے میں حمائل کر دیں۔

''رامین کو ساتھ لے لو۔''

''امی! وہ تو کچن میں مصروف ہیں۔''

''تو ایسا کرو عبداللہ کو لے جاؤ۔'' انہوں نے ڈرائیور کا نام لیا۔

''اماں! کیا ہم ناسمجھ ہیں۔'' وہ لاڈ سے بولی۔

''سمجھ دار ہوتے ہوئے بھی لڑکیاں غیر محفوظ ہوتی ہیں۔ اگر جانا ہے تو عبداللہ

ساتھ جاؤ۔'' انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور دوبارہ مطالعہ کرنے لگیں۔

''اماں! ناراض نہ ہوں۔ ٹھیک ہے۔'' وہ جلد ہی مان گئی۔

''چلو اب آؤ جلدی کرو۔'' کمرے سے نکل کر اس نے کوریڈور میں کھڑی رمشاء کا
ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

''آ رہی ہوں تم ہاتھ تو چھوڑو۔'' وہ اس کے ساتھ گھسٹتی سی جا رہی تھی۔ وہ چل ہی بہت
تیز رہی تھی۔

''اُف میرا ہاتھ......'' وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر اسے پھونکیں مارنے لگی۔

''کیا جل گیا؟'' ارم نے اس کے پھونکیں مارنے پر چھیڑا۔

''بس ایک آنچ باقی تھی۔'' وہ بھی حاضر جواب تھی۔

''اور دل...... کیا وہ بھی ایک آنچ کی کسر میں ہے۔'' اب وہ اسے معنی خیز نظروں سے
دیکھ رہی تھی۔

''کک...... کیا بکواس ہے۔'' وہ اس حملے کے لیے تیار نہ تھی بوکھلا گئی۔

''میرا مطلب کیا ہے اپنے آپ سے پوچھو......'' وہ ذرا سا جھک کر اس کی آنکھوں میں
دیکھنے لگی۔

''دیکھو ارم اگر ایسی ہی بکواس کرنی ہے تو پھر میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' وہ
کچھ خفا ہو گئی۔

''چلو...... چلو...... سیدھی طرح۔'' اس نے واپس مڑتی رمشاء کو بازو سے گھسیٹا۔

''بیٹھو اِدھر۔'' اس نے اسے گاڑی میں زبردستی بٹھایا اور خود بھی بیٹھ گئی۔

''چلیں۔'' عبداللہ جو کب سے دونوں کی نوک جھونک سن رہا تھا مسکرا کر بولا۔

''جی چچا چلیے۔''

ارم کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

''اچھا بتاؤ سب سے پہلے کہاں چلیں۔'' ارم نے کچھ سنجیدگی اختیار کر لی تھی۔

''پہلے ٹیلر سے مل لیں۔'' رمشاء نے بھی خوش دلی سے جواب دیا' اسے اس کی سنجیدہ
شکل پر ہنسی آ رہی تھی لگتا تھا' دو چار تھپڑ مار کے منہ سُو جا دیا ہو۔

''اب تمہارے دانت کیوں نکل رہے ہیں؟'' وہ کچھ خفا ہو گئی۔

''اسے دیکھ کر۔'' رمشاء نے اس کے سُوجے ہوئے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔

''بکومت۔'' وہ بھی مسکرا دی اور بیک مرر میں جھانکتیں عبداللہ چچا کی آنکھیں بھی۔ وہ

دل ہی دل میں دعا کر رہے تھے کہ خدا انہیں ہمیشہ خوش رکھے' وہ سوچ رہے تھے کہ یہ بیٹ
بھی خدا کی عجیب نعمت ہے۔ ماں باپ کے دل کا ٹکڑا ہوتی ہیں مگر پھر بھی جوان ہو
بوجھ لگنے لگتی ہیں' ماں باپ کا جی چاہتا ہے کہ انہیں دنیا کا ہر سکھ ملے ان کی ہر خواہش پور
دیں' مگر وہ انہیں نصیب نہیں دے سکتے' بیٹی تو راجہ مہاراجہ بھی اپنے گھر نہ رکھ سکے تھ
چڑیاں ہی ہوتی ہیں اپنے حصے کا دانہ چگتیں اور پھر سے اُڑ کر کسی اور کے آنگن میں اتر
ہیں۔ آہ......

''بس چچا یہیں پارک کرلیں۔''

ارم نے عبداللہ کو خیالوں سے چونکا دیا۔

''جی بہتر۔'' انہوں نے گاڑی کو ایک طرف پارکنگ میں لگا دیا۔

انہیں تو خیالوں میں معلوم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ وہ اتنا راستہ طے کر آئے ہیں۔

''چچا ہمیں کچھ دیر لگ جائے گی' اگر آپ نے کوئی اور کام کرنا ہو تو کرلیں۔'' ار
گاڑی سے اتر کر اپنی چادر کو سر پر درست کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں بیٹا اور تو کوئی کام نہیں' میں یہیں انتظار کرتا ہوں' آپ لوگ تسلی سے خ
فروخت کرلیں۔''

''چلیں ٹھیک ہے۔'' وہ رمشاء کا ہاتھ پکڑ کے شاپنگ سینٹر کی طرف چل دی۔

''ارم' ٹیلر کی شاپ پیچھے رہ گئی' تم کس طرف جارہی ہو؟'' وہ حیران ہو کر اسے دیکھ
تھی جو تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی اور اسے بھی ساتھ زبردستی لیے جارہی تھی۔

''خاموشی سے چلتی رہو۔'' اس نے گھور کر پیچھے دیکھا۔

''مگر مسئلہ کیا ہے؟'' اب وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہوگئی' جوا
نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے پھر خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا' پوری مارکیٹ میں کسی بھی
پر بنا رُکے وہ گزر آئی تھی' اور اب وہ ایک کافی شاپ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''ارم! آتے ہی تمہیں کافی کی پڑ گئی پہلے شاپنگ تو کرلیں۔'' رمشاء نے کافی
میں داخل ہونے سے اسے بھی روکا۔

''چپ نہیں رہ سکتیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اسے اندر لے گئی' اندر داخل ہ
چاروں طرف متلاشی نظروں سے کچھ دیکھنے لگی۔

''اب کیا ہے؟'' وہ ہاتھ چھڑا کر ذرا خفگی سے پوچھنے لگی۔

''ہیلو...... میں ادھر ہوں۔'' کسی نے بالکل قریب سے انہیں پکارا۔ دونوں نے پ

ٹ کر دیکھا مگر دونوں کے تاثرات جدا جدا تھے۔ ارم کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ اور
مینان تھا جبکہ رمشاء کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''ا...... ر...... م......'' اس نے دانت کچکچا کے ارم کی طرف دیکھا اب اسے کچھ کچھ
معاملہ سمجھ میں آ گیا تھا۔

''ح...... ش...... ا...... م...... بھی ہے۔'' جواباً اس نے اسی کے انداز میں نقل اتاری تو
سے کچھ اور غصہ آ گیا۔

''ارم چلو۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف کھینچنے لگی۔

''ہاں چلو۔'' ارم نے مسکرا کر اس کا ہاتھ دبایا مگر باہر جانے کی بجائے اسے ایک کونے
کی میز کی طرف لے گئی' اور وہ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا' یہاں سیلف سروس تھی۔

''ارم! تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔'' وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''میرا خیال تم سے مختلف ہے۔'' وہ ڈھٹائی سے مسکرائی۔ ''میں نے بہت اچھا کیا ہے اور
تم ذرا تمیز سے بیٹھنا۔'' حشام کو واپس آتا دیکھ کر وہ اسے نصیحت کرنے لگی۔

''ہونہہ......!'' اس نے منہ دوسری طرف گھمایا۔

''ہاں تو گرلز کیسی ہیں آپ؟'' اس نے کافی اور چکن برگر دونوں کو سرو کرتے ہوئے
کہا۔

''فائن۔''

ارم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی رمشاء کو بھی کہنی سے ٹہوکا دیا۔

پھر وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا' مگر اس کی آنکھیں مسلسل رمشاء کے چہرے کا گھیراؤ
کیے ہوئے تھیں۔

''آپ کی کافی ٹھنڈی ہورہی ہے' لیں ناں؟''

اسے جوں کا توں بیٹھے دیکھ کر حشام نے کافی کا مگ اٹھا کر اسے پیش کر دیا۔

''لو ناں۔'' ارم نے بھی گھُرکا' مجبوراً اس نے مگ پکڑ لیا۔

''کیا آپ کو یہاں آنا اچھا نہیں لگا؟'' اس نے رمشاء کے چہرے پر پھیلے سرد سائے
دیکھ کر کہا' اس کے جواب نہ دینے پر وہ دوبارہ گویا ہوا۔

''رمشاء۔'' اس کا نام پکار کے وہ اپنے مضبوط ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں جکڑ
کے انہیں دیکھنے لگا' اب اس کے چہرے پر شوخی اور شرارت کی بجائے سنجیدگی تھی۔

''رمشاء۔'' اس نے دوبارہ اس کا نام لیا' آواز میں کچھ ایسی بات ضرور تھی کہ رمشاء کو

اس کی طرف دیکھنا پڑا۔ ٹھیک اسی لمحے اس کی آنکھیں اس پر ٹکی ہوئی تھیں۔ بہت کچھ
آنکھیں۔ فوراً ہی رمشاء کی آنکھیں جھک گئیں' انہیں پیغام مل گیا تھا' ارم چپکے سے وہاں کھسک گئی۔

''رمشاء! مجھے بھی یہ سب اچھا نہیں لگتا۔'' وہ بہت مضبوط لہجے اور بھاری آواز میں بولا تھا۔

''میں نے تمہیں کچھ کہنا تھا' سنو گی؟'' وہ اجازت لے رہا تھا' وہ کیا کہتی خاموشی اپنے ناخنوں سے ٹیبل کی سطح کھرچنے لگی۔

''میں جو بات بتانے لگا ہوں یہ کوئی بات نہیں ہے بڑا کڑوا سچ ہے' حقیقت ہے۔'' نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو تو یہ شاید بہت عام سی بات ہو گی۔'' وہ سارکا اور اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''اچھی تو تم ہو اور سب ہی کو لگتی بھی ہو' لیکن جتنی اچھی مجھے لگتی ہو اس کی شدت صر
میرے حصے میں آئی ہے۔'' اس کی ٹیبل پر سرسراتی انگلیاں صاف طور پر کپکپا گئیں' اور
میں دل شور کرنے لگا۔

''بات صرف اچھا لگنے کی ہوتی تو میں اسے اپنے تک محدود رکھتا اور بس تمہیں چپکے
دیکھتا رہتا مگر بات...... بات تو بہت آگے بڑھ چکی ہے۔'' کہتے کہتے وہ چپ ہو گیا' خام
درمیان میں آئی تو اسے گھبراہٹ ہونے لگی گھبرا کر اس نے دیکھا تو وہ آنکھیں اس پر گڑ
تھیں۔

''ہے ناں؟'' وہ اسے دیکھتا پا کر مسکرا دیا۔

''کک...... کیا......'' گھبراہٹ میں اس کے منہ سے نکل گیا۔

''یہ کہ میں بہت آگے آ گیا ہوں۔'' اس کی بھاری آواز میں عجیب سی گہرائی بھی
ایسی گہرائی کہ رمشاء اس میں ڈوبنے لگی۔

''رمشاء میں نہیں جانتا کہ یہ محبت ہے یا کیا' مگر میں یہ جانتا ہوں کہ میری باقی زندگی
اب کوئی بھی پل تمہارے بغیر نہ گزرے' تم میری زندگی کے ساتھ ساتھ میرے گھر میں بھی
جاؤ اور اب تمہارے بغیر جو بھی پل گزرے گا' وہ بہت ادھورا...... بہت سونا اور بے قر
گزرے گا۔'' وہ کہے جا رہا تھا اور جو کچھ کہہ رہا تھا اس میں سارا سچ تھا' صاف گوئی تھی۔

''رمشاء! تم سے یہاں ملنے کا مقصد کوئی پینگیں بڑھانے والی ملاقات نہیں بلکہ تم۔

کچھ پوچھنا تھا' بتاؤ گی؟'' وہ پھر کچھ پوچھ رہا تھا۔ وہ جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا'
جواباً اسے اقرار میں سر ہلانا پڑا۔

''گڈ گرل۔'' وہ مسکرایا۔

''اچھا تو میں کیسا ہوں؟'' اس نے اپنے کالر کو اونچا کیا اب اس کے انداز میں شرارت تھی۔

''میرا مطلب ہے تمہارے خیال میں کیسا آدمی ہوں' انسان ہوں اتنا تو مجھے علم ہے۔''
وہ کچھ کہنے کی بجائے اس کی شکل دیکھ کر بس ہلکا سا مسکرائی۔

''شکریہ شکریہ...... اتنی دیر میں سہی آپ مسکرائیں تو' اچھا تو میں کیسا ہوں۔'' اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا اب وہ مسخرہ لگ رہا تھا' وہ عجیب مشکل میں پڑ گئی۔

''چلو میں مشکل آسان کیے دیتا ہوں۔'' اس نے شاید اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔ ''میں بہت برا ہوں' ایک دم فراڈ...... فضول' بدصورت؟'' وہ برا سا منہ بنا کر بیٹھ گیا۔

''نن...... نہیں۔'' بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔

''تو اس کا مطلب بہت اچھا ہوں' ایک دم جینٹل مین' سچا اور حسین۔'' وہ ذرا خوش فہم ہو گیا۔

''یہ میں نے کب کہا۔'' وہ اسے دیکھنے لگی۔

''تو......؟''

''بس ٹھیک ہیں۔'' اس نے جان بوجھ کر دل کی آواز کو دبا لیا۔

''چلو اتنا ہی کافی ہے' شکر ہے خدا کا۔'' وہ دعائیہ انداز میں خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔

''میرا خیال ہے بہت دیر ہو گئی۔'' وہ اٹھنا چاہ رہی تھی۔

''دیر کہاں...... ابھی ابھی تو آپ کی آواز سنی ہے ابھی تک بغیر آواز کی تصویر چل رہی تھی۔'' اس نے رونی سی شکل بنا لی۔

''میرا خیال ہے دیر واقعی ہو گئی ہے۔'' واپس آتی ارم نے رمشاء کی بات سن لی تھی۔

''آپ دیر ہو جانے سے گھبرا جاتی ہیں۔'' اس نے عجیب سا سوال کر دیا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' وہ پریشان ہو گئی۔

''مطلب اگر مجھے آنے میں کچھ دیر ہو جائے تو کیا آپ گھبرا کر چل دیں گی۔'' وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''گھبراہٹ دیر ہو جانے پر نہیں ہوتی کسی کے بھول جانے پر ہوتی ہے۔'' اس نے

آہستگی سے کہا۔

''بس تم گھبرانا مت' میں بھولوں گا نہیں بھلا کوئی سانس لینا بھی بھول سکتا ہے۔'' وہ ا
کی آنکھوں میں دیکھنے لگا جہاں انتظار کرنے کا عہد صاف نظر آ رہا تھا۔

''رمشاء مجھے تمہارے پاس آنے کے لیے آگ کا دریا پار کرنا پڑے گا' دیر لگ جا
گی' لیکن سنو میں آؤں گا ضرور بس تم میرا انتظار کرنا' کرو گی؟'' ساتھ ہی اس نے وعدہ
چاہا۔

''کہو۔''

''بھئی کہہ بھی دو' چہرہ تو صاف کہہ رہا ہے زبان کیوں باندھ رکھی ہے۔'' ارم سے رہا
گیا وہ بیچ میں بول پڑی۔

''کرو گی ناں؟'' وہ بضد تھا جواب لینے پر۔

''ہاں۔'' بہت دھیمی سی آواز سنائی دی مگر اس میں سچ صاف گونج رہا تھا۔

''اس ہاں کا شکریہ' احسان اتار دوں گا اس انتظار کے ختم ہونے پر۔'' وہ پھر شرارت پر ا
آیا۔

''ساری عمر اتارتے رہیے گا احسان' فی الحال تو شکریہ کافی کا اور برگر کا بھی' اب ہمیں
اجازت۔'' وہ ایک دم ہی رمشاء کا ہاتھ کھینچنے لگی۔

''ا......ر......م......'' اس نے بالکل اس انداز میں کہا۔

''واہ......تب آ نہیں رہی تھیں اور اب جاتی نہیں ہو' یہ کچھ ہی دیر میں کیا ماجرا ہو گیا؟''
وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر سر سے پاؤں تک اسے گھورنے لگی۔

''چلو......چلو......'' وہ شرمندہ سی ہو کر چل پڑی۔

''میں سچ مچ آؤں گا' رمشاء۔'' اس کے قدموں سے پھر ایک آواز لپٹ گئی' اس ن
پلٹ کر دیکھا' وہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''فی امان اللہ۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''فی امان اللہ۔'' اس کے ہونٹ بھی لرزے' ساتھ ہی آنکھوں میں اشک بھی' یہ جا
کہاں سے آ گئے تھے۔

دل ایک دم خوشی کے ساتھ ساتھ اداسی سے بھی معمور ہو گیا' یہ بھی بڑی عجیب کیفی
ہوتی ہے جب خوشی سے تعارف ہوا ہی ہو اور اداسی بھی کہیں سے سر نکال لے۔ ابھی وصل ک
پہلی بوند ہی بڑی ہو اور ہجر کی دھوپ اچانک کسی بادل کی اوٹ سے نکل آئے' دونوں کا ایک

ساتھ ملنا' جب ایک دوسرے کی ضد و جذبے ایک ہی ساتھ دل میں آ گھسیں اور ساتھ ہی
رہنے کی ضد پر بھی اڑ جائیں۔

اس کیفیت کو اس سے دوچار ہو کر ہی محسوس کیا جا سکتا ہے' احساس کی اس نئی آگہی کو ہی
شاید محبت کہتے ہیں' ہاں یہ ہی تو ہوتی ہے محبت جو ملن کے پہلے ہی موڑ پر جدائی سے ٹکرا جاتی
ہے جو وصل کے ساتھ ہی انتظار کے بندھن میں بندھ جاتی ہے۔ یہ تو آزمائش ہوتی ہے۔
پیاسے کو بوند بوند ملنے والی کہ پیاس بجھنے کی بجائے اس کی طلب کو بڑھا دینے والی' تڑپا اور
ترسانے والی' یہ محبت......تو پھر محبت کی کیوں جاتی ہے' لیکن کی کہاں جاتی ہے یہ تو سرکش اور
بے اختیار ہوتی ہے۔ بڑی عجیب اور من موجی کہ خود کرنے کی کوشش کرو تو عمریں لگ جائیں'
صدیاں بیت جائیں مگر ہو نہیں پاتی اور جب ہونے پر آئے تو بنا سوچے' بنا سمجھے اور بنا کوشش
کے خود بخود ہو جاتی ہے' ایک لمحے میں آن بستی ہے دل میں اور سانس سانس کو باندھ ڈالتی ہے'
بے بس اور مجبور کر دیتی ہے' اسیر کر لیتی ہے' پورے جسم' دماغ اور روح کو۔ یہ محبت' اسے کسی
لفظ کی طرح ادا نہیں کیا جا سکتا' یہ تو احساس کا نام ہے اور یہ محسوس کرا لیتی ہے منوا لیتی ہے اپنا
آپ۔

☆======☆======☆

وہ جب سے آئی تھی ماں کے ساتھ لگی بیٹھی تھی' رو رو کر اس نے اپنی آنکھیں سرخ کر
رکھی تھیں' کرنل عبدالصمد خان کے چہرے پر بے شمار تفکرات کی لکیریں واضح تھیں' نویرہ آپا
الگ پریشان نظر آ رہی تھیں اور سعدیہ خان تو یہ سنتے ہی اپنا کلیجہ تھام بیٹھی تھیں کہ وہ بات جسے
ان لوگوں نے راز کی طرح اپنے سینوں میں دفن کر لیا تھا وہ کھلنے والا تھا۔

سمیر کی پوسٹنگ آج کل چک لالہ میں تھی اس لیے وہ تو گھر پر موجود ہی نہ تھا' اور تانیہ
اسے تو اس شخص کے نام سے ہی نفرت تھی' جس کا ذکر گھر میں دوبارہ سے شروع ہو گیا۔

''یہ خبیث یہاں آ کیسے گیا؟ اور آ ہی گیا تھا تو طوبیٰ کو کیوں دیکھ لیا اس نے۔'' سعدیہ
خان بار بار اپنے ہاتھ مل رہی تھی۔

''اس میں اس قدر خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟'' کرنل صاحب بظاہر پریشان
نظر نہ آنے کی پوری کوشش کر رہے تھے مگر ان کا لہجہ کچھ ٹوٹا ٹوٹا سا تھا' اندر سے ایک خوف
انہیں بھی لاحق ہو گیا' شیطان کی چالوں سے ہر شریف آدمی خوفزدہ رہتا ہے اور وہ بھی تو ایک
شیطان ہی تھا' بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مردود۔

''امی جان! آپ لوگوں نے سخت غلطی کی عمیر کو پہلے ہی ساری بات بتا دینی چاہیے

تھی۔'' وہ پھر رونے لگی۔

''طوبیٰ! کچھ نہیں ہوگا تم حوصلہ چھوڑ رہی ہو' عمیر بہت سمجھدار ہے۔'' نویرہ آپا اس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں اور اس کی آنکھیں پونچھنے لگیں۔

''وہ سمجھدار ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد جذباتی بھی ہیں۔'' وہ سرخ آنکھوں انہیں دیکھنے لگی۔

''بس جو ہونا ہے ہو جائے مجھ سے اب اور سُولی پر نہیں لٹکا جاتا' میں تھک گئی ہوا وہ بہن کے کندھے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''آپا! میں نے کہا تھا' کہا تھا میں نے کہ مجھ پر ایک شیطان کا سایہ ہے وہ مجھے کبھی کہیں چین نہیں لینے دے گا' عزت اور محبت کا دشمن ہے وہ میرا گھر کبھی نہ بسنے دے گا۔''

''میری بیٹی' میری جان۔'' کرنل صاحب تڑپ کر اٹھے اور بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ د

''بابا!'' وہ اور بھی سسک کر رونے لگی۔

''خدا غارت کرے اس بدبخت کو' خدا کرے اپنے برے انجام کو پہنچے آج ہی۔''

سعدیہ خان سے بیٹی کا دکھ نہ دیکھا گیا وہ ہاتھ اٹھا کر اسے بددعائیں دینے لگیں نے پچھلے چار برس سے ان کے گھر کا سکون برباد کر دیا تھا۔

''میں شوٹ کر دوں گی اس کمینے کو۔'' تانیہ کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

''میں ابھی زندہ ہوں بیٹا' میں اسے سبق سکھا سکتا ہوں اچھی طرح۔'' کرنل صا کے سرخ ہوتے چہرے سے ان کے غصے کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

''بابا! پلیز۔'' نویرہ نے فوراً ان کا ہاتھ تھام لیا کہ کہیں ان کا بلڈ پریشر نہ ہائی ہو جا

''اس مسئلے کو جذباتی ہو کر نہیں ہوش مندی سے حل کرنا پڑے گا۔'' وہ انہیں کر بٹھاتے ہوئے بولیں۔

''ہمیں پہلے صبورہ آنٹی اور سعد بھائی سے بات کر لینی چاہیے اور پھر عمیر کو سب کچھ دینا چاہیے پھر کچھ اور سوچنا چاہیے۔'' وہ وہیں ان کے پاس بیٹھ گئیں۔

عمیر کے نام پر طوبیٰ کا دل مٹھی میں آ گیا' وہ ڈر رہی تھی کہ عمیر کو جب سب کچھ پتا گا تو جانے وہ کیا کرے' اسے یاد تھا کہ اُس روز جب ارم کو کسی لڑکے نے شاپنگ سینٹر کندھا مار دیا تھا تو وہ کیسے مرنے مارنے پر اُتر آتا تھا' اس کی آگ برساتی آنکھیں اور ہاتھو سے چھوٹ چھوٹ جانا' اس کی ریڑھ کی ہڈی تک سنسنا گئی' وہ کیسے برداشت کرے گا۔

''میرے اللہ...... مجھ پر رحم کرنا۔'' وہ اٹھ کر باتھ روم میں چلی گئی کیونکہ وہ بار بار

کے سامنے رونا نہ چاہتی تھی' اس کے دل میں بہت سے وسوسے جنم لے رہے تھے' وہ تو عمیر کی ایک پل کی ناراضگی اب برداشت نہ کر سکتی تھی' جدائی تو بہت دور کی بات تھی' اس نے جلدی سے وضو کیا اور جائے نماز اٹھا کر لیونگ روم میں چلی گئی۔ وہ نمازِ حاجت پڑھ کر اپنے اللہ سے مدد مانگنے جا رہی تھی' کرنل صاحب کے دل پر چوٹ سی پڑی ان کی پیاری بیٹی کس قدر شکستہ قدموں سے چل رہی تھی۔

''انیق یزدانی! تُو نے میرے صبر کو بہت آزما لیا' اب میں دیکھوں گا تم کتنے بڑے سُورما ہو۔''

وہ اٹھ کر صبورہ خاتون کو فون کرنے چل دیئے وہ ان سے بات کرنے گئے تھے کہ اب انہیں عمیر کو آگاہ کرنا پڑے گا۔

دو نفل نمازِ حاجت پڑھ کر اس نے رو رو کر اپنے رب کے حضور دعا مانگی۔ وہ بے قصور تھی یہ اللہ جانتا تھا اور وہ اپنے اللہ سے ہی پُر امید تھی' سجدے سے اٹھی تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا' نویرہ آپا اور تانیہ اسے اپنی بانہوں کے سہارے اندر لے گئیں' بیڈ پر لٹا کر سینے تک کمبل اوڑھا دیا۔

''جاؤ تانیہ بہن کے لیے کافی بنا لاؤ۔'' نویرہ آپا نے تانیہ سے کہا اور خود اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر دبانے لگیں۔

وہ آنکھیں بند کیے بے جان سے جسم کے ساتھ پڑی تھی اور اس کا دماغ' اس کی سوچیں کسی نے ماضی میں اچھال دی تھیں' وہ سارے منظر اس کی آنکھوں میں آ گئے جو اب دل کے ناسور اور آنکھوں کے زخم بن چکے تھے۔

اب وہ ماضی کے جس موڑ پر کھڑی تھی' وہ آج سے تین برس پہلے کا وقت تھا' جب وہ تھرڈ ایئر کے سالانہ امتحانات کی تیاری میں مصروف تھی' تب وہ لوگ راولپنڈی میں رہا کرتے تھے' وہ گورنمنٹ ڈگری کالج راولپنڈی میں تھی اور ہمیشہ پوزیشن لینے والی طالبات میں سرِ فہرست رہا کرتی تھی' تب ہی ان کی کلاس میں ایک نیا ایڈمیشن ہوا' سینا یزدانی۔

☆======☆======☆

''طوبیٰ...... او طوبیٰ......'' اس کی پیاری سی دوست گیتی آرا اسے ڈھونڈتی ہوئی لائبریری میں آ گئی' وہ بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی۔

''میں یہیں ہوں؟''

اس نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھام کے اپنے قریب والی کرسی پر بٹھا لیا اور ہونٹوں پر

انگلی رکھ کر اسے خاموش کرا دیا۔

"کیا ہے بھئی۔" وہ حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"اوہ......سوری......" اگلے ہی لمحے اس نے دیکھا کہ لائبریری میں موجود سب ط
اس کے با آوازِ بلند بولنے پر اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"اچھا اب کہو کیا ہے۔" طوبیٰ نے اس کے ایک دم چپ ہو جانے پر مسکراتے ہو
اسے دیکھا۔

"تم یہاں سے اٹھو پہلے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"اچھا......اچھا۔" اس نے اپنے نوٹس سمیٹ کر فائل اٹھالی۔

"کہاں چلنا ہے؟"
لائبریری سے باہر آ کر وہ پوچھنے لگی۔

"کینٹین۔" اب اس کی باچھیں کھل رہی تھیں۔

"وہ تو روز جاتے ہیں، آج کیا خاص بات ہے؟" طوبیٰ اس کا کھلا کھلا چہرہ دیکھ ر
تھی۔

"آج پارٹی ہے وہاں۔"

"پارٹی......کس کی شامت آ گئی۔" دونوں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

"وہ نیا ایڈمشن ہوا ہے ناں۔" گیتی بتانے لگی۔

"کون......وہ......" اسے نام یاد نہ آ رہا تھا۔

"سبینا......سبینا یزدانی۔" گیتی آرا نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

"یعنی آتے ہی بیچاری کو دبوچ لیا۔" طوبیٰ ساری بات سمجھ گئی۔

"دبوچنے کی کیا بات ہے، بہت بڑی آسامی ہے۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

"مگر گیتی اچھا نہیں لگتا۔" وہ کچھ ہچکچا رہی تھی۔

"مگر یہ بہت اچھا ہوتا ہے، تم چلو۔" وہ اسے گھسیٹ کر لے گئی، کینٹین پر اچھا خاصا رش ہوا کرتا تھا، اس پر ان شیطانوں کا پورا گروپ، ہادیہ، جویریہ، ثمن سب ہی اس کے گرد جمع تھیں اور وہ بڑے اعتماد سے ان کے درمیان میں بیٹھی مسکرا مسکرا کر سب کے سوالوں کے جوابات دے رہی تھی۔

"لیں جناب ہماری ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ اور ہیڈ آف دی پوزیشن ہولڈرز آ گئی ہیں۔"
گیتی نے اس کا تعارف ادب سے جھک کر کروایا۔

"آیئے۔ آیئے، مادام۔" ہادیہ نے ایک طرف ہو کر اسے جگہ دی۔

"بکواس بند۔" وہ ہاتھ اٹھا کر مسکرائی۔

"ہیلو......فرینڈ۔" طوبیٰ نے سبینا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ہیلو۔" وہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے مسکرائی۔

"نائس ٹو میٹ یو (Nice To Meet You)۔"

"سیم ٹو یو (Same To You)۔" دونوں نے باقاعدہ دوستی کی ابتداء کی اور پھر سارا گروپ سبینا کے پیچھے پڑ گیا، وہ بتانے لگی، وہ شکیل احمد یزدانی کی بے حد لاڈلی بیٹی اور اپنے چار بھائیوں کی پیاری بہن ہے، شکیل احمد یزدانی حکومت کے ان وزراء میں سے تھے جو حکومت چلانے میں خاص حیثیت رکھتے تھے۔ ان کا ہاتھ اگر سرکار کی دوستی میں اٹھ جائے تو سرکار کی واہ واہ اور اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو سرکار کو بے کار ہونے میں بس کچھ وقت ہی لگے، وہ لوگ ماضی میں کیا تھے یہ ایک پردہ پوش خاتون کے چہرے کی طرح تھا، کہ اس کا حسن اور نقوش تو پردہ اٹھنے پر ہی کھلتے ہیں مگر اب وہ کیا تھے، یہ سب جانتے تھے، ان کے خاندان کے سب ہی افراد اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، دولت ان کے گھر کی باندی تھی، اور وہ حاکم۔

لگ ہی نہ رہا تھا کہ اس کا آج کالج میں پہلا دن ہے وہ سب کے ساتھ گھل مل گئی تھی، گیتی کے ساتھ تو اس کی بہت ہی دوستی ہو گئی تھی، گیتی سب کے ساتھ ویسے بھی بہت جلد دوستی کر لیا کرتی تھی، اس نے دل کھول کر سب کو ٹریٹ دی تھی، کینٹین پر کہہ دیا تھا کہ جس کا جو جی چاہے اس کے لیے سرو کیا جائے۔ یہ بات طوبیٰ کو کچھ اچھی نہ لگی تھی مگر وہ چپ رہی، اس نے اپنے لیے سوائے کوک کے کچھ نہ لیا تھا۔

"کیا بات ہے طوبیٰ کیا تکلف کر رہی ہو؟" گیتی آرا اپنی پلیٹ اور کوک لے کر اس کے پاس آ گئی۔

"نہیں بس جی نہیں چاہ رہا۔" اس نے آدھی کوک بوتل میں ہی چھوڑ کر بوتل ایک طرف رکھ دی۔

"کچھ اداس ہو؟" وہ چکن برگر کے ساتھ پورا پورا انصاف کر رہی تھی۔

"نہیں تو۔" وہ اسے اس قدر رغبت سے کھاتے دیکھ رہی تھی۔

"سنو۔" اس نے گھاس کے سُوکھے تنکے توڑتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ہاں کہو۔" اس نے لاپرواہی سے کوک خالی کر کے اسے ایک طرف لڑھکا دیا۔

"تم بھی کبھی کبھی تکلف کر لیا کرو۔"

”کس کے ساتھ؟“

”بھئی کھانے کے ساتھ اور کس کے ساتھ۔“ گیتی کو پلیٹ میں سے چلی ساس چا
دیکھ کر وہ مسکرا رہی تھی۔

”کھانے میں تکلف کی نہیں انصاف کی ضرورت ہوتی ہے۔“

وہ سی سی کرتی بولی اس کی آنکھوں اور ناک سے پانی نکلنے لگا تھا۔

”وہ تو تم ہمیشہ کرتی ہو' مگر ذرا صحت پر بھی توجہ دو۔“ طوبیٰ نے اس کے فربہ ہوتے ج
کی طرف اشارہ کیا۔

”صحت کی تو فکر رہتی ہے ہر وقت۔“ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

”تمہاری طرح تو نہیں کہ......“

”کہ......کیا؟“ طوبیٰ نے خود اپنا جائزہ لیا۔

”کسی روز تیز ہوا چلے تو باہر مت نکلنا' ورنہ......“ وہ اس کے دبلے پتلے نازک بدن
اسے چھیڑ رہی تھی۔

”خیر اب ایسی بھی بات نہیں۔“ طوبیٰ نے پُر اعتمادی سے خود کو دیکھا۔

”یہ تم دونوں کہاں بیٹھی ہو ایک طرف۔“ نادیہ نے فروٹ چاٹ کی خالی پلیٹ
سیڑھیوں پر رکھتے ہوئے کہا۔

”بس ایسے ہی۔“ طوبیٰ نے کندھے اچکائے۔

”ایسے ہی کیا' چلو ادھر۔“ وہ طوبیٰ کا ہاتھ پکڑ کر چلنے کو کہنے لگی۔

”مگر ٹھہرو تو۔“ وہ جانا نہ چاہ رہی تھی اس کی طبیعت زیادہ ہلا گلا پسند نہ کرتی تھی۔

نادیہ اسے وہیں لے گئی جہاں تقریباً پوری کلاس جمع تھی اور قہقہوں کا خوب شور ہو
تھا۔

وہ بھی دلچسپی سے انہیں دیکھنے لگی۔

☆======☆======☆

اس روز وہ لوگ شٹل کے انتظار میں کھڑی تھیں' مگر شٹل شاید تھوڑی لیٹ تھی۔

”اُف خدایا اس قدر گرمی۔“ گیتی آرا اپنی چادر کے پلو سے بار بار پسینہ صاف کرتی
اِدھر سے اُدھر چکر لگا رہی تھی۔

”پتا نہیں شٹل کہاں مر گئی۔“ اس سے بالکل صبر نہ ہو رہا تھا۔

”بھئی آ جاتی ہے کوئی مسئلہ ہو گیا ہو گا۔“ طوبیٰ جو بنچ پر بیٹھی اپنی تازہ ترین نظم کو تنقید

نظر سے دیکھ رہی تھی اس نے بس اسٹاپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تمہیں تو خیر کچھ فرق نہیں پڑتا۔“ وہ غصے میں تھی۔

”تو تمہیں کیا پڑتا ہے؟“ وہ حسبِ عادت مسکرا دی۔

”مجھے بھوک لگ رہی ہے وہ بھی شدید۔“ وہ اپنا بیگ کھول کر کھانے کی کوئی چیز تلاش
کرنے لگی۔

”یہ لو۔“ طوبیٰ نے اپنے بیگ سے نمکو کا پیکٹ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔

”شکریہ۔“ وہ پیکٹ جھپٹ کر فٹافٹ اسے کھولنے لگی' اتنے میں ایک سفید کرولا آ کر
ان کے قریب رکی۔

”ہیلو فرینڈز۔“ سبینا نے شیشہ نیچے گراتے ہوئے کہا۔

”ہیلو۔“ نمکو کھاتی گیتی اچھل کر اس کے قریب آ گئی۔

”بس نہیں آ رہی۔“ سبینا نے ایک دل خراش خبر سنائی۔

”کیا؟“ دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

”جی' وہ تو ورکشاپ چلی گئی خراب تھی اور اگلی بس پورے آدھے گھنٹے بعد اپنے وقت پر
آئے گی۔“ اس نے مزید دل جلایا۔

”خدا غارت کرے۔“ گیتی تو بالکل رو دینے کو تھی۔

”آ جاؤ...... میں ڈراپ کر دوں گی۔“ اس نے گاڑی کے پچھلے دروازے کا لاک کھول
کر دروازہ کھول دیا۔

”نن......نہیں' شکریہ ہم چلے جائیں گے۔“ طوبیٰ نے گیتی کا بازو پکڑ کر اسے روکنے کی
کوشش کی کیونکہ وہ تو فوراً ہی کار میں بیٹھنے لگی تھی۔

”دیکھیے گرمی بہت زیادہ ہے بہتر ہو گا کہ آپ لوگ تکلف نہ کریں۔“ وہ ڈرائیونگ
سیٹ پر بیٹھا تھا' پہلی بار اس نے ان تینوں کی گفتگو میں مداخلت کی۔

”چلو ناں؟“ گیتی آرا اسے کہنی مارنے لگی۔

”گیتی رہنے دو' بس آ جائے گی۔“ وہ جانا نہ چاہ رہی تھی۔

”سبینا رہنے دو تمہاری سہیلیاں گرمی کو انجوائے کر رہی ہیں۔“ اس نے اپنا خوبصورت
چشمہ اتار کے دیکھا تو طوبیٰ کو تھا' مگر کہہ دونوں سے رہا تھا۔

”نن......نہیں' نہیں......“ گیتی فوراً شرمندہ ہو گئی اور زبردستی اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے
بھی گاڑی میں بٹھا لیا۔

"شکریہ۔" اس نے مسکرا کر کہا اور ایک گہری سی نظر طوبیٰ پر ڈالی' وہ تو سنسنا کر رہ گئی' اسے اچھا نہ لگا مگر وہ سوائے پہلو بدلنے کے اور کیا کر سکتی تھی۔

"یہ میری بہت اچھی دوست ہیں۔" سبینا نے تعارف شروع کرایا۔

"اندازہ ہو رہا ہے۔" لگتا تھا وہ بہت بولتا ہے۔

"یہ گیتی آرا...... اور یہ طوبیٰ......" اس نے اس کی بات پر مسکراتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

"طوبیٰ۔" وہ زیر لب بڑبڑایا مگر طوبیٰ سن چکی تھی۔

"یہ میرے چچازاد ہیں...... انیق...... انیق یزدانی۔"

"مجھے اس سے کیا؟" طوبیٰ نے دل میں سوچا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ وہ بیک مرر میں اسی کو بار بار دیکھ رہا تھا۔ طوبیٰ کو احساس تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

"عجیب شخص ہے۔" وہ دل ہی دل میں گیتی آرا کو کوس رہی تھی جس کی جلد بازی کی وجہ سے اسے بھی سبینا کے ساتھ آنا پڑا۔

گیتی آرا مسلسل سبینا کے ساتھ باتیں کر رہی تھی اور وہ باتوں میں حصہ لے رہا تھا اور ہر بات کو ذو معنی انداز میں اس کی طرف اچھال رہا تھا اور وہ اندر ہی اندر تاؤ کھا رہی تھی اور اس وقت تو اس کا سارا خون بھی دماغ میں اکٹھا ہو گیا جب اس نے گاڑی کو ایک کولڈ ڈرنک کارنر کے پاس روک لیا۔

"سبینا پلیز ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" تب مجبوراً وہ بول ہی پڑی۔

"اب اتنی بھی نہیں ہو رہی۔" سبینا نے مڑ کر اُسے دیکھا اور مسکرا دی۔

"آئس کریم یا کولڈ ڈرنک۔" وہ بے تکلفی سے کھڑکی سے سر اندر کر کے پوچھ رہا تھا۔

"آئس کریم۔" گیتی نے طوبیٰ کو دیکھے بغیر کہہ دیا۔

"اور فلیور۔" اب وہ طوبیٰ کی آنکھوں میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"جی شکریہ مجھے کچھ نہیں لینا۔" اس نے جل کر منہ دوسری جانب پھیر لیا مگر وہ بڑا ہی ڈھیٹ تھا زبردستی آئس کریم لے آیا اور خود ہی سرو کرنے لگا۔ طوبیٰ نے کپ لینے سے انکار کر دیا۔

"میرا بالکل جی نہیں چاہ رہا۔"

"پلیز لے لیں کسی اور کے دل کا خیال کر کے لے لیں۔" وہ پہلی ہی بار میں اتنا بے تکلف ہو رہا تھا جیسے برسوں سے جانتا ہو۔

"لے لو ناں؟" گیتی نے اسے کندھا مارا۔

"طوبیٰ اخلاقیات بھی کوئی چیز ہوتی ہیں۔" سبینا بھی بول پڑی تب مجبوراً اس نے کپ لے تو لیا مگر آئس کریم کھانے کو اس کا دل بالکل نہ چاہ رہا تھا۔

"کیا آپ آئس کریم کا شربت پیا کرتی ہیں؟" وہ اس کے کپ میں پگھلتی آئس کریم یکھ کر طنز کر رہا تھا تب اس نے دل ہی دل میں اس لمحے کو کوسا جب اسے گیتی کی وجہ سے اس ی گاڑی میں بیٹھنا پڑا تھا۔ اس نے ایک دو چمچے منہ میں ڈالے اور باقی کا کپ ان تینوں کی ظروں سے بچا کر گاڑی سے باہر پھینک دیا۔

"سبینا مجھے بہت دیر ہو گئی ہے۔ پلیز جلدی کرو۔" اس نے سبینا سے کہا۔

"اوہ سوری واقعی" جواباً اس نے گھڑی کی طرف دیکھا اور ہارن دے کر آئس کریم کا بل ینے کے لیے چھوٹے لڑکے کو بلایا۔

"جی صاحب۔" ایک گیارہ بارہ برس کا پیارا سا بچہ فوراً آ گیا۔

انیق یزدانی نے دو سو روپے کے نئے نئے نوٹ نکال کر اُس کے ہاتھ میں پکڑی چھوٹی ا پلیٹ پر رکھ دیئے۔ "باقی تمہارے۔"

اس نے اپنی آنکھ کا ایک کونا دبا کر بچے کے گال پر چٹکی بھری تو بچہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔

"تھینک یو سر؟" بچہ بڑا تہذیب یافتہ لگ رہا تھا۔

"چلیں بہت دیر ہو رہی ہے؟" اب گیتی کو بھی فکر ہو رہی تھی۔

"دیر کہاں۔ ابھی تو چند پل ہی گزرنے ہیں۔" اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے طوبیٰ کی جانب دیکھا اب وہ فاسٹ ڈرائیو کر رہا تھا ٹھیک سات منٹ کے بعد وہ گلفشاں لونی میں تھے۔

"کرنل عبدالصمد خان۔" گیٹ پر رک کر وہ بلند آواز سے اس کے پاپا کی نیم پلیٹ پڑھنے

"تبھی تو کرنل صاحب کا خاصا عکس ہے آپ میں۔" وہ سہم جانے کی ایکٹنگ کر رہا

"یہ خود پوری کرنل ہے؟" سبینا نے بھی کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے طوبیٰ کو چھیڑا۔

"شکریہ سبینا۔" طوبیٰ نے ان دونوں کی حرکتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے ا کا شکریہ ادا کیا اور بیل پر ہاتھ رکھ دیا فوراً ہی چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا اور وہ جلدی سے ر داخل ہو گئی۔

''تمہاری یہ دوست تو بالکل بھی مینرز نہیں جانتی بندہ اخلاقاً ہی اندر آنے کو کہہ دیتا ہے۔'' اینق یزدانی کو اس کا یوں نظر انداز کرنا اچھا نہ لگا تھا۔

''گرمی بہت ہے اس وجہ سے اس نے نہیں کہا ہوگا۔ ورنہ وہ ایسی نہیں ہے۔'' گیتی نے فوراً اس کی سائیڈ لی۔ دو تین گیٹ چھوڑ کر ہی گیتی کا گھر تھا۔

''چلیں آپ میرے گھر آ جائیں' کھانے کا وقت ہے کھانا کھا کر جایئے گا۔'' گیتی نے گاڑی سے اتر کر انہیں اندر آنے کی دعوت دی۔

''پھر کبھی سہی آج واقعی بہت گرمی ہے۔'' سبینا نے معذرت کر لی۔

''اتنی گرمی میں لفٹ دینے کا شکریہ اور آئس کریم کا بھی۔'' گیتی نے خدا حافظ کہنے سے پہلے کھڑکی سے سر اندر کر کے شکریہ ادا کیا۔

''مینشن ناٹ (Mention Not)۔'' اینق مسکرایا اور تیزی سے گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

☆======☆======☆

اگلے دو روز طوبیٰ بخار میں مبتلا رہی اسے لُو لگ گئی تھی لہٰذا وہ کالج نہ جا سکی آج جا کر ذرا اس کی طبیعت سنبھلی تھی وہ سب باہر لان میں بیٹھے تھے نوریہ آپا اندر کچن میں شام کا کھانا بنانے میں رحیم چچا کی بیوی برکت بی بی کی مدد کر رہی تھیں آج طوبیٰ نے خود کہا تھا۔

''آپا! میرے منہ کا ذائقہ بہت خراب ہو رہا ہے خوب مسالے دار کڑاہی کھلا دیں۔''

''ابھی بناتی ہوں گڑیا۔'' وہ فوراً اٹھ کر کچن میں آ گئیں۔ پہلے انہوں نے لیموں کی نمکین سکنجبین بنائی ماسی برکت کے ہاتھ وہ باہر بھیجی اور پھر چکن فریزر سے نکال کر رکھا۔

''ریحان بھی تو کس قدر شوق سے چکن کڑاہی بنوایا کرتے تھے۔'' ایک دم ہی پیا کی یاد آ جانے پر ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

ریحان ان کے شوہر تھے۔ ان کی شادی کو صرف تین چار ماہ ہی تو ہوئے تھے۔ جن میں سے صرف ڈیڑھ ماہ انہوں نے ریحان کی بے انتہا محبت اور رفاقت کی چھاؤں میں گزارا اور پھر ان سے جدائی کا دن بھی آ گیا تھا وہ امریکہ میں سیٹ تھے۔ پچھلے پندرہ برس سے وہیں تھے اسٹور ان کا چھوٹا بھائی سنبھالتا تھا اور ایک ماں تھی بس یہی تھی ان کی فیملی۔ نوریہ کا رشتہ ان کی والدہ کی کسی دوست نے کروایا تھا۔ وہ لوگ پاکستان بس عارضی طور پر شادی کرنے ہی آئے تھے اور اپنے کسی عزیز کے توسط سے انہوں نے ایک بڑا خوبصورت گھر دو ماہ کے لیے کرایہ پر لیا تھا۔ نوریہ کی شادی بہت چاؤ سے کی تھی۔ ریحان کی ماں اور خود ریحان

بہت ہی سلجھی ہوئی طبیعت کے مالک تھے بہت محبت کرنے والے تھے۔ نوریہ کو ایک پل بھی نہ لگا تھا کہ پہلے وہ اجنبی تھے ڈیڑھ ماہ گزرتے پتا بھی نہ چلا ریحان اور سلمان کی چھٹیاں ختم ہو گئیں۔ ریحان نے وعدہ کیا تھا کہ بس جاتے ہی نوریہ کا ویزہ بھی لگوا کر بھیج دیں گے یہ جدائی بہت عارضی ہوگی اب ہر دوسرے روز ان کا فون آ رہا تھا وہ خود نوریہ کے بغیر بہت اداس تھے اور پوری کوشش میں تھے کہ جلد از جلد نوریہ کو بلا لیں مگر امریکہ بلانا کوئی آسان تھوڑی تھا' سو جدائی کے دن سوہانِ روح بن کر گزر رہے تھے۔ فی الحال وہ اپنے والدین کے پاس ہی تھیں اپنی اداسی اور آنکھوں کی نمی کو چھپانے کا گُر انہیں آتا تھا۔ تبھی تو تانیہ کی آواز پر انہوں نے فوراً سارے آنسو پی لیے جو باہر ہی سے آوازیں دیتی آ رہی تھی۔

''آپا آپا۔''

''ہوں کیا بات ہے؟'' وہ نظریں چرا کر ٹماٹر فریج سے نکالنے لگیں۔

''آپا! وہ طوبیٰ کی فرینڈز آئی ہیں اس کی طبیعت پوچھنے۔''

وہ بھی جھک کر فریج میں جھانکنے لگی اور ایک سیب اٹھا کر فوراً ہی دانتوں سے کترنے لگی۔

''دھو تو لیا کرو۔'' نوریہ آپا نے سیب اس کے ہاتھ سے لے لیا اور دھونے لگیں۔

''کیا آپ دھو کر نہیں رکھتیں؟'' وہ الٹا پوچھنے لگی۔

''رکھتی ہوں مگر دوبارہ دھونا بھی ضروری ہوتا ہے۔'' انہوں نے سیب کو دوبارہ دھو کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''اچھا تم چل کر طوبیٰ کی فرینڈز کو اٹینڈ کرو میں کولڈ ڈرنکس بھیجتی ہوں۔'' نوریہ نے اسے طوبیٰ کے پاس جانے کو کہا۔

''آپا میں کولڈ ڈرنکس لے جاتی ہوں آپ اپنا کام کر لیں اگر انہوں نے زیادہ دیر رکنا ہو تو پھر دیکھیں گے کہ کھانا تیار کریں۔''

تانیہ نے فریج سے کوک نکال کر ٹرے میں گلاس اور برف والا فلاسک رکھا اور اٹھا کر لے گئی۔

طوبیٰ' گیتی کے ساتھ سبینا کو دیکھ کر حیران تھی۔

''تم دو روز سے کالج نہیں آئیں ناں تو میں نے گیتی سے پوچھا پتا چلا کہ تم بیمار ہو۔'' سبینا نے اس کے قریب ہی کین کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے وضاحت کر دی۔

''اچھا ہے بیٹا آپ لوگ اس بہانے ہمارے گھر آ گئیں۔'' کرنل صاحب نے وہاں

سے اٹھتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

''تم لوگ آپس میں باتیں کرو اور میں آرام سے اپنے کمرے میں بیٹھ کر یہ شام کا ا
دیکھوں گا۔''

انہوں نے اخبار کو رول کر کے ہلکا سا گیتی کے سر پر مارا اور مسکراتے ہوئے اندر
گئے۔ گیتی آرا کے والد بھی آرمی میں ہی تھے اس لیے وہ کرنل عبدالصمد خان کے دوست
تھے۔ دونوں کے گھر بھی ایک ہی گلی میں تھے اس لیے بالکل تکلف نہ تھا بلکہ آپس
خاندانوں کی طرح آنا جانا تھا۔

''تم نے پریشان کر کے رکھ دیا سب کو' چلو اٹھو کیا بخار چڑھا کر لیٹ گئی ہو۔'' گیتی
کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے لگی۔

''اب تو میں بہتر ہوں۔'' طوبیٰ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''شکریہ سینا تم نے تکلیف کی۔''

وہ جانے کیوں سینا کے ساتھ تکلف برتا کرتی تھی۔

''کیوں کیا میں دوست نہیں یا تم مجھے اس قابل نہیں سمجھتیں۔'' وہ کچھ شکوہ کرنے لگی۔

''ارے نہیں ایسا تو نہیں ہے؟'' وہ کچھ شرمندہ ہوگئی۔

''تو بس پھر تکلف ختم۔'' اس نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا جس پر مجبوراً طوبیٰ کو اپنا ہاتھ رکھ
پڑا۔

ابھی انہیں باتیں کرتے تھوڑی دیر ہی گزری تھی جب گیٹ پر کسی گاڑی کا ہارن ہوا۔

''ارے انیق بھائی مجھے لینے آگئے۔'' سینا نے ہارن کی آواز پہچان کر کہا۔

''اتنی جلدی۔'' گیتی آرا نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

''تانیہ جاؤ ڈرائنگ روم کھولو انہیں اندر بٹھاؤ۔''

سعدیہ خان نے جب یہ سنا کہ سینا کو لینے کوئی آیا ہے تو انہوں نے تانیہ کو ڈرائنگ ر
کھولنے کا کہہ دیا۔

''ارے نہیں آنٹی پھر کبھی سہی۔'' سینا کھڑی ہوگئی۔

''پھر کبھی کیوں' تانیہ جاؤ اپنے بابا کو بتاؤ بلکہ میں کہتی ہوں انہیں۔'' وہ خود ہی اٹھ ک
اندر کرنل صاحب کو کہنے چلی گئیں۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' سینا کندھے اچکاتے ہوئے دوبارہ بیٹھ گئی۔

طوبیٰ کو تو انیق کا نام سن کر ہی اچھا نہ لگا تھا۔ اب اسے بٹھانے اور ابو سے ملوانے پر

اس کا دل اور بھی بے زار ہو گیا مگر وہ یہ تاثرات ظاہر نہ کر سکی۔

☆======☆======☆

''ارے آپ تو بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔ انیق میاں۔''

کچھ ہی دیر میں کرنل صاحب اور انیق یزدانی آپس میں یوں گھل مل گئے جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔

وہ باتیں ہی ایسی کرتا تھا کہ ہر ایک کو بہت جلد شیشے میں اتار لیا کرتا تھا۔

وہ لوگ کافی دیر تک ملکی حالات پر اور حکومت کے مثبت اور منفی رویوں پر باتیں کرتے رہے۔ اسی دوران پُر تکلف چائے بھی پی گئی ادھر سینا طوبیٰ کی والدہ اور بہنوں کے ساتھ بہت زیادہ بے تکلف ہو چکی تھی۔ کچھ دیر کے لیے طوبیٰ کا ذہن بھی اس بات کو بھلا چکا تھا کہ وہ سینا اور انیق کو پسند نہیں کرتی۔ کیوں پسند نہیں کرتی' اس کا کوئی معقول جواب اس کے اپنے پاس نہ تھا بس دل انہیں اچھا نہ سمجھتا تھا۔

''ماشاء اللہ بہت محبت کرنے والی بچی ہے۔'' کافی دیر کے بعد جب سینا اور انیق رخصت ہوئے تو سعدیہ خان نے انہیں خدا حافظ کہنے کے بعد کہا۔

''جی امی جان میرا بھی یہی خیال ہے۔'' نویرہ آپا نے بھی ماں کے خیال کی تائید کی۔

''کس کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔'' کرنل صاحب گیٹ سے واپس آئے تو بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔

''یہ بچی سینا جو ابھی آئی تھی۔'' سعدیہ خان مسکرائیں۔

''انیق بھی بڑا ذہین نوجوان تھا۔ بڑے عرصے کے بعد کسی سے گفتگو کرنے میں لطف آیا بڑی معلومات رکھتا ہے ورنہ آج کل کے نوجوان۔'' وہ بھی انیق کی تعریف کرنے لگے۔

''لگتا ہے ان دونوں نے گھر سے ہی پلاننگ کی ہوئی تھی کہ آج آپ لوگوں کے دل جیت کر جائیں گے۔''

تانیہ نے تو یہ بات بس یونہی کہہ دی تھی مگر طوبیٰ کو لگا جیسے واقعی ایسا ہوا اور یہ سوچ کر ہی اس کا دل پھر عجیب سے وسوسوں میں پڑ گیا۔

☆======☆======☆

کچھ ہی دنوں میں سینا اور انیق نے طوبیٰ کے گھر والوں کے ساتھ اچھے خاصے مراسم بنا لیے انیق کی والدہ بھی سینا کے ساتھ ان کے گھر چکر لگا چکی تھیں وہ بہت اچھی طبیعت کی خاتون تھیں بہت ملنسار اور محبت کرنے والی طوبیٰ کو وہ بہت اچھی لگی تھیں۔ وہ سوچتی کہ یہ کس

قدر مختلف ہیں باقی سب سے۔

اب ہر روز سبینا کو کالج چھوڑنے اور لینے انیق یزدانی ہی آیا کرتا تھا ان کے بی فائنل کے پیپر ہو رہے تھے اور ایسے میں طوبیٰ کو سوائے پڑھنے کے کچھ اور نہ سُوجھا کرتا کل ان کا انگلش کا پیپر تھا اور وہ کمرے سے نکل کر چھت پر آ بیٹھی تھی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا رہی تھی کچھ بادل بھی آسمان پر اٹھکیلیاں کرتے نظر آ رہے تھے وہ نوٹس سے نظریں ہٹا آسمان کو دیکھنے لگی۔

جب ہی سیڑھیوں پر تانیہ کے ساتھ گیتی کی آواز سنائی دی۔

''اوہو تو محترمہ یہاں چھت پر بیٹھ کر پڑھ رہی ہیں۔'' اس نے آتے ہی طوبیٰ کے دھپ لگائی۔

''چھپ کر بیٹھی تھی کہ کوئی ڈسٹرب نہ کرے مگر بھول گئی تھی کہ شیطان تو ہر جگہ با آ آ جا سکتا ہے۔'' اس نے گیتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ازراہِ مذاق کہا۔

''تو بھولا مت کرو ناں۔'' وہ بھلا کب برا ماننے والی تھی۔ الٹا ڈھٹائی سے بولی۔

''اچھا زیادہ بک بک ٹھیک نہیں مطلب کی بات کرو۔'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی

''اب اتنا بھی کیا پڑھ پڑھ کر دماغی مریضہ بن جانا' پوزیشن تو تمہاری پکی ہی ہے کرسی کھینچ کر وہیں بیٹھ گئی۔

''تانیہ تم ایک نیکی تو کرو۔'' وہ تانیہ کو پیار کرنے لگی۔

''جی جی آپ فرمائیں۔ مسکے کی ضرورت نہیں۔'' وہ بھی مذاق کرنے لگی۔

''اچھا اب تم بھی۔'' اس نے آنکھیں نکال کر اسے دیکھا۔

''جی جی آپ کچھ کہہ رہی تھیں شاید چائے کا موڈ ہے۔'' وہ خود ہی اندازہ لگا کر لگی۔

''بالکل اور فوراً۔'' اس نے چٹکی بجا کر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔

''جی ابھی لائی۔'' تانیہ نے بھی اسی انداز میں چٹکی بجائی اور ہنستی ہوئی نیچے چلی گئی

''چلو اب بکو کیا بات ہے۔'' طوبیٰ نے نوٹس بند کر کے رکھ دیئے کیونکہ وہ جانتی تھی اب پڑھنے کا تو تصور بھی محال ہو جائے گا اس کی موجودگی میں۔

''کیا مطلب بکو۔'' وہ کرسی کھینچ کر اس کے قریب ہوگئی۔

''میں جانتی ہوں ناکہ تمہارے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہوں گے کچھ ہضم نہیں ہو گا۔ تبھی آئی ہو؟''

وہ سمجھ گئی تھی کہ گیتی ضرور اس وقت اسے کچھ بتانے آئی ہے۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی کہ ذرا ذرا سی بات جب تک طوبیٰ کو نہ بتا دیتی اسے سکون نہ ملتا تھا۔

''وہ وہ میں کیسے کہوں۔'' اس کے چہرے پر عجیب سا گلابی پن آ گیا اور زبان ہکلانے لگی۔

''اب کہہ بھی دو۔'' طوبیٰ کو اس کا انداز کچھ انوکھا سا لگ رہا تھا۔

''پتا نہیں طوبیٰ کچھ روز سے میری عجیب حالت ہے۔'' وہ اٹھ کر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔

''وہ کیا؟'' طوبیٰ بھی اٹھ کر اس کے قریب ہوگئی۔

''طوبیٰ میں تم سے کچھ نہیں چھپا سکتی۔'' اس نے محبت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا' مجھے لفظوں کا ہیر پھیر آتا ہے نہ جھوٹ بولنا اور تمہارے سامنے تو میں آئینہ ہوتی ہوں ذرا سا حال بھی پڑا ہو تمہیں صاف نظر آ جائے ہے ناں۔'' اب اس کی آواز میں کچھ کپکپاہٹ بھی تھی۔

''تو پھر یہ تمہید کیوں؟ کیا مجھ پر بھروسا نہیں کہ میں جو کچھ اس آئینے میں دیکھوں گی تو اس کا بھرم نہ رکھوں گی۔'' اس نے اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھامے اور اسے کرسی پر بٹھا دیا۔

''چلو چلو شاباش اب کہہ دو۔''

''طوبیٰ وہ مجھے اچھا لگنے لگا ہے۔ بلکہ بہت زیادہ اچھا لگنے لگا ہے؟'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''ہیں۔'' طوبیٰ پر ایک دم حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

''کون۔'' وہ اس کے سامنے آ کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''انیق۔'' اس کا رنگ اور بھی سرخ ہوگیا۔

''نن......نہیں۔'' طوبیٰ کے ہاتھ سے ایک دم اس کے ہاتھ چھوٹ گئے اور چہرے پر اک سیاہ سایہ سا لہرا گیا۔

''سچ بالکل سو فیصدی سچ' طوبیٰ وہ مجھے غیر معمولی طور پر بہت اچھا لگنے لگا ہے۔''

اب وہ اس کے ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔

''تم ابھی ناسمجھ ہو۔''

اس نے اس کے جذبے کو جھٹلانا چاہا۔

''نہیں یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ میں سمجھدار ہوگئی ہوں۔''

''دیکھو گیتی میری بات سنو۔'' وہ اسے سمجھانے لگی۔

"تم سنو دیکھو ادھر کیسی آوازیں آ رہی ہیں؟"

اس نے اس کا ہاتھ اپنے دھک دھک کرتے دل پر رکھ دیا۔

"تم غور تو کرو انیق انیق تمہیں نہیں سنائی دے رہا کیا۔"

وہ بضد تھی منوانے پر تلی ہوئی تھی کسی چھوٹے سے بچے کی طرح اپنی بات کی سچائی کو۔

"گیتی دیکھو تمہاری عمر ایسی باتوں کی نہیں ہے۔"

اب طوبیٰ کو غصہ آنے لگا۔

"پاگل ہو تم...... یہی تو عمر ہوتی ہے ایسی باتوں کی جب دل میں کوئی چٹکیاں لیتا ہے۔"

وہ آنکھیں بند کر کے کسی اور ہی تصور میں گم تھی۔

"اور جب حقیقت کی تلخی سے واسطہ پڑتا ہے ناں تب ہوش آتا ہے تم جیسی نادان لڑکی کو۔"

اس نے برا سا منہ بنا کر اسے دیکھا۔

"دیکھو تم بار بار مجھے نادان مت کہو۔" وہ کچھ خفا ہو گئی۔

"اچھا تو تم بھی بار بار ایسی دانش کی باتیں مت کرو جنہیں کم از کم میں تو برداشت نہیں کر سکتی۔"

"اس کا مطلب ہے تمہیں نہ سناؤں اپنا حالِ دل۔" وہ روہانسی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"بالکل مت سنانا۔" اس نے لاپرواہی سے جواب دیا اور دوبارہ اپنے نوٹس پر جھک گئی۔

"ہیلو ہیلو فرینڈز۔" تانیہ چائے کی ٹرے تھامے اوپر آ گئی۔

"چائے حاضر ہے اور ساتھ میں اسنیکس بھی گرما گرم۔" وہ ٹرے رکھ کر چائے بنانے لگی۔

"ارے بھئی کیا ہوا یہ آپ دونوں کا منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟" وہ بار بار دونوں کے سنجیدہ چہرے دیکھنے لگی۔

"کیا پھر چونچیں ٹکرا گئیں۔" وہ دونوں کی بات بات پر جھگڑنے کی عادت سے واقف تھی اسی لیے کہہ رہی تھی۔

"یہ تو ہے ہی سڑیل آدم بے زار۔" گیتی نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"چلو خیر بے وقوف تو نہیں۔" طوبیٰ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور چائے کا کپ اٹھا

ہونٹوں سے لگا لیا۔

"رہنے دو بس۔" وہ ناراض ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو رہنے دیا بس۔" اس نے اسی کے انداز میں نقل اتاری تو وہ مسکرا دی۔

"حد ہے بھئی آپ دونوں کا بھی کچھ پتا نہیں چلتا پل میں کچھ...... اور پل میں کچھ۔"

تانیہ ان دونوں کو مسکراتا دیکھ کر کہنے لگی۔

"یہی اچھا ہے۔" گیتی نے طوبیٰ کی طرف دیکھا۔

"ہاں بابا یہی اچھا ہے۔" طوبیٰ نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر اسے معنی خیز انداز میں دیکھا اور پھر تینوں ہنسنے لگیں۔

امتحانات خیریت سے ہو گئے۔ وہ سب سہیلیاں بہت خوش تھیں سبھی کے پیپر بہت اچھے ہو گئے تھے۔ طوبیٰ تو بہت ہی مطمئن تھی خدا کے فضل سے اس کے پیپر ہمیشہ کی طرح بہت شاندار ہو گئے تھے۔ آج وہ سب کالج میں صرف اس لئے جمع تھیں کہ ایک چھوٹی سی پارٹی کا اہتمام انہوں نے آپس میں مل کر کیا ہوا تھا پارٹی کیا تھی بس مل بیٹھنے کا بہانہ تھا۔

"اُف توبہ امتحانات۔" ماریہ نے ایک لمبی سانس چھوڑتے ہوئے کہا اور وہیں نرم نرم گھاس پر لیٹ گئی۔

"شکر ہے ختم ہوئے مجھے تو بہت مشکل وقت لگتا ہے امتحانات کا۔"

گیتی نے بھی ماریہ کی تائید کی۔

"محنت سے جی چرانے والوں کو ہر کام مشکل لگتا ہے۔"

طوبیٰ نے لان میں لگی ہری ہری گھاس پر اپنے ہاتھ پھیرتے ہوئے دونوں کا مذاق اڑایا۔

"محنت کیا بس پاس ہونے کے لئے...... پڑھ لیتے ہیں۔" ماریہ نے اپنا بچاؤ کرنا چاہا۔

"یہ بھی تمہارا تعلیم پر احسان ہے کہ اتنا پڑھ لیتی ہو۔"

وہ انہیں دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"اب کیا کوئی تمہاری طرح کتاب کا کیڑا بن کر رہ جائے اور زندگی کی خوب صورتیاں خود پر حرام کر لے۔"

گیتی نے ایک گہری نظر طوبیٰ پر ڈالی۔ طوبیٰ اس کی بات کا مطلب جان گئی تھی۔

"ہونہہ خوب صورتیاں یا بے وقوفیاں۔" اس نے یاکو ذرا لمبا کر کے گیتی پر اس کی بات کا جواب واضح کرنا چاہا۔

''بھئی تم لوگ کیا بحث لے کر بیٹھ گئی ہو۔ آج تو ایسی باتیں مت کرو۔'' سبینا نے باران کی باتوں میں حصہ لیا۔

''تو پھر کیا باتیں کریں۔'' طوبیٰ مسکرانے لگی۔

''ریسٹورنٹ چلنے کا ذکر کرو۔ سینڈوچ' برگر اور پیپسی کا ذکر کرو۔''

وہ چٹخارے لیتے ہوئے بولی۔

''تو چلو نیک کام میں دیر کیسی؟'' گیتی فوراً اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

کچھ ہی دیر میں وہ لوگ کالج کے اسٹوڈنٹ ریسٹورنٹ میں تھیں۔

''اچھا بھئی کل شام تم سب لوگ میری طرف انوائیٹ ہو؟'' سبینا نے ایک اعلان کر دیا۔

''کیوں کیوں کیوں؟'' ماریہ تو اچھل ہی پڑی۔

''ایک پارٹی ہماری طرف بھی ہے۔''

وہ جان بوجھ کر آدھی بات بتا رہی تھی۔

''کیسی پارٹی؟'' ماریہ بے صبری ہو رہی تھی۔

''پارٹی بھی ہے اور۔'' اس نے اپنے پرس میں سے کچھ دعوتی کارڈ نکالے ان میں ایک کارڈ پر ماریہ کا نام لکھ کر اس کے حوالے کر دیا۔

''شامِ غزل...... استاد حامد علی خان کے ساتھ ایک شام......'' وہ کارڈ کو باآواز پڑھنے لگی۔

''حامد علی خاں؟'' گیتی نے کارڈ اس کے ہاتھ اچک لیا۔

مینوں تیرے جیا سوہنا ہور لگدا نا

بیٹھی رہواں تیرے کول روح رجدا نا

پھر وہ حامد علی خاں کا گایا ہوا خوب صورت کلام گنگنانے لگی۔

''بیٹھی رہنا بیٹھی رہنا فی الحال تو میرا کارڈ واپس کرو۔''

ماریہ نے دوبارہ کارڈ اپنے ہاتھ میں لیا اور باقی تفصیلات پڑھنے لگی۔

''یہ لو تمہارا کارڈ۔'' سبینا نے ایک دوسرا کارڈ لکھ کر گیتی کے حوالے کر دیا اور باقی واپس بیگ میں ڈال لئے۔

''اور طوبیٰ کا کارڈ۔'' ماریہ اور گیتی دونوں نے حیرت سے سبینا کو دیکھا۔

''اس کے لئے کارڈ میرے پاس تو نہیں ہے۔'' وہ شرارت سے طوبیٰ کو دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب؟'' ماریہ ہر بات کا مطلب بہت پوچھا کرتی تھی۔

''مطلب تو مجھے نہیں معلوم مگر میزبان نے ان کا کارڈ مجھے نہیں دیا۔''

وہ جانے کن نظروں سے طوبیٰ کو دیکھ رہی تھی اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔

''مجھے کوئی شوق بھی نہیں ایسی محفلوں میں جانے کا۔'' وہ اکتا کر بولی۔

''جبھی تو تمہیں انوائیٹ نہیں کیا اچھا ہی ہے ایک کارڈ ضائع ہی جاتا۔''

سبینا نے گیتی کی طرف دیکھ کر ایک آنکھ کا کونا دبایا تو حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھتی ماریہ اور گیتی دونوں سمجھ گئیں کہ وہ طوبیٰ کو ستا رہی ہے۔

''ہاں واقعی۔'' وہ دونوں بھی اسے ستانے لگیں۔

''مجھے مسرت ہوئی کہ سبینا نے عقلمندی سے کام لیا۔'' وہ بالکل بھی نہ چڑی بلکہ سنجیدہ ہی تھی۔

''چلو خیر ہم لوگ تو ضرور آئیں گے۔'' گیتی نے ماریہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور نہیں تو کیا۔'' ماریہ تو ویسے بھی پارٹیوں اور ایسی محفلوں کی دلدادہ تھی۔

''فی الحال تو اس پارٹی کا بل چکاؤ۔''

طوبیٰ نے ریسٹورنٹ کا بل ان کے سامنے کر دیا اور خود اپنے حصے کے روپے نکال کر ٹیبل پر رکھ دیئے سب نے مل جل کر یہ کھانے کا پروگرام طے کیا تھا چنانچہ چاروں نے بل ادا کیا اور کل کا وقت طے کرتی باہر آ گئیں کہ کب اور کس طرح سبینا کے یہاں پہنچنا ہے۔

☆======☆======☆

آج کل سمیر بھی چھٹیوں پر گھر آیا ہوا تھا۔ خوب رونق لگی رہتی تھی۔ نوریہ آپا بھائی کے لئے مزے مزے کے پکوان پکایا کرتی تھیں اور وہ خوب تعریفیں کر کر کے کھاتا۔

''واہ آپا! کیا لذت ہے۔ سچ مَیس کا بدمزہ کھانا کھا کھا کر تو منہ کا ذائقہ ہی خراب ہو گیا تھا۔''

''چلو چلو کھانا کھاؤ مکھن مت لگاؤ۔'' وہ ہنس پڑتیں۔

''مکھن میں کہاں لگا رہا ہوں آپا! مکھن تو آپ ڈال دیتی ہیں ان کھانوں میں۔'' وہ محبت سے بہن کے ہاتھ تھام لیتا۔

''اچھا اچھا ایسا ہی ہے۔ سمیر تم شور زیادہ کرتے ہو اور کھاتے کم ہو دیکھو تھوڑا سا نکالا ہے پلیٹ میں۔'' اور وہ اس کی پلیٹ بھر دیتیں۔

وہ نہ نہ کرتا رہ جاتا اور سب انہیں دیکھ کر خوشی سے مسکرا دیتے۔ مگر آج صبح سے ہی وہ

طوبیٰ کے پیچھے پڑا ہوا تھا طوبیٰ پڈنگ بہت اچھی بناتی تھی اور وہ اسے بار بار پڈنگ بنا
کہہ رہا تھا اور وہ اسے جان بوجھ کر ستا رہی تھی۔ کہ ٹھہرو ذرا یہ کام کر لوں وہ کر لوں۔
اور اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہی گیا تھا وہ زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کچن
لے کر جا رہا تھا۔ جب گیٹ سے اندر آتی سفید کرولا کو دیکھ کر طوبیٰ کا سارا خون ہی جل گیا
''یہ مصیبت کہاں سے آ گئی۔'' وہ بڑبڑاتی واپس اپنے کمرے میں جانے لگی مگر سبینا
جو اسے دیکھ چکی تھی پکار لیا۔
''طوبیٰ۔'' اور مجبوراً اسے رکنا پڑا۔
''یہ کون ہیں؟'' سمیر جو انہیں پہلی بار دیکھ رہا تھا حیرت سے طوبیٰ کے چہرے پر بد
ناخوشگوار رنگ دیکھنے لگا۔
''ہے ایک زبردستی کی دوست۔'' وہ اپنے غصے کو دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔
''مگر ہے خوب صورت۔'' سمیر نے شرارت سے اسے دیکھا اتنے میں وہ قریب آ
تھی۔
''ہیلو طوبیٰ ہیلو سمیر۔'' اس نے سمیر کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے انداز ے
تھا۔
''Yes Ofcours۔'' وہ مسکرایا۔
''آئی ایم سبینا۔'' وہ اپنا تعارف کروانے لگی۔
''طوبیٰ کی دوست۔'' اس نے خود ہی اگلا تعارف بھی کروا دیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ط
تو کچھ بولے گی نہیں۔
''جی بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' اس نے خوش دلی سے کہا۔
وہ لوگ ساتھ ساتھ چلتے ڈرائنگ روم کی طرف آ گئے جہاں انیق یزدانی کرنل صا
کے ساتھ پہلے سے موجود تھا۔
''السلام علیکم۔''
اس نے فوراً کھڑے ہو کر سلام جھاڑا اور سمیر سے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا۔ طوبیٰ
چاہتے ہوئے بھی وہاں بیٹھنا پڑا۔
''طوبیٰ یہ رہا تمہارا دعوت نامہ بلکہ سب گھر والوں کا دعوت نامہ۔'' سبینا نے کارڈ ا
طرف بڑھاتے ہوئے اسے شرارت سے دیکھا۔ طوبیٰ کی اب سمجھ میں آیا کہ صبح کالج میں
نے وہ کارڈ اسے کیوں نہ دیا تھا۔

''تو گھر آنے کا ایک اور بہانہ چاہیے تھا انہیں۔'' طوبیٰ نے بے دلی سے کارڈ پکڑتے
ہوئے دل میں سوچا۔
''بھئی کس قسم کا دعوت نامہ؟'' کرنل صاحب مسکراتے ہوئے پوچھنے لگے۔
''بس سر مل بیٹھنے کا بہانہ ہے اور کیا؟''
انیق نے کسرِ نفسی سے کام لینا چاہا۔
''مل کر تو بندہ اس وقت بیٹھنا چاہتا ہے جب کچھ بانٹنا چاہتا ہو۔ خدا نہ کرے غم کی
بات ہو خوشی بانٹنے کا بہانہ البتہ خدا ہر ایک کو روز روز دے۔''
کرنل صاحب نے بہت گہری اور سچی بات کہی تھی۔
''بالکل سر آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' وہ فوراً متاثر ہو گیا۔
''بس چھوٹی سی خوشی تھی سوچا سب کے ساتھ مل کر منائی جائے۔''
''چلو اچھا ہے۔'' وہ اپنا سگار سلگانے لگے۔
''ویسے خوشی ہے کیا؟'' اس بار سمیر نے بھی ان کی باتوں میں حصہ لیا۔
''بس یار پہلے سرکار کے ملازم تھے اب سوچا ہے ملک وقوم کی ملازمت کی جائے۔''
''کیا مطلب؟''
کرنل صاحب کو اس کی کہی ہوئی بات سمجھ نہ آئی۔
''سر! میں نے اپنی سفارت خانے کی جاب سے استعفیٰ دے دیا ہے۔'' وہ سر جھکائے
بیٹھا تھا۔
''مگر کیوں؟'' انہیں حیرت ہوئی۔
''میرے پاس کچھ سرمایہ تھا جو میرے خیال میں قوم ہی کا سرمایہ ہے۔ اسے ملک کی
ترقی میں لگانے کا ارادہ ہے۔'' وہ تمہید لمبی باندھنے کا عادی تھا۔
''یار! ذرا آسان لفظوں میں بتاؤ کیا ارادے ہیں؟''
کرنل صاحب نے اس کی مشکل زبان سے گھبرا کر کہہ ہی دیا۔
''سر جاپان کی ایک کمپنی یہاں پاکستان میں معدنی وسائل کی دریافت اور ان کی ترقی
کے لئے کچھ منصوبے لے کر آئی تھی۔ حکومت پاکستان کی اجازت سے ان کے ساتھ مل کر یہ
خدمت انجام دینے کا ارادہ ہے۔ میں ذاتی طور پر کافی عرصے سے ایسی کمپنی یہاں قائم کرنا
چاہ رہا تھا۔ بس اسی سلسلے کا پہلا قدم سمجھ لیں۔''
اس نے تفصیل سے سمجھایا۔

''تو اس میں طریقہ کار کیا ہوگا'' وہ دلچسپی سے پوچھنے لگے۔

''اپنی ایک ٹیم ہم تشکیل دیں گے اور کچھ ان کی کمپنی ہوگی باقی حکومت کی سرپرستی تعاون اس کے علاوہ جو ہے وہ تو ملک وقوم کی امانت ہی ہے۔''

وہ پھر بات کو گول مول کر گیا۔ طوبیٰ کو بہت کوفت ہو رہی تھی' اتنا پوز کرنے والے لوگ تو اس کی برداشت سے ویسے ہی باہر تھے۔

''اچھا تو بہت وسیع پیمانے پر ٹینڈر منظور کروا رہے ہو۔'' کرنل صاحب کو ساری بات سمجھ میں آگئی تھی۔

''بس خدا کا کرم ہے سر۔'' وہ پھر انکساری سے بولا۔

''اچھا تو اس سلسلے کا گیٹ ٹو گیدر ہے۔'' سمیر نے وضاحت چاہی۔

''جی بس لیکن آپ سب کو آنا ضرور ہے۔'' وہ اصرار کرنے لگا۔

''آئیں گے ضرور آئیں گے۔'' کرنل صاحب کی بجائے سمیر نے فوراً ہامی بھر لی۔

''تھینک یو ینگ مین (Thank You Young Man)۔'' وہ بہت خوش ہو گیا۔

''ارے بھئی طوبیٰ کچھ ٹھنڈا یا چائے وغیرہ تو لاؤ۔'' طوبیٰ جو اس ساری گفتگو کے دوران خاموش اور بے بس سی وہاں بیٹھی تھی اتنا سنتے ہی اٹھ کر بھاگی۔

''چلو میں بھی چلتی ہوں۔'' سینا بھی ساتھ ہی چل دی۔

☆======☆======☆

بہت بڑی پارٹی تھی اور لوگ بھی ہر طرح کے شامل تھے بیوروکریٹس بھی تھے۔ سروس افسران بھی اور بہت بڑے بڑے بزنس مین بھی۔ بہت سارے غیر ملکی جوڑے وہاں دیکھنے میں آ رہے تھے۔

گیتی کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''ماریہ! یہ ہم کہاں آ گئے ہیں؟''

اس نے پہلی بار ایسی کسی پارٹی میں شرکت کی تھی رنگ و بو کا یہ سیلاب دیکھ کر وہ دنگ ہوتی تو کیا کرتی۔

''میرے تو خود ہوش اڑ گئے ہیں۔''

وہ بھی چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

''دیکھو دیکھو ذرا ان لڑکیوں کو تو دیکھو؟'' گیتی نے اس کی توجہ جس طرف کروائی

وہاں بہت سی حسین اور...... انتہائی ماڈرن لڑکیاں کھڑی تھیں۔

''وہ دیکھو وہ تو کمرشلز میں آتی ہے؟''

''ہاں ہاں یہ تو ماڈل گرل ہے بہت مشہور۔''

''وہ دیکھو سینا یہ اب آ رہی ہے۔''

ماریہ نے سامنے سے آتی سینا کو دیکھ کر گیتی کو کہنی ماری۔

''یہ یہ سینا ہے کالج والی سینا۔''

وہ سینا کو اس نئے روپ میں دیکھ کر حیران تھی۔ آف وائٹ نیٹ کے بے حد قیمتی اور خوب صورت لباس میں بغیر آستینوں کی جدید طرز کی قمیص اور پاجامہ دوپٹہ بہت خوب صورت اور دراز مگر گلے سے لپٹ کر پیچھے لٹکا فرش کو چھو رہا تھا۔ اس کا ہیر اسٹائل اور میک اپ وہ بالکل دوسری سینا لگ رہی تھی۔

''او خدایا یہ میک اپ اور فیشن بھی کتنا بدل دیتا ہے۔ دیکھو پہچانی نہیں جا رہی۔''

ماریہ کو یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ یہ وہی کالج والی سینا ہے۔ گیتی کو اس کے بے حجاب بازو کچھ اچھے نہ لگے۔

''تو کیا ہوا یہاں سبھی کو دیکھ لو۔''

ماریہ اسے سمجھانے لگی۔

''ہائے ماریہ گیتی۔'' سینا ان کے پاس آئی اور دونوں کو گلے لگا کر ان کے گالوں پر بھی ہلکے ہلکے بوسہ دیا۔

''ارے وہ طوبیٰ نہیں آئی۔''

وہ ادھر اُدھر کھوجتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

''نہیں ہمارے ساتھ تو نہیں آئی شاید اپنے گھر میں سے کسی کے ساتھ آئے گی۔''

گیتی نے صاف جھوٹ بولا حالانکہ وہ گھنٹہ بھر اس کے ساتھ سر کھپا کر آئی تھی مگر اس نے آنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

''اچھا میں اسے فون کر کے آتی ہوں تم لوگ آؤ ناں تمہیں اپنی اور فرینڈز سے ملواؤں۔''

وہ ان کے ہاتھ تھام کر انہیں اپنے ساتھ لے گئی۔

طوبیٰ تو نہیں آئی تھی البتہ سمیر اور تانیہ آئے تھے۔

سمیر کو تانیہ کے ساتھ دیکھ کر انیق کو خاصا دھچکا لگا تھا۔

"دراصل وہ طوبیٰ آپی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی انہوں نے معذرت کی۔" سمیر نے بہانہ کیا۔

"خیریت کچھ خاص بات۔" وہ پریشان ہو گیا۔

"سر میں کافی درد تھا۔" تانیہ نے بھی بھائی کے جھوٹ میں ساتھ دیا۔

"چلیں خیر آپ لوگ آئیں۔" وہ انہیں دوسروں سے متعارف کرانے لگا۔ سمیر کو تو اپنے دوستوں میں لے گیا تانیہ گیتی اور ماریہ کو دیکھ کر خود ہی ان کے پاس چلی گئی وہ بھی ا گیدرنگ دیکھ کر گھبرا رہی تھی حالانکہ آرمی میں تو ایسی پارٹیاں آئے روز ہوتی رہتی تھیں مگر ان عجیب عجیب نظروں سے گھبرا رہی تھی جو انہیں مسلسل گھور رہی تھیں۔

☆======☆======☆

محفلِ غزل سے پہلے بڑا شاندار ڈنر تھا۔ طرح طرح کے کھانوں سے میزیں بھری پڑ تھیں باوردی بیرے تیزی سے اِدھر اُدھر جا رہے تھے پلیٹ میں چمچوں کے لگنے سے جو آ پیدا ہوتی ہے اس کا ایک عجیب سا ردھم پوری فضا میں گونج رہا تھا کھانوں کی لذیذ خوشبو بھی ماحول میں بسی ہوئی تھیں۔ اس قدر وسیع لان کو یوں سجا سنورا دیکھ کر ایسی شان بان وا لوگوں کو دیکھ کر گیتی آرا کو احساسِ کمتری اور زیادہ ہو رہا تھا جانے کیوں وہ اداس ہو رہی تھی۔

"ارے کچھ تو لو تم نے کچھ لیا ہی نہیں۔"

سینا نے اس کی پلیٹ خالی دیکھ کر کہا تو وہ چونک پڑی۔

"آں ہاں لیتی ہوں۔"

"ویٹر!" سینا نے ایک بیرے کو آواز دی۔

"یس میڈم۔" وہ کسی روبوٹ کی طرح حاضر ہو گیا۔

"اِدھر سرو کرو، پلیز تم لوگ انجوائے کرو ہاں۔" وہ ماریہ اور گیتی کو تاکید کرتی دوسر جانب چلی گئی بیرا انہیں سرو کرنے لگا۔

"ارے یہ سینا کے ساتھ کون ہے؟" گیتی نے سامنے سے آتی سینا کے ساتھ کسی دیکھ کر کہا وہ اِدھر ہی تو آ رہے تھے۔

"یہ میری بہت اچھی فرینڈز گیتی اور ماریہ اور وہ طوبیٰ جو آئی نہیں، یہ طوبیٰ کی چھوٹی بہ تانیہ۔"

سینا نے آ کر سب کا تعارف کروا دیا۔ تانیہ جو کب سے خاموشی سے کھڑی تھی بس مسکر کر رہ گئی۔

"اور یہ نعمان یزدانی، انیق کے چھوٹے بھائی اور میرے فیانسی (منگیتر) یہ خالد ان کے بہت اچھے اور ہمارے بھی فیملی فرینڈ۔" اس نے باچھیں پھیلا پھیلا کر ان کا تعارف کروایا۔

"نائس ٹو میٹ یو (Nice To Meet You)۔" دونوں نے باری باری کہا، پھر وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

خالد خان اور نعمان دونوں ہی بہت شاندار پرسنالٹی کے مالک تھے۔ مگر خالد خان کی آنکھوں میں عجیب سا کچھ تھا، سرخ سرخ اور گھورتی آنکھیں ماریہ کو تو سنسنی سی محسوس ہوئی وہ ان دونوں کو گھور رہا تھا۔

سینا ان کا تعارف کروا کے پھر کہیں چلی گئی نعمان بھی اس کے ساتھ چلا گیا اور وہ وہیں کھڑا ان تینوں سے باتیں کر کے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا رہا۔

ڈنر کے بعد محفلِ غزل تھی جس کا انتظام ایک بڑے ہال میں کیا گیا تھا۔ فرش پر سفید چادریں اور خوب صورت کم خواب کے گاؤ تکیے لگے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر قیمتی کرسٹل کی طشتریوں میں سونف سپاریاں چھوٹی الائچیاں اور پان بنے رکھے تھے۔ اب لوگ بلا تکلف بیٹھ گئے لگ ہی نہ رہا تھا کہ وہاں کوئی غیر بھی ہے سب لڑکے لڑکیاں مرد و عورتیں ساتھ ساتھ جڑے بیٹھے تھے وہ تینوں ذرا کونے میں بیٹھ گئیں۔ شکر تھا کہ سمیر وہاں ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور انہیں کچھ ڈھارس بندھی۔

حامد علی خان نے گانا شروع کیا تو اک سماں سا بندھ گیا۔ پورے ہال میں واہ واہ کی آوازوں، ہاتھ اور ہلتے سُروں سے ایک اور رنگ چھا رہا تھا۔

انہیں بھی مزہ آ رہا تھا تبھی گیتی کو ذرا اور سمٹ کر بیٹھنا پڑا۔ اس کا دل سینے میں کسی پرندے کی طرح پھڑکنا شروع ہو گیا کیونکہ انیق یزدانی اور خالد خان بھی ان کے قریب آ کر بیٹھ گئے تھے۔ انیق اس کے اس قدر قریب بیٹھا تھا کہ اس کی تیز اور مسحور کرتی پرفیوم کی خوشبو اسے بے سدھ کیے دے رہی تھی۔ دل قابو سے باہر ہو رہا تھا۔

وہ بھی اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس کی گہری گہری آنکھیں ایک دو بار اس کی طرف اٹھی تھیں مگر وہ ہر بار ایک قیامت سے گزری تھی۔ اب اسے حامد علی خان کی یہ آواز اپنی ہی آواز لگ رہی تھی۔

مینوں تیرے جیا سوہنا ہور لگدا نا
بیٹھی رہواں تیرے کول روح رجدا نا

اس کی روح تک جھوم رہی تھی سرشار تھی جبھی اسے لگا کسی نے اس کے ہاتھ کو چھوا ہے
''کون انیق؟'' روح نے ہولے سے پوچھا۔

دل اور بھی دھک دھک کرتا سینے سے باہر آنے لگا۔ کسی کا لمس اس کے ہاتھ کو نہیں
کو چھو رہا تھا روح کو گدگدا رہا تھا۔ اس نے نگاہوں سے دھیرے سے دیکھا اور ایک جھٹکے سے
اپنا ہاتھ پرے کر لیا۔ خالد خان عجیب سی غلاظت آنکھوں میں بھرے اسے دیکھ رہا تھا اس کا
چاہا ایک تھپڑ اس گستاخی اور جرأت پر اس کے منہ پر دے مارے مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔

یہ محبت بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ ایک احساس ہی تو ہے احساس اگر محبوب کی بجائے کسی
اور کا ہو...... تو وہ کیسا اجنبی اور غیر لگتا ہے' یعنی بس ایک احساس سے ہی تعلق اور رشتے دونوں
بدل کر رہ جاتے ہیں یہ احساس محرم کو نامحرم اور نامحرم کو محرم کر دیتا ہے' کیسے اس احساس محبت
میں گرفتار ہو کر وہ ایک ہی پل میں انیق کو اپنا محرم جاننے اور اس پر اپنا سب کچھ نثار کرنے
تیار ہو گئی تھی ایسے میں یہ خالد خان...... کیسا کانٹے دار پودا لگ رہا تھا اس سے وہ اسے۔

☆======☆======☆

وہ پارٹی سے واپس کیا آئی اپنے ساتھ ڈھیروں خواب لے آئی تھی۔ وہ محل نما گھر اس
کے مکینوں کا رہن سہن' وہ رنگ خوشبوئیں اور سب سے بڑھ کر وہ بولتی کچھ کہتی آنکھیں جانے
کیوں اسے یہ احساس خود بخود ہونے لگا تھا کہ انیق اسے پسند کرنے لگا ہے اور آج نہیں تو کل
یہ پسند محبت میں ضرور بدلے گی۔

وہ بالکل ایک سطحی سی لڑکی بن کر رہ گئی تھی جو اپنی حیثیت بھول کر اونچے اونچے خواب
دیکھنے لگتی ہے۔ آسمانوں میں اتنا بلند اُڑنا چاہتی ہے کہ زمین سے اپنا واسطہ ہی بھول بیٹھتی
ہے۔ گیتی کی آنکھوں میں اب دن رات بس انیق ہی کے خواب تھے۔ یہ عمر بھی ایسی ہی ہوتی
ہے نادان اور کچی بے باک مگر خطرناک جوانی اب وہ اکثر سبینا کے ساتھ ان کے گھر آنے
جانے لگی تھی اور انیق کی بے تکلفی کو وہ التفات سمجھ رہی تھی۔

انہی دنوں...... اس کے ابا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور ان کا ایک پاؤں بے کار ہو گیا ابا
معذور ہوئے تو فوج سے ان کی چھٹی ہو گئی۔ ایک وظیفہ مقرر کر کے اور کچھ کیش دے کر فوج
نے اپنا فرض ادا کر دیا مگر ان کے تو گھر کی کایا ہی پلٹ گئی۔

گیتی گھر میں سب سے بڑی تھی۔ اس سے چھوٹی نادیہ اور حرا تھیں اور پھر بھائی فرید اللہ
تھا۔ فرید ابھی آٹھویں جماعت میں تھا گھر اور باپ کا کیا سہارا بنتا تایا اور چچا تو تھے نہیں' رہے
ماموں تو دونوں ہی اچھے تھے مگر اتنے خوشحال نہ تھے کہ ان کی کچھ مدد کرتے۔

بس ایک دم ہی ان کا متوسط گھرانہ غربت اور بیچارگی کا شکار بن کر رہ گیا ماہانہ وظیفے
سے کیا بنتا مہنگائی آسمانوں پر تھی گھر بھی کرائے پر تھا وہ باقی سب کچھ بھول کر اس سوچ میں
گرفتار ہو گئی کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔

اس ساری پریشانی میں اس نے کالج جانا بالکل چھوڑ دیا تھا اگرچہ کرنل صاحب نے
بڑی مدد کی تھی اور سب بچوں کے تعلیمی وظائف کو بڑھوا دیا تھا مگر گھر بھی تو چلانا تھا اس کے ابا
بھی بستر پر تھے اور ان کے علاج میں بھی بہت خرچ ہو رہا تھا۔

☆======☆======☆

ایک دن سبینا کے ساتھ انیق اور خالد خان ان کے گھر آ گئے۔

''آپ کی بیماری اور اس حادثے کا سن کر بہت افسوس ہوا'' وہ دونوں اس کے ابا کے
ساتھ بیٹھے تھے۔

''بس بیٹا جو خدا کی رضا۔'' خان صاحب بہت صابر انسان تھے خدا کی ہر بات پر شاکر
رہا کرتے تھے۔

''بے شک ہمیں خدا کی رضا پر راضی رہنا پڑتا ہے۔'' خالد خان بڑی انکساری ظاہر کر رہا
تھا۔

''مگر وہ کسی کو بے یار و مددگار بھی تو نہیں چھوڑتا'' وہ دوبارہ بولا گیتی بہت شرمندہ سی ہو
رہی تھی اس نے چپکے سے فرید اللہ کو بھیج کر بیکری سے پیٹز' پیسٹریاں اور ٹھنڈی کوک منگوالی
تھی۔ وہ ٹرالی اندر لے کر آئی تو اس کا ذکر ہو رہا تھا۔

''ماشاء اللہ آپ کی گیتی بہت ذہین ہے اور بہت ہمت والی بھی۔'' انیق یزدانی اسے
دیکھ کر مسکرایا تو اس کے بجھے دل میں چراغ سا جل اٹھا۔

''انکل اگر آپ اجازت دیں اور ہم پر بھروسا کریں تو ہم ایک پروپوزل لائے ہیں گیتی
کے لئے۔'' اس بار خالد خان بولا۔

''پروپوزل۔'' سرو کرتی گیتی کا دل سینے سے باہر آنے لگا۔

''جی ایک بہت اچھی جاب ہے۔'' وہ بات آگے بڑھانے لگا۔

''جاب کرے گی گیتی' نہیں' نہیں۔'' خان صاحب کو اپنی غیرت پر چوٹ محسوس ہوئی۔

''سر! میں جانتا ہوں اس کی یہ عمر جاب کرنے کی نہیں ہے لیکن یہ تو گھر کی بات ہے۔
کسی غیر کے ہاں تھوڑی اپنے ہی آفس میں بس تھوڑا بہت کام ہے۔''

خالد خان نے وضاحت کی انیق بھی تفصیل سے بتانے لگا۔

"انکل یہ خالد خان میرا بہت اچھا دوست ہے ایک بہت بڑی ایڈورٹائزنگ کمپنی رہا ہے۔"

"ایڈورٹائزنگ کمپنی" خان صاحب نے دہرایا۔

"آفس جاب ہے۔" فوراً خالد نے انہیں سمجھایا۔

مگر وہ شش و پنج میں گرفتار تھے ان کا دل نہ مان رہا تھا گیتی بھی خالد خان کے آفر سن کر بجھ سی گئی تھی۔

"انکل آپ مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھیں۔" انیق نے ان کا ہاتھ تھام لیا گیتی کی آنکھیں چمک اٹھیں وہ خوش فہم ایک ہی پل میں بہت دور نکل گئی۔

"آپ مجھ پر اعتبار کریں میرا بھروسا کریں۔"

پھر کچھ ہی دیر میں انیق اور خالد نے انہیں راضی کر لیا دراصل وہ در پردہ ان کی مدد کر چاہ رہے تھے۔

"میں شکر گزار رہوں گا تم لوگوں کا۔" ان کی مجبوری نے انہیں بے بس کر ہی دیا، جانتے تھے کہ گھر کو چلانے اور زندگی کو دھکیلنے کے لئے آج نہیں تو کل گیتی کو مرد بننا ہی پڑے گا حقیقت تلخ بھی ہوتی ہے زہریلی بھی لیکن اپنا آپ منوا کر رہتی ہے سو وہ بھی مان گئے۔ اپنی نم آنکھوں سے وہ اپنی جگر حیات کو دیکھ رہے تھے جس کے ناتواں کندھوں پر ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ قدرت نے جانے کیا سوچ کر ڈال دیا تھا۔

☆======☆======☆

"گیتی! تم جاب کرو گی تو کالج؟" طوبیٰ اس کی بات سن کر پریشان ہو گئی تھی۔

"کالج تو چھوڑا جا سکتا ہے مگر کھانا اور زندہ رہنا تو نہیں۔" اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"ہمت نہیں ہارتے گیتی۔" طوبیٰ نے اسے گلے سے لگا لیا اور پیار کرنے لگی۔

"میں بی اے کا امتحان پرائیویٹ دے لوں گی۔" وہ اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی۔

"میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔" وہ اسے تسلی دینے لگی۔

"مگر گیتی ان لوگوں کے ساتھ جاب کو میرا دل نہیں مانتا۔" اس نے اپنے دل کی بات کہہ ہی دی۔

"دل کا کیا ہے اصل حقیقت تو پیٹ کی ہوتی ہے۔" وہ بڑی اداس اور غمزدہ سی لگ رہی تھی۔

"اچھا اب دادی ماں مت بنو۔" وہ اسے بہلانا چاہ رہی تھی۔

"خدا پر بھروسا رکھو وہی مدد کرنے والا ہے۔ بس ذرا احتیاط سے رہنا۔" نویرہ آپا بھی اسے سمجھانے لگیں۔

"آپا! مجھے وہ خالد خان کچھ ٹھیک انسان نہیں لگتا۔" تانیہ نے بھی اپنی رائے دی۔

"اچھا تو مجھے بھی نہیں لگا لیکن......"

"لیکن کیا؟" طوبیٰ نے اس کی بات کاٹی۔

"انیق نے ابا سے اپنی ذمہ داری پر اجازت لی ہے۔"

"تو انیق کے شریف اور اچھا ہونے کی کیا نشانیاں ہیں۔" طوبیٰ کو غصہ آ گیا۔

"ہر ایک کو ایسے نہیں کہتے طوبیٰ۔" نویرہ آپا نے اسے ڈانٹا۔

"ہاں انیق اور خالد ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"اچھا میں چلوں ابا کی دوا کا وقت ہو رہا ہے۔"

گیتی کو طوبیٰ کا یوں انیق کے بارے میں ریمارکس دینا اچھا نہ لگتا تھا وہ بہانے سے اٹھ کر جانے لگی۔

"اچھا انکل کو ہماری طرف سے پوچھنا ہم آئیں گے شام کو۔" نویرہ اور طوبیٰ اس کے ساتھ ساتھ چلتی گیٹ تک آ گئیں۔

"گیتی! تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ استخارہ کر لو۔" نویرہ آپا نے مشورہ دیا۔

"جی آپا کروں گی مگر مجھے کبھی استخارے سے کچھ نظر نہیں آتا۔" وہ بدستور پریشان تھی۔

"پگلی! نظر آنا لازم تھوڑا ہوتا ہے بس دل کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ کیا درست ہے اور کیا نہیں۔" وہ اسے سمجھانے لگیں۔

"لیکن آپا! کام تو مجھے کرنا ہی ہے اب نوکریاں ملنی کون سا آسان ہیں۔" وہ بھی درست کہہ رہی تھی۔

"تم کوئی سکول جاب کر لو۔" طوبیٰ نے ایک اور راہ دکھائی۔

"انڈر گریجویٹ کو کون دے گا ملازمت اور پھر سکول ٹیچر کو ملنے والی تنخواہ سے کیا ہو سکتا ہے۔"

وہ کافی حقیقت پسند ہو گئی تھی اور سنجیدہ باتیں کرنے لگی تھی۔

"اچھا تم پریشان نہ ہو نماز پڑھا کرو اور خدا سے مدد مانگا کرو سب بہتر ہو جائے گا۔"

انہوں نے پیار سے اسے تسلی دی۔

☆======☆======☆

''طوبیٰ طوبیٰ' تانیہ۔'' نوریہ آپا صبح آواز دیتی ان کے کمرے میں آگئیں۔

''کیا بات ہے آپا۔'' وہ دونوں کالج جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

''میں نے رات گیتی کے لئے استخارہ کیا تھا۔'' وہ پریشان ہو کر وہیں بیڈ پر بیٹھ گئیں

''تو پھر کیا ہوا آپا۔'' طوبیٰ اپنی چٹیا کو آخری بل دے کر باندھتی ان کے قریب آگئی

''یہ گیتی جو کرنے جا رہی ہے یہ اس کے لئے ٹھیک نہ ہوگا۔''

''اچھا۔'' تانیہ بھی پریشان ہوگئی۔

''رات نمازِ عشاء کے بعد استخارے کی دعا پڑھ کر لیٹی تھی۔ میں نے خواب دیکھا......'' وہ بات کرتے کرتے چپ ہوگئیں۔

''کیا دیکھا آپا؟'' طوبیٰ کا دل کسی انجانے خوف سے لرزنے لگا۔

''جیسے...... جیسے بہت سارے سانپ ہیں ان کے چہرے انسانوں جیسے ہیں مگر ان منہ کھلے ہوئے ہیں جن میں سے لمبی لمبی سرخ زبانیں باہر نکلی ہوئی ہیں۔ ایک بڑا میدان وہاں گیتی کھڑی ہے اور اس کے چاروں طرف سانپ بکھرے پڑے ہیں۔ گیتی بھاگ بھ کر چاروں طرف راستہ تلاش کر رہی ہے مگر ہر طرف سانپ ہی سانپ ہیں۔''

وہ بتاتے بتاتے اپنے چہرے پر آیا پسینہ صاف کرنے لگیں۔

''یہ تو صاف اشارہ ہے آپا۔'' طوبیٰ کے تو ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے۔

''اسے کسی طرح منع کرو طوبیٰ' سمجھاؤ وہاں جاب نہ کرے وہاں نہ جائے وہ جائے گی وہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔'' وہ اسے کندھوں سے تھامے کہہ رہی تھیں۔

''اس نے تو آج جوائن کرنا تھا۔'' تانیہ نے یاد دلایا۔

''تو روکو اسے یہاں بلاؤ میں سمجھاؤں گی۔'' آپا نے طوبیٰ کو جلدی سے گیتی کے جانے کو کہا۔

''میں جاتی ہوں۔'' طوبیٰ تیزی سے گیٹ سے نکلی۔

''طوبیٰ میں بھی آتی ہوں۔'' تانیہ بھی اس کے ساتھ ہوگئی۔

ایک گلی چھوڑ کر تیسری ہی گلی میں گیتی کا گھر تھا۔ وہ تیزی سے چلنے لگیں۔

جیسے ہی وہ ان کی گلی میں مڑیں ان کے قدم وہیں جم کر رہ گئے وہ تیار ہو کر بیگ کندھے پر ڈالے گھر سے نکل رہی تھی۔

سامنے ہی سفید کرولا کھڑی تھی۔ جس کی فرنٹ سیٹ پر انیق بیٹھا تھا۔ گیتی کو دیکھ کر اس نے گاڑی کا اگلا دروازہ کھول دیا اس کے چہرے پر بڑی دل آویز اور گہری مسکراہٹ تھی۔ گیتی کے چہرے پر خوشی کھلی جا رہی تھی وہ بڑے اعتماد سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

تانیہ آگے بڑھنے لگی تو طوبیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔

''اسے مت روکو تانیہ اب وہ جس راہ پر قدم رکھ چکی ہے وہاں سے کسی کے روکے سے نہیں رکے گی خدا اس کی حفاظت کرے۔'' وہ جانتی تھی گیتی انیق کے لئے بہت آگے جا چکی ہے۔ جنون کے راہی کسی رکاوٹ کو نہیں مانتے خود ٹھوکر کھا کر گریں تب بھی سمجھتے ہیں' کچھ نہیں ہوا اور جب انہیں ہوش آتا ہے اس وقت یہ اپنی پہچان بھی نہیں کر پاتے۔

وہ تانیہ کا ہاتھ پکڑ کر مرے مرے قدموں سے واپس آگئی۔

☆======☆======☆

گیتی انیق کے ساتھ خود کو ہوا کے دوش پر محسوس کر رہی تھی۔ وہ بہت خوش تھی اس کے
قلقاریاں مار مار کے کسی شرارتی بچے کی مانند ہنس رہا تھا اور نظریں...... وہ بار بار دیدارِ یار
سیراب ہو رہی تھیں...... وہ بھی اسے پُرشوق نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''گیتی......'' اس نے پکارا۔

''جی......'' دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

''یہ تمہاری دوست طوبیٰ کیسی لڑکی ہے۔''

''بہت اچھی...... مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

دل میں اچانک ہی ایک جلن کا احساس ہوا۔

''مجھے تو بہت اِل مینرڈ (ill Mannered) اور پراؤڈ (Proud) سی لگتی ہے''

اس نے فوراً ہی اپنا لہجہ بدل لیا۔

''نہیں اِل مینرڈ (ill Mannered) نہیں ہے۔'' اس نے نادانستہ ہی طرف دا
کی۔

''تو پھر پراؤڈ (مغرور) تو ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر ذرا سا مسکرایا۔

''بالکل بھی نہیں۔'' وہ بھی مسکرا دی۔

''لگتا ہے آپ کو اپنی دوست سے بہت محبت ہے۔''

''جی......''

وہ اس کی گہری نظروں سے گھبرا کر باہر دیکھنے لگی۔

''بہت ہے......؟'' اس نے تائید چاہی۔

''جی ہے تو......'' وہ طوبیٰ کے ساتھ اپنی دوستی اور محبت سے انکار نہ کر سکی۔

''محبت کرنا...... اچھی بات ہے۔'' وہ ذومعنی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور گیتی ان ذومعنی نظروں کے وہی معنی اپنے لئے اخذ کر رہی تھی جو اسے پسند تھے۔

''ویسے محبت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' وہ اس سے پوچھنے لگا۔

''محبت......'' اس نے نظر بھر کر اپنے سامنے بیٹھے اس وجیہہ شخص کو دیکھا جو پہلی نظر میں ہوش بھلانے والی شخصیت رکھتا تھا۔

''ہاں محبت......'' وہ مسکرایا۔

''محبت تو بس ہو جاتی ہے اور خود بخود پھوٹ پڑنے والی اس خوشبو کو بھلا لفظوں میں کیسے سمویا جا سکتا ہے۔ یہ تو دل سے اٹھنے والا بے اختیار جذبہ اور آنکھ میں بُن جانے والا خواب ہے۔'' وہ کھوئی کھوئی سی لگ رہی تھی۔

''اوہو...... آپ تو بڑی خوبصورت باتیں کرتی ہیں۔ بالکل اپنی طرح......''

اس نے ذرا سا جھک کر اس کی گلابی ہوتی آنکھوں میں دیکھا تو سارے جہان کے گلاب اس کے گالوں پر کھل گئے۔

''لیں جناب...... آ گیا آپ کا آفس۔'' انیق یزدانی نے گاڑی روکی تو وہ ''خان ایڈورٹائز اینڈ ٹیلی پروڈکشن'' کی شاندار اور وسیع بلڈنگ کے سامنے تھے۔ اسے دیکھتے ہی گیتی آرا میں پھر اک عجیب سا احساسِ کمتری جاگا۔

''میں یہاں کام کروں گی۔'' جانے کیوں وہ ایسے ہی وسوسوں میں گھر جایا کرتی تھی۔

''مشکل ہے کہ کر سکوں۔''

''ارے...... کیا ہوا۔''

انیق یزدانی نے چٹکی بجا کر اسے خیالوں سے چونکا دیا۔

''آں۔'' وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

''چلیں۔ آپ کو کوئی کھا نہیں جائے گا۔''

وہ شاید اس کے اندر کا خوف پڑھ چکا تھا۔ وہ چپ چاپ سی گاڑی سے اتر آئی۔

وہ انیق یزدانی کے ساتھ ساتھ چلتی ایک بہت خوبصورت کمرے میں داخل ہو گئی۔ فل فرنشڈ اور جدید طرزِ آرائش سے مزین وہ کسی کے اعلیٰ ذوق کی منہ بولتی تصویر تھا۔

''لو بھئی یہ آفس...... وہ دیکھ رہی ہیں آپ......؟''

انیق اسے سامنے ایک چھوٹے سے مگر سجے سجائے آفس میں لے گیا۔ جسے ایک شیشے کی دیوار نے اس بڑے آفس سے جدا کر دیا تھا جو خالد خان کا تھا۔

"یہ ہے آپ کا آفس اور یہ رہی آپ کی سیٹ۔"

انیق یزدانی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے آفس چیئر پر بٹھا دیا ایک تو وہ پہلے ہ
عمارت کے کونے کونے سے متاثر ہوتی اندر آئی تھی پھر خالد خان کے آفس نے اس کے
اُڑا دیئے تھے اور اب اپنا آفس دیکھ کر اور انیق کے یوں ہاتھ تھام لینے پر تو اس کا اپنے
پر کھڑا رہنا ناممکن ہی ہو گیا تھا۔ وہ کرسی پر تقریباً گر پڑی تھی۔

"اوہ مجھے تو کافی دیر ہو گئی۔ اب آپ یہاں بیٹھ کر اس گھامڑ آدمی کے آنے کا
کریں جو آپ کا باس ہو گا۔" وہ تیزی سے جانے کو مڑا۔

"اور ہاں کل سے آپ کو پک اینڈ ڈراپ کرنے کی ذمہ داری بھی انہی جناب
گی۔"

وہ ایک منٹ کو رکا...... اور اس کے ہوائیاں اُڑتے چہرے کی طرف دیکھ کر ذرا مسکر

"میں چکر لگاتا رہتا ہوں یہاں...... اور پھر خالد بھی آپ کا بہت خیال رکھے گا۔
نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ رک جاتے تو۔" وہ سہمی سہمی سی بولی۔

"ضرور رک جاتا مگر مجھے واقعی دیر ہو رہی ہے۔ میری بہت اہم میٹنگ ہے اس
مجھے جانا پڑے گا۔ بی کونفیڈینٹ (Be Confident) اب آپ پریکٹیکل بنیں
پلیز......"

وہ سمجھانے لگا۔ اور پھر ذرا سی دیر میں "بائے" کر کے چلا بھی گیا۔

"میں یہاں اتنے بڑے اور اجنبی آفس میں بالکل تنہا۔" اسے ایک جھرجھری سی آ
وہ تو کبھی مارکیٹ بھی اکیلی نہ گئی تھی۔ بہت ڈرپوک تھی وہ کل تک اور آج ایک دم سے
بہادر ہو گئی تھی کہ گھر سے یہاں تک تنہا ایک غیر مرد کے ساتھ آ گئی تھی۔

"غیر......" دل فوراً خفا ہو گیا تھا۔ "وہ کب غیر ہے۔" اس نے اپنی سوچ کو جھٹلایا
تو بہت اپنا ہے۔" دل میں میٹھا سا کوئی سُر جاگا۔

"مگر یہاں تو میں بالکل تنہا ہوں...... یہ آفس...... یہ تو خالد خان کا ہے۔" خالد خا
وہ عجیب سی گلابی آنکھیں سارے در و دیوار سے اسے جھانکنے لگیں۔

"یہ انیق نے مجھے اپنے آفس میں کوئی جاب کیوں نہیں دی؟" وہ خود سے سوال اد
سے گلہ کرنے لگی۔

"اس کے آفس میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ورنہ وہ ضرور مجھے اپنے ہی ساتھ

اندر سے کوئی خوش فہم خیال بولا۔

تبھی جب وہ ایسے ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ کوئی دروازے سے اندر داخل ہوا۔
وہ ایک بے حد خوبصورت' اسمارٹ اور ماڈرن لڑکی تھی آتے ہی وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"اوہ واؤ" How are you "وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی اور غور سے دیکھنے لگی۔

"جی نہیں...... میں وہ......" اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔

"ماڈلنگ کا شوق ہے۔" وہ اسے سر سے پاؤں تک گھور رہی تھی۔

"ن...... نہیں...... نہیں تو......" وہ پریشان ہو گئی۔

"پھر ایکٹنگ۔" وہ اس کے گرد گھوم کر اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"نہیں۔" وہ اس عجیب صورتِ حال سے گھبرا گئی۔

"اوہو! تو پھر کیا ایک دم ہی آسمان پر پہنچنا چاہتی ہو۔" وہ بڑی چبھتی اور طنز سے بھری
نگاہیں اس پر جمائے کھڑی تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ کچھ سمجھ نہ سکی۔

"تو کیا سر بغیر مطلب سمجھائے لائے ہیں آپ کو۔" اس کے انداز میں اب بھی زہر ہی
تھا۔

"خیر انہیں سمجھانا آتا ہے سب کو...... جب یہاں آ گئی ہو تو سمجھ بھی جاؤ گی بہت
جلد...... اینی وے۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے اور ایک کرسی پر براجمان ہو گئی۔

"عجیب واہیات لڑکی ہے۔" اس کا دماغ غصے سے کھولنے لگا۔

"نہ جان نہ پہچان اور آتے ہی فضول باتیں شروع کر دیں۔" وہ اندر ہی اندر الجھتی
دوبارہ اس کرسی پر بیٹھ گئی جو بقول انیق کے اب اس کی سیٹ تھی۔

"جانے یہ سر کہاں رہ گئے آج۔" وہ اٹھ کر ٹیلی فون سیٹ کی طرف آ گئی اور کسی کو فون
کرنے لگی۔

"ہیلو...... اکرام صاحب آپ تیاری کریں۔ میں آ گئی ہوں...... بس سر آ جائیں تو کام
شروع کریں۔ مجھے آج جلد ہی فارغ ہو کر جانا ہے۔"

فون سے فارغ ہو کر اس نے بیل بجائی۔ فوراً ہی ایک باوردی اور مہذب ملازم اندر آ
گیا۔

"میرے لئے ایک اورنج جوس لاؤ۔" اس نے اک تحکم سے کہا۔

"اے مس! آپ لیں گی کچھ۔" پھر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تھینکس۔" گیتی نے جل کر کہا۔

"رائٹ...... تم جاؤ۔" اس نے ملازم کو جانے کو کہا۔

"ویسے اتنی اجنبیت ٹھیک نہیں۔ ہم سے دوستی کرلو تو وقت اچھا ہی گزرے گا اور آسا
بھی۔ ورنہ یہ راستے بڑے پُرخار اور خطرناک ہیں پاؤں لہو سے بھرلو گی۔" وہ اس کے قریب
گئی۔ مگر جانے کیوں گیتی کو اس سے خوف آ رہا تھا۔ اور اس کی باتیں...... پتا نہیں وہ کیا
باتیں کر رہی تھی اور کیوں کر رہی تھی۔

"میں بری لڑکی نہیں تھی...... اور اچھی دوست بن سکتی ہوں۔" اب وہ مسکرا کر اس
طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی۔

"کم آن...... ہاتھ ملاؤ......" گیتی کو جھجکتے دیکھ کر اس نے زبردستی اس کا ہاتھ اپنے ہا
میں لے لیا۔

گیتی نے دیکھا اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔ مگر وہ اسے صاف چھپا گئی اور ز
سے قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔

"میں ندا ہوں...... گریجویٹ ہوں اور ماڈلنگ کرتی ہوں۔" اس نے اپنی بائیں آنکھ
کو نا دبا کر شرارت سے اسے دیکھا۔

"خیر تم کہو...... تم یہاں کیسے؟" اس کے اصرار پر گیتی نے اسے اپنا مختصر سا تعارف کر
دیا اور بتایا کہ وہ یہاں پر خالد خان کی سیکرٹری بن کر آئی ہے۔

☆======☆======☆

خالد خان نے اسے دیکھتے ہی بے حد خوشی کا اظہار کیا اس کی تو باچھیں ہی کھل گئیں۔ ا
سے اس کا اتنا تفصیلی اور بڑھا چڑھا کر تعارف کروایا کہ وہ شرمندہ ہونے لگی۔

"چلیں سر میرا فوٹو سیشن مکمل کرا دیں۔" اورنج جوس ختم کرتے ہی ندا کھڑی ہوگئی۔

"ہاں چلو......" وہ اپنا لائٹر اور سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔

گیتی آرا نے نوٹ کیا تھا وہ حد سے زیادہ اسموکنگ کرتا تھا۔ چین اسموکر تھا ایک کے
بعد ایک سگریٹ سلگا لیتا تھا اور بڑے مہنگے برانڈ کے سگریٹ وہ دن بھر جلا جلا کر راکھ کرتا رہ
تھا۔

"آؤ گیتی تم بھی چلو۔" اس نے پلٹ کر گیتی کو مخاطب کیا۔

"سر میں......" وہ پریشان ہوگئی۔

"ہاں بھئی اب تم میری سیکرٹری ہو۔ پرسنل سیکرٹری۔" اس نے پرسنل سیکرٹری اس کی

طرف جھک کر ذرا زور دے کر کہا۔

"واقعی پرسنل۔" ندا ہنس پڑی۔

"چلو تمہیں سمجھائیں اور دکھائیں بھی کہ یہاں کیسے کام ہوتا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی
اسے ساتھ جانا پڑا۔

وہ ان کے ساتھ جہاں آئی وہاں بڑے بڑے کیمرے رکھے تھے۔ کمرے کے درمیان
میں ایک چھوٹا سا آرائشی تالاب بنا ہوا تھا۔ جس کے اوپر کین کا بڑا خوبصورت اور آرائشی جھولا
لٹکا ہوا تھا۔ تالاب کے نیلے نیلے پانی پر رنگین غبارے تیر رہے تھے اور باقی تالاب کے
کناروں پر بے شمار خوبصورت کشن اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے...... یقیناً یہ کوئی اسٹوڈیو ہی
تھا۔ کچھ ہی دیر میں کمرا چاروں طرف سے روشنیوں میں نہا گیا۔ بڑی لائٹیں آن ہوگئیں۔

کیمرہ مین...... میک اپ مین...... انسٹرکٹر سب آگئے۔

"میڈم آپ ڈریس چینج کرلیں۔" ایک سولہ برس کا معصوم سی شکل کا لڑکا کئی لباس
ہینگروں پر لٹکائے کھڑا تھا۔

"ٹھیک ہے تم اندر رکھوا نہیں۔" ندا نے اک ادا سے اس کے گال کو اپنی انگلی سے چھوا۔
وہ شرما کر چلا گیا۔

"ندا بھئی جلدی کرو۔" خالد خان نے ہر طرف جائزہ لیتی نظروں سے دیکھتے ہوئے
کہا۔

"حاضر جناب......" وہ مسکراتی ہوئی اندر ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔

"خاور! یہ کیمرہ اِدھر کرو۔ اور وہ ایزی چیئر یہاں رکھو۔" وہ پاس کھڑے کیمرہ مین کو
ہدایت دینے لگا۔

اس وقت وہ بڑا سنجیدہ شخص دکھائی دے رہا تھا سگریٹ اب بھی اس کی انگلیوں میں دبا
سلگ رہا تھا جس کے وہ لمبے لمبے کش وقفے وقفے سے لیتا تھا اور گیتی جو اسے بہت غور سے
دیکھ رہی تھی نوٹ کر رہی تھی کہ وہ بات ذرا اٹک اٹک کر کرتا تھا اور تھوڑی دیر بعد انگلیاں اپنے
بالوں میں پھنسا کر سارے بال پیچھے کی طرف کس لیا کرتا تھا کہ کنپٹیوں سے بالوں کا کھنچاؤ اور
تناؤ صاف نظر آتا تھا۔

"یہ شخص تھوڑا تشدد پسند ہوگا۔" وہ اس کی نفسیات پرکھنے لگی۔ اپنے اندر اس قدر اُلجھنے
والے لوگ دوسروں کو بھی الجھا کر رکھتے ہیں۔ مشکل سے سمجھ میں آتے ہیں۔ نفسیات چونکہ
اس کا مضمون بھی تھا اور اسے لوگوں کی شخصیت جاننے' پڑھنے کا شوق بھی تھا اس لئے وہ

اندازے لگا لیا کرتی تھی اور اس کے یہ اندازے اکثر درست ثابت ہوا کرتے تھے۔

''یہ انیق نے مجھے کہاں پھنسا دیا۔'' وہ پھر یہ سوچ کر گھبرانے لگی۔

''تم بیٹھو یہاں کھڑی کیوں ہو...... یہ لوگ تو اسی طرح دماغ خراب کرتے ہیں۔'' سب کو ڈانٹ کر اس کی طرف متوجہ ہوا وہ جلدی سے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

ندا ڈریس چینج کر کے آ چکی تھی۔ اس نے بغیر آستینوں کا شارٹ اور ٹائٹ بلاؤز پہن رکھا تھا اور جو ساڑھی نما چیز اس نے پہن رکھی تھی اس کا پلو کمر پر تھا۔ بلاشبہ وہ بے انتہا حسین لگ رہی تھی مگر اتنی ہی بے حجاب بھی۔

''اتنے مردوں کے سامنے یہ کیسے کھڑی ہے۔'' گیتی کو خود شرم آنے لگی۔ ندا آئی مسکراتی ہوئی اس آرائشی تالاب پر لٹکتے جھولے میں بیٹھ گئی اور اس نے اپنے پاؤں پانی میں لٹکا دیئے۔ ساڑھی کو اس نے گھٹنوں تک اوپر اٹھا لیا تھا جس سے اس کی سڈول اور خوبصورت پنڈلیاں عریاں ہو گئی تھیں۔

''ٹیک شارٹ نمبر دو۔ کیمرہ ریڈی...... لائٹس آن......''

یہ وہی سولہ برس کا شرمیلا سا لڑکا بول رہا تھا جو ابھی ندا کو لباس پکڑا کر گیا تھا۔

ایک دم چاروں طرف سے روشنیوں کے جھماکے ہوئے اور ایک ساتھ کئی کیمروں میں یہ پوز محفوظ ہو گیا۔ پھر وہ تھوڑا جھک کر پانی پر ہاتھ مار کے چھینٹے اُڑانے لگی۔ اس کے یوں جھکنے پر جو منظر دیکھنے میں آیا تھا وہ دیکھ کر تو گیتی کی نظریں زمین میں گڑھی گئیں۔

''یہ ہے ماڈلنگ اور ایکٹنگ...... دوسرے لفظوں میں فن اور آرٹ کی دنیا۔'' اس کا ضمیر چیخنے لگا۔

پھر اس نے لاکھ چاہا کہ وہاں سے اٹھ جائے مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ اور اسے وہ سب دیکھنا پڑا جو اسے ناگوار لگ رہا تھا۔ یہ فوٹو سیشن کسی بہت بڑے میگزین کے لئے ہو رہا تھا جو انٹرنیشنل میگزین تھا اور ندا کسی بہت بڑے بوتیک کے ڈریسز کی ماڈلنگ کر رہی تھی۔ یہ فوٹو سیشن مکمل ہونے کے بعد...... ندا تو چلی گئی اور گیتی آرا کو خالد خان اپنی اس پرائیویٹ پروڈکشن اور ایڈورٹائزنگ کمپنی کے سب شعبوں کے بارے میں بتانے لگا اور اس نے اسے اس بلڈنگ کا کونا کونا دکھا دیا۔ اس میں کئی اسٹوڈیو تھے۔ کئی دفتر تھے...... اپنی فوٹو لیب تھی...... کمپیوٹر سیکشن اور مانیٹرنگ۔ ایڈیٹنگ...... یعنی وہ ایک مکمل سینٹر تھا۔

''تمہیں پتا ہے آج کل ہمارے ہاں ایک ڈراما سیریل کی ریکارڈنگ بھی ہو رہی ہے۔'' اپنے آفس میں واپس آ کر وہ اسے بتانے لگا اور اپنے ٹیبل کی دراز سے ایک لفافہ نکال

کر گیتی کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ کیا سر......'' وہ پھر نہ سمجھ سکی۔

''ایک تو تم سوال بہت کرتی ہو...... یہ ایک لفافہ ہے اور میں تمہیں دے رہا ہوں...... تمہیں چاہیے کہ تم اسے رکھ لو......'' وہ تفصیل سے اسے یوں سمجھانے لگا جیسے وہ چھوٹی سی بچی ہو۔

اس نے لفافہ پکڑ تو لیا مگر چہرے پر اب بھی کئی سوال تھے کہ اس لفافے میں کیا ہے۔ کیوں ہے۔ کس لئے ہے؟

''خدا نے تمہیں اتنے پیارے سے چہرے سے اس لئے نہیں نوازا کہ تم اس پر ہر وقت بارہ بجائے رکھو؟'' اب وہ اسے ڈانٹ رہا تھا۔

''اس میں کچھ رقم ہے۔''

''رقم......'' اس نے درمیان سے اس کی بات اچک لی۔

''پوری بات تو سن لو۔'' اس نے گھور کر اسے دیکھا۔ وہ سہم کر خاموش ہو گئی۔

''یہ رقم ایڈوانس ہے اور یہ تم پر خاص مہربانی یا احسان نہیں...... ہمارے ہاں ایڈوانس دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسے چپ چاپ رکھ لو...... اور ہاں سنو اب یہ تمہارا آفس ہے تم یہاں کام کرو گی اور تمہیں اس کی تنخواہ ملے گی لیکن پھر بھی تمہیں بہت سے اور حقوق بھی حاصل ہوں گے۔ مثلاً تم ایڈوانس لے سکتی ہو۔ لون لے سکتی ہو اور ہر ضرورت کے لئے بلا تکلف کہہ سکتی ہو۔'' اس نے ساری باتیں اسے اس طرح سمجھا دیں کہ وہ دوبارہ ان کے بارے میں سوال نہ کرے۔

''سر! مجھے کرنا کیا ہو گا۔ میری ڈیوٹی تو مجھے سمجھا دیں۔'' اس نے بڑی مشکل سے پوچھ ہی لیا۔

''وہ دیکھ رہی ہو تمہاری وہ سیٹ ہے۔ تم نے میری تمام ٹیلی فون کالز ریسیو کرنی ہیں۔ میری اپائنٹ منٹس نوٹ کرنی ہیں۔ اور جہاں ضرورت پڑے گی میرے ساتھ جانا ہو گا۔''

اس نے ایک آدھا سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا کر دوسرا نیا سگریٹ سلگا لیا۔

''مگر سر...... وہ......'' کچھ اور پوچھنا چاہ رہی تھی۔

''اگر مگر...... ختم...... اب میں بہت تھک گیا ہوں چائے پیتے ہیں۔ تمہیں چائے بنانی آتی ہے۔'' وہ اس سے پوچھنے لگا۔

''چائے......'' وہ کچھ کہہ نہ سکی۔

''اچھا چلو آج اکرام کو چائے بناتے دیکھ لو پھر تم ہی بنایا کرنا......''

''اکرام......'' ساتھ ہی اس نے ٹیبل بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔

''لیس سر......'' وہ چراغ کے جن کی طرح حاضر ہو گیا۔

''چائے......اور میڈم کے سامنے بناؤ۔''

اس نے اشارے سے گیتی کو اس کے ساتھ جانے کو کہا۔ وہ اکرام کے ساتھ چھوٹے سے مگر بہت صاف ستھرے اور خوبصورت کچن میں آ گئی جو سامنے کوریڈور میں ہونے پر تھا۔ کچن میں قیمتی برتن بھی تھے۔ فریج اور فریزر بھی......مگر اس قدر صاف ستھرا ہونے کے باوجود کچن میں ایک خاص قسم کی ناگوار بو بھی بسی ہوئی تھی۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ یہ کس چیز کی بُو ہے۔

اکرام نے چائے بنانی شروع کی۔ الیکٹرک کیتلی میں کھولتا ہوا گرم پانی ایک مار بل کے بڑے مگ میں انڈیلا جس میں وہ پہلے سے چار چمچے پتی اور آدھا چمچہ چینی ڈال چکا تھا۔ ڈال کر اس نے مگ کو چھوٹی پرچ سے ڈھک دیا اور پھر کچھ دیر بعد اس میں ایوری ڈے کا چمچ مکس کیا۔

''لیں میڈم صاحب کی چائے تیار ہے۔''

اس نے سیاہ کالی چائے کا مگ ٹرے میں رکھتے ہوئے اسے بتایا۔

''یہ...... یہ چائے ہے۔'' وہ جو زیادہ دودھ والی چائے پینے کی عادی تھی ایسی چائے دیکھ کر اس کا تو دل ہی باہر کو آنے لگا۔

''صاحب ایسی ہی چائے پیتے ہیں۔'' وہ ٹرے لے کر چل دیا۔

''یہ کچن آفس کے استعمال میں ہے۔'' وہ یونہی پوچھنے لگی۔

''جی مگر صرف خاص مہمانوں اور صاحب کی تواضع کے لئے ہے بس...... باقی تو کیفے بھی ہے اور ریسٹورنٹ بھی۔'' اس نے پوری بات اسے سمجھا دی۔ جواباً وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

☆======☆======☆

واپسی پر بھی انیق یزدانی وہاں آ گیا اور اس نے گیتی کو ڈراپ کرنے کی آفر کر دی۔ وہ اس پر وہ نہال ہی ہو گئی۔

''خالد! آج تو میں نے یہ ڈیوٹی انجام دے دی ہے کل سے......'' وہ خالد خان سے شاید مذاق کر رہا تھا۔

''جناب! کل سے کمپنی کی گاڑی انہیں پک اینڈ ڈراپ کرے گی۔'' اس نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''او کے بائے۔''

''بائے......'' وہ بائے کہہ کر باہر گاڑی کی طرف آ گیا۔ گیتی اس کے ہم قدم ہونے کی بہت کوشش کر رہی تھی مگر وہ بہت تیز قدم اٹھاتا تھا۔ دونوں کے درمیان خاصا فاصلہ رہ جایا کرتا تھا۔

کچھ آج اس نے ہیل بھی اونچی پہنی ہوئی تھی۔ وہ بمشکل ہی اس تک پہنچ پائی۔

''چلیں......'' جب وہ فرنٹ سیٹ پر اس کے برابر بیٹھ گئی۔ تو وہ مسکرایا...... تیز تیز چلنے کی وجہ سے اس کا سانس پھول گیا تھا وہ جواب دینے کی بجائے مسکرا کر رہ گئی۔

''کیسا گزرا آفس میں پہلا دن۔''

کچھ دیر کے بعد وہ مخاطب ہوا۔

''بس بہتر تھا......'' اب اس کا سانس بحال ہو چکا تھا۔

''اچھا کیوں نہ تھا......؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''شاید میں اس ماحول کی عادی نہیں اس لئے......'' اس نے کہہ ہی دیا۔

''تو کیا ہوا عادت ہو جائے گی۔'' وہ بہت نارمل تھا۔

''ہاں کرنی پڑے گی۔'' اب وہ بڑبڑائی تھی۔

''کر لینی چاہیے۔'' وہ بھی حاضر جواب تھا۔

''انیق صاحب۔'' اس نے کچھ کہنے کے لئے زبان کھولی۔

''جی صاحبہ۔'' اس نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔ بلکہ اس کی نقل اتاری۔ اور پھر کہنے لگا۔

''میرا نام انیق یزدانی ہے۔ ویسے انیق ہی کافی ہے۔ اب کہو کیا بات ہے؟''

''جی کچھ نہیں......'' وہ شرمندہ ہو چکی تھی اس لئے بات آگے نہ بڑھائی۔

''خیر کچھ تو کہنا چاہتی ہو۔ کہہ دو تو اچھا ہے۔ لفظوں کو اپنے اندر نہیں دبایا کرتے ورنہ وہ اندر حبس پیدا کر دیتے ہیں۔'' وہ کتنی خوبصورت بات کہہ گیا تھا گیتی اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

''انیق! آپ کے پاس کوئی جگہ نہیں ہے میرے لئے...... مجھے وہاں ایڈجسٹ کر لیتے؟'' آخر اس نے کہہ ہی دیا۔

''میرے پاس تو تمہارے لئے بہت جگہ ہے مگر فی الحال میرے آفس میں ایسی گنجائش

نہیں ہے۔'' وہ پھر ذو معنی بات کہہ کر اسے خوش فہم کر گیا۔

''اور پھر یہ بھی تو میرا ہی آفس ہے خالد کے ساتھ میرا شیئر ہے اس کمپنی میں...... لہٰذا دل لگا کر یہاں کام کرو۔ وعدہ رہا کہ جب بھی میرے آفس میں کسی بھی لڑکی کے لئے کوئی جگہ بنی وہ پہلی لڑکی تم ہی ہوگی۔''

اس نے ہلکی سی چپت اس کے سر پر لگائی۔ جس پر وہ خود کو ہواؤں میں اُڑتا محسوس کر رہی تھی۔

☆======☆======☆

گھر آ کر شام کو وہ طوبیٰ کی طرف چلی گئی۔ گھر میں اس نے ایڈوانس کی رقم اماں کو پکڑا دی جسے انہوں نے خالد خان کو ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے لے لیا۔ طوبیٰ کے ساتھ اس کی دوستی اور محبت ایسی ہی تھی کہ وہ جب تک ذرا ذرا سی بات اسے نہ بتاتی اس کا پیٹ ہلکا نہ ہوتا تھا۔

''آنٹی جی! السلام علیکم!'' لیونگ روم میں بیٹھی سعدیہ بیگم کو سلام کر کے وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''وعلیکم السلام...... جیتی رہو۔'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑی سورۃ یٰسین کو عقیدت سے بند کیا۔

''آفس جانے لگیں بیٹا؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''جی آنٹی......'' وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

''چلو خدا مشکلیں آسان کرے...... اب کیسے ہیں تمہارے ابا؟''

''اب تو کچھ بہتر ہیں۔''

''بیٹا اب اگر خدا نے تم پر یہ ذمہ داری ڈال دی ہے تو اسے بیٹا بن کر ہی نبھانا۔'' وہ اسے سمجھانے لگیں۔

''جی کوشش یہی ہے۔'' وہ باتیں کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی جس سے سعدیہ بیگم جان گئیں کہ کسے دیکھ رہی ہے۔

''طوبیٰ اپنے کمرے میں ہے۔''

وہ طوبیٰ کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ باتھ روم میں تھی۔

''طوبیٰ...... طوبیٰ اے طوبیٰ۔'' وہ زور زور سے باتھ روم کا دروازہ پیٹنے لگی۔ ''جلدی نکلو۔'' وہ بے صبری ہو رہی تھی۔ دروازہ پیٹ کر طوبیٰ کی ریک سے کیسٹیں دیکھنے لگی۔ نصرت فتح علی کی ایک کیسٹ نکال کر اس نے ٹیپ ریکارڈ میں لگا دی۔

سن چرخے دی مٹھی مٹھی کوک
ماہیا مینوں یاد آؤندا
میرے دل وچ اٹھ دی اے ہوک
ماہیا مینوں یاد آؤندا

وہ ساتھ ساتھ گنگنانے لگی...... ویسے اس کی اپنی آواز بھی بہت اچھی تھی۔

''خیریت...... خیریت...... کیا ہو گیا آتے ہی۔'' طوبیٰ نہا کر نکلی تھی بڑے لئے سے اپنے بال خشک کرنے لگی۔

''خیریت کہاں طوبیٰ!'' اس نے طوبیٰ کو کندھوں سے پکڑ کر گھما ڈالا۔

''وہ تو مجھے لگ رہا ہے کہ خیریت نہیں ہے۔'' وہ کرسی کا سہارا نہ لیتی تو گر جاتی۔

''تم کچھ بھی کہہ لو مگر میں واقعی ہوش میں نہیں ہوں۔'' وہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹ گئی اور کشن اٹھا کر اپنی کہنیاں اس پر ٹکا دیں۔

''ہوش سے بیگانہ رہنا راستے سے بھٹکا دیا کرتا ہے۔'' وہ پہلے ہی گیتی کی طرف سے پریشان تھی اس کی ایسی حالت دیکھ کر اور فکر مند ہو گئی۔

''تمہیں پتا ہے آج میں کس کے ساتھ گئی تھی۔'' وہ آنکھیں موند کے اس کے تصور میں کھو گئی۔

''پتا ہے۔'' اس کا موڈ آف ہو گیا۔''

''تمہیں...... تمہیں کیسے پتا......'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''میں نے تمہیں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔'' اس نے صاف بتا دیا۔

''اچھا......'' وہ حیران ہو گئی۔ ''طوبیٰ...... مجھے لگتا ہے وہ بھی اب مجھ میں انٹرسٹڈ ہے۔'' وہ اپنی خوش فہمیوں کو بیان کرنے لگی۔

''صرف انٹرسٹڈ...... وہ تم سے محبت نہیں کرتا نہ کرے گا کبھی۔'' طوبیٰ سچ کہنے سے کبھی نہ چُوکتی تھی۔

''یہی انٹرسٹ تو محبت کی ابتدا ہوا کرتا ہے۔ اور تم کیسے کہہ رہی ہو کہ وہ مجھ سے محبت نہ کرے گا۔'' اس کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

''اس لئے کہ وہ محبت کرنے والی ذات ہی نہیں رکھتا۔''

''اچھا بکو مت......'' اس کا غصہ فوراً ہی ختم بھی ہو گیا۔

"چلو تم بھی یہ فضول بکواس بند کرو اور بتاؤ تمہارا آفس کیسا ہے اور کیا کام کر وہاں؟" وہ اصل بات پوچھنے لگی۔

"وہ تو اس قدر شاندار ہے کہ کیا بتاؤں۔" خان ایڈورٹائزنگ اینڈ ٹیلی پروڈکشنز نام سنا ہے۔" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

"ہاں ٹی وی پر اکثر ان کی پرائیویٹ پروڈکشن کی سیریل آتی رہتی ہیں۔" طوبیٰ ذہن پر زور دیتے ہوئے کچھ یاد کیا۔

"وہی...... وہی تو ہے خالد خان اور انیق یزدانی کا پروڈکشن سینٹر۔" وہ خوشی سے بجاتے ہوئے بولی۔

وہ اسے اپنا آنکھوں دیکھا حال بتانے لگی۔ آفس اس کے اسٹوڈیوز...... ریسٹورنٹ، کچن، کار پارکنگ اور بڑے بڑے لان...... اس نے ایک ایک چیز کی تفصیل یوں بتائی جیسے طوبیٰ نے اس کا حدود اربعہ لکھنا ہو۔

"اور وہاں کے لوگ اور کام۔" طوبیٰ کے لہجے میں طنز تھا۔

"لوگ......!" اب گیتی ذرا اٹک گئی اس کے ذہن میں خالد خان کی وہ سرخ آنکھیں جاگ اٹھیں۔

"ہاں لوگ...... اور کام۔" اس نے دوبارہ اپنی بات پر زور دیا۔

"لوگوں کا کیا ہے جب میں اچھی رہوں گی تو سب اچھے رہیں گے۔" وہ بات ٹا گئی۔

"یہی تو تمہاری نادانی اور غلط سوچ ہے پگلی......" وہ اسے پیار کرنے لگی۔ "تم اکیلی ذات کے اچھے ہونے سے کچھ نہیں بنے گا اگر وہاں باقی لوگ اچھے نہ ہوئے تو...... سمندر میں تنکے کا کیا بنتا ہے۔ دیکھو میری بات کو غور سے سنو اور سمجھو گیتی! تم بہت ہو...... اور یہ زمانہ بہت شاطر...... یہاں پر ایک معصوم اور خوبصورت لڑکی جو مجبور بھی ہو لوگ اپنی گندی سوچ اور گندی نظروں سے بہت جلد بے بس کر لیتے ہیں۔ اور یہ مرد انسان بھی نہیں ہوتا اسے فرشتہ سمجھنا تو سراسر حماقت ہے۔" وہ پیار سے اس کے بالوں انگلیاں پھیرتی اسے سمجھا رہی تھی۔

"ماحول کا بہت اثر ہوتا ہے میری جان...... اور پھر عورت...... یہ تو ململ کا سفید ہوتی ہے۔ اس پر پڑی ہر رنگ کی چھینٹ فوراً نظر آجاتی ہے اور یہ ذرا سا کہیں اٹک سمجھو تار تار......!"

"طوبیٰ! میں کیا کروں میرا جاب کرنا بہت ضروری ہے۔" وہ اس کی بات تو سمجھ رہی تھی ر مجبور بھی تو تھی۔

"تم سے کہا تھا ناں نویرہ آپا نے کہ بابا جان تمہارے لئے آرمی سکول میں ٹیچنگ کا دوبست کر دیں گے۔" وہ خوش ہو گئی کہ گیتی اس کی بات مان لے گی۔

"مگر جو تنخواہ وہاں ملتی ہے؟" وہ آج ملنے والے ایڈوانس اور اپنی ماہانہ تنخواہ اور مراعات کا مقابلہ سکول کی معمولی تنخواہ سے کرنے لگی۔

"وہ اتنی عزت والی اور برکت والی ہوگی کہ تمہاری ضرورت پوری کر دے گی۔"

"نہیں طوبیٰ...... مجھے اپنی ضرورت کے لئے نہیں پورے گھر کو چلانے کے لئے کام کرنا ہے۔" وہ پھر زیادہ روپوں کا سوچنے لگی۔

"اچھا تم چھوڑو...... ان باتوں کو...... میں تمہیں بتاتی ہوں وہاں پر ایک مشہور ماڈل گرل سے آج میری دوستی ہو گئی۔" پھر وہ اسے ندا سے اپنی بات چیت اور اس کے فوٹو سیشن کے متعلق بتانے لگی اور طوبیٰ اسے لاکھ سمجھانے کی کوشش کرتی رہی اور وہ اس کی ہر بات کو ہنسی میں ٹالتی رہی۔

☆======☆======☆

نویرہ آپا کا ویزا آ گیا تھا اور وہ اپنے پیا کے گھر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ گھر میں اداسی اور خوشی کی ملی جلی کیفیت تھی۔ جہاں سعدیہ بیگم اور کرنل صاحب اپنی بیٹی کے اپنے گھر جانے پر خوش تھے وہیں ان کا دل بے حد اداس بھی تھا۔ دراصل نویرہ اتنی پیاری اور اچھی طبیعت کی مالک تھیں کہ ہر ایک ان سے بے حد محبت کرتا تھا۔

ان کے جانے میں صرف پندرہ روز باقی تھے۔ اور آج کل وہ طوبیٰ کے ساتھ شاپنگ میں مصروف تھیں اپنے شوہر کے لئے شلوار قمیص سلنے دی تھی۔ دیور کے لئے کڑھائی والے کرتے خریدنے تھے اور ساس کے لئے دوپٹے اور مختلف پرنٹ کے کپڑے لے کر ان کے سوٹ خود سی رہی تھیں۔ آج کل تو روز بازار کا ایک چکر لگ جاتا تھا۔ آج بھی وہ صبح سے طوبیٰ کے کہنے پر اپنے لئے کچھ گرم کپڑے خرید رہی تھیں کیونکہ وہاں تو سردی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ وہ لوگ شاپنگ کرنے کے بعد چاندنی چوک پر کچھ چھوٹی موٹی خریداری کے لئے آئی تھیں۔ تبھی ایک لیڈیز بوتیک پر انہیں گیتی نظر آ گئی۔

"آپا!" طوبیٰ نے نویرہ کو ٹھوکا دے کر اِدھر متوجہ کیا۔ وہ بھی اُدھر دیکھنے لگیں جدھر طوبیٰ کی نظر تھی۔

"گیتی۔" وہ اس کے اِرد گرد دیکھ رہی تھی کہ وہ کس کے ساتھ یہاں آئی ہے۔

"ارے ہاں یہ تو گیتی ہے۔" وہ بھی اسے وہاں تنہا دیکھ کر حیران ہو گئیں۔ اس کے میں بہت سے شاپنگ بیگ تھے لگتا تھا اس نے کافی شاپنگ کر لی ہے۔

"یہ کس کے ساتھ ہے؟" نویرہ نے بھی وہی سوال کیا جو طوبیٰ سوچ رہی تھی۔ مگر انہیں اپنے سوال کا جواب بھی مل گیا کیونکہ ساتھ والی شاپ سے نکل کر خالد خان اور یزدانی اس کی طرف آئے تھے۔ گیتی انہیں دیکھ کر کھل گئی تھی۔ طوبیٰ نے نوٹ کیا اس کی کا مرکز انیق ہی تھا جبکہ خالد خان کی گھورتی ہوئی آنکھیں گیتی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں

"یہ ان دونوں کے ساتھ......" بے اختیار ہی نویرہ کے لبوں سے نکل گیا۔

"آپا! گیتی نے اپنے راستے بدل لئے ہیں۔" اس کے لہجے میں صاف رنج تھا۔

"آج میں اسے سمجھاؤں گی۔" وہ پھر بھی پُر امید تھیں کہ گیتی نادان ضرور ہے مگر سمجھانے پر سمجھ جائے گی۔

"نہیں آپا کوشش بے کار ہے۔" اس نے نویرہ کا ہاتھ تھام لیا جو شاید گیتی کی طرف بڑھنے کا سوچ رہی تھیں۔

پھر وہ انیق اور خالد خان کے ساتھ چلتی ہوئی پجیرو تک گئی تھی آج گاڑی ڈرائیور تھا۔ وہ تینوں ایک ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر طوبیٰ کا خون اور بھی اُبال کھا کہ گیتی درمیان میں بیٹھی تھی جبکہ اس کے دائیں بائیں وہ دونوں تھے۔ اسے لگا جیسے گیتی بڑے خون خوار بھیڑیوں کے چنگل میں ہو اور جسے وہ چاہتے ہوئے بھی نہ بچا سکتی تھی۔

☆======☆======☆

آج نویرہ نے سمیر کے کہنے پر چکن سجی بنائی تھی اور ساتھ میں بریانی اور میٹھے میں نے ایگ پڈنگ بنالی تھی۔ سمیر بے حد خوش تھا۔ کل شام کو اسے واپس حسن ابدال جانا تھا اب اسے نویرہ کو خدا حافظ کہنے صرف چند گھنٹوں کے لئے اس روز آنا تھا جس روز نویرہ کی فلائٹ تھی۔ آج اس کی طبیعت بڑی ہشاش بشاش تھی وہ بار بار اپنی بہنوں کے قصیدے تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کچن میں آتا اور کہتا۔

"واہ آپا! کیا خوشبو ہے۔" جواباً طوبیٰ پکانے کا چمچہ اٹھا کر اسے دکھاتی اور کہتی۔ لذت ہے۔"

"اچھا اچھا بس زیادہ اتراؤ مت...... ایگ پڈنگ بنانی آ گئی تو ہر وقت رعب رہتی ہو۔"

وہ آ کر لڑاکا عورتوں کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"اچھا پتا چلے گا بچو۔"

طوبیٰ برا منا گئی۔

"جب آپا پیا دیس سدھار جائیں گی تو میرے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے ہی کھاؤ گے۔ تب پوچھوں گی۔"

"تب تو مجبوری ہو گی۔" وہ بھلا ہار ماننے والا تھا۔

"میں ابھی پڈنگ میں نمک ڈال دوں گی۔" وہ تڑی دینے پر اتر آئی۔ اور نمک کا ڈبہ اٹھا لیا۔

"نہ...... نہ...... میری اچھی بہن۔" اس نے لپک کر اس کے ہاتھ سے نمک کا ڈبہ لے لیا۔

"یہ غضب نہ کرنا تم تو بہت بڑی کک ہو۔ تم جیسے کھانے تو کوئی بنا ہی نہیں سکتا۔" وہ جھوٹ موٹ بہن کی تعریفیں کرنے لگا جس پر نویرہ کے ساتھ ساتھ طوبیٰ کو بھی ہنسی آ گئی۔

"طوبیٰ...... طوبیٰ۔" تانیہ اسے آوازیں دیتی کچن میں آ گئی۔

"کیا آفت آن پڑی کیوں چلا رہی ہو۔" اب طوبیٰ کو چھوڑ کر وہ تانیہ کے سر ہو گیا۔

"لیکن آفت کو کیا آفت آئے گی بھلا۔ کیوں آپا۔" وہ نویرہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تانیہ کو دیکھنے لگا اس نے پہلے تو کمر پر ہاتھ رکھے گھور کر سمیر کو دیکھا پھر طوبیٰ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تمہارا فون ہے۔"

"کس کا ہے؟" طوبیٰ نے ایپرن کھولتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں تمہاری کوئی فرینڈ ہے نام نہیں بتایا۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے آفت......" طوبیٰ کو پیغام دے کر وہ سمیر کی طرف بڑھی۔

"نہیں...... نہیں تمہیں سننے میں غلطی ہوئی ہے میں آفت نہیں شرافت کہہ رہا تھا بلکہ لیاقت کہہ رہا تھا کہ واہ کس قدر لیاقت ہے ہماری تانو میں۔" وہ بات بدل گیا اور اس سے ڈرتا ہوا نویرہ کے پیچھے چھپ گیا۔

طوبیٰ بھائی کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھتی ہنستی ہوئی اندر ٹیلی فون کی طرف آ گئی۔

"ہیلو۔" وہ وہیں فون کے ساتھ رکھی آرام کرسی پر بیٹھ کر جھولنے لگی۔ دوسری طرف

اک اجنبی آواز تھی۔ ''جی آپ کون۔'' وہ پہچان نہ پائی۔

''میں آپ کی دوست ہوں۔'' جواب ملا۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر آپ اپنا نام بتا دیں تو مجھے پہچاننے میں آسانی ہوگی۔''

''آپ میرے نام کو چھوڑیں آپ بتائیں آپ تو طوبیٰ ہی ہیں نا؟''

''عجیب لڑکی ہے۔'' طوبیٰ اس کی بات سن کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''جی میں طوبیٰ ہوں...... کہیں۔''

''اجی ہم نے کیا کہنا ہے کہنے والے بے تاب ہیں انہی سے سنیں۔'' اس نے بڑے فضول انداز میں کہہ کر ریسیور کسی اور کے ہاتھ میں دے دیا۔

''ہیلو طوبیٰ...... کیسی ہیں آپ۔''

اب کی بار آواز بھاری اور مردانہ تھی طوبیٰ کی جان نکل گئی۔ ''کک...... کون۔'' اس سے بولا نا جا رہا تھا۔

''پلیز طوبیٰ میری بات سنے بغیر فون بند مت کرنا۔'' وہ درخواست کر رہا تھا۔

''میں انیق بول رہا ہوں...... انیق یزدانی۔''

''انیق یزدانی......'' یہ سن کر تو طوبیٰ کے ہاتھ سے ریسیور گرتے گرتے بچا مگر وہ ذرا سخت اور سنجیدہ لہجے میں بولی۔ ''جی کہیے آپ نے مجھے کیوں فون کیا؟''

''بات کرنے کے لئے۔'' وہ بے تکلف ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

''مگر میں اس طرح کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔'' اس نے فون بند کرنا چاہا مگر وہ کہہ رہا تھا۔

''فون بند مت کرنا...... تم ایک بار فون بند کرو گی تو میں دس بار مزید کروں گا...... میری صرف ایک بات سنو۔'' انداز میں کچھ سختی تھی اور کچھ دھمکی۔ اسے مجبوراً سننا پڑا۔

''مس طوبیٰ...... میں ایسا مرد نہیں جس کی بات سننے سے کوئی لڑکی انکار کر دے۔'' انداز میں زعم تھا...... غرور تھا۔

''اور میں بھی ایسی لڑکی نہیں جو کسی فضول آدمی کی بات سننے پر مجبور ہو جاؤں۔'' جواب میں مضبوطی اور ذات کا اعتماد تھا۔

''فضول آدمی نہیں ہوں میں۔'' اسے غصہ آ گیا۔

''نہیں ہیں تو آئندہ مجھے فون مت کریں۔'' اس نے کھٹ سے فون بند کر دیا۔

وہ غم و غصے سے لرز رہی تھی۔ فوراً ہی دوبارہ فون کی گھنٹی بج گئی۔ تیسری بیل پر اس نے

ریسیور اٹھا لیا اب وہ کانپ رہی تھی۔ خوف سے نہیں غصے سے......

''آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ فضول آدمی ہی ہیں۔'' وہ تقریباً چیخ کر بولی۔

''دیکھیں...... دیکھیں طوبیٰ! آپ غلط سمجھ رہی ہیں پلیز مجھے غلط نہ سمجھیں۔'' وہ ایک دم ہی نرم ہو گیا اور منت کرنے لگا کہ ایک بار میری بات سن لیں۔

''کہیں مگر آخری وارننگ ہے کہ میں دوبارہ کچھ نہ سنوں گی۔''

''طوبیٰ...... میں بہت بے بس ہو کر یہ فون کر رہا ہوں۔'' وہ رونے لگا۔

''کس نے بے بس کیا ہے آپ کو......'' وہ بدستور سخت ہی تھی۔

''آپ نے...... اور کس نے......''

''دیکھیں آپ پھر فضول باتیں کر رہے ہیں۔'' اس نے دوبارہ اسے تاؤ دلا دیا۔

''یہ بات فضول نہیں...... بلکہ سچ ہے۔ ایک حقیقت ہے اتنی بڑی حقیقت جس کا مجھے اقرار کرنا پڑ رہا تھا۔ طوبیٰ! میری پوری بات سنے بغیر فون مت بند کرنا۔'' وہ تو لگتا تھا کہ جنونی ہو رہا ہے۔

''انیق صاحب! آپ نے غلط لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں کہ آپ کا حالِ دل سنوں۔'' اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اسے کھری کھری سنا دے اور وہ سنا بھی رہی تھی۔

''غلط نہیں...... بالکل درست لڑکی...... آپ ہی تو وہ لڑکی ہیں جو میرے خواب کے آئینے میں عکس بن کر اترتی ہیں۔ جس نے میرا اقرار...... میری نیندیں لوٹ لی ہیں۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے...... میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اب نہیں رہ سکتا۔'' وہ جذباتی ہو گیا۔ طوبیٰ کو لگا جیسے کسی نے اس کے دماغ پر مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگا دی ہو۔

''شٹ اپ......'' اس نے زور سے فون بند کیا اور اپنا سر پکڑ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی اس کا سر چیخ رہا تھا۔

''یہ...... یہ فضول آدمی...... اسے ہمت کیسے ہوئی مجھے یہ سب کہنے کی۔ میں تو اسے شوٹ کر دوں گی۔'' وہ بے بس ہو رہی تھی۔ باتھ روم میں آ کر اس نے زور سے دروازہ بند کیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆======☆======☆

اگلے چار پانچ روز میں اس کی عجیب حالت رہی۔ ذرا فون کی بیل بجتی وہ خوفزدہ ہو جاتی۔ کوئی اس کا نام پکارتا تو وہ چونک جاتی کہ شاید اس کے لئے کوئی فون نہ ہو۔

"کیا بات ہے چندا! تم کچھ پریشان ہو؟" وہ سہمی سی اپنے کمرے میں بیٹھی تھی جب نوریہ آپا آ کر اسے پوچھنے لگیں۔

"نن...... نہیں تو آپا" اس نے اپنی کیفیت کو چھپانا چاہا۔

"نہیں کیوں نہیں...... دیکھو چہرے پر کیسی زردی چھائی ہوئی ہے۔" وہ پاس بیٹھ کر اس کے بالوں کو سنوارنے لگیں۔

"بس ذرا سر میں درد ہے دو تین روز سے۔" وہ اپنی آپا کو پریشان نہ کرنا چاہتی تھی اس لئے بہانہ بنا دیا۔

"تو بتایا کیوں نہیں...... کوئی دوا لے لیتیں۔" وہ الٹا اسے ڈانٹنے لگی۔

"ایسے ہی...... یہ کوئی بات ہے بھلا۔"

وہ اس کی نقل اتارنے لگیں۔

"میں ابھی لا کر تیل لگاتی ہوں تمہارے سر میں...... دیکھو کیسے خشک ہو رہے ہیں بال...... سر میں درد نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔" وہ طوبیٰ کے منع کرنے کے باوجود اٹھ کر تیل لینے چلی گئیں...... کچھ ہی دیر میں وہ ایک کپ گرما گرم چائے کے ساتھ سر درد کی ایک گولی اور ناریل کا تیل سب کچھ لے آئی تھیں۔

"پہلے یہ کھاؤ۔" انہوں نے سر درد کی گولی اس کے سامنے کر دی جسے طوبیٰ کو مجبوراً کھانا پڑا۔ پھر انہوں نے اسے بچوں کی طرح چائے پلائی۔

سر میں تیل لگاتے ہوئے وہ جیسے جیسے اپنی نرم انگلیاں چلا رہی تھیں ویسے ہی طوبیٰ کے دل کی سطح بلند ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کہ پانی آنکھوں کے کناروں سے باہر آ ہی گیا۔

"آپا؟" ان کے دونوں ہاتھ تھام کے اس نے اپنی آنکھوں سے لگا لئے۔

"یہ کیا؟" وہ اپنے ہاتھوں پر اس کے ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤں کو دیکھ کر گھبرا گئیں۔

"جب کسی ایسی بات کو دل میں بند کر دیا جائے جو چھپانے کی نہ ہو تو وہ بھی درد بن جاتی ہے اکثر...... اور درد کے ہونے پر آنسو تو نکلتے ہی ہیں۔" انہوں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

جہاں بہت کچھ تھا جو ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"چلو اب کہہ دو کیا بات ہے۔ جس نے تمہیں اتنا پریشان کیا ہوا ہے؟"

وہ جان گئی تھیں کہ طوبیٰ کچھ کہنا بھی چاہتی ہے اور چھپانا بھی ایسے میں کہہ دینا بہتر ہے چھپا لینے سے...... ویسے بھی وہ ایک دوسرے کی ایسی دوست تھیں جیسے آئینہ...... ایک

دوسرے سے کچھ چھپا ہی نہ سکتی تھیں۔ وہ تو ایک دوسرے کی ہم راز بھی تھیں اور ہمزاد بھی...... جیسی دوستی ان کی آپس میں تھی ویسی مثال ذرا مشکل ہی سے ملا کرتی تھی۔ تبھی تو آج تک انہیں گھر سے باہر دوست تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ اس نے نوریہ سے وہ سب کہہ دیا جو اس کے دل و دماغ کو کسی تیز دھار خنجر کے طرح کھرچ رہا تھا پچھلے پانچ روز سے......

"آپا! میں کیا کروں۔" وہ سسکیاں لے کر رو رہی تھی۔

"اس میں رونے کی کیا بات ہے؟" وہ اسے تسلی دے رہی تھیں حالانکہ ان کا اپنا دل یہ بات سن کر بے حد پریشان ہو گیا تھا۔

☆======☆======☆

نوریہ کو پہلے تو اپنے جانے کی بہت خوشی ہو رہی تھی اور کہاں اب انہیں کچھ اچھا نہ لگ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ کس طرح ان کے جانے کی تاریخ کچھ روز اور آگے ہو جائے۔ وہ بے حد پریشان تھیں مگر اپنی پریشانی کو طوبیٰ پر ظاہر نہیں کر رہی تھیں۔ طوبیٰ کا دل خود ہر وقت سُولی پر لٹکا رہتا تھا۔ اب تو ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی اور اس کے بدن سے جان نکلنے لگتی۔ وہ اگر کہیں فون کے اردگرد بھی ہوتی تو فٹافٹ وہاں سے ہٹ جاتی۔ البتہ نوریہ کوشش کرتیں کہ فون وہی ریسیو کریں۔ دو چار روز تو خیریت سے گزر گئے کوئی بھی غیر معمولی بات نہ ہوئی۔ وہ دونوں کچھ مطمئن ہو گئیں کہ چلو خدا کا شکر ہے بلا ٹلی...... مگر بلا ٹلی کہاں تھی...... وہ تو کسی اور ہی تیاریوں میں مگن تھا۔

وہ عصر کی نماز پڑھ کر ابھی جائے نماز پر ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ مگر وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ تین چار گھنٹیاں بج گئیں مگر وہ مٹی کا بت بنی بیٹھی رہی۔

کرنل صاحب جو ابھی مسجد سے آئے تھے انہوں نے فون کی آواز سنی تو سیدھے اسی طرح آ گئے۔

"ہیلو۔"

"وعلیکم السلام۔"

وہ کسی سے بات کر رہے تھے۔ طوبیٰ نے جلدی سے تسبیح ختم کی اور اٹھ کر جانے لگی۔

"طوبیٰ بیٹے تمہارا فون ہے۔" کرنل صاحب کی آواز پر وہ وہیں رک گئی۔

"طوبیٰ بیٹے۔" انہوں نے دوبارہ پکارا۔

"جی...... جی بابا جان۔"

"فون ہے تمہارا۔" انہوں نے ریسیور کو ٹیلی فون کے اسٹینڈ پر رکھا اور اپنے بیڈر
طرف چل دیئے۔

سینے میں دھڑ دھڑ دل کو سنبھالتی اس نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا۔

"ہیلو......" آواز اس کے گلے میں پھنس رہی تھی۔

"بھئی کہاں غائب ہو آج کل......" دوسری طرف سینا تھی۔ اس کا خون اور بھی
میں جمنے لگا۔

"یہیں پر ہوں۔" وہ بمشکل بولی۔

"تم کہو کیسے فون کیا؟" وہ جان چھڑانا چاہ رہی تھی۔

"بس ایسے ہی تمہارا حال چال پوچھنے کے لئے۔"

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" وہ فون بند کرنا چاہ رہی تھی۔

"سنو! آج کل گھر پر ہی ہو۔" بڑا عجیب سا سوال تھا۔

"اور کہاں جانا تھا؟" اسے غصہ آ گیا۔

"چلو ٹھیک ہے پھر گھر پر ہی رہنا۔" وہ ہنسنے لگی۔ وہ سمجھ نہ پائی کہ آخر یہ سینا ایسی
کیوں کر رہی ہے۔

"نویرہ آپا کب جا رہی ہیں؟" وہ نویرہ کا پوچھنے لگی۔

"اکیس کی فلائٹ ہے ان کی۔" نادانستہ ہی اس کے منہ سے نکل گیا۔

"یعنی صرف چار روز بعد۔" وہ حساب لگا کر بولی۔

"چلو پھر ہم آئیں گے ان سے ملنے؟ اچھا خدا حافظ۔"

فوراً ہی اس نے فون بھی بند کر دیا۔ وہ چاہتی تھی کہہ دے کہ اس کی کوئی ضرورت
ہے مگر کہہ نہ سکی۔

☆======☆======☆

گیتی آرا نے اب مکمل طور پر خالد خان کے آفس میں خود کو ایڈجسٹ کر لیا تھا۔ و
خوش تھی۔ اب وہ خالد خان کے ساتھ رہتی تھی۔ اکثر اس کے ساتھ باہر ڈنر وغیرہ پر چل
تھی۔ ان کی اکثر بزنس پارٹیوں کی ڈیلنگ ہوٹلوں میں ہی ہوا کرتی تھی اور سب سے
بات انیق وہاں پر موجود ہوتا تھا اور اس کی موجودگی میں تو گیتی کا سارا وجود ہی دل
دھڑکتا اور آنکھ بن کر دیکھتا تھا۔ آج بھی کسی انٹرنیشنل پروڈکٹس کمپنی کے ساتھ میٹنگ

"تاج محل" ہوٹل میں بک کرائے جانے والے ایک ہال میں ہو رہی تھی۔ میٹنگ کیا تھی
کمپنی کے کچھ لوگ آ رہے تھے اور ملک کی مشہور ماڈلز بھی مدعو تھیں۔ ماڈل کا انتخاب کمپنی کے
مالک کا اکلوتا بیٹا اپنی مرضی سے کرنا چاہتا تھا۔ دراصل وہ اس شعبے میں بیرون ملک سے خاص
تعلیم حاصل کر کے آیا تھا۔ ماڈلز نے وہاں تھوڑا بہت پرفارم بھی کرنا تھا۔ جس ماڈل کو کمپنی
اوکے کرتی اس کی تو لاٹری نکل آنی تھی کیونکہ یہ کافی بڑا پروجیکٹ تھا اور ڈیڑھ کروڑ کے قریب
معاہدہ ہو جانے پر "خان ایڈورٹائزنگ" کو ملنا تھا۔

خالد خان اور انیق دونوں ہی آج کی اس میٹنگ کے لئے بہت حساس اور سنجیدہ ہو
رہے تھے۔ تمام ماڈلز کو آج تنقیدی نگاہ سے دیکھا جا رہا تھا۔ پارٹی کے ساتھ رات آٹھ بجے کا
وقت طے ہوا تھا اور ابھی سات بجے تھے مگر وہ سب وہاں موجود تھے۔ خالد خان اپنے خاص
انداز میں سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا ہوا سب کو ڈانٹ رہا تھا۔ ابھی ابھی وہ ہوٹل کے منیجر سے
کسی بات پر الجھ کر آیا تھا اور آتے ہی ندا سے ٹکرا گیا۔

"یہ...... یہ تم نے آج کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟" وہ اسے تنقیدی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا مجھے......؟" وہ اک ادا سے بولی۔

"یہ کیا پہنا ہوا ہے تم نے؟" وہ اس کے لباس کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

"تو اور کیا پہنوں سر......؟" وہ بدستور شوخی پر اتری ہوئی تھی۔

"چلو چینج کرو جا کر...... ویسے بھی کوئی چانسز نظر نہیں آتے تمہاری سلیکشن کے۔"

وہ پہلا سگریٹ اپنے پاؤں تلے مسل کر دوسرا سلگانے لگا۔

"کیوں اب مجھے کیا ہو گیا ہے؟" وہ اب تھوڑی فکرمند ہو گئی۔

"فگر دیکھا ہے اپنا۔" وہ عجیب سی گہری نظروں سے اس کے جسم کو دیکھنے لگا...... وہ بھی
اپنا جائزہ لینے لگی۔

"اسے فگر کہتے ہیں۔ یہ بے ڈھب موٹاپے کی طرح مائل بدن۔" وہ تو آج اس کی
اچھی خاصی کلاس لینے پر تلا ہوا تھا۔

"گیتی ادھر آؤ۔" ندا نے سامنے فائل پر جھکی کچھ لکھتی گیتی کو آواز دی۔

"ہوں کیا ہوا؟" وہ اپنے پین سے کھیلنے لگی۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔" اس نے اس کا چہرہ اپنی طرف کیا...... "دیکھو کیا میرا جسم
موٹا اور بھدا ہو گیا ہے۔ میں پُرکشش نہیں ہوں اب؟"

اس کے لہجے میں کچھ غصہ تھا اور غم۔

""نہیں ایسا تو نہیں ہے۔ بس تھوڑی سی صحت اچھی ہوگئی ہے۔ ہماری۔" گیتی آرام سے محبت ہوگئی تھی اس لئے وہ اس کا دل برا نہ کرنا چاہتی تھی ویسے بھی واقعی وہ بہت موٹی ہوئی تھی۔

"خوش فہمی ہوگئی ہے تمہیں۔" خالد خان کا رویہ بدستور اچھا نہ تھا۔

"جانے دو یار۔" انیق جو کب سے ان کی یہ بحث سن رہا تھا مسکراتا ہوا قریب آ گیا

"دیکھیں ناں سر۔" ندا رونے والی ہو رہی تھی۔

"دیکھو۔ دیکھو فگر اسے کہتے ہیں۔" خالد خان جنونی کیفیت میں تھا اس نے اچا ہی گیتی کو کندھوں سے پکڑا اور سر سے پاؤں تک اسے دیکھنے لگا۔ وہ اس صورت حال کے تیار نہ تھی گھبرا گئی۔ خالد خان کی گرفت بڑی سخت تھی اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی انگل لوہے کی سلاخیں ہوں جو اس کے کندھے میں گڑی جا رہی ہوں۔

"دیکھو...... دیکھو سنگِ مرمر جیسا نازک اور تراشا ہوا بدن۔ دیکھنے والے کے ہوش گ دے۔ نیندیں بے چین کر دے۔"

اس کی نرم نرم آنکھوں میں گیتی کو اپنا عکس کانپتا ہوا محسوس ہوا وہ ڈر گئی۔

"سر پلیز۔"

"گیتی تم کیوں ماڈلنگ نہیں کرتیں؟"

اچانک ہی وہ اسے اور زاویہ نگاہ سے دیکھنے لگا۔

"سچ تم تو تہلکہ مچا دو گی شوبز کی دنیا میں۔ تمہیں پتا ہے تم کس قدر حسین اور سمار ہو۔"

اس کی انگلیاں گیتی کے کندھوں سے سرک کر اس کی گردن پر سرسرانے لگیں اور گرم سانسیں گالوں کے قریب آ گئیں۔

"سر پلیز۔" اس نے زبردستی خود کو چھڑایا اور بھاگ کر دوبارہ جا کر اپنی کرسی پر بیٹھ گ اس کا جسم کانپ رہا تھا اور پیشانی پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔

"آہ...... اب گیتی تہلکہ مچائے گی شوبز کی دنیا میں۔" ندا قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔

"بالکل ایسے ایک دن ندا نے بھی یہ الفاظ سنے تھے۔ جواب موٹی بھدی ہوگئی ہے۔"

وہ پھر ہنسنے لگی اور ہنستے ہنستے خالد خان کے قریب آ گئی۔

"یہ شوبز کی دنیا...... ماڈلنگ اور فلم کی دنیا یہاں تو صرف اسمارٹ جسم چلتے ہیں جس چہرے چلتے ہیں اور عورت، کا دل' عورت کا عورت پن۔ کھوٹا سکہ۔" وہ ہنستے ہنستے رو پڑی

"یہاں جسم اور چہرے ہی کارآمد ہیں باقی سب بے کار ہے۔ فضول ہیں۔ پرانے لباس ہیں۔"

"ندا...... ندا...... کیا ہوگیا تمہیں۔" انیق اسے سمجھانے لگا۔

"اس کی عادتوں سے تم واقف نہیں ہو کیا؟ غصہ اتارتا ہے یہ اسی طرح۔ پاگل ہے۔" وہ خالد خان کو سرزنش کر رہا تھا۔

"غصے اور تذلیل میں فرق ہوتا ہے سر۔" وہ موٹے موٹے آنسو گرا رہی تھی۔

"اچھا بس تم فریش ہو جاؤ اور جاؤ جا کر جلدی سے چینج کرو۔ یہ کچھ مناسب نہیں ہے۔" انیق نے بڑی نرمی سے اسے ٹھنڈا کیا۔ گیتی نے دیکھا وہ اس کے بہت قریب تھی اس کا سر انیق کے کندھے پر تھا اور انیق کا ہاتھ اس کے چہرے پر۔ اسے لگا ایک دم ہی اس کا دل شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا ہو۔ اسے اس وقت ندا اچھی نہ لگی۔ جی چاہا جا کر زبردستی اسے انیق سے الگ کر دے۔

"ہاں ندا دیکھو ناں بس مہمان آنے ہی والے ہیں اور تم۔"

اس نے آ کر ندا کو ہاتھ سے تھاما اور دوسری طرف لے گئی۔ جہاں سے وہ اندر ڈریسنگ روم کی طرف چلی گئی۔ وہ پلٹی تو انیق بالکل اس کے قریب تھا ٹکرا کر وہ اس کے ساتھ جا لگی۔

"سنبھل کے۔" اس نے اسے تھام کر اپنے سامنے کر لیا۔

اب وہ اس کی آنکھوں کے گہرے پانیوں میں ڈوب رہی تھی۔

"ویسے گیتی خالد کہتا تو ٹھیک ہے۔"

اس کی نگاہیں اس کے سینے پر جمی ہوئی تھیں اور سینے میں دھڑ دھڑ کرتا دل باہر آنے کو تھا۔

"تم کیوں نہیں کرتیں ماڈلنگ......"

"میں...... میں...... سر۔" وہ گھبرانے لگی۔

"ہاں تم۔" اس نے اپنی انگلی سے اس کی ٹھوڑی کو اوپر اٹھایا۔ اس کی چلتی نبض ایک پل کو ٹھہر سی گئی۔

"میرے کہنے پر بھی نہیں کرو گی۔" وہ مسکرایا۔

"نہیں سر۔" وہ ہکلائی۔

"کیا کہا نہیں۔" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"میرا مطلب ہے میں اور ماڈلنگ۔" اس نے فوراً وضاحت کرنا چاہتی۔

"چلو جاؤ تم بھی چینج کر کے آؤ۔ آج تمہارا بھی ٹیسٹ ہو جائے۔" اس نے بڑے
سے اسے حکم بھی دیا جسے اس نے پتا نہیں کیسے بغیر کسی مزاحمت کے مان بھی لیا۔

"شارقہ۔" اس نے ایک اور مشہور ماڈل کو آواز دی۔

"یس سر......" وہ فوراً قریب آ گئی۔ یہ نیلی آنکھوں والی بہت حسین لڑکی تھی اور ماڈ
میں ایک نام رکھتی تھی۔

"اسے ذرا چینج کراؤ اور تھوڑا سمجھا بھی دینا۔" اس نے اسے شارقہ کے ساتھ اند
دیا۔

"واہ مان گئے تمہیں۔" خالد خان نے قریب آ کر اس کی پیٹھ تھپکی۔

"بھائی میرے منوانا پڑتا ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا اور پھر دونوں کا مشترکہ ق
ہال میں گونجنے لگا اور لباس تبدیل کر کے واپس آتی ندا کے قدم وہیں جم گئے وہ سمجھ گئی تھ
اب گیتی کی باری ہے۔

☆======☆======☆

"لو یہ ڈریس اور پہلے تم جلدی سے شاور لو پھر چینج کر کے آؤ میں سطوت سے کہتی ہ
وہ تمہیں تیار کر دے گی۔" سطوت ان کی بیوٹیشن تھی جو تمام ماڈلز کے ہیئر اسٹائل بناتی اور م
اپ کیا کرتی تھی۔

"میں یہ لباس پہنوں۔" وہ ہچکچا رہی تھی۔

"پہلی بار اس طرح ہوتا ہے پھر عادی ہو جاؤ گی۔ جاؤ پہنو۔" اس نے مسکرا کر بڑی
معنی سی نظر اس پر ڈالی اور دوسری طرف چلی گئی، کچھ دیر تک تو وہ اس واہیات سے ڈریس
دیکھتی رہی پہنے کہ نہ پہنے......

"میرے کہنے پر بھی نہیں پہنو گی۔" اس کے دل سے انیق کی آواز آئی۔

"بھلا مزاجِ یار میں کچھ ہو اور بیمارِ یار نہ مانے......" اس نے مسکرا کر دوبارہ اس لباس
دیکھا اور باتھ روم میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد شاور لے کر وہ فریش ہو چکی تھی اور ڈریس چینج
کے قدِ آدم آئینے کے سامنے گئی تو اس کی نظریں ایک بار تو حیا سے جھک گئیں۔ اس کا مرمر
بدن چھلک چھلک کر بجلیاں گرا رہا تھا۔ وہ جدید طرز کے ایسے لباس میں تھی جو مہین بھی تھا
چست بھی۔ اس کے بازو بالکل بے حجاب تھے۔ بلاؤز کا گلا گردن سے بہت نیچے تک کھلا
اور اس شارٹ بلاؤز کے ساتھ اس نے بہت چست بیل باٹم پہنا ہوا تھا۔ کمر اور پیٹ پر کو
کپڑا نہ تھا۔ اوپر سے لباس [illegible] جو بعد میں اس نے پہنا وہ بھی سامنے سے سارا کھلا ہوا

ریک جالی دار تھا جو ستر پوشی کرنے کی بجائے مزید ستر کی نمائش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر تو اسے
پنا آپ برا لگا پھر اچھا لگنے لگا۔

☆======☆======☆

سطوت نے اسے ایسا میک اپ کیا اور ایسا ہیئر اسٹائل بنایا کہ خود گیتی کو اپنا آپ پہچاننا
شکل ہو رہا تھا۔

"یہ میں ہوں۔" وہ ٹکر ٹکر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ رہی تھی۔

"تم تو اس سے بھی کہیں زیادہ حسین ہو، بس اپنا خیال رکھا کرو اب ماڈلنگ میں آ جاؤ
ی تو دیکھنا کس طرح نکھرتی ہو۔" سطوت کے ساتھ ساتھ شارقہ نے بھی اس کی تعریف کی۔

وہ ہال میں واپس آئی تو وہ لوگ آ چکے تھے جو ان کے مہمان گرامی تھے......وہ آ کر خالد
ان اور انیق یزدانی کے درمیان والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"قیامت لگ رہی ہو؟" خالد خان نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ مگر وہ تو
نیق یزدانی کے منہ سے کچھ سننا چاہتی تھی۔ انیق کی زبان گو کہ چپ تھی مگر اس کی آنکھیں بول
ہی تھیں کہہ رہی تھیں۔ "یو آر سو پریٹی......گرل (You Are So Pretty Girl)"

بالکل سامنے کی کرسی پر ایک دراز قد سانولی سی رنگت مگر پُرکشش شخصیت کا مالک شخص
بیٹھا تھا۔ یہ ریحان نائیک تھا۔ انٹرنیشنل سطح پر نام رکھنے والے کاسمیٹکس اور ویمن انڈر
گارمنٹس بنانے والی کمپنی کا نوجوان مالک تھا۔

ماڈل گرلز کے انتخاب کا مرحلہ شروع ہوا۔ بہت ساری ماڈلز کے فوٹو گراف دیکھے گئے۔
مووی کیمرہ میں محفوظ ماڈلنگ کے نمونے دیکھے گئے اور وہاں موجود سب سے بات چیت کی
گئی۔ انہوں نے مختلف ڈریس چینج کر کے تھوڑی بہت ماڈلنگ بھی کی۔ شارقہ، تبسم اور گیتی کا
انتخاب ہوا۔ بعد میں ڈنر تھا اور ڈنر کے بعد پینے پلانے کا جو سلسلہ چلا۔ یہ گیتی کے لئے بالکل
غیر متوقع تھا۔ خالد خان پر تو اسے حیرت نہ ہوئی کہ وہ تو لگتا تھا کہ ایسا ہو گا مگر یہ انیق......
انیق یزدانی......اس کا دل بہت ہی برا ہوا۔ اسے تو اس کی بدبو سے ہی ابکائیاں آ رہی تھیں اور
تو اور اس وقت غم کے ساتھ ساتھ اس کی حالت غصے کی بھی ہو گئی۔ جب اس نے ندا کو بھی وہی
حرکت کرتے دیکھا۔

"یہ......یہ ندا بھی۔" وہ پریشانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہاں سب چلتا ہے۔" شارقہ اسے دیکھ کر ہنسنے لگی۔

"مگر۔" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔

"شی...... چپ۔" اس نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"یہ ہائی سوسائٹی ہے۔ یہاں سب جائز ہے۔ سب ہوتا ہے۔" اس نے اس کے کندھے کو معنی خیز انداز میں دبایا۔

"عادی ہو جاؤ گی تم بھی ایک روز۔" وہ اس کی بات سن کر چپ تو ہو گئی مگر اندر سے کا دل ہولے ہولے سسکیاں لے رہا تھا۔ بہت ساری آوازیں اندر سے اٹھ کر اندر [illegible] رہی تھیں۔

"یہ ہے شوبز کی دنیا...... ہائی سوسائٹی کے لوگ......"

☆======☆======☆

نویرہ کے امریکہ جانے میں صرف تین روز رہ گئے تھے۔ گھر میں عجیب سی اداسی چھائی ہوئی تھی۔ سمیر بھی آج دوپہر کو ہی آیا تھا اور دوپہر کا کھانا کھا کر یہ چاروں بہن بھائی جو مل کر بیٹھے تھے تو یہ وقت آ گیا تھا شام کے پانچ بج گئے تھے اور وہ تھے کہ ان کی باتیں ہی ختم [illegible] ہو رہی تھیں۔ سمیر لطیفے سنا سنا کر ماحول کی اداسی کو ختم کر رہا تھا۔

"اٹھو بچو! اب تو باہر نکل آؤ۔" سعدیہ خان عصر کی نماز سے فارغ ہو کر وہیں آ گئیں۔

"آئیں ناں امی جان آپ بھی یہیں بیٹھیں۔"

سمیر نے ماں کو کندھوں سے پکڑ کر وہیں صوفے پر بٹھا لیا۔

"مجھے نہ بٹھاؤ تم لوگ اٹھو۔ کیا نماز نہیں پڑھنی۔" انہوں نے جواباً محبت سے ا[illegible] دھپ بیٹے کی کمر پر لگا دی۔

"اوہ...... جماعت تو نکل گئی۔" اس نے گھڑی کی طرف دیکھا تو فکر مند ہو گیا۔

"سب آپا آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔" وہ نویرہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"آہ...... ہا...... ہا...... ان کی وجہ سے نہیں۔" تانیہ نے ہاتھ نچایا۔

"کیا مطلب...... کیا میں نماز سے جی چراتا ہوں۔" اس نے مصنوعی غصہ دکھایا۔

"نماز سے نہیں باجماعت نماز سے۔" وہ بھی جرح کے موڈ میں تھی۔

"مسجد جو جانا پڑتا ہے۔"

"مسلمان مرد ہوں مسجد جانے سے گھبرانے کی بجائے خوش ہوتا ہوں۔" اس نے [illegible] تان کر کہا۔

"یہ مسلمان تو الحمدللہ ٹھیک ہے مگر یہ مرد......" وہ گھوم کر اس کے دبلے پتلے جسم کو دیکھنے لگی۔

"بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہوں۔ دیکھ لو۔" اس نے بہن کی کلائی پکڑ کر ہلکے سے مروڑی مگر اس کی چیخ نکل گئی۔

"امی جان۔ بچائیں میری کلائی۔"

"اب پتا چلا؟" اس نے ذرا سا مروڑ کر کلائی چھوڑ دی۔

"اوئی...... ہائے...... دیکھیں کیسی سرخ ہو گئی۔ نشان بن گیا۔"

وہ ماں کو اپنی کلائی دکھانے لگی جہاں ہلکی سی سرخی کے سوا کچھ نہ تھا۔

"دیکھنا ذرا فریکچر نہ ہو گئی ہو ہڈی۔" سمیر نے دوبارہ اس کی کلائی تھام لی۔

"امی دیکھیں۔" وہ پھر چیخی۔

"بس کرو سمیر! کیوں تنگ کرتے ہو اسے...... اس کا دل تو پہلے ہی چڑیا جتنا ہے۔"

لوبی نے آگے بڑھ کر دونوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا۔

سعدیہ خاتون جو بچوں کی آپس میں نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھیں بولیں۔

"سمیر بیٹا' نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ پہلے نماز ادا کرو۔"

"جی امی جان......" وہ سعادت مندی سے باہر وضو کے لئے چلا گیا۔

"چلو اب تم لوگ بھی' نماز کو دیر ہو رہی ہے۔" انہوں نے ان تینوں سے بھی کہا اور خود بھی باہر صحن کی طرف چل دیں۔

"جنت بی بی۔"

باہر آ کر انہوں نے اس نئی کام والی کو آواز دی جو چند روز قبل ہی ان کے گھر آئی تھی۔

"جی خالہ جان۔" وہ فوراً سوئی کو دوپٹے میں ٹانک کر باہر آ گئی۔

"جنت بی بی ایسا کرو تم چائے بنا لو۔ بچیاں آج ذرا بھائی کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ نویرہ کے جانے میں دو روز ہی تو رہ گئے ہیں سب مل کر بیٹھے ہیں۔ پھر جانے کب اس کا آنا ہو۔"

بات کرتے کرتے ان کی آنکھیں نم ہو گئیں بیٹی اتنی دور پردیس میں جا رہی تھی ان کا جی سوچ سوچ کر دہلا جا رہا تھا۔

"جی اچھا۔" وہ فوراً کچن کی طرف چلی گئی۔

"یہ بچے کہاں ہیں؟" کرنل صاحب بھی وہیں آ گئے اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولے۔

"نماز پڑھ رہے ہیں' آئیں آپ بیٹھیں۔" انہوں نے اٹھ کر انہیں کرسی پیش کی۔

"نہیں سعدیہ میں تو یہیں بیٹھوں گا۔" وہ کرسی کی بجائے وہیں سعدیہ کے ساتھ چارپائی

پر ہی بیٹھ گئے۔ وہ دونوں نوریہ کے متعلق باتیں کرنے لگے۔

"مجھے تو بہت فکر ہے کرنل صاحب۔"

"کس بات کی فکر؟" حالانکہ اندر سے فکر مند وہ بھی تھے۔

"وہاں اتنی دور جانے کیسا ماحول ہو اور جانے وہاں وہ لوگ اس کے ساتھ کیا کریں؟"

"وہ بہت اچھے اور خاندانی لوگ ہیں پھر خوف کیسا؟ اور پھر اپنی بہو بیٹیوں کے کوئی برا سلوک بھی کرتا ہے۔" وہ بیوی کو سمجھانے لگے۔

سمیر نماز پڑھ کر آ چکا تھا۔ "السلام علیکم بابا جان۔"

"وعلیکم السلام' آج پھر تم مسجد وقت پر نہیں پہنچے؟" وہ بیٹے کو ڈانٹنے لگے۔

"مجھے شرمندگی ہے بابا۔" وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"آئندہ سے خیال رکھا کرو۔" انہوں نے ذرا سختی سے کہا۔

وہ تینوں بھی نماز سے فارغ ہو کر وہیں آ گئی تھیں۔ جنت بی بی چائے کے ساتھ گرم گرم سموسے بھی تل لائی تھی۔ وہ سب چائے اور سموسوں سے لطف اندوز ہونے ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہے تھے۔ جب چوکیدار نے اندر آ کر اطلاع دی۔

"صاحب! وہ مہمان آئے ہیں۔"

"کون؟" کرنل صاحب چائے کا خالی کپ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"صاحب! وہ طوبیٰ بی بی جان کا سہیلی اور ان کے ساتھ کوئی خاتونیں ہیں۔" وہ ہاتھ جوڑے کھڑا بتا رہا تھا۔

"خاتونیں نہیں رحیم بابا خواتین کہتے ہیں۔" سمیر کو اس کی اردو گرائمر پر ہنسی آ گئی۔

"جی وہی۔"

"گیتی ہو گی اور ساتھ آنٹی ہوں گی۔" وہ سموسہ ہاتھ میں لئے ہی چل دی۔

"گیتی بی بی کو ام جانتا نہیں ہے کیا' وہ آپ کا دوسرا سہیلی ہے؟" رحیم خان نے فوراً منا لیا کہ اس کی اطلاع غلط کیسے ہو سکتی ہے۔

"دوسرا نہیں دوسری۔" سمیر نے پھر اسے ٹوکا۔

"کون سی سہیلی۔" وہ پریشان ہو گئی۔

"وہ سابینا بی بی۔" اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

طوبیٰ کا دل دھک سے رہ گیا۔

"ساتھ کون ہے۔" وہ تو ڈر ہی گئی تھی۔ نوریہ کا چہرہ بھی ایک دم بجھ گیا۔

"بٹھایا بھی ہے انہیں یا بولے ہی جاؤ گے۔"

سعدیہ خاتون بھی چارپائی سے پاؤں اتارتے ہوئے بولیں۔

"جی ڈرائنگ روم میں بٹھا کر آیا ہے۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" سمیر نے اسے جانے کو کہا۔

"میں جاتی ہوں طوبیٰ تم کچھ چائے وغیرہ کا دیکھو۔" نوریہ نے طوبیٰ کو آنکھ کے اشارے سے منع کر دیا اور خود ان سے ملنے چل دیں۔

سبینا کے ساتھ اس کی والدہ اور خالہ تھیں۔ دونوں بہت ہی رعب و دبدبے والی مگر ملنسار تھیں۔ وہ نوریہ سے یوں ملیں جیسے برسوں سے جانتی ہوں۔

نوریہ ڈرائنگ روم میں ایک طرف پھلوں اور مٹھائی کے ٹوکرے دیکھ کر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہو گئی تھیں۔ ایک خطرے کا الارم ان کے اندر بول اٹھا تھا۔

"طوبیٰ کہاں ہے۔ میں اسے بلا کر لاتی ہوں۔" وہ طوبیٰ کو بلانے جانے لگی۔

"سبینا وہ طوبیٰ تو گھر پر نہیں ہے۔" نوریہ نے بے ساختہ ہی جھوٹ بول دیا۔

"وہ کہاں گئی۔" وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"وہ ماموں جان کی طرف گئی ہے آج صبح ماموں آئے تھے وہ لے گئے ممانی جان کی طبیعت کچھ ناساز تھی اس لئے......" نوریہ نے ایک اور جھوٹ بولا۔ (ان کے ایک ہی ماموں تھے اور وہ بے اولاد تھے اکثر طوبیٰ کو ماموں لے جاتے تھے وہ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔)

"اچھا......" وہ بجھ سی گئی۔ دونوں خواتین نے بھی مایوس سی نظروں سے سبینا کو دیکھا۔

"تو بیٹا آپ کی والدہ تو گھر پر ہوں گی۔" سبینا کی والدہ نے پوچھا۔

"جی میں انہیں بلاتی ہوں۔" نوریہ جلدی سے ڈرائنگ روم سے باہر آ گئیں۔ رک کر انہوں نے اپنی عرق آلود پیشانی کو دوپٹے کے پلو سے پونچھا۔ دھک دھک کرتے دل کو سنبھالا اور تیز تیز قدموں سے طوبیٰ کے کمرے کی طرف چل دیں۔

"کیا ہوا؟" وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہی تھی انہیں دیکھتے ہی لپکی۔

"طوبیٰ تم باہر مت آنا میں نے کہہ دیا تم گھر پر نہیں ہو......" وہ جلدی جلدی طوبیٰ کو سمجھانے لگیں۔

"کہیں اماں نہ بتا دیں کہ میں گھر پر ہوں۔"

''نہیں میں انہیں سمجھا دوں گی۔'' وہ اسے تسلی دے کر جلدی سے باہر نکل گئیں۔

''یا اللہ خیر۔'' وہ خدا سے خیر کی دعائیں مانگنے لگی۔

سعدیہ خان کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی کہ وہ طوبیٰ کے بارے میں جھوٹ کیوں بول ہے۔

کچھ دیر تو وہ لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں پھر اصل مقصد کی طرف آتے ہ بولیں۔

''مسز عبدالصمد خان! آج تو ہم ایک خاص مقصد سے آپ کے پاس آئے ہ سینا کی والدہ گویا ہوئیں۔

''جی فرمایئے۔'' سعدیہ خان نے نویرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو پریشانی س اپنے ہاتھوں کو مروڑ رہی تھیں۔

''انیق کو تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں۔'' وہ تمہید باندھنے لگیں۔

''جی...... جی بہت اچھا ہے۔'' وہ اب بھی کچھ نہ سمجھی تھیں۔

''اسے دراصل آپ میں اپنی ماں نظر آتی ہے۔'' اب سینا کی خالہ کہنے لگیں۔

''یہ تو اس کی محبت ہے۔'' سعدیہ خان مسکرا دیں۔

''اس کی ماں کو اس دنیا سے گئے پندرہ برس ہو گئے۔ بہت اچھی تھیں ہماری بھابی۔ اپنی مرحومہ بھابی کو یاد کرنے لگیں۔

''جی...... خدا انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے؟'' وہ بیچاری نہایت سادگی ساری گفتگو میں حصہ لے رہی تھیں۔

''بس اب آپ انیق کو اپنا بیٹا بنا لیں۔'' سینا کی والدہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔

''وہ میرے لئے بیٹوں کی طرح ہی ہے۔''

''بیٹوں کی طرح نہیں مسز خان۔ اب تو بیٹا ہی بنانا پڑے گا۔'' وہ بڑے اعتماد مسکراتے ہوئے ان کا گھٹنا پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''آپ کی طوبیٰ کو ہم شہزادی بنا کر لے جائیں گے اور رانی بنا کر رکھیں گے۔'' سینا والدہ ذرا اپنی شان و دولت کا رعب بھی دکھا رہی تھیں۔

''دیکھیے مسز یزدانی...... آپ کی خواہش اپنی جگہ پر ہے مگر یہ معاملات بڑے ہوتے ہیں۔'' اب سعدیہ خان بھی سنجیدہ ہو گئی۔

''ہوتے ہوں گے مگر یہاں آپ کو ذرا برابر فکر یا سوچنے کی ضرورت نہیں۔'' انہیں

زیادہ ہی زعم تھا اپنی بات پر۔

''بیٹیاں ایسی چیز تو ہوتی نہیں کہ بلا سوچے سمجھے یا فکر کیے بیاہ دی جائیں اور پھر طوبیٰ کے بارے میں ابھی ہم نے سوچا ہی نہیں۔''

''تو اب سوچ لیں۔ انیق آپ کا دیکھا ہوا ہے۔ تشریف لایئے۔'' انہوں نے نویرہ کی طرف اک نخوت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی میں بات کروں گی ان کے بابا سے۔'' وہ زبردستی مسکرائیں حالانکہ یہ بات سن کر ان کا دل جانے کیوں وسوسوں میں پڑ گیا تھا۔

''کرنل صاحب کو بھی یہیں بلا لیں ناں ہم خود دامن پھیلا لیتے ہیں۔'' ان کے سامنے وہ بچوں کا کھیل سمجھ کر اپنی ضد منوانے پر اڑی تھیں۔

''کرنل صاحب ...... آپ ضرور مل لیں لیکن یہ بات یوں جھٹ پٹ کرنے کی نہیں ہے۔'' وہ انہیں سمجھانے لگیں۔

''کیوں کیا آپ کو انیق پسند نہیں۔'' اب ان کا انداز ذرا کاٹ دار سا تھا۔

''میں نے یہ کب کہا' وہ بہت اچھا بچہ ہے۔'' وہ حکمتِ عملی سے کام لینے والی خاتون تھیں تحمل سے بولیں۔

''تو آپ طوبیٰ کا رشتہ کہیں اور کرنا چاہتی ہیں۔'' وہ ویسی ہی کھوجتی نظروں اور ٹٹولنے والے انداز میں بات کر رہی تھیں۔

''میں نے کہا ناں کہ طوبیٰ تو ابھی پڑھ رہی ہے ابھی اس کے بارے میں ہم نے کچھ بھی نہیں سوچا۔''

''یہی تو ہم پیغام لے کر آئے ہیں کہ اب آپ طوبیٰ کے بارے میں سوچیں اور انیق ہی کے لئے سوچیں۔ ہمیں بہت خوشی ہو گی۔'' سینا کی والدہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبانے لگیں۔

''جی ضرور اور پھر جو خدا کو بہتر منظور ہوا۔'' انہوں نے ان کی کسی بھی بات کا برا منائے بغیر خوشدلی سے جواب دیا۔

جنت بی بی چائے کی ٹرالی لے آئی تھی۔ نویرہ اور سینا جو اس ساری گفتگو کے دوران چپ بیٹھی تھیں۔ آپس میں باتیں کرنے لگیں۔ نویرہ اس سے رزلٹ کے بارے میں پوچھنے لگیں۔

''دیکھیں آپا کیا ہوتا ہے۔ ہم نے تو پاس ہی ہونا ہے ہو جائیں گے۔ پوزیشن تو طوبیٰ

ہی لے گی۔'' وہ سموسے کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''ان شاء اللہ تعالیٰ۔'' وہ بہن کی ذہانت پر فخر کرنے کے ساتھ ساتھ خدا کی شکرگزار رہتی تھیں۔ سبینا کی والدہ اور خالہ سعدیہ خان سے نویرہ کے سسرال والوں کے متعلق پوچھنے لگیں پھر اِدھر اُدھر کی باتیں بھی ہوئیں مگر جاتے جاتے بھی ان کا اصرار یہی تھا۔

''بس آپ کرنل صاحب سے مشورہ کرنے میں دیر نہ کیجیے گا...... طوبیٰ کو اپنے چاند بنانے کی ہمیں بہت جلدی ہے۔''

''اور ہم سے زیادہ انیق کو۔'' سبینا نے نویرہ کے کان میں سرگوشی کی۔

''سچ آپا انیق کا تو اس روز سے برا حال ہے۔ جس روز سے اس نے طوبیٰ کو دیکھا دیوانہ ہو گیا ہے بالکل۔''

وہ تو اپنے طور پر نویرہ کو بڑی راز والی باتیں بتا رہی تھی جن پر اس کے خیال میں خوش ہونا چاہیے تھا مگر وہ اندر سے کیسے تاؤ کھا رہی تھیں اس کا اندازہ اسے نہ تھا۔

''پھر ہم دوبارہ کب آئیں؟'' انہوں نے سعدیہ خان کی طرف پُر امید اور پُر انداز سے دیکھا۔

''جی میں کرنل صاحب سے بات تو کر لوں۔'' وہ ان کی جلد بازی اور زبردستی پر گئیں۔

''ہم آپ کے جواب کا انتظار بے تابی سے کریں گے۔''

''جواب کا کیوں' آپ کا انتظار کریں گے آپ آیئے گا ہماری طرف۔'' سبینا کی نے اپنی بہن کی بات کاٹ کر کہا۔

''جی ضرور آئیں گے۔'' انہیں مجبوراً کہنا پڑا۔

☆======☆======☆

''آپا...... آپا دیکھی آپ نے اس کی جرأت۔'' نویرہ سے ساری بات سن کر طوبیٰ کا خون ہی کھول اٹھا۔

''تو کوئی زبردستی تھوڑی ہے۔ اختیار تو ہمارے پاس ہی ہے۔'' وہ اسے بہلانے لگیں۔ وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں وہ لوگ اس کے حق میں فیصلہ نہ دے دیں جسے وہ دیکھنا پسند نہ کرتی۔

''نہیں گڑیا انہیں خود علم ہے۔''

''کیا...... کیا علم ہے آپا!'' وہ سمجھی نویرہ نے انہیں کچھ اور بتا دیا ہے۔

''یہی کہ ایسی فیملی میں ہم لوگ بھلا کیسے ایڈجسٹ ہو سکتے ہیں؟'' انہوں نے اس کی غلط فہمی دور کر دی۔

''پھر بھی آپ اماں سے بات ضرور کر لیں۔ آپا! اگر...... اگر۔'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر رو پڑی۔

''پاگل ہوئی ہو۔ کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ اسے پیار کرنے لگیں۔

''میں سمیر سے بات کرتی ہوں؟'' تانیہ کو بھی بہت غصہ آ رہا تھا۔ وہ لوگ...... ان کا ماحول' اس روز کی پارٹی یاد آ رہی تھی۔

نویرہ نے تانیہ کا غصہ ٹھنڈا کیا۔

وہ سوچ رہی تھیں کہ آج رات ہی وہ بابا اور امی جان سے بات کریں گی۔ انہیں یہ فکر زیادہ تھی کہ انہیں بھی تو دو روز بعد چلے جانا تھا اور ایسا نازک مسئلہ وہ ادھورا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھیں۔

☆======☆======☆

رات کو وہ خود ہی ان کے کمرے میں آ گئیں۔ کرنل صاحب بھی کچھ متفکر سے بیٹھے تھے۔ سعدیہ خان نے انہیں ساری بات بتا دی تھی اور وہ عجیب شش و پنج میں مبتلا تھا۔

''آؤ بیٹا میں تمہیں خود بلانے آ رہا تھا۔'' انہوں نے نویرہ کو اپنے ساتھ بٹھا لیا وہ نویرہ کو اپنا بڑا بیٹا اپنا بازو سمجھتے تھے۔

''کیا خیال ہے تمہارا؟'' کچھ دیر بعد انہوں نے نویرہ سے پوچھا۔

''جی بابا کس بارے میں؟''

''یہی انیق کے پروپوزل کے بارے میں۔'' وہ بیٹی سے کھل کر بات کرنا چاہ رہے تھے۔

''بابا! ابھی طوبیٰ پڑھ رہی ہے۔'' وہ کھل کر انیق کے بارے میں بتانے سے گریز کر رہی تھیں۔

''اس کے پڑھنے کی بات نہیں ہو رہی۔ تعلیم تو وہ پوری کر ہی لے گی۔ تم بتاؤ کہ وہ لوگ کیسے ہیں؟'' سعدیہ خان پوچھنے لگیں۔

''جی...... وہ...... میں۔''

''بیٹا اگر تم کچھ جانتی ہو تو صاف صاف بتاؤ۔'' بیٹی کو ہکلاتا دیکھ کر کرنل صاحب نے حوصلہ بڑھایا۔

''اگر ہم انکار کرتے ہیں تو انکار کی کوئی سولڈ وجہ ہونی چاہیے۔''

''وجہ ہے نا بابا۔''

''تو کہو بیٹا اس پر یوں ہچکچانے کی کیا ضرورت ہے؟'' انہوں نے ان کے سر پہ
رکھ دیا۔

''بابا وہ اچھے لوگ ہوں گے مگر ان کا ماحول ہمارے ماحول اور ہماری تربیت سے
متصادم ہے۔ طوبیٰ وہاں ہرگز ایڈجسٹ نہ ہو سکے گی۔'' وہ بتانے لگیں۔

''طوبیٰ اپنی بہترین تربیت اور اچھی عادتوں سے انہیں بدل بھی تو سکتی ہے۔''

سعدیہ خان اس وقت بالکل عام ماؤں والے انداز میں سوچ رہی تھیں۔

''امی جان! انیق اچھا آدمی نہیں ہے اور جس کے بارے میں پہلے سے علم ہو اس ط
سے آنکھیں موندنا اچھا نہیں ہوتا۔'' انہوں نے آخر کہہ ہی دیا۔

''بیٹا تم جانتی ہو سب مجھے بتا دو تاکہ مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ کیونکہ بیٹیوں
رشتے بلاوجہ ٹھکرا دینا اللہ کو بھی پسند نہیں۔'' کرنل صاحب ہر بات کی تفصیل جاننا چاہتے
نوریہ نے بھی ساری باتیں انہیں بتا دیں۔

''بابا! بیٹیوں کے رشتوں کے بارے میں خوب چھان بین کا بھی حکم ہے اور یہ بھ
ہے جو چیزیں دین سے ٹکراتی ہوں وہ حرام ہیں...... ان کی دولت کے ذرائع کیا ہیں آ
جانتے ہیں۔ ان کا ماحول کیا ہے؟ یہ بھی کسی سے چھپا نہیں اور ان کے کردار کیسے ہیں یہ بھی
سے پوشیدہ نہیں۔'' انہوں نے ایک ایک نکتہ بیان کر دیا جو انیق کے رشتے سے انکار کے
کافی تھا۔

''دیکھا تم نے سعدیہ! ہماری بچیاں کتنی سمجھدار اور باشعور ہیں۔'' یہ سب باتیں سن ک
بہت خوش ہوئے۔

''بیٹا! یہ سب باتیں میں بھی جانتا تھا اور انیق یزدانی کا پروپوزل میں اپنی بیٹی تو کیا
بھی شریف آدمی کی بچی کے لئے مناسب نہ سمجھوں۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم لوگ کس قد
آدم شناس اور زمانہ شناس ہو۔'' انہوں نے نوریہ کے سر پر بوسہ دیا۔

''دیکھ لو سعدیہ! تم نوریہ کے لئے کتنی پریشان تھیں کہ تنہا پردیس جا رہی ہے جانتی
ہو۔ میری بیٹی اتنی بہادر اور سمجھدار ہے کہ خدا کی رحمت سے اسے آنچ تک نہ آئے گی۔''

''جاؤ بیٹا تم فکر نہ کرو اور طوبیٰ سے بھی کہنا پریشان نہ ہو۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں جو ا
کے حق میں ہے۔''

انہوں نے نوریہ کو تسلی دی۔ سعدیہ خان نے بھی اٹھ کر بیٹی کو پیار کیا۔ وہ خوش خوش ان
کے کمرے سے باہر آ گئیں۔

☆======☆======☆

''گیتی! تم جو کر رہی ہو وہ کافی ہے یہ ماڈلنگ کی اجازت مجھ سے مت مانگو۔'' فہمیدہ
جبیں (گیتی کی والدہ) بہت غصے میں تھیں۔

''کیا قیامت آ جائے گی اماں؟'' اب وہ ماں کے سامنے زبان چلانے لگی تھی۔

''قیامت تو اسی روز آ گئی تھی جب تمہارے باپ کو خدا نے بستر سے لگا دیا تھا۔ اب تو
روز روز کی آزمائشیں ہیں۔''

''کچھ نہیں ہوگا اماں۔'' وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔

''اور تو کچھ نہیں ہوگا خاندان بھر میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔ سب کہیں گے بیٹی کو
اداکارہ بنا دیا۔'' وہ پرانے خیالات کی خاتون تھیں خاندان اور زمانے سے بہت ڈرتی تھیں۔

''خاندان...... خاندان' کیا دیا ہے ہمیں اس خاندان نے۔ کبھی آ کر کسی نے یہ پوچھا
کہ پیٹ بھر کے کھاتے ہو یا فاقے سے ہو؟'' وہ پہلے ہی خاندان کے خلاف بھری بیٹھی تھی
پھٹ ہی پڑی۔

''تیرے تو دیدوں کا پانی مر گیا ہے' حیا اُتر گئی ہے تیری...... ارے تجھے شرم نہ آئے گی
غیر مردوں کے سامنے کولہے مٹکا مٹکا کر اور ہنس ہنس کر تصویریں اترواتے اور وہ...... وہ جوتی دی
پر ایسا کرتی آئے گی تو کیا سب رشتہ دار اور محلے والے آنکھیں بند کر لیں گے۔'' انہوں نے
آگے بڑھ کر ایک ہاتھ اس کی کمر پر جڑ دیا۔

''اماں! آپ بہت زیادتی کرتی ہیں؟'' اس کا غصہ اس پر سوار ہو گیا۔

''آنکھیں نکال کر مت دیکھ میری طرف......'' وہ دوبارہ اسے مارنے کو لپکیں۔

''جانے دیں اماں۔'' ثمینہ نے آ کر ماں کا ہاتھ روک لیا وہ گیتی سے چھوٹی ہونے کے
باوجود بہت عقل مند تھی۔

''باجی آپ ہی کچھ خیال کریں۔'' وہ بہن کو سمجھانے لگی۔

''خیال...... کیا خیال نہیں کرتی میں سب کا جو نوکریاں کرتی پھرتی ہوں۔'' اس نے جتا
دیا کہ وہ کما کر لاتی ہے اس بات پر فہمیدہ تو دکھ اور شرم سے وہیں خاموش ہو گئیں۔

''ارے خدا نے ہم پر ڈال دیا یہ برا وقت جو بیٹی کی کمائی کھا رہے ہیں۔ مت کر تُو یہ
نوکری...... ہم فاقے کر لیں گے نہیں چاہیے تیری کمائی۔'' وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگیں۔

☆======☆======☆

''گیتی! آج تم نے ایک فوٹو سیشن دینا ہے۔'' وہ بیٹھی آفس ہی کا کوئی کام دیکھ رہی تھی جب خالد خان اچانک ہی آ کر اس کے پیچھے سے بولا۔ وہ اس کی کرسی کی بیک کو تھامے ذرا جھکا ہوا کھڑا تھا۔

''جی...... مجھے۔'' وہ اسے اتنا قریب پا کر بوکھلا گئی۔

''ہاں تم نے...... سچ اس روز کیا قیامت ڈھا رہی تھیں۔'' وہ کچھ اور قریب ہوتا ہوا بولا۔

''سر! لیکن میں شاید ماڈلنگ نہ کروں۔'' اسے کل والی اماں کی باتیں یاد تھیں۔ ماں سے بدتمیزی کر کے اس کا اپنا جی بہت برا ہوا تھا۔

''کیوں...... کیوں نہیں کرو گی۔'' وہ فوراً ہی رنگ بدل گیا۔

''تمہیں پتا ہے ناں وہ پارٹی تمہیں سلیکٹ کر گئی ہے اور ہم ایگریمنٹ کر چکے ہیں۔'' وہ بے چینی سے کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا تھا۔

وہ رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا عجیب سا طنز تھا ان میں، وہ گھبرا گئی۔

''دیکھو گیتی...... سب کچھ طے ہو چکا ہے اور ایک دو روز میں ہماری سیٹیں بھی کنفرم ہو جائیں گی کیونکہ سنگاپور جا کر شوٹنگ ہو گی۔ تمہیں تو اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیے۔ تمہارا تو پہلا قدم ہی بلندی پر پڑا ہے ورنہ بڑی بڑی ماڈلز ترستی ہیں اتنی بڑی کمپنیوں کے ساتھ کام کرنے کے لئے۔'' وہ اسے سنہری خواب دکھانے لگے۔

''سنگاپور جانے کی اجازت تو مجھے بالکل نہ ملے گی۔'' سنگاپور کا نام سن کر وہ دل ہی دل میں خوش تو بہت ہوئی تھی مگر یہ بھی جانتی تھی کہ گھر سے کتنی ڈانٹ پڑے گی۔

اسے پھر غصہ آ گیا مگر جلد ہی وہ اس پر قابو پا گیا۔ ''میں خود انکل سے بات کروں گا۔ تم اس کی فکر نہ کرو اور بس جانے کی تیاری کرو۔'' وہ بڑے اعتماد سے کہہ رہا تھا۔

''سمیتا۔'' اس نے انٹر کام پر باہر بیٹھی ہندو ریسپشنسٹ (Receptionist) لڑکی کو بلایا۔ اگلے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر اندر آ چکی تھی۔

''مس گیتی کو سطوت کے پارلر پر لے جائیں۔'' اس کا موڈ کچھ خراب ہو چکا تھا۔

''یس سر۔'' اس نے بغیر کوئی سوال کیے مسکرا کر جواب دیا۔ اس کا موڈ دیکھ کر گیتی بھی مزید کوئی سوال نہ کر سکی اور چپ چاپ اس کے ساتھ چلی گئی۔

☆======☆======☆

بیوٹی پارلر میں اسے تقریباً سارا دن ہی لگ گیا۔ سطوت نے اسے سر سے پا بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس پر ایسا نکھار آ گیا تھا کہ خود وہ حیران تھی اس پر اس کی ہیئر کٹنگ ایسے اسٹائل میں کی تھی کہ وہ اور ہی کوئی دکھائی دے رہی تھی۔

میک اپ وغیرہ کے بعد جب شام کے چھ بجے وہ وہاں سے فارغ ہوئی تو خالد خان اسے خود لینے آیا ہوا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر بُت بنا اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''واؤ...... یہ تم ہو گیتی۔'' اس کی آنکھوں کی چمک اور بڑھ گئی تھی۔

آگے بڑھ کر اس نے اس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا اور خود دوسری طرف سے آ کر ساتھ بیٹھ گیا۔

''آج تو میرا جی چاہ رہا ہے کہ تمہیں کہیں اور ہی لے جاؤں۔'' اس نے اس کا نازک ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

''تم کوئی اپسرا ہو یا پری۔'' وہ بہک رہا تھا۔

''سر پلیز؟'' گھبرا کر اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''بہت بھولی ہو تم۔'' اس نے بغیر موڈ خراب کیے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''آہ...... یہ حُسن اور اس [illegible] میٹھی میٹھی کسک۔'' اس نے بے خودی میں اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ دیا تھا۔

☆======☆======☆

خالد خان اور انیق نے گھر جا کر اس کے ابا سے جانے کیا کہا...... اور کیسی باتیں کیں کہ اسے سنگاپور جانے کی اجازت مل گئی...... وہ خود حیران تھی کہ آخر ابا مان کیسے گئے۔ وہ بہت خوش تھی، حالانکہ اس کے گھر میں باقی سب کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ ثمینہ اس کے ساتھ پیکنگ کراتے ہوئے بار بار کہہ رہی تھی۔

''باجی! جانے کیوں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ عجیب عجیب سے وہم آ رہے ہیں دل میں۔''

''بس تم تو ہو ہی وہمی۔ مجھے بھی ڈراؤ گی۔ ایسی باتیں کر کے۔'' وہ اپنا ہینڈ بیگ چیک کر کے اسے بند کرتے ہوئے بولی۔

''نہ جاؤ باجی۔'' وہ ڈرتے ڈرتے کہہ رہی تھی۔

''تمہارا دماغ تو درست ہے ثومی۔''

''تمہیں پتا ہے نا ابا کا آپریشن سر پر ہے، لاکھوں روپے درکار ہیں یہ سب کہاں سے ہو

گا؟" وہ اسے حقیقت کا چہرہ دکھا رہی تھی جوان کے لئے بہت بھیانک ہو چکا تھا۔ اس کے ابا کی ضائع ہونے والی ٹانگ کا زخم ٹھیک ہونے کی بجائے ایسا خراب ہوا تھا کہ کینسر بن گیا' بے بہا رقم اٹھ رہی تھی اور اب ایک آخری امید یہ میجر آپریشن تھا۔ اس نے سنگاپور سے واپس آ کر انہیں ایڈمٹ کرانا تھا۔

"انہی مجبوریوں نے شاید ابا کو بھی بے بس کر دیا ہے جو وہ ایسی ہر بات مان رہے ہیں جوان کی غیرت اور عزت پر کوڑے برسا رہی ہے۔" ثومی نے اپنی نم آنکھیں صاف کیں۔

"ثومی! دیکھو مجھے پریشان کر کے رخصت نہ کرو۔" وہ دل کی بہت اچھی تھی فوراً ہی پسیج جاتی تھی۔

"اچھا میں اماں سے مل لوں......" وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی جہاں فہمیدہ بیگم ابھی تک اس سے خفا بیٹھی تھیں۔

"اماں......" اس نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

سامنے آ کر وہ ماں کے گھٹنے پکڑ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی آنکھوں میں آئے آنسو نہ چھپا سکیں۔

"اماں! میں جو کر رہی ہوں اس گھر کی بہتری کے لئے کر رہی ہوں۔" اس کی آواز بھی رندھ گئی۔

"گھروں کو چلانے والا اور پیٹ پالنے والا وہ اللہ ہے۔ گیتی! تو اپنی حیا اور اپنی عزت کو کیوں داؤ پر لگا رہی ہے۔ یہ سب درست نہیں۔ یہ راستہ دلدل ہے۔ دیکھ مت جا۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کے بچوں کی طرح اسے روکنے لگیں۔

"اماں! میں اپنی عزت کی حفاظت کروں گی۔" وہ سمجھانے لگی۔

"راہزنوں کے میلے میں بھلا تیرا یہ جسم چٹان کہاں سے بن جائے گا۔ آندھی کے سامنے خزاں زدہ پتا ٹھہرا ہے کبھی شاخ پر۔" اب وہ موٹے موٹے آنسو گرا رہی تھیں۔

"اماں۔" اسے کوئی جواب نہ بن پڑا تو ماں کو پیار کرنے لگی۔

"باجی! باہر گاڑی آ چکی ہے آپ کو لینے۔" گاڑی کا ہارن سن کر چھوٹی نعیمہ بھاگی آئی تھی۔

"اچھا ماں۔ خدا حافظ۔" وہ ماں کے گالوں پر بوسے دیتی ان کی گرفت سے خود کو زبردستی چھڑاتی ابا کے کمرے کی طرف آ گئی۔ انہوں نے بس اک حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالی اور اپنا کانپتا ہوا کمزور ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

"ابا! آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔" اس نے وہ ہاتھ آنکھوں سے لگا لیا جواب میں ان کا سر ہلکا سا ہلا اور انہوں نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

اور وہ اپنا باپ کے آنسوؤں سے بھیگا ہاتھ اور بھیگا دل لئے باہر آ گئی۔

☆======☆======☆

ایک دن انہوں نے کراچی ٹھہرنا تھا۔ وہیں سے ان کی فلائیٹ تھی۔ وہاں وہ انیق یزدانی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"آپ! یہاں......؟"

"جی میں یہاں۔" اس نے اس کے انداز میں نقل اتاری۔ "تم اپنے روشن مستقبل کی سیڑھی پر پہلا قدم رکھ رہی ہو میں تمہیں وِش کرنے نہ آتا۔" اس نے اپنی دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اس کے گال کو ہلکا سا چھوا یہ اس کا خاص انداز تھا۔ اس کا دل تو پنکھ لگا کر اُڑنے لگا۔

"سچ......؟"

وہ مسکرایا۔

"اچھا اب تم جلدی سے فریش ہو جاؤ تم نے ذرا میرے ساتھ جانا ہے۔"

"کہاں؟" وہ خوش ہو گئی۔

"جہاں میں لے جاؤں۔ انکار کرو گی؟" وہ اس کی آنکھوں میں اتر آیا۔

"نہیں؟" وہ شرما کر بھاگ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ تیار ہو کر انیق کے ہمراہ جا رہی تھی۔ پہلے تو انیق نے اسے بہت ساری شاپنگ کرائی۔ پھر ایک شاندار ریسٹورنٹ میں ڈنر کرایا اور اب وہ اس کے ساتھ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے کمرے میں موجود تھی۔ جو انیق یزدانی نے اپنے لئے بک کرایا ہوا تھا۔ وہ اس کی باتوں کے سرور اور خوشبو کے حصار میں تھی۔ آج اس کا محبوب اس پر اس قدر مہربان تھا اور وہ زمین سے آسمان ہوئی جا رہی تھی۔

"چلو کوک پیئو گی؟" بیٹھے بیٹھے وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور انٹر کام پر اس نے دو کوک منگوائیں۔

"گیتی! تم نے میرا قرار لوٹ رکھا ہے۔" وہ کچھ بہکنے لگا۔

"میں نے......" اس پر انیق کی محبت کا خمار چھانے لگا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ اسے کچھ خبر نہ تھی اس کی سماعتوں میں تو بس ایک ہی بات بار بار گونج رہی تھی۔ "مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" اور وہ اس بات کے نشے میں اپنے حواس کھوتی چلی گئی۔ اس کا دل اور دماغ دونوں کہیں دور جیسے کسی گہرے سمندر میں ڈوبتے جا رہے تھے۔ وہ اپنے

بھاری ہوتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر اٹھی تو اپنے توازن کو قائم نہ رکھ سکی۔ اس نے بند ہوتی آنکھوں سے بس اتنا دیکھا تھا کہ انیق کی بانہوں نے اسے تھام لیا تھا۔

☆======☆======☆

جب اس کی آنکھ کھلی تو دن کافی چڑھ چکا تھا۔ سامنے کی کھلی ہوئی کھڑکی سے دھو چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ پورے کمرے میں سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھا۔ وہ ہڑبڑا اٹھ بیٹھی۔

''یہ یہ میں کہاں ہوں؟'' وہ کچھ یاد کرنے لگی۔

''اوہ...... تو میں رات یہاں تھی؟'' اسے یاد آ گیا کہ رات تو وہ انیق کے ساتھ تھی۔ ایک دم اچھل کر بستر سے اتری اور ادھر اُدھر دیکھنے لگی مگر وہاں تو اور کوئی نہ تھا۔

''انیق، انیق کہاں گیا اور میں۔'' ایک ساتھ بہت سے سوال اس کے دماغ میں ابھرنے لگے۔

''کہیں میرے ساتھ۔'' ایک سنسنی سی اس کے اندر دوڑ گئی۔

''نہیں نہیں انیق ایسا نہیں ہو سکتا۔'' دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے سر کو نفی میں جھٹکا۔ وہ دوبارہ بیٹھ گئی اور بہت سی باتیں وسوسے بن کر اسے ڈرانے لگیں۔ وہ اپنے آپ کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھ رہی تھی۔ اس کا سر ابھی تک بھاری تھا اور پورا جسم عجیب سی تھکن اور دکھن سے دوچار تھا۔

''شاید تمہاری طبیعت ابھی تک خراب ہے۔'' وہ اس کی آواز پر چونکی۔

''آں...... ہاں۔'' وہ سامنے ہی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''انیق...... میں...... میں......'' وہ کچھ پوچھنا چاہ رہی تھی۔

''رات پتا نہیں کیا ہوا تمہاری طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی تھی۔ پھر میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ تمہیں ڈسٹرب کیا جائے۔ تم یہیں سو گئی تھیں۔'' وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

''اور آپ؟'' وہ شرمندہ سی تھی۔

''میں وہاں تھا......؟'' اس نے شرارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کر دیا۔

''مجھ پر بھروسا نہیں ہے۔'' اس نے اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

''بولو......'' وہ جواب سننے پر مُصر تھا۔ مجبوراً اس نے دھیرے سے سر اقرار میں ہلا دیا۔

''تو پھر الٹی سیدھی ہر بات کو سوچنا چھوڑو اور فریش ہو جاؤ۔'' چلو اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے باتھ روم کی طرف دھکیلا۔

تم جلدی سے باتھ لے کر نکلو میں ناشتے کا کہتا ہوں۔'' اسے باتھ روم میں دھکیل کر وہ نٹر کام پر ناشتے کا کہنے لگا۔

☆======☆======☆

شام کو شدید آندھی چلنے اور بعد میں بارش ہو جانے کی وجہ سے موسم خاصا بدل گیا تھا ورنہ تین چار روز سے خاصا حبس تھا۔ ہوا بھی بالکل بند تھی اور گرمی میں بھی بہت شدت تھی۔ اب وہ گرمی بھی غائب تھی اور ہوا میں بھی نمی سی شامل ہو گئی تھی۔

''شکر ہے خدا کا گرمی کا زور کم ہوا۔'' چھت پر ٹہلتی تانیہ نے ایک لمبی سانس کھینچ کر خوشگوار احساس کے ساتھ کہا۔

''گرمی نہیں آگ برس رہی تھی۔'' طوبیٰ ایڑیاں اونچی کر کے دور چمکتی روشنیوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''اور اب آپ جہاں جا رہی ہیں وہاں تو...... اُف......'' تانیہ نے امریکہ کے سرد موسم کو سوچ کر توبہ کی۔

''یہ انسان بھی کسی حال میں خوش نہیں رہتا۔ نہ گرمی نہ سردی۔'' وہ پھر مسکرائیں۔

''مگر انسان ایک حالت میں بہت خوش رہتا ہے۔'' طوبیٰ نے ان کی آنکھوں میں شرارت سے جھانکا۔

''وہ کس حال میں۔'' وہ ذرا سا گڑبڑائیں۔

''محبت کی قربت میں...... محبوب کے پاس......'' وہ انہیں چھیڑنے لگی اس پر وہ سرخ پڑ گئیں۔

پھر وہ تینوں دیر تک آپس میں باتیں کرتی رہیں...... کبھی وہ نویرہ کے امریکہ چلے جانے کے احساس سے اداس ہو جاتیں تو کبھی اس بات پر خوش کہ چلو وہ اپنے گھر اپنے شوہر کے پاس چلی جائیں گی۔

''نویرہ...... طوبیٰ۔'' نیچے سے کرنل صاحب کی آواز آئی تو وہ تینوں نیچے لپکیں۔

''جی بابا جان۔''

''بیٹے اب نیچے آ جاؤ۔ کافی رات ہو رہی ہے۔''

نوریہ نے کافی وقت گزر جانے کے احساس سے سوچا۔

''تم لوگ چل کر ذرا دیکھنا میری کوئی چیز تو نہیں رہ گئی۔ میں ذرا بابا جان کے ساتھ کر آتی ہوں۔'' نوریہ نیچے آ کر اپنے بابا اور اماں کے پاس چلی گئیں اور وہ دونوں بھی پیکنگ کرنے لگیں۔ کیونکہ کل صبح دس بجے کی فلائیٹ سے انہیں امریکہ جانا تھا۔

☆======☆======☆

''بابا! اب میں طوبیٰ والے معاملے کی طرف سے بے فکر ہو کر جاؤں۔'' نوریہ نے کے قریب بیٹھ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''بالکل بے فکر ہو کر جاؤ بیٹا۔'' انہوں نے محبت سے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''میں نے تمہاری ماں کو سمجھا دیا ہے وہ ایک آدھ روز میں ان کے گھر فون کر کے دیں گی۔''

''اماں آپ کیا کہیں گی؟'' وہ ماں سے پوچھنے لگیں۔

''بیٹا کسی طریقے سے ہی جواب دیں گے۔ میں نے اور تمہارے بابا نے سوچا ہے کہہ دیں گے کہ تمہاری بڑی پھپھو کی طرف سے طوبیٰ کے لئے بہت اصرار ہے۔ ہمیں اُدھر سوچنا پڑے گا۔'' وہ سمجھدار خاتون تھیں معاملہ سلجھانا جانتی تھیں۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے......'' وہ خوش ہو گئیں۔

''ویسے اماں...... اپنا وقاص ہے بھی بہت اچھا......'' وہ بڑی پھپھو کے بیٹے وقاص کے متعلق سوچنے لگیں جو ایئر فورس میں تھا۔ بہت لائق بھی تھا اور خوبصورت بھی۔

''ویسے بڑی پھپھو کافی اصرار کر چکی ہیں۔'' نوریہ نے بات کو آگے بڑھایا۔

''ہاں بیٹا ہم بھی سوچ رہے ہیں گھر کا بچہ ہے دیکھا بھالا ہے تمہارا کیا خیال ہے؟'' کرنل صاحب بیٹی سے مشورہ کرنے لگے۔

''چلو اب تمہاری پھپھو آئیں گی تو بات کریں گے۔'' بیٹی کو خوش دیکھ کر وہ بھی خوش اور مطمئن ہو گئے۔

پھر وہ نوریہ کے جانے کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ سعدیہ خان اسے سمجھاتی رہیں۔

''سعدیہ! تم کیوں فکر کرتی ہو۔ نوریہ سب جانتی ہے۔'' کرنل صاحب بیٹی کی حمایت کرنے لگے۔

''کرنل صاحب! بیٹیاں تو گلاب کے کھلتے پھول ہوتی ہیں ان کی خوشبو کو چھپا کر اور ان کی پنکھڑیوں کو تیز ہواؤں سے بچا کر ہی رکھنا پڑتا ہے۔'' وہ نوریہ کی طرف محبت سے دیکھتے

بولیں۔

''اماں جان! ہم آپ کی بیٹیاں ہیں۔ اپنی آبرو اپنی عزت کی حفاظت کرنا جانتی ہیں۔''

نے پیار سے ماں کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔

''اچھا اب جا کر آرام کرو۔ رات کافی ہو رہی ہے۔ صبح پھر جلدی اٹھنا ہوگا۔'' انہوں نے وقت سے اس کا ماتھا چوما۔ وہ بابا سے بھی پیار لے کر اپنے کمرے میں آ گئیں جہاں ور تانیہ بے تابی سے ان کی منتظر تھیں۔

☆======☆======☆

وقت پر لگا کر اڑ گیا اور نوریہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ کوسوں دور بلکہ سمندروں پار۔ وہ جو یک شہر سے دوسرے شہر بھی تنہا نہ گئی تھیں۔ کبھی ایک روز بھی اپنے والدین یا بہن کے بغیر نہ رہی تھیں۔ اب دل پر کیسا بڑا پتھر رکھ کر چلی گئی تھیں۔ بھیگی آنکھوں اور دل کے ساتھ۔ مگر یہ جدائی تو لازمی تھی۔ اگر وہ یہاں سے نہ جاتیں تو شوہر سے دور ور اس سے دور رہنا بھی تو نہ ہی مناسب تھا اور نہ ہی ممکن۔

انہوں نے جہاز کی نرم و گداز سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ طوبیٰ اور تانیہ کی رساتی آنکھیں پلکوں کے نیچے اتر آئیں۔ کیسے وہ دونوں اداس ہو رہی تھیں اور وہ سمیر۔ رخ اور بہادر بننے کی کوشش کر رہا تھا مگر جب بہن سے گلے ملنے لگا تو اس کی بہادری ت کی ساری ہوا نکل گئی تھی۔

''آپا...... اپنا خیال رکھنا۔'' اس کی آواز رندھ گئی اور ضبط سے سرخ پڑتی آنکھوں سے چھلک ہی گئے۔ پھر وہ خود ہی انہیں چھپاتا ہوا ہنس پڑا تھا۔ وہ اس کا معصوم سا چہرہ یاد کر مسکرا دیں۔ مگر آنسو گالوں پر بھی پھیل گئے تھے۔

''اینی پرابلم میڈم!'' ایک خوبصورت سی ایئر ہوسٹس نے قریب آ کر پوچھا وہ کافی دیر یں ہی دیکھ رہی تھی۔

''نو پرابلم۔'' انہوں نے اپنی نم آنکھیں صاف کیں اور مسکرا دیں۔

''ایک گلاس پانی ملے گا۔''

''جی ضرور ملے گا۔'' ایئر ہوسٹس مسکراتی ہوئی چلی گئی اور وہ سوچنے لگیں کہ ''میں اسے کیا کہ محبت میں گرفتہ دلوں کے کیا پرابلم ہوتے ہیں۔ یہ کسی کے بغیر رہ نہیں سکتے اور کسی کے یں رہنا بھی پڑتا ہے۔''

☆======☆======☆

انیق یزدانی کا غم وغصے سے برا حال تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا
وہ صبح سے اپنا کمرا بند کیے بیٹھا تھا اس کے ایک ہاتھ میں سگریٹ سلگ رہا تھا اور دو
میں کرسٹل کا خوبصورت گلاس تھا۔ سامنے ہی قیمتی آئس بکس میں ڈھیر ساری بر
دماغ پھر بھی شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ اسے ہر چیز گھومتی اور جلتی نظر آ رہی تھی۔ ب
فقرہ بار بار اس کے اعصاب کو جھٹکے دے رہا تھا۔

''انیق! طوبیٰ کے گھر والوں نے انکار کر دیا ہے؟'' اس نے غٹا غٹ گلاس خا

''وہ تمہاری نہیں ہو سکتی۔''

''کیوں نہیں ہو سکتی؟''

وہ پھنکارتا ہوا اٹھا اور میز پر ہاتھ مار کے سب چیزیں الٹ دیں۔

''تم ایک گھٹیا انسان ہو۔ میں تمہیں ایک بار نہیں ہزار بار ٹھکراتی ہوں
خوبصورت مگر غصے میں بھرا چہرہ گلاس میں نظر آنے لگا۔

''اگر تم میری نہ ہوئیں تو کسی کی بھی نہ ہو سکو گی۔'' جنون کی کیفیت میں ا
گلاس سامنے لگے قدِ آدم آئینے پر دے مارا ایک چھناکے سے آئینہ ٹوٹا اور کرچیاں
پھیل گئیں۔ ہر کرچی میں طوبیٰ کا ہی چہرہ تھا۔

''میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گا۔ چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔'' اس
کرچی اٹھا کر ہاتھ میں دبا لی اور شدتِ کرب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ایک درد
کانچ لگنے سے ہتھیلی میں ہوا تھا اور دوسرا وہ جو دل زخمی ہونے پر ہوا تھا۔ دل کا درد
حاوی تھا۔

''میں تم سے خود بات کروں گا۔'' اس نے اپنی ہتھیلی سے بہتے خون کو مسکرا کر د

☆=====☆=====☆

سنگاپور پہنچنے پر جو حقیقت گیتی پر کھلی وہ اس قدر غیر متوقع اور اذیت ناک تھی
اٹھی۔

''نہیں ہرگز نہیں۔ میں یہ کام نہیں کروں گی۔'' اس نے اپنے سامنے پڑے ایک
میگزین کو ٹھوکر ماری۔

''یہ تو تمہیں کرنا پڑے گا۔'' شارقہ اس کے قریب آ کر رازداری سے بولی۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ غصے میں بولی۔

''یہ...... یہ ماڈلنگ ہے جو تم لوگ کرتی ہو۔ یہ لچر اور بے حیائی۔'' اس نے نفر

گزین اٹھا کر اس کے منہ پر دے مارا۔

''فکر نہ کرو بے بی۔ تم بھی یہی کچھ کرو گی۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنسی۔

''میں مر جاؤں گی مگر کبھی ایسا نہ کروں گی۔'' وہ غصے میں لال انگارہ ہو رہی تھی۔

''تم مرو گی بھی نہیں اور یہ سب بھی کرو گی۔'' اس بار شارقہ کا لہجہ بھی سخت تھا۔

''مگر میں اس کی پابند ہوں نہ مجبور؟'' اس نے حقارت سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''تم اس کی پابند بھی ہو اور مجبور بھی۔'' اس نے اس کا چہرہ پکڑ کر اپنے سامنے کر لیا۔
وقت وہ نرم و نازک سی لڑکی نہیں سخت دل اور ظالم سی عورت لگ رہی تھی۔

''تو پہلے انہیں دیکھ لو۔ پھر فیصلہ کرنا کہ تمہیں کیا کرنا ہے اور ہاں اگر ان سے تسلی نہ ہو تو
ویڈیو کیسٹ بھی یہاں رکھا ہے۔'' وہ غصے سے پاؤں پٹختی باہر چلی گئی اور جاتے جاتے وہ
را باہر سے لاک کر گئی تھی۔

''ہونہہ...... میں نہیں کروں گی۔'' اس نے وہ لفافہ اٹھا کر دیوار سے دے مارا جو شارقہ
ے تھما گئی تھی۔ لفافے میں بہت سی تصویریں نکل کر نیچے کارپٹ پر پھیل گئیں۔ جن پر نظر
تے ہی اس کے اندر جیسے بجلی کا کرنٹ دوڑ گیا تھا۔

''میری تصویریں۔'' وہ جلدی جلدی نیچے سے تصویریں اٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ ساری
دیریں اس کی تھیں اور ایسی حالت میں تھیں کہ انہیں دیکھ کر خود اسے اپنے آپ سے گھِن آ
ہی تھی۔ مگر یہ کس نے اتاریں اور کیسے اتاریں؟ وہ ریت کے ٹیلے کی طرح فرش بوس ہو گئی۔
ما کے بدن سے تو جیسے جان ہی نکل گئی تھی۔

شاور لیتے ہوئے۔ ڈریس چینج کرتے ہوئے اور...... اور کچھ بھی تو کیمرے کی گرفت
ے پوشیدہ نہیں تھا۔ وہ اور یوں اس حال میں۔

شرم اور غیرت سے وہ زمین پر گڑی جا رہی تھی اور اس کے اندر اک ماتم برپا ہو چکا تھا۔

گیتی! تم مر چکی ہو۔

تمہاری عزت اور حیا کا جنازہ نکل چکا ہے۔

یہ تمہارا روپ...... تمہاری میت ہے۔

''نہیں...... نہیں...... ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسا کیسے ہو گیا۔'' وہ دیوانوں کی طرح چیخیں مار
رکر رونے لگی۔

''یہ میں نہیں ہوں۔ دھوکا ہوا ہے میرے ساتھ فراڈ ہے۔'' وہ اپنا سر دیوار کے ساتھ مار
ہی تھی۔

''نکالو مجھے یہاں سے نکالو۔ میں اپنی جان دے دوں گی۔ میں سب کو شو
گی؟'' وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح دروازے کی طرف لپکی اور زور زور سے اسے پ
''خالد خان......تم تم...... میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔'' وہ نہایت نفرت
رہی تھی۔

''بدتمیزی مت کرو اور آواز بند کرو اپنی۔'' کمرے میں خالد خان کی غصیلی آ
وہ خوفزدہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی مگر وہاں وہ خود موجود نہ تھا لیکن اس کی آواز صا
دے رہی تھی۔

''تم کہیں نہیں جا سکتیں۔ ہماری گرفت اور ہماری نظریں ہر لمحہ تم پر مرکوز ہیں۔
وہ سب کرنے کی تیاری کرو۔ جو پہلے تم نے نادانستہ کیا مگر اب دانستہ کرو گی۔'' ایک
آواز دیوار پر لگے چھوٹے سے مائیکروفون سے آ رہی تھی۔

☆======☆======☆

''طوبیٰ، طوبیٰ یقین کرو وہ تمہیں بہت چاہتا ہے۔''

''مگر میں یہ بات بھی پسند نہیں کرتی کہ وہ مجھے چاہے۔''

''چاہت پر تو کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔''

''میں اسے چاہت کہنا بھی پسند نہیں کرتی نہ ہی یہ چاہت ہے بھلا چاہت میں
کبھی ہوئی ہے، میں کیا کروں سینا میں اسے پسند نہیں کرتی میرا دل اس کی طرف
نہیں۔''

دونوں ہی کافی دیر سے ایک دوسرے کو اپنے اپنے دلائل سے راضی کرنے کی کو
رہی تھیں۔

''طوبیٰ! تمہیں انیق جیسا محبت کرنے والا شخص دوبارہ کبھی نہیں ملے گا۔''

سینا جب ہر طرح سے اسے قائل کرنے میں ناکام رہی تو آخری جذباتی
آزمانے لگی۔

''مگر انیق کو مجھ جیسی ہزاروں لڑکیاں مل سکتی ہیں یہی تو میں تمہیں سمجھانے کی کو
رہی ہوں۔'' وہ اس کی بات پر مسکراتے ہوئے بولی۔

''لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرے جو تم پر آ چکا ہے۔''

''اور میں اپنے دل کا کیا کروں جو اس پر آتا ہی نہیں۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی
کو پیار سے اس کے سر پر دے مارا۔

''دیکھو سینا!'' پھر وہ دوبارہ سنجیدہ ہو گئی۔

''یہ محبت یہ شادی یہ عمر بھر کے بندھن ہوتے ہیں کھیل نہیں ہوتے نہ ہی کسی ضدی دل
کی کوئی خواہش، سوچ سمجھ کر بھلے محبت نہ ہوتی ہو مگر شادی تو بنا سوچے سمجھے اور دیکھے بھالے
نہیں ہوتی۔'' وہ اسے سمجھانے لگی۔

''انیق کو ہو سکتا ہے کہ مجھ سے محبت ہو گئی ہو لیکن اس کی یہ یکطرفہ محبت شادی کو کامیاب
کرنے کے لئے کافی نہیں۔''

''طوبیٰ! آخر تم لوگ شادی کے لئے کس چیز کو معیار سمجھتے ہو؟'' وہ زِچ ہو چکی تھی۔

''کم از کم دولت یا حُسن کو نہیں۔'' اس نے اس کے پریشان چہرے کی طرف دیکھا۔

''تو پھر وہ کیا چیز ہے جو تمہارا اور تمہارے گھر والوں کا دل جیت سکتی ہے؟'' وہ پوچھنا
چاہتی تھی تاکہ انیق کو کم از کم کوئی ٹھوس وجہ تو بتا سکے۔

''وہ چیز نہ تم کہیں سے لا سکتی ہو نہ وہ کہیں ملتی ہے۔'' اس نے پھر مسکرا کر بات ٹال دی۔
اب وہ کس طرح سے اسے سمجھاتی کہ شرافت اور نیک نامی نیک نیتی ہمارا معیار ہیں اور زندگی
کو جس کسوٹی پر پرکھ کر ہم گزارتے ہیں وہ کسوٹی تمہاری سوسائٹی کے لئے موت ہوا کرتی
ہے۔

''انیق تمہارے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔'' وہ ہر طرح سے اسے منانے پر تُلی
تھی منت کرنے لگی۔

''طوبیٰ پلیز ٹھنڈے دل سے انیق کے لئے سوچو۔''

''تم اپنے کزن کے لئے ہماری اس دوستی کو داؤ پر نہ لگاؤ میں اس سے کچھ بھی نہیں کروانا
چاہتی۔ میرے والدین نے جو جواب دیا ہے وہ اپنی مرضی سے سوچ سمجھ کر دیا ہے اور مجھے
اپنے ماں باپ کے ہر فیصلے پر فخر ہے بھروسا ہے اور مجھے ان کی ہر بات قبول ہے بہتر ہوگا کہ
آئندہ ہم اس موضوع پر بات نہ کریں تو۔''

اس نے بھی بات کو ختم کر دیا۔ وہ تو اس موضوع پر بات کرنے کے حق میں ہی نہ تھی بس
سینا زبردستی اسے کینٹین لے آئی تھی اور یہ بات چھیڑ بیٹھی تھی۔ اس نے خاموش سی سینا کے
کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے لیکن کیا ہماری دوستی بھی......'' وہ تذبذب کا شکار تھی۔

''کیا کیا ہماری دوستی کی اساس اسی بات پر تھی؟'' وہ اس کی ادھوری بات کو پورا کرتے
ہوئے مسکرائی۔

"دوستی تو دوستی ہے۔ یہ مشروط نہیں ہوا کرتی۔"

"شکر ہے ورنہ میں تو سمجھی تھی......" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"الٹی سیدھی باتیں نہیں سمجھا کرتے کیا میں اتنی بری ہوں؟" طوبیٰ نے ذرا خفگی اسے دیکھا۔

"نہیں۔" وہ رک کر غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟" وہ اس کے یوں دیکھنے پر گڑبڑا گئی۔

"اتنی بری تو نہیں ہو البتہ۔" وہ اب شرارت پر مائل تھی۔

"ہاں، ہاں کیا البتہ۔" طوبیٰ نے آنکھیں نکالیں۔

"البتہ تم بہت اچھی ہو بہت اچھی۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا

"شکر ہے خدا کا۔" اس نے سبینا کے مخصوص انداز میں نقل اتارتے ہوئے شکرادا دونوں کا مشترکہ قہقہہ کینٹین میں دور تک بیٹھی طالبات نے سنا۔

"سبینا! یہ گیتی کو گئے ہوئے کتنے روز ہو گئے؟" لائبریری آ کر اس نے بک کھولتے ہوئے سبینا سے پوچھا۔

"تقریباً پانچ چھ روز تو ہو ہی گئے۔" وہ بھی کتابیں ٹٹولنے لگی۔

"پتا نہیں کیوں میں گیتی کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" ایک کتاب نکال کر وہ دیکھنے لگی۔

"کیوں کیا ہوا؟" وہ ہمیشہ کی لاپرواہی سے کندھے اچکا کر بولی۔

"دیکھو ناں لڑکی ذات اکیلی اتنی دور گئی ہوئی ہے۔" اس کا انداز بالکل بزرگوں وا جس پر سبینا کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"اکیلی کہاں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "پورا یونٹ گیا ہوا ہے ان کا اور پھر اب یہ پروفیشن ہے۔"

"پروفیشن۔" وہ کچھ سوچنے لگی پھر کہنے لگی۔

"سبینا! ایک بات سچ سچ بتانا؟" اب وہ دونوں ایک میز کے گرد بیٹھ چکی تھیں۔

"ہاں پوچھو۔" وہ غور سے اس کی بات سننے لگی۔

"یہ خالد خان کیسا آدمی ہے؟"

"کیا مطلب؟" اس کے اس سوال پر وہ تھوڑا گڑبڑا گئی۔

"دیکھو اب ہم اچھی دوست ہیں بے ایمانی نہیں کرو۔" طوبیٰ اس سے اصل بات ا

چاہتی تھی۔

"آدمی تو وہ مجھے پتا نہیں کیسا ہے۔ کیونکہ میں لوگوں کے اندر دیکھنے میں نظر کمزور رکھتی ہوں پر انسان وہ اچھا ہی لگتا ہے۔" اس نے عجیب سا جواب دیا۔

"انسان سے تمہارا مطلب یہ ہے کہ وہ دولت مند ہے قیمتی لباس پہنتا ہے لوگوں سے اچھی طرح ملتا ہے وغیرہ وغیرہ۔" طوبیٰ نے اس کے مطلب کی وضاحت کرنا چاہی۔

"شاید ایسا ہی کچھ ہے۔" وہ خود نہیں سمجھتی تھی اسے کیا سمجھاتی۔

"مگر سبینا مجھے وہ تو اچھا انسان لگتا ہے نہ آدمی۔" اس نے صاف کہہ دیا۔

"تو تمہیں کیا لینا ہے اس سے۔" وہ اس کے چہرے پر دوبارہ سنجیدگی دیکھ کر بات ٹالنے لگی۔

"گیتی ہماری دوست ہے۔ ہمیں اس کے لئے سوچنا چاہیے اور وہ تو بالکل ہی بیوقوف ہے۔" وہ بار بار گیتی کے لئے پریشان ہو رہی تھی۔

"اور بیوقوف لڑکیاں بہت آسانی سے اپنے لئے گڑھے کھود لیا کرتی ہیں۔"

"نہیں نہیں تمہیں وہم ہے۔ ایسا کچھ نہیں، دنیا میں ہزاروں لاکھوں لڑکیاں ماڈلنگ کرتی ہیں۔ اداکاری کرتی ہیں کیا وہ ساری بے وقوف ہیں؟" اسے طوبیٰ کی یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

"اچھا چلو چھوڑو۔" وہ پھر مسکرا دی کیونکہ اب پھر وہ اپنا نقطہ نظر اسے نہیں سمجھا سکتی تھی اس لئے لمبی بحث کرنے سے بہتر تھا بات ہی مختصر کر دی جائے۔ پھر تھوڑی دیر وہ بیٹھی نوٹس بناتی رہیں پھر کتابیں واپس الماریوں میں رکھ کر وہاں سے چلی گئیں۔

"اچھا خدا حافظ۔" طوبیٰ نے اسے کالج کے گیٹ کے اندر سے ہی خدا حافظ کہہ دیا۔

"خدا حافظ۔" وہ بھی مسکرا کر چل دی اس نے دل میں سوچ لیا تھا کہ انیق کی خاطر وہ اتنی اچھی لڑکی کی دوستی کو ہرگز نہ گنوائے گی۔ مخلص اور بے لوث دوست بھلا اس دور میں کہاں میسر آتے تھے اتنی آسانی سے۔ اسے تو خدا نے ایک نعمت کی طرح سے طوبیٰ کی دوستی سے نواز دیا تھا وہ سوچ رہی تھی کہ واقعی انیق کہاں طوبیٰ کے لائق تھا۔ خدا واقعی بہتر فیصلے کرتا ہے۔

☆======☆======☆

کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ اس نے زیرو لائٹ بھی آف کر دی تھی۔ تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کیے وہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی تھی ڈیک پوری آواز سے بج رہا تھا۔ مگر کون کیا گا رہا تھا اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے بس ایسے ہی اپنے اندر کی آوازوں کو

دبانے کے لئے ایک کیسٹ اٹھا کر لگا دی تھی۔ اس کے تو اپنے اندر اس قدر شور برپا
باہر کے گانے بجانے سے اس میں کوئی خلل نہیں پڑ رہا تھا۔

"بیٹا! عورت ذات تو کانچ کا نازک برتن ہوتی ہے ذرا سے سخت ہاتھ میں چلی
ہاتھ سے پھسل جائے تو ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے پھر اپنی اصل شکل میں کبھی نہیں ڈھل سکتی
ہزار بار بھٹی میں سے نکال لو مگر ویسی نہیں بن سکتی۔ بھلا عزت جا کر کبھی دوبارہ ملتی ہے
پھٹ جائے تو سل تو جاتی ہے مگر نئی تو نہیں رہتی ناں؟ سفیدی پر لگے داغ اگر چھ
جائیں تو نشان تو رہ ہی جاتے ہیں۔"

چاروں طرف سے اماں کی آوازیں آ رہی تھیں جو بار بار اس کے کانوں سے ٹکر
تھیں۔ ان کے آنسو تھے جو اس کی آنکھوں میں اُمڈے چلے آ رہے تھے۔ ان کا چہرہ تھا
کی بصارت میں گھوم رہا تھا۔

"اماں، اماں۔" وہ بیڈ پر سیدھی بیٹھ کر زور زور سے بیڈ پر مکے مارنے لگی۔

"میں نے یہ کیا کر ڈالا۔" وہ اپنے بال نوچ رہی تھی۔ اس وقت اس پر ایک
دورے کی کیفیت طاری تھی کبھی وہ اپنے بال نوچتی تو کبھی گالوں پر تھپڑ مارنے لگتی اور کبھی با
چپ بیٹھ کر اپنے آپ کو چھو چھو کر دیکھنے لگتی۔

"میں ٹوٹی تو نہیں، میرے اعضاء تو سلامت ہیں، میرا بدن تو پورا ہے، مجھے کچھ بھی
ہوا ہا...... ہا۔" وہ زور زور سے ہنسنے لگی اور کافی دیر تک ہنستی چلی گئی۔

"آہ......" بے اختیار اس کے لبوں سے کراہیں نکلنے لگیں وہ دوبارہ اپنا آپ ٹٹو
لگی۔

"یہ درد یہ ٹیسیں کہاں سے اٹھ رہی ہیں۔" اس نے بیڈ پر سے اٹھ کر کمرے کی
لائٹیں جلا دیں۔ چاروں طرف سفید دودھیا روشنی پھیل گئی۔ ہر چیز صاف دکھائی دے
تھی۔ وہ قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر خود کو دیکھنے لگی۔

اس کے اندر کوئی کراہ رہا تھا۔ درد بہت شدید تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے پورا جسم ایک زخم
ایسا زخم جس کے اوپر سے کسی نے کھرنڈ چھیل دیئے ہوں اور وہ بہہ نکلنے کے ساتھ سا
تکلیف بھی دے رہا تھا۔ ایسا درد جو تڑپا دینے والا تھا۔

وہ جہاں جہاں ہاتھ لگا رہی تھی سب دُکھ رہا تھا وہ بلبلا رہی تھی۔

"میرے خدایا میری ماں۔" اسے اپنی اماں بہت یاد آ رہی تھیں دل چاہ رہا تھا کہ اما
کے پاس پر لگا کر پہنچ جائے اور ان کی گود میں منہ چھپا کر رو پڑے۔

"اماں! آپ سچ کہتی تھی۔ عزت کا کانچ ٹوٹ جائے تو اپنے ہی بدن میں گھستا ہے
یکھو اماں میرا پورا بدن کانچ سے اَٹا پڑا ہے۔ میری نس نس میں کانچ چل رہا ہے، میں ٹوٹ گئی
اں میں ریزہ ریزہ ہو گئی۔" وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اسے اپنے آپ
ے گھن آ رہی تھی اپنے قیمتی پرفیوم میں نہائے بدن اور لباس سے اسے سخت بدبو آ رہی تھی۔
پنا خوب صورت تراشا ہوا بدن اسے انتہائی بھیانک ہیولا دکھائی دے رہا تھا۔

"میں، مَیں کہاں ہوں؟" وہ اپنے آپ سے پوچھنے لگی۔

"تم کہیں نہیں ہو؟ تمہارا چہرہ تمہارا بدن تمہارا دل سب بدل چکے ہیں۔" اندر سے کسی
نے جواب دیا۔

"کہاں گیا سب کون لے گیا؟" وہ تڑپ کر آئینے سے پوچھنے لگی۔

"ہا...... ہا...... ہا کون لے گیا" کسی نے اس کا مذاق اُڑایا۔

"تم نہیں جانتیں۔"

کسی نے الٹا پوچھ لیا تو وہ شرمندہ ہو کر بیٹھ گئی، شرم میں ڈوب گئی۔ پچھلے چار روز سے وہ
و کچھ ہوتا دیکھ رہی تھی جو کچھ اسے کرنا پڑ رہا تھا وہ سب اس کی آنکھوں میں گھوم گیا۔ اس کا جی
اہر کو آنے لگا۔ کراہیت اس کی روح تک سرایت کر گئی۔

دراصل خالد خان ایڈورٹائزنگ کے پردے میں جو گھناؤنا کام کرتا تھا۔ وہ نفرت اور
کراہیت ہی کے لائق تھا بلکہ اس سے بھی بہت گرا ہوا تھا۔

پاکستان میں جس ایڈورٹائزنگ کمپنی اور ٹی وی پروڈکشن کے نام پر وہ ایک نام ایک
زت بنا کر بیٹھا تھا اس کا سارا بھید تو یہاں آ کر کھل گیا تھا۔

یہ کاروبار وہ وہاں بھی کر رہا تھا انڈر گراؤنڈ سب کچھ ہوتا تھا مگر یہاں تو گراؤنڈ فلور پر
کھلے عام وہ یہ سب کر رہا تھا۔ اس کے اس گھناؤنے کاروبار کے بھی کئی شعبے تھے ہر شعبہ پہلے
ے زیادہ گھناؤنا اور غلیظ تھا۔ ایڈورٹائزنگ کے نام پر وہ اپنے ملک کی عزتوں کو انٹرنیشنل سطح
کے فحش میگزینوں میں سرِ عام اشتہار بنا کر لگاتا تھا تو پروڈکشن کے نام پر وہ ایسی فلمیں بناتا تھا
جنہیں پوری دنیا میں دیکھنے والا ایک خاص طبقہ بڑی تعداد میں موجود ہوا کرتا ہے۔ جو نئی نسل
کی جڑوں میں بے حیائی اور بے راہ روی کا تیزاب انڈیلنے کے مترادف تھیں اور جو منظم
طریقے سے بڑے وسیع پیمانے پر بڑے بڑے گروہوں کی سرپرستی میں ایک مشن کی طرح اس
زہر کو نئی نسلوں کو تباہ کرنے میں استعمال ہوتی تھیں یہ بھی ایک "مافیا" تھیں۔

اس پر بس نہ تھا اس سے بھی گھناؤنا کام جو وہ کرتا تھا وہ باقاعدہ ایک ایجنسی کے تحت تھا

وہ غیر ممالک میں اپنی عزتوں کا سودا کیا کرتا تھا اپنے ملک سے لانے والی لڑکیوں کو وہ بیا
بڑے مہنگے داموں غیروں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا کر دے دیا کرتا تھا جس کے بدلے
غیر ملکی سرمائے کے علاوہ اور بھی بہت کچھ لیا دیا جاتا تھا جو اپنے ملک کی عزت نیلام کرنے
ساتھ ساتھ اس کی بنیادوں کو بھی کھوکھلا کر رہا تھا۔ یہ پورا ایک گروہ تھا جو بہت خطرناک
جس کے آکٹوپس کی طرح بہت سے لمبے لمبے ہاتھ تھے۔ گیتی جیسی جانے کتنی معصوم لڑکیاں
ان ہاتھوں میں تھیں مگر ان میں سے کوئی نہ چیخ سکتی تھی نہ آواز نکال سکتی تھی۔

ان سب کی حالتیں بھی گیتی جیسی ہی تھیں اور کچھ ایسی بھی تھیں جن کے دل پتھر ہو چکے
تھے جو خالد خان کی طرح باقاعدہ دولت کے حصول کے لئے بڑے شوق اور لگن سے یہ کام کر
رہی تھیں جیسے سطوت اور شارقہ تھیں۔

ان دونوں نے ہی دراصل اسے پھنسایا تھا اس کے دل میں ان دونوں کے لئے اتنی
نفرت تھی کہ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ خالد خان کے ساتھ ساتھ شارقہ اور سطوت کو بھی قتل کر
دے مگر سرِدست اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور اس پر وہ بے بس تھی۔

☆======☆======☆

رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے کا وقت تھا وہ کوئی میگزین پڑھ رہی تھی۔ تانیہ عشاء کی
نماز پڑھ رہی تھی جب ٹیلی فون کی بیل بجی وہ اٹھ کر فون اٹینڈ کرنے آئی مگر بیل ہونے کے
بعد ہی فون کٹ گیا وہ پلٹ گئی۔ بیل دوبارہ بجنے لگی۔

''اوہو'' اس نے واپس آ کر فون اٹھایا۔

''ہیلو۔''

''ہیلو السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔'' وہ آواز پہچانتے ہی کھل اٹھی۔

''آپا! آپ کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہوں تم لوگ کیسے ہو۔'' دوسری طرف کی آواز فرطِ جذبات سے بھرپور تھی۔

''سب ٹھیک ہیں ہمارے دولہا بھائی کیسے ہیں؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''لو ان سے بات کرو۔'' انہوں نے فون بصیر کے ہاتھ میں دے دیا۔

''طوبیٰ کیسی ہو؟'' بڑی محبت سے پوچھا گیا۔

''جی دولہا بھائی بالکل ٹھیک' ہماری آپا کیسی ہیں؟'' وہ آپا کا پوچھنے لگی۔

''بہت اچھی ہیں لیکن اداس بہت رہتی ہیں۔ بھئی ہماری محبت جتنی بھی شدید ہو تم

لوگوں کا پیار پھر بھی ان کے دل پر حاوی رہتا ہے۔'' وہ شرارت سے پاس کھڑی نوریہ کو دیکھنے
لگے جو سرخ ہو رہی تھیں۔

''انکل اور آنٹی کیسے ہیں؟'' وہ پوچھنے لگے۔

''جی بالکل ٹھیک' ٹھہریں میں انہیں بلاتی ہوں۔''

اس نے دعا سے فارغ ہوتی تانیہ کو اشارے سے بلایا اور ریسیور اس کے ہاتھ میں
دے کر بابا کو بلانے بھاگی۔

''جی دولہا بھائی۔'' تانیہ بصیر سے باتیں کرنے لگی۔

''آپ بڑے دانشمند ہیں دولہا بھائی۔''

''وہ کیسے بھئی؟'' دوسری طرف آواز میں حیرت تھی۔

''اتنی دور بس گئے ہیں جا کر کہ سالیاں روز آ کر ناز بھی نہ اٹھوا سکیں۔'' وہ شرارت سے
کہہ رہی تھی۔

''بسر و چشم دور کی کیا بات ہے آپ آنے والی بنیں ہم بلوانے کو تیار ہیں۔'' انہوں نے
سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''لیجیے اپنی آپا سے بات کریں اور ہماری شکایتیں بھی سن لیں۔'' انہوں نے پاس کھڑی
نوریہ کو اپنے اور قریب کیا اور ریسیور کان سے لگا کر اپنا کان اس کے ساتھ لگا لیا دونوں بہنیں
باتیں کرنے لگیں۔

''ارے بھئی کرو ناں شکایتیں۔'' وہ درمیان میں بول پڑے۔

''مجھے آپ سے کوئی شکایت ہے ہی نہیں تو کروں کیا؟'' انہوں نے بڑی ہی محبت سے
شوہر کو دیکھا تو انہوں نے شرارت سے اپنے لب نوریہ کے مہکتے گیسوؤں پر رکھ دیئے پھر وہ بابا
اور اماں جان سے باتیں کرنے لگیں۔

''بیٹا تمہاری پھپھو آ رہی ہیں ایک دو روز میں۔'' کرنل صاحب نے اسے بتایا۔

''بابا! طوبیٰ کی بات کرنے۔'' وہ خوش ہو کر پوچھنے لگیں۔

''ہاں ہاں بات کرنے بلکہ وہ شاید کچھ منگنی وغیرہ بھی کر کے جائیں گی۔''
وہ بھی بے حد خوش اور مطمئن تھے۔ تانیہ نے چپکے سے پاس کھڑی طوبیٰ کے بازو پر چٹکی
لے لی اس نے ذرا آنکھیں نکال کر اسے دیکھا اور پھر فوراً وہاں سے اپنے کمرے کی طرف
چلی گئی۔

''بابا! منگنی سے بہتر ہے کہ نکاح کر دیں۔'' نوریہ نے مشورہ دیا۔

"دیکھو بیٹا جو خدا کو منظور ہوا اچھا لو تم اپنی اماں سے بات کرو۔" انہوں نے ریسیور پاس کھڑی سعدیہ خان کے حوالے کر دیا۔ بیٹی کی آواز سنتے ہی ان کی تو آنکھیں بھیگ گئیں۔

"تم ٹھیک تو ہوناں؟" انہیں اب بھی وہم تھا۔

"اماں جان میں بالکل ٹھیک ہوں آپ میری فکر بالکل نہ کیا کریں اپنا خیال رکھا کریں۔" وہ ماں کو تسلی دینے لگیں۔

"خدا تمہیں ہمیشہ خوش اور آباد رکھے۔" وہ دعائیں دینے لگیں پھر بصیر نے بھی باری باری ان دونوں سے بات کی کال کافی لمبی ہو گئی اس لئے نوریہ نے پھر ایک دو روز میں فون کرنے کا کہہ کر خدا حافظ کر دیا۔

"بڑی پھپھو آ رہی ہیں۔" کمرے میں آتے ہی تانیہ نے اس کا دماغ کھانا شروع کر دیا۔

"تو کیا ہوا پہلے بھی آیا کرتی ہیں۔" اس نے لاپرواہی ظاہر کرنا چاہی حالانکہ اندر اس کا دل دھک دھک کرنا شروع ہو گیا تھا۔

"پہلے کی بات اور تھی۔" اس نے ایک ہاتھ سے اس کا چہرہ اپنی طرف گھما لیا۔

"اور اب کی اور کیا بات ہے؟" اس نے پھر بھی کچھ ظاہر نہ کیا۔

"اب کی بار تو وہ کسی کو انگوٹھی پہنانے آ رہی ہیں اور شاید انگوٹھی کی بجائے کنگن ہی پہنا دیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

"بکواس نہ کیا کرو ہر وقت۔"

"اچھا تو اسے بکواس کہتے ہیں' ٹھیک ہے میں بابا جان سے کہہ دیتی ہوں جا کر کہ پھپھو کو منع کر دیں۔" اس نے تڑی دی۔

"یہ یہ میں نے کب کہا۔" گھبرا کر اس کا ہاتھ پکڑ کے روکا ورنہ وہ تو چل دی تھی۔

"تو پھر اور کیا کہا آپ نے۔" وہ معنی خیز انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے نہیں پتا۔" اس نے اس کی نظروں کی تپش سے گھبرا کر چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

"طوبیٰ کیا تم خوش نہیں ہو۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگی۔

"یہ میں نے کب کہا۔" وہ حیرانی سے بہن کو تکنے لگی۔

"پھر وہ خوشی وہ حیا کی سرخی کیوں نہیں ہے تمہارے چہرے پر جو ایسے موقعوں پر خود بخود لڑکیوں کے چہروں پر ان کی آنکھوں میں سے جھلکا کرتی ہے۔" وہ بہت غور سے طوبیٰ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ جہاں فقط اک گہرا سکوت تھا کوئی جذبہ کوئی رنگ لہریں نہیں لے رہا تھا۔

"تانیہ! مجھے خود نہیں پتا' میرے اندر ایسا کیوں ہوتا ہے؟" وہ پریشان ہو گئی۔

"کیسا ہوتا ہے؟" وہ بہن کو پریشان دیکھ کر خود بھی پریشان ہو گئی۔

"مجھے لگتا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہے۔" وہ کمرے کی چھت کو گھورنے لگی۔

"میرا دل مطمئن نہیں ہے ہر وقت ڈرا سہما رہتا ہے کوئی عجیب سا خوف ہے جو میرے اندر بس گیا ہے وہی مجھے ڈراتا رہتا ہے۔"

"تمہیں وہم ہو گیا ہے اور کچھ نہیں ہے بھلا ڈر یا خوف کیسا؟" اس نے بہن کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے دبانا شروع کیا۔

"اللہ پر بھروسا رکھو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وقاص بھائی بہت اچھے ہیں تمہیں بہت خوش رکھیں گے۔" وہ اسے تسلیاں دینے لگی۔

"تانیہ! یہ سب کچھ بہت پہلے نہیں ہو رہا ابھی تو اس کا وقت نہیں تھا۔ میں نے تو ابھی نہیں سوچا تھا۔ میں تو بہت پڑھنا' بہت آگے جانا چاہتی تھی۔" وہ بے اختیار ہی رو پڑی۔

"طوبیٰ طوبیٰ میری جان۔" تانیہ نے تڑپ کر اس کا سر اپنے کاندھے سے لگا لیا اور اسے پیار کرنے لگی۔

"ایسے نہیں کرتے اتنا دل کیوں چھوڑ بیٹھی ہو۔"

وہ رگڑ رگڑ کر اپنی آنکھیں صاف کرتی جا رہی تھی اور پھر بھی آنسو بہے جا رہے تھے۔

اس کی ستواں خوبصورت سی ناک سرخ ہو رہی تھی اور غلافی آنکھیں' وہ ذرا سا روتی تو ذرا ہی اس کی آنکھیں سوج جایا کرتی تھیں۔ تانیہ کو اس وقت وہ چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی۔

"اچھا پہلے تم رو لو پھر بات کرتے ہیں۔" تانیہ بڑی محبت سے اسے تکنے لگی وہ کافی دیر تک روتی رہی۔

"چلو اب تمہیں اس کا انعام ملے گا۔" تانیہ نے اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کا دراز کھولا اور چاکلیٹ کا ڈبہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"لے لو۔" ڈبہ کھول کر وہ اسے دیکھنے لگی۔ وہ جھجک رہی تھی۔

"چلو تمہارا جی نہیں چاہ رہا تو رہنے دو۔" اس نے ڈبہ بند کر کے دوبارہ واپس رکھنا چاہا۔

"نہیں نہیں لاؤ ادھر۔" فوراً ہی لپک کر اس نے ڈبہ تانیہ کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"اچھا اب مجھے سمجھ آ گئی۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے گھورنے لگی۔

"کیا؟" چاکلیٹ منہ میں ڈالتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"یہی کہ تمہارا دل رونے کو کیوں چاہ رہا تھا۔" وہ ذرا سنجیدہ شکل بنا کر کہنے لگی۔

"تمہارا دل یہ چاکلیٹ صاف کرنے کو چاہ رہا تھا اور بس۔"

اس نے تیسری بار چاکلیٹ اٹھاتی طوبیٰ کے آگے سے ڈبہ اُچک کر اٹھا لیا جس پر وہ بے ساختہ ہنس دی اور اسے ہنستے دیکھ کر تانیہ بھی ہنسنے لگی۔

☆======☆======☆

"انیق بھائی! آپ کو میں نے بتا تو دیا کہ طوبیٰ ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے جو دولت یا حُسن سے مرعوب ہو جاتی ہیں۔"

"مگر میں تو اس سے محبت کرتا ہوں اسے اپنانا چاہتا ہوں۔" وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور اور بے بس ہو کر آج پھر سبینا سے بات کر رہا تھا کہ وہ کوئی صورت نکالے۔

"مگر وہ تو آپ سے محبت نہیں کرتی۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہہ ہی دیا۔

"کیوں نہیں کرتی کیا کمی ہے مجھ میں؟" اسے غصہ آ گیا۔

"یہ کوئی اپنے اختیار میں تھوڑی ہوتی ہے کہ جب چاہیں اور جس کے ساتھ چاہیں کر لیں۔" پہلے وہ اس کے غصے کو دیکھ کر ڈر جاتی تھی مگر اس کے منہ میں اب طوبیٰ کی زبان آ گئی تھی اس لئے وہ دلائل دینے لگی تھی۔

"اختیار میں نہیں ہے اپنے۔" اس نے اپنا مکا زور سے اپنی ہتھیلی پر مارا۔

"یہی تو مصیبت ہے کہ یہ اپنے اختیار میں نہیں ہے ورنہ یہ طوبیٰ۔" وہ دانت کچکچاتا ہوا کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔

"آپ اسے بھلا نہیں سکتے۔" وہ پوچھنے لگی۔

"شاید نہیں، بلکہ ہرگز نہیں۔" وہ اپنی سرخ آنکھوں سے اسے گھورنے لگا تو وہ گھبرا گئی۔

"اوہ مجھے تو کہیں جانا تھا۔" وہ بہانہ بنا کر اس کے کمرے سے نکل گئی۔

"طوبیٰ طوبیٰ میں اگر آباد نہ ہوا تو تمہیں بھی برباد کر دوں گا اور ایسا برباد کر دوں گا کہ آئندہ کوئی مغرور لڑکی کسی زعم میں نہ رہے گی۔ انیق سے ٹکر لی ہے تم نے انیق یزدانی سے۔" وہ پھنکارتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆======☆======☆

"سعدیہ! کل فائزہ آ رہی ہے؟" کرنل صاحب نے شام کی چائے پر انہیں اطلاع دی۔

"اچھا، کیا فون آیا تھا؟" ان کے چہرے پر ایک دم ہی خوشی چمکنے لگی۔

"ہاں آج آفس میں وقاص کا فون آیا تھا۔" وہ اپنی بیوی کے چہرے پر چمکتی خوشی دیکھ

کر مسکراتے ہوئے بولے۔

"ساتھ کون آ رہا ہے۔" وہ پوچھنے لگیں۔

"وقاص اور ردا بھی ساتھ ہوں گے۔" انہوں نے بتایا۔

"اچھا ہے یہ تو بہت اچھا ہے۔" وقاص کا نام سن کر وہ اور کھل گئیں۔

"کافی عرصہ ہو گیا وقاص کو دیکھے ہوئے۔"

"سعدیہ تم نے اپنی طوبیٰ سے بھی پوچھا۔" وہ کچھ سنجیدہ ہو گئے۔

"طوبیٰ کو بھلا کیا اعتراض ہوگا دیکھا بھالا لڑکا ہے۔" وہ بے فکری سے بولیں۔

"اعتراض نہ بھی ہو مگر بیٹیوں سے پوچھنا فرض ہوتا ہے یہ ان کی زندگی ہے وہ اپنے لئے بہتر رائے قائم کر سکتی ہیں ان پر اعتماد کرنا چاہیے۔" وہ انہیں سمجھانے لگے۔

"مجھے معلوم ہے کرنل صاحب۔ میں پوچھ لوں گی۔" وہ مان گئیں۔

"اچھی بات ہے۔" وہ چائے ختم کر کے نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ مغرب کی اذان کا وقت ہونے والا تھا اور وہ کچھ دیر پہلے ہی گھر سے نکل جاتے تھے اور واک کرتے ہوئے مسجد جایا کرتے تھے۔

☆======☆======☆

"گیتی! گیتی!" شارقہ اسے آوازیں دیتی آ رہی تھی۔ وہ اپنے اٹیچی کیس کی اندرونی جیبوں میں کچھ چھپا رہی تھی فوراً الرٹ ہو گئی۔ اس نے جلدی سے اٹیچی کیس بند کر کے بیڈ کے نیچے کھسکا دیا اور خود اپنے حواس درست کر کے نارمل ہو گئی۔

"گیتی!" وہ اس کے کمرے میں آ چکی تھی۔

"ہاں کہو۔" وہ بالکل نارمل انداز میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنی لپ اسٹک درست کر رہی تھی۔

"جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔" اس نے ذرا تیکھی نظروں سے اس کا بھرپور جائزہ لیا۔

"ہاں چلو میں بالکل تیار ہوں۔" اس نے ایک نظر دوبارہ آئینے میں خود کو دیکھا اور سامنے پڑا بیگ کندھے پر ڈال کر چل پڑی۔

"رکو رکو ذرا۔" شارقہ نے آواز دی تو اس کے بڑھتے قدم ذرا سا ڈگمگا کر رک گئے اور دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"کک کیا ہے۔" وہ مڑی۔

"کچھ نہیں چلو۔" بڑا عجیب انداز تھا وہ سمجھ نہ سکی۔

''تو پھر روکا کیوں تھا؟'' اس نے بھی تیوری چڑھالی۔
''دیکھ رہی تھی تمہاری چال بہت بدل گئی ہے۔'' لہجے میں گہرا طنز تھا۔
''چال تو چال چلنے والوں کی بدلتی ہے ہم تو کسی کی چال پر چلنے کے لئے مجبور ہیں''
اس نے بھی مسکرا کر ویسا ہی طنز کیا جس پر وہ اور جل گئی۔
''اچھا اچھا چلو بڑے پُر زے نکل رہے ہیں تمہارے۔''
''پر کیا کریں ہواؤں میں اُڑنے کا شوق ہمیں بھی ہو گیا ہے۔'' وہ کندھے اچکا کر بولی۔
''ہم نئے نکلنے والے پروں کو کتر دیا کرتے ہیں لہٰذا اپنی پرواز کو بلند کرنے کی کوشش کرنا ورنہ زمین پر آ گرو گی۔''
اس نے اس کے شانوں پر لہراتے بالوں کو اپنی انگلی پر بل دے کر ذرا سا جھٹکا دیا اور چھوڑ دیا جس سے اس کی گردن کو بھی ذرا سا جھٹکا لگا۔
''اچھا'' جواباً ہلکا سا قہقہہ لگا کر اسے دیکھنے لگی اس کی آنکھوں میں شارقہ کے لئے چبھتا ہوا جواب تھا جس پر وہ تلملا کر بولی۔
''چلو چلو دیر ہو رہی ہے۔''
اب گیتی نے خود کو نارمل کر لیا تھا وہ بھی اچھی طرح یہ بات سمجھ گئی تھی کہ وہ کن لوگوں میں پھنس گئی ہے اور یہاں سے نکلنا اتنا آسان نہیں۔ خودکشی کرنے کا بھی کئی بار سوچ چکی تھی مگر اس کا کچھ فائدہ نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ اپنی جان گنواتی اب تو اور ہی کچھ سوچ کر بیٹھی تھی اور وہی کرنا چاہتی تھی اس لئے وہ ایسا سمندر بن گئی تھی جس کے تلاطم کا اس کی سطح سے کچھ نہیں چلتا یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے کہ سمندر میں کب کوئی طوفان آئے گا اور وہ کس قدر شدید ہوگا۔
اس نے اپنے اردگرد بڑے سکوت کا پردہ تان لیا تھا۔
آج ان لوگوں نے ایک آؤٹ ڈور شوٹنگ کے لئے جانا تھا۔ یہ شوٹنگ ایک جھیل کے کنارے ہو رہی تھی خالد خان پورے یونٹ کے ساتھ تیار تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کے ہونٹوں پر بڑی شیطانی سی مسکراہٹ دوڑی۔
''واؤ ونڈر فل بے بی۔'' وہ اس کی کمر کے گرد بازو حائل کر کے اسے اپنے ساتھ لگائے ہوئے بولا۔
''تھینک یو سر۔'' وہ اس کے منہ سے اٹھنے والی شراب کی ناگوار بو کو بھی مسکرا کر

شت کر گئی۔ حالانکہ اس کے اندر اس وقت شدید نفرت کا طوفان اٹھا تھا مگر چہرے پر سکون رہا۔ وہ واقعی اداکاری سیکھ گئی تھی۔
''چلیں سر۔'' گیتی کو خالد خان کے اتنے قریب دیکھ کر شارقہ جیلس ہو گئی۔
''ارے ہاں دیر ہو رہی ہے۔'' خالد خان نے اپنی قیمتی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالی۔
باقی لوگ ایک بڑی خوب صورت وین میں سوار ہو گئے جبکہ گیتی کو خالد خان نے اپنی گاڑی میں فرنٹ گیٹ کھول کر بیٹھنے کی آفر کی۔
''شارقہ تم پلیز ادھر۔'' جب شارقہ بھی ساتھ بیٹھنے لگی تو اس نے اسے روک دیا اور دوسری جانب جون البرٹ کی گاڑی کی طرف اشارہ کر دیا جو اسے دیکھ کر بڑے کمینے انداز میں مسکرا رہا تھا۔
''کم آن سویٹی۔'' وہ شارقہ کا ہاتھ پکڑ کر اس طرف لے گیا وہ زخمی ناگن کی طرح بل کھاتی آنکھیں سرخ کرتی اس کے ساتھ چلی تو گئی مگر اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ کس دل سے گئی تھی۔
راستے میں خالد خان سارا وقت گیتی کی تعریفیں ہی کرتا رہا۔
''تم کس قدر اچھی ہو۔'' وہ اسے آنکھوں میں بھرتا اس کے بالوں سے کھیل رہا تھا۔
''میں کہاں سر اچھے تو آپ ہیں۔'' اس نے اسے عجیب کاٹ دار نظروں سے دیکھ کر کہا۔
''مگر تم حسین بھی بہت ہو۔'' وہ بہک رہا تھا۔
''اور آپ بہت اسمارٹ ہیں۔'' وہ صاف طنز کر رہی تھی مگر خالد خان کو اس وقت کچھ محسوس نہ ہو رہا تھا۔
''گیتی! اگر تم میرے ساتھ یونہی تعاون کرتی رہو گی تو میں تمہیں ایک روز آسمان پر پہنچا دوں گا۔'' وہ اس سے بہت خوش لگ رہا تھا۔
''اور میں چاہتی ہوں کہ ہم دونوں ایک ساتھ اوپر جائیں بہت اوپر۔''
اس نے بڑے معنی خیز انداز میں ''اوپر'' کو لمبا کر کے کہا مگر وہ اس وقت دوہرے نشے میں تھا لہٰذا بات کی حقیقت کو نہ سمجھ سکا۔
''تو پھر آج کی شام۔'' بات کو ادھورا چھوڑ کر وہ اس کی طرف کچھ اور جھک گیا۔
''آپ کے نام۔'' گیتی نے آرام سے اسے پرے ہٹا دیا اس پر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور گنگنانے لگا۔
I Just call to sa

I love you

''یقین کرو۔''

وہ اسے یقین دلانے لگا۔

''میں تو پہلے روز سے آپ پر بھروسا کرتی ہوں سر! ورنہ آپ کے جال م
پھنستی؟''

اس نے مسکراتے ہوئے بڑی گہری چوٹ کی تھی مگر جو چوٹ اس کے اپنے دل
ہوئی تھی وہ اس سے بھی گہری اور تکلیف دہ تھی اس لئے مسکراتے وقت اس کے ہونٹ
ہو گئے تھے۔

آج کی شوٹنگ اور فوٹو سیشن ایک بہت خوبصورت جھیل کے کنارے تھا۔ جگہ
خوب صورت اور دل موہ لینے والی تھی۔ وہاں ایک خوب صورت ریسٹورنٹ بھی تھا
کے کنارے کا منظر بالکل کسی سمندر کے ساحل جیسا ہی تھا۔ مگر وہ ساحل کراچی کے سم
نہ تھا۔ یہاں جو کچھ دیکھنے کو مل رہا تھا وہ کم از کم ایک مشرقی اور پھر اسلامی معاشرے
ممکن نہ تھا۔ بہت سے غیر ملکی جوڑے ہر قسم کی قید و بند سے آزاد سوئمنگ سے بھی لطف
ہو رہے تھے اور سن باتھ بھی لے رہے تھے اور آپس میں جس قسم کی قربت اور محبت
مشغول تھے وہ حیا کی زبان سے اور شرم کی نگاہ سے باہر تھی۔

''لعنت ہے ان پر۔'' گیتی نے دل ہی دل میں ان پر لعنت بھیجی مگر دل سے آواز

''ابھی تم میں اور ان میں کچھ زیادہ فرق نہ رہے گا۔'' اور اس کے قدم اس آواز
من من کے ہونے لگے جی چاہا ابھی زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے مگر ایسا کچھ
کیونکہ یہ اس کا اپنا کھودا ہوا گڑھا تھا اس میں بہرحال اسے خود ہی دھنسنا تھا اب یہ گڑ
قدر گہرا اور اندھا تھا اس کا اندازہ تو اسے قدم پورے دھنس جانے پر ہونا تھا۔

شوٹنگ کی تمام کارروائیاں مکمل ہو گئیں تو وہ اور شارقہ چینج کر کے آ گئیں۔

یہ فوٹو سیشن اور شوٹنگ دونوں ہی مخصوص قسم کے انٹرنیشنل میگزینوں کے لئے تھیں
ویمن انڈر گارمنٹس کے اشتہار اور اشتہاری فلمیں تھیں۔ وہ جب یہ فوٹو سیشن دے رہی
واقعی اس میں اور ارد گرد سوئمنگ کرنے والی اور سن باتھ لینے والی غیر ملکی حیا سے عاری
میں کوئی فرق نہ تھا۔ دونوں ہی شرم کی ہر قید سے آزاد تھیں یہ سب وہ کیسے کر رہی تھی
جانتی تھی۔

کام مکمل ہوا تو سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا خالد خان اس کے پاس آ گیا۔ اس دن

انہیں بالکل انگارہ ہو رہی تھیں اور ان میں ایسی شیطانی بھوک تھی جو اگر فوری نہ مٹتی تو یقیناً
ی کا بھی وجود تہس نہس کر دیتی۔ اس وقت وہ ایک سیاہ کالا بڑے بڑے دانتوں والا آدم
ر دیو لگ رہا تھا جو ہر روز ایک جسم کا چڑھاوا مانگتا تھا' ہر روز کسی نہ کسی بے بس کو اس قربان گاہ
اپنی بھینٹ دینی پڑتی تھی آج گیتی کی باری تھی وہ اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلے اور سانسوں
اٹھتی آدم بو آدم بو کی آوازیں سن چکی تھی۔ اس نے ایک نگاہ اوپر نیلے آسمان پر ڈالی اور
نے دل میں اٹھتے درد کے طوفان کی لہروں کو آنکھوں کے ساحل پر آنے سے پہلے روک لیا۔

وہ مسکرائی۔ ایسے جیسے رو رہی ہو۔

''چلیں سر۔'' وہ خود اپنی قربان گاہ کی طرف بڑھنے کو کہہ رہی تھی۔

''فوراً'' دیو نے اپنے بڑے خونخوار دانت نکالے اور وہ لڑکھڑاتے قدموں سے خود کو
ایک بار قتل کرنے چل دی اپنا گوشت اپنا خون اپنی ہڈیاں سب کچھ قربان کرنے۔

☆======☆======☆

آج صبح سے وہ دونوں کچن میں مصروف تھیں دوپہر ہونے والی تھی اس لئے دونوں کے
تھ جلدی جلدی چل رہے تھے۔ جنت بی بی بھی ان کے ساتھ لگی ہوئی تھی مگر وہ صرف اوپر
کے کام کر رہی تھی جیسے لہسن پیاز بنانا ہرا دھنیا اور پودینا صاف کرنا وغیرہ۔

''جنت بی بی! تم ایسا کرو اب برتن نکال کر ڈائننگ ٹیبل پر لگا دو۔'' طوبیٰ نے اپنے
پٹے کے پلو سے چہرے پر آیا ہوا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''وہ سفید ماربل والا سیٹ نکالنا۔'' اس نے آواز دے کر کہا۔

''ہاں ہاں جلدی کرو فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے انہیں بھوک لگی ہو گی۔'' ثانیہ نے سامنے
ی شرارت سے اسے دیکھا اور بولی۔ ''انہیں۔'' پر اس نے خاص زور دیا تھا۔

''بکواس مت میں پھپھو کی وجہ سے کہہ رہی ہوں وہ اتنے عرصے بعد آ رہی ہیں۔'' وہ کھسیا
کر خواہ مخواہ پتیلیوں کے ڈھکنے اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''اچھا اور وہ پھپھو کا بیٹا بیچارا۔'' وہ ہاتھ نچا کر بولی۔

''ثانیہ تم!'' اس نے چمچہ اٹھا کر اسے مارنا چاہا۔

''کیسا دیدوں کا پانی مر گیا ہے ایک وہ دور تھا کہ......'' پلٹا کھا کر اب وہ بڑی بوڑھیوں
کی طرح الٹا اسے شرم و حیا کا سبق یاد کرانے لگی۔

''تم کس طرح مانتی بھی ہو۔'' وہ زچ ہو گئی۔

''ہاں مانتی ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی ہو گئی۔ ''بس اسی

طرح کہ پیاری سی طوبیٰ ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہے خوش رہے۔'' اس نے ہنس کے اس کے
تھام کر اپنے لبوں سے لگا لئے تو اس پر بھی طوبیٰ کی آنکھیں فوراً بھیگ گئیں۔

☆======☆======☆

دوپہر کی فلائٹ سے وہ لوگ پہنچ گئے تھے۔ کرنل صاحب انہیں ایئر پورٹ سے
آئے تھے۔ تانیہ نے ہی ان کا استقبال کیا تھا اور انہیں کولڈ ڈرنکس وغیرہ پیش کیے تھے
تو مارے شرم کے اپنے کمرے سے ہی نکل نہیں رہی تھی۔ اسے پھپھو کے سامنے جاتے
بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ دل تھا کہ زور زور سے دھڑکے جا رہا تھا۔

اس کا کمرا لیونگ روم سے ملحق ہی تھا اور وہ سب لوگ وہیں بیٹھے تھے۔ ان کی آوا
اسے کمرے میں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ پھپھو سب کا حال بتا رہی تھیں اور نویرہ کا
رہی تھیں۔

''شکر ہے اللہ کا نویرہ اپنے گھر بہت خوش ہے۔'' سعدیہ خان کی آواز سے اطمینان
خوشی صاف جھلک رہی تھی۔

''بس بھابی خدا کا شکر ہی ہونا چاہیے بچیوں کی طرف سے تو۔'' یہ فائزہ پھپھو کی
تھی۔

''اور ینگ مین کیسی جا رہی ہے تمہاری ایئر فورس؟'' کرنل صاحب شاید وقاص
پوچھ رہے تھے۔

''جی ماموں جان ایک دم فرسٹ کلاس۔'' اس کی بھاری آواز ابھری پھر وہ ملکی صو
حال پر باتیں کرنے لگے۔ اس کی آواز اور انداز میں ایک ٹھہراؤ تھا جو اس کے دل
دھڑکنوں کو جانے کیوں اتھل پتھل کر رہا تھا وہ بار بار اپنا ماتھا صاف کر رہی تھی جو پسینے
عرق آلود ہوا جا رہا تھا۔

''تانو! یہ طوبیٰ کہاں ہے؟'' آخر رابعہ نے پوچھ ہی لیا۔

''وہ وہ۔'' تانیہ نے شاید چپکے سے اس کے کمرے کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔

''چلو وہیں چلتے ہیں۔''

مارے گھبراہٹ کے طوبیٰ نے قریب پڑے بک شیلف سے ایک کتاب اٹھا کر آنکھ
کے سامنے کر لی۔

''چھپنے کی ضرورت نہیں میں نے دیکھ لیا ہے۔'' کتاب میں چہرہ چھپاتی طوبیٰ کو
نے وہیں پکڑ لیا تھا۔

''کیسی ہو تم؟'' وہ شرمندہ سی ہو کر اٹھی اور رابعہ سے گلے ملنے لگی۔

''بالکل ویسی جیسی آج سے دو سال پہلے تھی۔'' رابعہ نے اسے بھینچ کر سینے سے لگایا اور
پیار سے ہلکا سا بوسہ اس کے دائیں گال پر دیا۔

''مگر تم بہت بدل گئی ہو۔'' رابعہ نے اس کے دونوں کندھوں سے تھام کر نظروں کے
سامنے کر لیا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' وہ بوکھلا سی گئی۔

''بھئی پہلے سے بھی زیادہ حسین ہو گئی ہو۔'' رابعہ نے اس کے کان میں سرگوشی کے
انداز میں کہا اور ہنسنے لگی۔

''کہیں نظر نہ لگا دینا۔'' طوبیٰ نے خوش دلی سے کہا۔

''خیر اب کیا نظر لگے گی لگانی ہوئی تو اپنے گھر لے جا کر لگائیں گے۔'' رابعہ نے
شرارت سے اس کے گال پر ایک چٹکی لی۔

''جی لے جانا اتنا آسان ہے۔'' تانیہ سامنے آ کر بولی۔

''تو کیا مشکل ہے؟'' وہ طوبیٰ کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''یہ تو پتا چلے گا۔'' وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

''جی بی بی کیا کہا آپ نے کیا مشکل ہے۔'' ایک دم ہی دروازے کی اوٹ سے نکل کر
وقاص اندر آ گیا اس نے آتے آتے ان کی بحث سن لی تھی۔

طوبیٰ کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے اور کچھ نہ بن پڑا تو فوراً اسے سلام جھاڑ دیا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام سدا سکھی رہو۔'' وہ بزرگوں کی طرح بولا مگر طوبیٰ یہ کہہ کر فوراً باہر نکل گئی
کہ پھپھو سے مل لوں۔

''واہ جناب! پھپھو سے ملنے کی کیا بے تابی ہے اور پھپھو کے بیٹے سے آہ۔'' ادھوری
بات کے ساتھ ساتھ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھی چھوڑ دی۔

''جی وقاص بھائی اب پوچھیں کیا مشکل ہے اور کیا آسان۔'' تانیہ نے معنی خیز انداز
میں اس کی طرف دیکھا۔

''مشکل ہی ہماری زندگی کا حصہ ہے ہم مشکلوں سے نہیں گھبراتے مجاہد آدمی ہیں۔
ثابت قدم رہ کر منزل کو چھو ہی لیتے ہیں جیسے......''

اس نے پھر بات ادھوری چھوڑ دی اس کا اشارہ طوبیٰ کو پا لینے کی طرف تھا وہ برسوں

سے طوبیٰ کو دل ہی دل میں چاہ رہا تھا مگر اس کا اظہار نہ کر سکا تھا اور آج اس کے دل کی
پوری ہونے والی تھی۔

''واقعی بھائی آپ بہت ثابت قدم ہیں۔''

رابعہ نے بھی بھائی کی تائید کی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کی تایا زاد عمارہ نے کیا کیا
نہ کر لئے تھے اسے اپنی طرف مائل کرنے کے لئے مگر وہ تو نظر بھر کے بھی اسے نہ دیکھا کر
اس نے تو اپنے سارے جذبے طوبیٰ کے نام کر رکھے تھے اس کی آنکھوں میں تو طوبیٰ
پھر کوئی اور کیا سماتی یہ دل کے معاملے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

☆======☆======☆

''بس بھائی! منہ میٹھا کریں۔'' فائزہ خان نے خوشی سے سرشار لہجے میں کہا اور گلا
جامن بھائی کے منہ میں ڈال دیا۔

''بس بس فائزہ!'' انہوں نے پورا گلاب جامن منہ میں بمشکل دبایا

''بھابی جان آپ بھی لیں۔'' انہوں نے دوسرا گلاب جامن اٹھا کر سعدیہ کے منہ
ڈال دیا۔

''اللہ تیرا شکر ہے میرا برسوں کا خواب پورا ہو گیا۔'' وہ بے حد خوش تھیں طوبیٰ کو
بنانے کی خواہش تو ان کے دل میں طوبیٰ کے پیدا ہوتے ہیں مچل اٹھی تھی۔ انہیں اپنے بھا
سے محبت بھی بہت شدید تھی اور وہ اس محبت کو ایک اور اٹوٹ رشتے میں باندھنا چاہتی تھیں
اس وقت عبدالصمد خان نے یہ کہہ کر بہن کو روک دیا تھا کہ پتا نہیں بچے بڑے ہو کر کیا سوچ
ہیں انہیں یوں پیدا ہوتے ہی باندھ دینا میں مناسب نہیں سمجھتا۔

اور وہ اپنا دل مسوس کر رہ گئی تھیں مگر بھائی کی بات بھی صحیح تھی اس لئے چپ ہو گئیں۔

''لیکن بھائی! یہ یاد رکھنا کہ طوبیٰ پھر بھی اگر خدا کو منظور ہوا تو میرے وقاص ہی کی دلہ
بنے گی۔'' وہ پھر بھی بضد تھیں۔

''ہاں ہاں خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا۔ مجھے آپ سے بڑھ کر کون عزیز ہے۔'' انہوں
نے بہن کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا حالانکہ وہ فائزہ خان سے پورے دو برس چھوٹے تھے مگر
چونکہ بہت لاڈلے تھے اور خاندان بھر میں اکلوتے بھی اس لئے سب پیار کے ساتھ ساتھ ان
کا بہت احترام بھی کرتے تھے۔

فائزہ نے کبھی ان کا نام نہیں لیا تھا' نہ تم کہہ کر مخاطب کیا تھا ہمیشہ بہت محبت
''بھائی'' کہہ کر پکارتیں اور انداز میں بڑی مٹھاس ہوتی تھی۔ یہ ہی حال ان کے بچوں کا

کے دو ہی بچے تھے وقاص احمد اور رابعہ' عبدالصمد خان کے گھر کی بھی یہی محبت روایت تھی
کی تینوں بیٹیاں اپنے چھوٹے بھائی سمیر کو ہمیشہ بھائی ہی کہا کرتی تھیں۔

فائزہ خان کے دل کی مراد اب پوری ہونے کو تھی تو وہ بے حد خوش تھیں۔ آج انہیں
راچی سے آئے ہوئے صرف دو روز ہوئے تھے۔ آج یہ طے پایا تھا کہ جمعہ کے روز نماز عصر
بعد سادگی سے دونوں کا نکاح کر دیا جائے گا اور رخصتی ایک برس بعد ہو گی جب نویرہ بھی
ریکہ سے آ جائے گی اور طوبیٰ کی گریجویشن بھی مکمل ہو جائے گی۔

فائزہ خان نے سب کا منہ میٹھا کروا کے فوراً اپنے شوہر نوید احمد کو فون کر دیا۔ وہ مصروف
نس مین تھے۔ کسی بزنس ڈیلنگ کے سلسلے میں ملک سے باہر تھے مگر انہوں نے وعدہ کر لیا تھا
ہ جمعہ کی صبح سیدھے پنڈی پہنچ جائیں گے۔

''چلو یہ کام بھی ہوا۔'' وہ فون کر کے مطمئن ہو گئیں۔

''میری گڑیا کہاں ہے؟'' فوراً ہی انہیں طوبیٰ کا خیال آیا۔

چائے سرو کرتی تانیہ نے اس کے کمرے کی طرف اشارہ کر دیا۔

''اور رابعہ؟'' وہ کمرے کی طرف جاتے جاتے رکیں۔

''وہ بھی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے چائے کا کپ وقاص احمد کو تھمایا جو بڑی بے تابی
ے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اوں ہوں۔'' تانیہ نے جان بوجھ کر کھنکار کر اس کی محویت کو توڑا۔

''بس کریں۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''کیا بس کروں صبح سے ایک جھلک بھی نہیں دیکھی۔'' وہ بہت بے بس لگ رہا تھا۔

''صبر کریں۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔'' وہ اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''آہ! ایک عمر گزر گئی صبر کرتے۔'' اس نے سرد آہ بھری۔

''یار بہنا! فی الحال تو کچھ چارہ کرو۔'' اب وہ منت سماجت پر اتر آیا تھا۔

''سوچنا پڑے گا۔'' اس نے ذرا نخرہ دکھایا۔

''کوئی رشوت چلے گی۔'' وہ ذرا جھک کر اس کے کان میں بولا۔

''رشوت لینے اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔'' اس نے ذرا اونچی آواز میں حدیثِ
وی پڑھی۔

''کون لے رہا ہے بیٹا رشوت۔'' کرنل صاحب کے کان میں تانیہ کی آواز پڑ گئی تھی
ہوں نے فوراً پوچھا۔

"کوئی نہیں بابا جان کوئی نہیں، میں تو وقاص بھائی کو حدیث بتا رہی تھی۔" وہ ایک
سے کھسیا گئی۔ وقاص نے بھی شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا تھا کرنل صاحب شاید کچھ کچھ سمجھ گئے
لئے سعدیہ خان کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھ کر زیرِ لب مسکرا دیئے۔ تانیہ نے چائے
خالی برتن سمیٹے اور ٹرالی جلدی سے گھسیٹتی ہوئی باہر چلی گئی وقاص بھی کچھ ہی دیر بعد وہاں
شام کا اخبار اٹھا کر باہر لان میں چلا گیا۔

☆======☆======☆

کام ختم ہوتے ہی خالد خان نے پیک اَپ کرنے کا حکم دے دیا پورا ایونٹ فوراً وا
کی تیاریوں میں لگ گیا۔ اگلے روز کی فلائٹ سے انہوں نے واپس پاکستان جانا تھا۔ پیکنگ
کے بعد یونٹ کے افراد کو اجازت تھی کہ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں گھوم سکتے ہیں اور شاپنگ
کر سکتے ہیں۔

"کیا میں بھی تنہا جا سکتی ہوں؟"
گیتی نے اپنے بالوں کو سمیٹ کر کلپ کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم تم میرے ساتھ چلنا میں تمہیں شاپنگ کراؤں گا۔" وہ بہت محبت سے بولا۔

"یعنی ابھی مجھ پر اعتبار نہیں۔" اس نے خالد خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں ا
ایک زوردار قہقہہ لگا کر ہنسی۔

"اب کہاں جاؤں گی میں، میرے پر تو کٹ چکے ہیں کب کے۔" ہنستے ہنستے اس
آنکھوں میں پانی بھر گیا اس کے اندر کی لڑکی جو مجبوریوں کی زنجیروں سے جکڑی پڑی تھی ش
وہ رو پڑی تھی۔

"یقین کریں سر اب میں نہیں اُڑ سکتی۔ بلکہ میں تو پرواز کی کوشش بھی نہیں کر سکتی۔" ا
نے رگڑ کر اپنی آنکھیں صاف کیں۔

"تم ابھی تک خفا ہو؟" اس نے قریب آ کر اس طرح اپنائیت سے پوچھا جیسے وہ
معمولی بات پر خفا ہو جیسے اس کا لُٹ جانا کوئی بات ہی نہ ہو۔

"خفا اور آپ سے۔" اس نے ایک کڑی نظر اس پر ڈالی۔

"کیوں سر آپ نے کیا کیا ہے۔" لہجہ کیا تھا خنجر تھا وہ تلملا کر رہ گئی۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے فی الحال تم لوگ پیکنگ کرو۔" وہ اپنا غصہ دبا کر باہر نکل گیا اور
پھر زور زور سے ہنسنے لگی۔

"خالد خان! تم نے کچھ نہیں کیا کچھ نہیں کیا جو ہوا جو کیا میں نے تو خود کیا۔" اس پر

اک جنون سوار ہو گیا تھا کبھی ہنستی تو کبھی روتی اس نے اپنے کمرے کا دروازہ زور سے بند کیا
اور ساری لائٹیں بجھا دیں۔

☆======☆======☆

شام کو خالد خان کے ساتھ وہ سنگاپور کے عالی شان بازاروں میں گھوم رہی تھی۔ اس
نے اسے خوب شاپنگ کرائی اور خوب سیر بھی۔ اس نے بھی اپنے سب بہن بھائیوں کے لئے
خوب دل کھول کر خریداری کی وہ جانتی تھی کہ خالد خان کی ان مہربانیوں کی ادائیگی اسے جس
صورت میں کرنی پڑے گی وہ ان چیزوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ وہ تو بہت جلد لین دین
کے سب حساب سیکھ گئی تھی۔ جانتی تھی کہ لباس تو تب تک ہی نیا رہتا ہے جب تک تن سے نہ
لگے جب کسی تن سے لگ ہی گیا تو پھر چاہے جتنی بار اُترے دھلے اور پہنا جائے نیا تو ہو نہیں
سکتا۔ ہاں زیادہ پہننے اور دھلنے سے وہ بوسیدہ ہو کر پھٹ جلدی جاتا ہے۔

اب اسے اس کی بھی فکر نہ تھی۔ وہ تو خود جلد از جلد ختم ہونا چاہتی تھی۔ اس کے پاس تو
اتنا وقت ہی نہ تھا کہ وہ اپنا آپ سنبھال سنبھال کر رکھتی، خود کو سنوارتی یا نکھارتی، اب نکھر بھی
کیسے سکتی تھی۔ ہر روز تو وہ اپنا آپ مل مل کر دھوتی تھی رگڑتی تھی۔ ڈھیروں ڈھیر پانی خود پر
بہاتی تھی۔ کلمے پڑھتی خود کو پاک کرنے کی کوشش کرتی۔ خوشبوئیں لگاتی مگر اس کے تن سے
بدبو تھی کہ جاتی ہی نہ تھی۔ وہ تو ایسا سفید لباس تھا جو تیز ہوا سے اُڑ کر غلاظت کے ڈھیر پر جا گرا
تھا۔ اب اس پر لگے داغ اور اس میں بسی غلاظت کی بدبو لاکھ جتن کرنے پر بھی نہ اتر سکتی تھی۔

"گیتی! بس جاتے جاتے تمہیں ایک معمولی سا کام اور کرنا ہے۔" جب وہ ایک بہت
خوب صورت ریسٹورنٹ میں ڈنر کے لئے بیٹھے تھے تو خالد خان نے بڑی محبت سے اس کا
ہاتھ تھام کے کہا تھا۔

"معمولی سا کام۔" اس نے ہنس کر خالد خان کو دیکھا وہ جانتی تھی کہ اس معمولی کام کی
نوعیت کیا ہو گی۔

"ہاں بھئی۔" وہ مسکرایا۔

"سر! آپ کام بتایا کریں معمولی اور خاص کا فرق نہیں۔" اس نے لاپرواہی سے سوپ
کا سِپ لے کر باہر کی طرف دیکھا۔

"ابھی جون البرٹ کے ساتھ ایک آدمی آئے گا اس کا نام چنائی لنگ یو ہے وہ جاپانی
ہے اور مشرقی حسن اس کی کمزوری ہے۔" اب وہ بالکل ایک نچلی سطح کا سودے باز لگ رہا تھا
اس کی آنکھوں میں ہوس اور لہجے میں گھٹیا پن تھا۔

"میں سمجھ گئی سر آپ اصل بات بتائیں۔" اس نے نفرت سے بھرپور نظر اس پر ڈالی۔
"اسے محض خوش کرنا ہے یا اس کی کمزوری سے کوئی فائدہ بھی اٹھانا ہے۔" وہ اپنے آ
کو پھر ذبح ہونے پر تیار کرنے لگی۔
"صرف خوش کرنا ہوتا تو میں کسی اور کو بھی کہہ دیتا مگر جو کام کرنا ہے وہ صرف تم کر
ہو۔" وہ جھک کر اور آہستہ آواز میں بات کرنے لگا۔
"اس کے پاس ایک بہت اہم ویڈیو فلم ہے تمہیں وہ کسی طرح سے حاصل کرنی ہے
اس نے اصل مقصد بتا دیا۔
"تم یہ کیسٹ رکھو۔" اس نے ایک خالی ویڈیو کیسٹ اس کے حوالے کی۔
"اور یہ۔" ایک چھوٹی سی شیشی بڑھاتے ہوئے وہ بولا۔ "اسے ڈرنک میں ملا دینا
سنو یہ اس کے آخری پیگ میں بھرنا جب تم یہ معلوم کر لو کہ وہ کیسٹ کہاں ہے اس کے بعد
تمہیں کیا کرنا ہے۔" وہ شیطانی مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگا۔
"مجھے کیا کرنا ہے اس کی ٹریننگ میں لے چکی ہوں۔" اس نے سپاٹ انداز میں کہا او
وہ چھوٹی سی شیشی اور ویڈیو کیسٹ اپنے بیگ میں رکھ لئے۔
"وہ...... وہ آ گئے۔" خالد خان نے کہنی سے اسے ٹہوکا دیا تو ریسٹورنٹ میں داخل
ہوتے جوان البرٹ کے ساتھ ایک انتہائی مکروہ شکل کے آدمی کو دیکھ کر وہ اپنے بدن کا سارا
خون اپنی رگوں میں جمع کرنے لگی۔

☆======☆======☆

آج وہ لوگ نکاح کے لئے شاپنگ کرنے نکلے تھے۔ طوبیٰ تو ساتھ ہی نہیں آ رہی تھی
بڑی مشکل سے اسے رابعہ اور تانیہ نے راضی کیا تھا ان کے کہنے پر تو وہ شاید پھر بھی راضی نہ
ہوتی مگر فائزہ پھپھو نے جب بہت محبت سے کہا۔
"گڑیا! تم خود چلو شاپنگ کرنے اپنی پسند کے رنگ اور اسٹائل کا نکاح کا جوڑا خریدو تو
مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔"
"پھپھو؟" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر وہ کہاں سننے والی تھیں۔
"چلو بیٹا ہم کوئی غیر تھوڑی ہیں۔ پھر یہ شرمانا ورمانا کیسا؟" وہ بہت کھلے ذہن اور کھلے
دل کی خاتون تھیں بچوں کو آپس میں ایک دوسرے کو سمجھ لینے کو ہی بہتر کہتی تھیں۔
"چلی چلو طوبیٰ!" سعدیہ خان نے بھی اجازت دے کر اس کے بہانہ کرنے کی کوئی
گنجائش باقی نہ رہنے دی تو مجبوراً اسے اٹھنا پڑا وہ بڑی سی چادر لئے سمٹی سمٹائی ان کے ساتھ

چلی تو آئی تھی مگر ڈری سہمی سی تھی۔ سب لوگ بہت خوش تھے اس قدر چاہت سے یہ سب کر
رہے تھے۔ مگر جانے کیوں اس کا دل عجیب گم صم سا تھا۔
پہلے وہ جیولرز کے ہاں گئے۔ سعدیہ خان اور فائزہ خان نے ساری پسند بچوں پر چھوڑ
دی اور وہ ایک طرف کو ہو کر بیٹھ گئیں۔ مگر دونوں خواتین چپکے چپکے شوکیس میں لگے سونے کے
سیٹ نظروں میں تول رہی تھیں۔ فائزہ خان اپنی ہونے والی بہو کے لئے اور سعدیہ خان اپنی
رخصت کی جانے والی بیٹی کے لئے۔
"چلیں ایسا کرتے ہیں کہ وقاص بھائی اپنی دلہن کے لئے انگوٹھی پسند کریں اور طوبیٰ
اپنے دولہا کے لئے۔" رابعہ نے شرارت سے دونوں کو دیکھ کر کہا اور تانیہ کو آنکھ مار کے اپنے
ساتھ ملا لیا۔
"ہاں ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" وہ فوراً اس کے ہمراہ ہو گئی۔
"بھئی میں تو اپنی دلہن کے لئے انگوٹھی پسند کر لوں گا اب ہماری دلہن ہمارے لئے۔"
وہ بات نامکمل چھوڑ کر گہری گہری نظروں سے طوبیٰ کو دیکھنے لگا حالانکہ طوبیٰ نے اس کی
نظروں کی طرف دیکھا نہ تھا مگر ان کی تپش سے اس کے گال ضرور تپنے لگے تھے وہ اپنی
انگلیاں مروڑنے لگی۔
تانیہ کو رابعہ نے ٹہوکا دیا۔
"چلو یہاں سے کھسک چلیں۔" اس نے دھیرے سے کہا اور وہ دونوں وہاں سے ہٹ
گئیں۔ وقاص کو ان دونوں کی یہ حرکت اچھی لگی اس نے ایک لمبی سانس کھینچ کر فضا میں
چھوڑی جیسے آزاد ہو گیا ہو اور ذرا فاصلے پر کھڑی طوبیٰ کے قریب ہو گیا۔ اس نے اپنی طرف
متوجہ کرنا چاہا مگر وہ اور سمٹ گئی۔
"ارے رے۔" وہ ڈر گیا کہ کہیں وہ وہاں سے چل نہ دے اور فوراً اصل بات پر آ گیا۔
"پلیز صرف دو منٹ۔" انداز میں التجا تھی۔ وہ خود بخود رک گئی۔
"بس انگوٹھی پسند کرنے میں میری مدد کر دو اور کچھ نہیں کہوں گا۔"
اس نے جیولر کو ڈائمنڈ رنگ دکھانے کو کہا جس کی تعمیل میں اس نے ربوٹ کی طرح
ہاتھ چلائے اور کئی ڈبے کھول کر ان کے سامنے رکھ دیئے۔
"پسند کریں سر۔" وہ مسکرا کر وقاص کو دیکھنے لگا۔
"پسند کریں میڈم۔" جواباً وقاص نے اسی کے انداز میں طوبیٰ سے کہا۔ سامنے ہی
جھلمل کرتی بے شمار انگوٹھیاں تھیں جن میں جگمگاتے ننھے ننھے ہیرے آنکھوں کو خیرہ کر رہے

تھے۔

''مجھے اس کا کوئی تجربہ نہیں۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔ آواز صاف کانپ رہی تھی۔

''ہاں مجھے بہت تجربہ ہے۔'' وہ ذرا بھاری آواز میں بولا۔

''یہ میرا چوتھا نکاح ہے' ہے ناں؟'' اس نے شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا وہ شرم سے پانی پانی ہوگئی۔

''مم...... مجھے۔''

''اچھا تو آپ کو۔''

وہ ہکلائی تو اس نے اس کی بات کو درمیان میں سے اُچک لیا اب اسے لگتا تھا کہ اسے انگوٹھی پسند کرنی پڑے گی ورنہ یہ وقاص جانے کب تک اسے تنگ کرتا رہے گا پھر اس نے ایک نظر سامنے پڑے ڈبے پر ڈالی اور دل میں بسم اللہ پڑھ کر ایک پر ہاتھ رکھ دیا اور وہاں سے بھاگ گئی اس نے خود نہ دیکھا تھا کہ اس نے کیا پسند کیا ہے وہ تو بس وقاص سے جان بچانا چاہ رہی تھی۔ سعدیہ خان نے وقاص کی پسند سے انگوٹھی خریدی اور فائزہ نے سعدیہ کے منع کرنے کے باوجود ایک نازک اور چھوٹا سا سونے کا سیٹ بھی طوبیٰ کے لئے خرید لیا تھا یہ کہہ کر بھابی یہ میری خوشی ہے آپ منع نہ کریں۔

''فائزہ! تم یہ سب بعد میں کر لینا۔'' وہ پھر بھی منع کرنا چاہتی تھیں۔

''بعد میں بھی طوبیٰ ہی کے لئے لینا ہے اب بھی۔'' انہوں نے سیٹ کی قیمت ادا کر کے اسے پیک کرا لیا۔

پھر نکاح کی جوڑے' جوتے سب اسی طرح خریدے گئے۔ وقاص نے طوبیٰ کے لئے لہنگے یا غرارے کی بجائے ایک خوب صورت کام والا فیروزی اور پرپل مکس شلوار قمیص پسند کیا تھا۔

''یہ لہنگے وغیرہ رخصتی کے وقت۔'' اس نے رابعہ کے منہ بنانے پر اسے سمجھایا تو وہ مان گئی اسے فیروزی اور جامنی دونوں رنگ ہی بہت پسند تھے۔ اپنے لئے بھی اس نے سفید کرتا شلوار پسند کیا۔

''چلو جی اب وہ دولہا دلہن کی شاپنگ تو ہوگئی اب ہماری باری ہے۔'' تانیہ اور رابعہ نے شور مچا دیا۔

''اچھا تو بچو پھر ایسا ہے کہ ہم ڈرائیور کے ساتھ گھر جاتے ہیں تم لوگ باقی کی شاپنگ کر کے آ جانا۔'' سعدیہ اور فائزہ خان واقعی تھک گئی تھیں۔

''ہاں ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' رابعہ نے فوراً ہامی بھر لی۔

''مگر مجھے جانا ہے۔'' طوبیٰ رکنے کو تیار نہ تھی۔

''بڑے افسوس کی بات ہے اب اپنی شاپنگ جو کر لی۔'' رابعہ نے مصنوعی گلہ کیا۔

''مجھے اپنے ٹیسٹ کی تیاری کرنی ہے۔'' اس نے وجہ بتائی۔

''چلیں اب تو دو دن کتابیں چھوڑ دیں۔''

رابعہ سمجھی وہ بہانہ ہی کر رہی ہے۔

''واقعی میرے بہت اہم ٹیسٹ ہو رہے ہیں۔'' وہ سچ کہہ رہی تھی تانیہ نے بھی اس کی حمایت کر دی۔

''ہاں ہاں رابعہ واقعی اس کے ٹیسٹ ہو رہے ہیں۔''

''بھئی پوزیشن ہولڈر ہے اپنی پوزیشن کا خیال تو رکھنا پڑے گا۔'' وقاص بھی مسکرایا۔

''چلو جانے دو تانیہ۔'' وہ راضی ہو گیا تو اس نے ایک نظر شکریہ کی اس پر ڈالی اور اپنی امی اور پھپھو کے ہمراہ چلی گئی۔

''اب کیا خاک مزہ آئے گا۔'' رابعہ کا منہ بن گیا۔

''مگر شاپنگ تو کرنی ہے۔ پھر وہ خود ہی مان بھی گئی اس پر وقاص ہنستا ہوا ان دونوں کو اپنے ساتھ شاپنگ کرانے لے گیا۔

☆======☆======☆

''سمیر سمیر۔'' سعدیہ خان اسے آوازیں دیتی لیونگ روم میں آئی تھیں۔

''جی امی جان!'' وہ جو وقاص احمد کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹا بہن کو جا کر لے آؤ یونیورسٹی سے۔'' انہوں نے سامنے لگے وال کلاک کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہو دیر ہو رہی ہے۔'' وہ تیزی سے باہر جانے کو بڑھا۔ آج وہ لیٹ ہو گیا تھا ورنہ تو وہ جب پنڈی میں ہوتا خود طوبیٰ اور تانیہ کو لینے جایا کرتا تھا اور ہمیشہ وقت سے تھوڑا پہلے ہی وہ گیٹ پر موجود ہوتا تھا۔

''جلدی آنا بیٹا تم لوگ آؤ گے تو کھانا لگائیں گے۔'' سعدیہ خان نے پیچھے سے آواز دی۔

''بس اماں ابھی آیا دو منٹ میں۔'' اس نے چلتے چلتے چٹکی بجا کر کہا اس نے سن گلاسز لگائے اور گاڑی اسٹارٹ کی۔ رحیم خان نے فوراً گیٹ کھولا اور وہ تیزی سے گاڑی باہر نکال

کر لے گیا وہ رات ہی گھر آیا تھا اسے طوبیٰ کے نکاح کی خبر ملی تھی کرنل صاحب نے اسے
پر بتایا تو اس سے ایک ایک پل کاٹنا مشکل ہو گیا تھا۔ چھٹی ملتے ہی وہ پہنچا تھا اور رات
سے ملنے کے بعد اس نے طوبیٰ کو اس کے کمرے میں آ کر کس قدر تنگ کیا تھا وہ رات
شرارتیں سوچ سوچ کر مسکرا رہا تھا۔ وقاص احمد اسے بھی بہت پسند تھا اور وہ خوش تھا کہ
کے بعد اب طوبیٰ بھی اچھے گھر میں جائے گی۔ طوبیٰ تو اس کی دوست بھی تھی اس کے بچھڑ
کا سوچ کر ابھی سے اس کا دل اداس ہو رہا تھا۔

اس نے کالج کے گیٹ پر رک کر اس نے دو تین بار ہارن دیا۔ طوبیٰ اپنی گاڑی کا ہارن
پہچانتی تھی اور پہلے ہی ہارن پر آ جایا کرتی تھی پھر وہ گاڑی سے اتر کر خود گیٹ پر آ گیا۔

"السلام علیکم بابا۔" اس نے کالج کے چوکیدار کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام سمیر صاحب۔" خان بابا اسے اچھی طرح پہچانتے تھے اس لئے بھاگ
آ گئے۔

"بابا ذرا طوبیٰ کو بلا دیں۔" وہ سمجھا طوبیٰ گیٹ کے اندر انتظار کر رہی ہو گی۔

"طوبیٰ بی بی۔" وہ اپنے مخصوص پٹھان لہجے میں کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"جی بابا ذرا جلدی۔" اسے بھی بہت بھوک لگ رہی تھی اس لئے وہ جلدی کر رہا تھا۔

"اچھا دیکھتا ہے ویسے اندر تو کوئی لڑکی نہیں ہے۔" بابا پریشان سے اندر چلے گئے۔

"اندر ہی ہو گی۔" سمیر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ کچھ ہی دیر میں بابا واپس آ گئے۔

"طوبیٰ بی بی تو نہیں ہے بلکہ کوئی بھی لڑکی نہیں ہے۔ سارا ڈیپارٹمنٹ تو خالی پڑا ہے۔"
خان بابا نے تفصیل سے بتایا۔

"کالج خالی پڑا ہے۔" اب وہ واقعی پریشان ہو گیا۔

"ہاں صاحب کالج کی ساری روٹ بسیں بھی چلا گیا۔ شاید طوبیٰ بی بی بس پر چلا گیا
ہو۔" بابا نے اپنے اندازے سے بتایا۔

"بس سے، مگر اسے تو پتا تھا کہ گھر سے کوئی لینے آئے گا۔" وہ فکر مندی سے سوچنے لگا۔

"لیکن مجھے دیر بھی تو بہت ہو گئی۔ آج گرمی بھی ہے ہو سکتا ہے وہ واقعی بس سے چلی گئی
ہو۔" سمیر نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔ پورے دو بج رہے تھے اور چھٹی ساڑھے بارہ
بجے ہوتی تھی۔

"اوہ شٹ۔" اسے غصہ آ گیا راستے میں ٹریفک بلاک ہونے کی وجہ سے بھی تو اسے
خاصی دیر ہو گئی تھی۔

"یہ ہمارے ملک کا انتظام بھی۔" اسے اب بہت غصہ آ رہا تھا۔

اتنی گرمی میں وہ کیا کرتی انتظار کر کے بس پر ہی جانا تھا اسے۔ وہ خود ہی قیاس کرنے
لگا۔

"دیکھنا آج مجھے بابا جان سے کیسی ڈانٹ پڑے گی مگر میرا قصور۔" وہ سوچتا ہوا گاڑی
کو واپس دوڑانے لگا آتے وقت ٹریفک بلاک ہونے کی وجہ سے اسے جتنی دیر ہوئی تھی اب
وہ اتنی ہی تیز رفتاری سے واپس جا رہا تھا۔ پندرہ منٹ کا راستہ اس نے پانچ منٹ میں طے کیا
وہ آندھی کی طرح واپس پہنچ گیا۔

گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ تقریباً دوڑتا ہوا اندر آ گیا۔

"سمیر۔" اس کے طوبیٰ کے کمرے کی طرف بڑھتے قدم رک گئے۔

"جی۔" وہ پلٹا کہ اب ڈانٹ پڑے گی۔

"طوبیٰ کہاں ہے؟" سعدیہ خان پوچھ رہی تھیں۔

"کیا مطلب طوبیٰ کہاں ہے۔ اپنے کمرے میں ہو گی۔" وہ سمجھا اماں اس سے دیر
ہونے کا بدلہ لے رہی ہیں۔

"کمرے میں۔" وہ حیران ہوئیں۔

"مگر تم تو اکیلے آئے ہو۔" ان کے چہرے پر پریشانی تھی۔

"امی جان طوبیٰ تو بس سے آ گئی تھی۔" اس نے وضاحت کرنی چاہی۔

"طوبیٰ نہیں آئی۔" اس بار سعدیہ خان کی آواز قدرے بلند تھی اور کانپ بھی رہی تھی۔

"طوبیٰ نہیں آئی۔" اسے چکر سا آ گیا۔

"تو پھر وہ کہاں گئی؟"

اس کے ساتھ ساتھ قریب کھڑی سعدیہ خان نے بھی دیوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے
سے بچایا۔

"کیا کہہ رہے ہو سمیر؟"

سعدیہ خان سے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔

"امی جان! میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ طوبیٰ گھر آئی یا نہیں۔"

وہ ضبط کی آخری حد سے گزر رہا تھا ورنہ اس کا دل تو پھٹ رہا تھا دماغ چیخ رہا تھا۔

"طوبیٰ کو لینے تم گئے تھے سمیر، طوبیٰ تمہارے ساتھ نہیں آئی تو پھر کہاں گئی؟" وہ اب
قدرے بلند آواز میں بول رہی تھیں ان کا لہجہ اور بدن دونوں کانپ رہے تھے۔

"امی' امی جان پلیز۔" ان کا فق ہوتا چہرہ دیکھ کر سمیر مزید پریشان ہو گیا۔

"آپ بیٹھیں یہاں' تانیہ تانیہ!" وہ انہیں صوفے پر بٹھا کر تانیہ کو بلانے لپکا۔

"جی بھائی۔" تانیہ بھاگی چلی آئی اتنی بلند آواز میں سمیر نے پہلے کبھی اسے نہ بلایا تھا۔

"امی جان کو دیکھو۔" وہ اسے ماں کے پاس چھوڑ کر دوبارہ باہر نکل گیا۔

اب وہ ان گلیوں سے جا رہا تھا جہاں سے طوبیٰ اپنے بس اسٹاپ پر اترنے کے بعد گزرا کرتی تھی۔ اس کا دل بار بار کہہ رہا تھا کہ ابھی طوبیٰ اس گلی میں نظر آ جائے گی۔ ابھی اس موڑ سے مڑتی نظر آ جائے گی۔ جائے گی کہاں واقعی مجھے ہی دیر ہو گئی تھی اور وہ میرا انتظار کر کے بس پر آ گئی ہو گی۔ بس بھی تو راستے میں کئی جگہ رکتی تھی۔ اسی لئے دیر ہو گئی ہو گی۔

یہی سوچتا اپنے آپ کو بہلاتا وہ بس اسٹاپ پر آ گیا۔ مگر وہ تو بالکل سنسان تھا اور دُور دور تک کوئی لڑکی نظر نہیں آ رہی تھی اس کا مطلب تھا کہ کافی دیر ہوئی کالج بس اس سٹاپ سے ہو کر جا چکی ہے مگر اپنے ڈوبتے دل کو سنبھالتا وہ پھر بھی کھڑا رہا۔

"سنیے!" اس نے قریب کے جنرل سٹور پر جا کر وہاں بیٹھے ایک شخص کو مخاطب کیا۔

"جی۔" وہ اخبار سے نظر ہٹا کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"گرلز کالج کی بس آ گئی کیا؟" اس کا دل کہہ رہا تھا وہ کہے گا۔ "نہیں صاحب ابھی نہیں آئے جانے آج کیوں لیٹ ہو گئی۔" مگر اسے جو جواب ملا وہ اس کی تمام امیدوں کو ختم کرنے کے لئے کافی تھا۔

"جی ہاں تقریباً پندرہ منٹ ہوئے' کالج بس تو یہاں سے گزر چکی ہے۔" وہ شخص اسے سر سے پاؤں تک عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا وہ جانے کیا سمجھ رہا تھا کہ شاید یہ لڑکا ان آوارہ لڑکوں میں سے ہے جو گرلز کالج کی لڑکیوں کا پیچھا کیا کرتے ہیں۔

"جی شکریہ۔" وہ مرے مرے قدموں سے دوبارہ گاڑی تک واپس آ گیا۔

"اب کہاں جاؤں؟" اس کا سر چکرا رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے طوبیٰ اپنی کسی فرینڈ کی طرف۔ چلی گئی ہو؟" پھر ایک خیال روشنی بن کر ذہن میں کوندا۔

"مگر وہ تو کبھی بغیر بتائے کہیں نہیں گئی اور اس کی تو کوئی فرینڈ ہے ہی نہیں۔" دل نے فوراً سچ بول کر روشنی گل کر دی۔

اس نے دوبارہ گھر کی طرف گاڑی کا رخ اس امید پر کر دیا کہ طوبیٰ اب تو ضرور آ چکی ہو گی۔

"اور اگر نہ آئی تو؟" دھک دھک کرتا دل رک گیا۔

"اللہ نہ کرے؟" اس نے اپنے آپ کو جھڑکا' دعائیں مانگتا دل کو سنبھالتا وہ گیٹ سے داخل ہوا تو کرنل صاحب اسے باہر برآمدے میں ہی ٹہلتے ہوئے مل گئے۔ ان کے چہرے پر ہمیشہ کھلی رہنے والی دھیمی سی مسکراہٹ کی جگہ زردیاں چھا رہی تھیں۔

"سمیر۔" وہ اس کی طرف لپکے۔ وہ جو کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے سمیر سمجھ گیا تھا مگر اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ نظریں چرا گیا۔

"سمیر بیٹا۔" انہوں نے اس کے ہاتھ تھام لئے ان کے یخ ہاتھ ہولے ہولے کپکپا رہے تھے۔ واقعی جوان بیٹیاں اگر چند پل کے لئے بھی لاپتا ہو جائیں تو ان کے ماں باپ کی کمریں اسی طرح ٹوٹ جاتی ہیں۔

سمیر بھی اسی کیفیت سے گزر رہا تھا جس سے اس وقت کرنل صاحب دوچار تھے۔

"تمہاری امی جان کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔ ان کے سامنے کوئی بات نہ کرنا۔"

وہ خود بھی اس وقت سمجھ نہ پا رہے تھے کہ اس صورتِ حال سے کس طرح نمٹا جائے۔

"تم سعدیہ خان سے کہہ دو کہ طوبیٰ کی کسی فرینڈ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی وہ اسے لے کر ہسپتال گئی ہوئی ہے؟"

انہوں نے پہلی مرتبہ جھوٹ کا سہارا خود بھی لیا اور اسے بھی جھوٹ بولنے کو کہہ رہے تھے۔

"جی بابا۔" وہ مرے مرے قدموں سے چلتا ان کے ساتھ اندر آ گیا۔

"بھائی۔" کمرے سے نکلتی تانیہ کے چہرے پر ہزاروں سوال تھے۔ جن کا کوئی جواب وہ اس وقت نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے بس منہ پر انگلی رکھ کر اسے چپ کروا دیا اندر داخل ہوا تو کمرے میں فائزہ پھپھو اور وقاص بھی موجود تھے۔ سعدیہ خان کی طبیعت خراب ہو رہی تھی۔ سمیر کو دیکھتے ہی وہ اٹھ بیٹھیں۔

"امی جان!" وہ لپک کر ماں کے پاس گیا اور ان کے پاس بیٹھ کر ان کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"امی جان! طوبیٰ کی ایک دوست کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی' اسے لے کر ہسپتال جانا پڑا۔ طوبیٰ اور ان کی لیکچرار مسز غفور ابھی تک ہسپتال میں ہیں اس لئے طوبیٰ ذرا دیر سے گھر آئے گی۔"

اس نے اپنے دل کی ساری پریشانیاں اور چہرے کے سب تفکرات چھپا
مہارت سے جھوٹ بولا۔

"اچھا اچھا یا اللہ تیرا شکر ہے۔" وہ خدا کا شکر ادا کرتی اٹھ بیٹھیں ایک ہی لمحے
کے چہرے پر زندگی کی رونق نظر آنے لگی۔

"بھابی! آپ بھی بس چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لگا لیتی ہیں۔" فائزہ خان جو
دل ہی دل میں پریشان تو خود بھی تھیں مگر انہیں جتا نہ رہی تھیں بولیں۔

"چلو تانیہ جنت بی بی سے کہو کھانا گرم کرے سب کو بھوک لگی ہوگی۔" سعدیہ
سمیر کے جھوٹ پر مطمئن ہو گئی تھیں بیڈ سے نیچے اترتی ہوئی کہنے لگیں۔

کرنل صاحب نے بے چینی سے پہلو بدلتے سمیر کو دیکھ کر اشارہ کیا اور خود بھی
سے باہر نکل گئے۔

"سمیر! تم کہاں جا رہے ہو؟" سعدیہ خان نے اسے باہر جاتے دیکھ کر پوچھا۔

"جی امی جان! ذرا منہ ہاتھ دھو کر فریش ہولوں۔" اس نے پھر جھوٹ کا سہارا لیا

"ٹھیک ہے مگر جلدی آنا کھانا لگ رہا ہے۔" وہ اسے نصیحت کر کے خود بھی ڈائننگ
کی طرف چل دیں۔

☆======☆======☆

"بابا جان! مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" وہ رو دینے کو تھا۔

"طوبیٰ آپی کہیں بھی نہیں ہیں۔"

"تم نے اچھی طرح معلوم تو کیا ہے۔ کالج میں اندر جا کر پتا کرنا تھا کوئی حادثہ
ہو؟" ان کا اپنا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"میں نے سب سے پتا کر لیا ہے بابا وہ...... وہ۔" آخر وہ ہمت ہار ہی گیا۔

"بابا جان کہیں آپی کو کچھ ہو نہ گیا ہو کسی نے......"

"خدا نہ کرے بیٹا۔" کرنل صاحب نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"سمیر...... سمیر آؤ بیٹا کھانے کو دیر ہو رہی ہے۔" سعدیہ خان آوازیں دیتی
تھیں۔

"تمہاری امی کو پتا نہ چلے۔" کرنل صاحب نے فوراً اپنے حواس درست کرتے
اسے بھی ہدایت کی، سمیر نے فوراً ہی باتھ روم میں گھس کر منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے
شروع کر دیئے۔

"آئیں ناں کرنل صاحب! کھانے کو بہت دیر ہو گئی ہے پہلے ہی۔" وہ غور سے ان کا
چہرہ دیکھتے ہوئے بولیں۔

"ہاں ہاں چلو۔" وہ کچھ گھبرائے ہوئے لگ رہے تھے۔

"کیا ہوا خیریت تو ہے۔" وہ انہیں اور غور سے دیکھنے لگیں۔

"تم بتاؤ تمہاری طبیعت اب کیسی ہے۔ سعدیہ بھئی تم ہمیں بہت پریشان کر دیتی ہو یہ تم
نے اچھا روگ لگا رکھا ہے دل کو ہمارا دل ہی کھینچ لیتی ہو پہلو سے۔" وہ ان کے کندھوں پر
ہاتھ رکھ کر ان کی آنکھوں میں جھانکنے لگے۔

"ارے رے کرنل صاحب! کیا ہو گیا آپ کو۔" وہ ان کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر
گھبرا گئیں اس عمر میں بھی حیا ان کے گال سرخ کر دیتی تھی۔

"جلدی آئیں سب بھوکے بیٹھے ہیں آپ کے انتظار میں۔" وہ اپنی ساڑھی کا پلو
سنبھالتیں چل دیں مگر اس وقت کرنل صاحب بہت پریشان تھے سوچ رہے تھے کہ سعدیہ خان
تو پہلے ہی دل کے عارضے میں مبتلا ہیں اگر طوبیٰ کی خبر کچھ اور دیر تک نہ ملی تو۔ اس سے آگے
وہ سوچ ہی نہ سکے۔ سمیر کو ساتھ لے کر وہ ڈائننگ ہال میں آ گئے۔

"بھئی تم لوگ کھانا کھاؤ۔" وہ فائزہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"ہمیں ذرا ایک نہایت ضروری کام سے جانا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"ایسا کیا کام کھانا تو کھا لیں۔" سعدیہ خان کچھ متفکر سی ہوئیں۔

"ہم فوجی لوگ ہیں کسی بھی وقت ہمیں ضروری اور نازک کام پڑ سکتے ہیں ہم آتے ہیں
بھئی آؤ سمیر۔" انہوں نے بات کو جلدی ختم کیا اور سمیر کو ساتھ لے کر باہر نکل گئے۔ سعدیہ
خان کا دل انجانے وسوسوں میں گھر گیا۔ پھر انہوں نے بھی دل سے کھانا نہ کھایا تانیہ بھی جس
دل سے بیٹھی ان کا ساتھ دے رہی تھی وہی جانتی تھی ورنہ اس کی پلیٹ میں جو ذرا سے چاول
تھے وہ بھی ویسے ہی پڑے تھے۔

کرنل عبدالصمد خان اور سمیر خان دوبارہ کالج گئے اور کالج کی پرنسپل جن کی رہائش گاہ
کالج کے اندر ہی تھی، سے ملے وہ ان سے بہت محتاط رہ کر گفتگو کر رہے تھے ظاہر ہے معاملہ بیٹی
کا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ نہ تو کالج میں کوئی معمول سے ہٹ کر واقعہ یا حادثہ ہوا اور نہ ہی کالج
کی کوئی بس آج لیٹ یا خراب ہوئی۔

پھر وہ دوبارہ کالج کے اس بس سٹاپ پر گئے کچھ دیر کھڑے ہو کر وہ ادھر ادھر کا جائزہ
لیتے رہے پھر سمیر سے بولے۔

"سمیر! تم گاڑی لے کر گھر کے موڑ تک آؤ میں پیدل ان گلیوں میں سے آتا ہو
وہ گہری سوچ میں گم تھے۔ سمیر ان کی بات سمجھ گیا تھا وہ گلیوں کا جائزہ لینا چاہ رہے
کیوں لے رہے تھے یہ بھی وہ جانتا تھا۔

بس سٹاپ سے گھر تک کا فاصلہ کچھ زیادہ نہ تھا بھی کوئی چھ سات منٹ لگتے ہوں
گلیاں گزرنے۔ میں راولپنڈی کی اکثر گلیاں اونچی نیچی اور بل دار ہی تھیں دو تین
گلیوں سے گزر کر وہ ایک جگہ آئے تو یہاں پر سڑک کافی چوڑی تھی اور ایک چوک سا
جہاں سے ایک راستہ ان کے گھر والی گلی کی طرف جاتا تھا اور دوسرا مین سڑک کی طرف
ایک گلی کسی اور کالونی کے اندر نکلتی تھی۔

"اگر کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے تو اسی جگہ پر ہو سکتی ہے۔" وہ کھڑے ہو کر
لگے کیونکہ تنگ گلیوں میں تو کسی کو اغوا کرنا یا ورغلانا ممکن نہ تھا۔ "یہاں سے گاڑی میں
انہیں یہ سوچ کر جھرجھری سی آگئی۔

"میری بچی کے ساتھ خدا نہ کرے کچھ ہو۔" ایک ہی لمحے میں وہ سر سے پاؤں
پسینے میں نہا گئے۔ مگر کچھ تو ہو چکا تھا جواب چار گھنٹے گزر جانے کے باوجود طوبیٰ گھر نہ
تھی۔

"مگر کون ایسا کر سکتا ہے۔ کس سے پوچھیں؟" وہ چاروں طرف نظریں دوڑانے
وہاں ایک کونے پر صرف ایک دھوبی کی دکان تھی جو کپڑے استری کرنے میں مگن تھا یا پھر
چھوٹی سی پرچون کی دکان جو ایک بزرگ عمر شخص اپنا گزر بسر کرنے کے لئے چلاتا تھا
سب تو کرنل صاحب کو اچھی طرح جانتے تھے۔ بلکہ ان کے بچوں کو بھی جانتے تھے۔

"ان سے پوچھیں تو کیسے پوچھیں؟" وہ اسی شش و پنج میں کھڑے تھے۔ اتنے میں
نے گاڑی لا کر ان کے قریب روکی۔

"بابا جان۔"

"ہاں سمیر تم ایسا کرو ذرا ان بزرگ کے پاس جا کر کچھ پوچھنے کی کوشش کرو۔" وہ
کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئے۔ سمیر گاڑی سے نکلا اور پرچون کی دکان پر چلا گیا۔

"السلام علیکم محترم۔"

"وعلیکم السلام بیٹا جیتے رہو۔" وہ اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھے اور سمیر سے ہاتھ ملا

"کرنل صاحب کیسے ہیں؟" وہ پوچھنے لگے۔

"جی آپ کی دعائیں ہیں۔" وہ پاس پڑا ایک میلا سا سٹول کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"آج کل تخریب کاری بہت بڑھتی جا رہی ہے ذرا اپنے علاقے کا خیال رکھا کریں۔"
نے بات شروع کی۔

"بس جی اللہ بچائے جانے اس نوجوان نسل کو کیا ہو گیا ہے اپنے ہی ساتھیوں کو اپنے
شانے کو آگ لگانے پر تُل گئی ہے۔" دکاندار نے کہا۔

"کوئی مشکوک افراد نظر آئیں تو چوکنے رہا کریں ان سے۔"

"مشکوک افراد۔" وہ کچھ سوچنے لگے۔

"کیوں خیریت تو ہے۔" وہ انہیں پریشان دیکھ کر کریدنے لگا۔

"کل سے ایک سیاہ گاڑی یہاں سے کئی بار گزری ہے۔" وہ کچھ یاد کرنے لگے۔

"سیاہ گاڑی۔" وہ ان کے قریب ہو گیا۔

"کیسے لوگ تھے!! میں...... حلئے کیسے تھے ان کے۔"

"اپنے علاقے کے نہیں تھے بیٹا اور اچھے خاصے معتبر نظر آتے تھے دیکھنے میں، کل
ے کئی بار یہاں سے گزرے۔" وہ تفصیل سے بتانے لگے۔

"آخری بار کب گزری وہ گاڑی۔" وہ بے چین ہو رہا تھا۔

"آج دوپہر کے قریب۔" وہ غور سے ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"تقریباً کتنے بجے۔" وہ باقاعدہ تفتیش کرنے لگا۔

"یہی کوئی ڈیڑھ پونے دو بجے کے قریب۔" دکاندار کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"ڈیڑھ پونے دو بجے۔" سمیر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"چلیں بہرحال محترم ذرا نظر رکھا کریں۔"

پھر وہ فوراً ہی وہاں سے آ گیا۔ آتے ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اس سڑک کی
رف نکل گیا جدھر اس دکاندار نے اس سیاہ کرولا کے جانے کی نشاندہی کی تھی۔

وہ سڑک کئی جگہ سے مڑتی ہوئی آکر مین روڈ سے مل گئی تھی اور یہ روڈ جہاں ایک طرف
ہر کے گنجان علاقوں کی طرف جاتا تھا تو دوسری طرف اسلام آباد کی طرف جا نکلتا تھا۔ گاڑی
س کی طرف روک کر وہ کسی سوچ میں الجھ گیا۔

"کیا ہوا؟" کرنل صاحب اس کے چہرے پر پریشانیوں کی لکیریں گہری ہوتی دیکھ کر
پوچھنے لگے۔

"بس بابا دماغ ماؤف ہوا جا رہا ہے۔" اس نے اپنے سر کو ہاتھوں سے دبانا شروع کر
دیا۔

''خدا خیر کرے گا اور خدا نہ کرے کہ کوئی حادثہ یا سانحہ ہماری طوبیٰ کے ساتھ پیش آیا ہو۔ خدا اسے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔'' ان کے سینے میں موجود ایک باپ کا دل انجانے خوف سے لرز رہا تھا۔

''آمین۔'' بھائی کے منہ سے فوراً نکلا۔

''مصیبت تو یہ ہے کہ طوبیٰ آپی کی کوئی دوست بھی تو ایسی نہیں جس سے کچھ پوچھا جائے۔'' سمیر نے اپنا ہاتھ زور سے گاڑی کے اسٹیئرنگ پہ مارا۔

''طوبیٰ کی دوست۔'' کرنل صاحب بھی سوچ میں پڑ گئے۔

''وہ گیتی آرا تو آج کل ملک سے باہر ہے ویسے بھی اس نے کالج چھوڑ دیا تھا۔'' ذہن پر زور دیتے ہوئے بولے۔

''ہاں بابا سینا' سینا یزدانی۔'' سمیر کو ایک دم سے وہ شوخ و شنگ سی لڑکی یاد آ گئی۔

''ہاں وہ انیق یزدانی کی کزن؟'' کرنل صاحب کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔

''تمہیں تو ان کی رہائش گاہ کا پتا ہے ناں؟'' وہ کچھ پُر امید سے نظر آنے لگے۔

''جی میں اور تانیہ ایک بار ان کی پارٹی میں گئے تھے۔''

''تو پھر چلو۔''

کرنل صاحب کا اشارہ پاتے ہی سمیر نے گاڑی اسٹارٹ کی اور تیز رفتاری سے یزدانی ہاؤس کی طرف بڑھا دی کچھ ہی دیر میں وہ ایک عالی شان سفید سنگِ مرمر کے بنگلے کے سامنے تھے۔

''بابا جان! میں اندر جاتا ہوں۔'' سمیر گاڑی سے اترنے لگا۔

''مگر میں اندر جا کر کیسے پوچھوں گا۔'' دوسرے ہی لمحے وہ رک گیا اور پھر کچھ سوچ کر چل دیا کرنل صاحب بے تابی سے اس کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگے۔ ان کی ایک ایک دھڑکن ایک ایک سانس اپنی بیٹی کے لئے تڑپ رہی تھی دعا گو تھی۔ خدایا میری بچی کی حفاظت کرنا ان کے دماغ میں الٹے سیدھے وہم آنے لگے۔ روزانہ اخبارات ایسی ہزاروں خبروں سے بھرے ہوتے تھے کہ جن میں قتل اغوا اور زیادتی کے کتنے ہی سانحے چھپے ہوتے تھے۔ ان کی ریڑھ کی ہڈیوں میں سنسنی سی دوڑ گئی اور وہ گاڑی سے اتر کر بے چینی سے ٹہلنے لگے۔

☆======☆======☆

سمیر کو صرف چند منٹ یزدانی ہاؤس کے اندر جا کر ڈرائنگ روم میں انتظار کرنا پڑا اس نے اپنا کارڈ ایک باوردی گارڈ نما چوکیدار کو دیا تھا کہ جتنی تیزی سے اندر گیا تھا اتنی ہی

تیزی سے پلٹ بھی آیا۔

''آپ کو اندر بلایا ہے۔'' وہ اندر آ کر مؤدب کھڑا ہو گیا۔

''چلو۔'' سمیر تیزی سے چل پڑا۔

لمبی راہداری سے گزر کر وہ برآمدے میں آئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے ڈرائنگ روم میں وہ یہاں پہلی بار آیا تھا مگر اس وقت اس ڈرائنگ روم کی عالی شان اور قیمتی آرائش کو دیکھ کر حیران ہونے یا سراہنے کا وقت نہیں تھا اس کے پاس' اس کا ذہن اس کی آنکھوں کے ساتھ نہ تھا وہ جو دیکھ رہا تھا وہ سوچ نہ رہا تھا۔

''ہیلو' کچھ ہی دیر بعد اسے وہی شوخ آواز سنائی دی۔

''آں ہاں السلام علیکم۔'' وہ چونکا اور گڑبڑا بھی گیا۔

''خیریت آج آپ ہمارے گھر۔'' وہ اسے دیکھ کر واقعی حیران تھی۔

''وہ طوبیٰ آپی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ آج کے لیکچر کے نوٹس منگوا رہی ہیں۔'' اسے جلدی میں یہی بہانہ بن سکا۔

''اچھا طبیعت خراب ہے کیا ہوا؟'' اسے کچھ حیرت ہوئی۔

''پتا نہیں کالج سے آئی ہیں تو بہت پریشان سی تھیں۔ کیا آج کالج میں کوئی غیر معمولی بات ہو گئی تھی۔'' وہ بات کرتا ہوا اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''کالج میں۔'' وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے سوچنے لگی۔

''کالج میں تو آج ہم بہت مصروف تھے۔ اینول فنکشن کی تیاریاں ہونے والی ہیں اس لئے پہلے ہمارا ایک ٹیسٹ تھا اکنامکس کا۔'' وہ ذہن میں دن بھر کا نقشہ لاتے ہوئے بولی۔ پھر وہ اردو فورم کی ماہانہ میٹنگ اٹینڈ کرنے ہال میں چلی گئی تھی اور میں اور شاہانہ کینٹین۔''

''یہ شاہانہ کون ہے؟'' سمیر نے فوراً پوچھا۔

''ہماری کلاس فیلو اور بہت اچھی دوست ہے قریبی گاؤں سے پڑھنے کے لئے آئی ہوئی ہے اور ہاسٹل میں رہتی ہے مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' وہ اسے حیران ہو کر دیکھنے لگی۔

''بس ایسے ہی سوچ رہا تھا آپی اس کے ساتھ تو کسی بات پر نہیں الجھیں۔'' وہ زبردستی چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔

''ارے وہ کب الجھتی ہے کسی سے۔'' اس نے ہاتھ ہلا کر سمیر کی بات کی تردید کی۔

''آج مجھے دیر ہو گئی تھی انہیں پک کرنے میں شاید اس لئے ناراض ہیں۔'' وہ اصل بات کی طرف آ گیا۔

"ہاں میں نے تو اسے بہت کہا تھا کہ میں ڈراپ کر دوں گی مگر وہ کب کسی کی سنتی
کہنے لگی بس پر ہی جاؤں گی وہ اپنے رُوٹ پر ہی گئی تھی۔"

وہ ملازم کو ٹھنڈا پیش کرنے کا اشارہ کر کے بولی۔ اس نے بے دلی سے کوک کا گلاس
لیا۔

"پہلے تو گیتی آپی ہوتی تھیں وہ دونوں رُوٹ سے گھر تک اکٹھی آ جاتی تھیں اب
رہ گئی ہیں ناں اس لئے بھی گھبراتی ہیں۔"

وہ دراصل یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ ان کے اسٹاپ پر اور کون لڑکیاں اترتی ہیں۔

سبینا اس بارے میں شاید کچھ نہیں جانتی تھی اس لئے کندھے اچکا کر بولی۔

"اچھا میں تمہیں لیکچر لا کر دیتی ہوں۔" وہ اٹھ کر اندر چلی گئی تو سمیر نے کوک کا
ویسے ہی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور جب وہ نوٹ بک سبینا سے لے کر یزدانی ہاؤس سے نکلا
تھا تو ایک بات تو کھل کر سامنے آ چکی تھی کہ طوبیٰ کالج سے اپنے روٹ پر ہی سوار ہوئی تھی
جو کچھ بھی ہوا وہ بس اسٹاپ اور گھر کے درمیانی راستے میں ہی ہوا۔

"مگر کیا ہوا؟" یہ سوال اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

"کچھ بھی۔" اس کچھ بھی کے آگے بہت کچھ تھا جسے ماننے کو اس کا ذہن تیار نہ تھا۔

"لیکن کیوں طوبیٰ کے ساتھ کیوں؟" اس کا جی چاہا وہیں سڑک کے بیچ کھڑا ہو کر
زور سے طوبیٰ کو آوازیں دینے لگے اور طوبیٰ کسی طرف سے مسکراتی ہوئی یہ کہتی ہوئی آ جائے
"بھائی کیوں چلا رہے ہو میں یہیں تو تھی۔"

☆======☆======☆

طوبیٰ کو جب ہوش آیا تو وہ ایک بالکل اجنبی جگہ پر تھی۔ اس کا ذہن بالکل سن تھا
آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔

"یہ میں کہاں ہوں؟" وہ اپنے چکراتے ہوئے سر کو تھام کر اٹھی مگر لڑکھڑا کر گر گئی
اس نے اپنی آنکھوں کو زور زور سے مسلا اور سر کو زور زور سے جھٹکا یہ کوئی بیڈ روم نما کمرہ تھا
جہاں ایک بیڈ کے علاوہ ایک صوفہ سیٹ اور آرام کرسی بھی رکھی تھی۔ ٹی وی، وی سی آر بھی تھا
کمرا خاصا بڑا اور سجا سجایا تھا۔ وہ حیران و پریشان سی پھٹی پھٹی نظروں سے چاروں
طرف دیکھنے لگی۔ سامنے دیوار پر ایک بڑی سی تصویر سجی تھی۔

"اوہ استغفر اللہ۔" اس نے فوراً ہی نظریں پھیر لیں وہ ایک خوب صورت لڑکی کی تصویر
تھی۔ مگر لڑکی جس حال میں اور جس انداز میں جلوہ گر تھی وہ ہرگز شریف نظر میں نہ سما سکتی تھی

دوسری اور تیسری دیوار پر بھی ایسی ہی تصویریں تھیں اور یہ سب خیالی پینٹنگز نہ تھیں بلکہ
اوریجنل فوٹو گراف تھے جو انلارج کرا کے بڑے بڑے خوب صورت اور قیمتی فریموں میں جڑ کر
یہاں لگائے گئے تھے۔ وہ ساری کی ساری تصاویر شہوانیت کو بھڑکانے والی تھیں ان سے طوبیٰ
کو یہ اندازہ تو اچھی طرح ہو گیا تھا کہ وہ بہت غلط جگہ پر اور بہت غلط لوگوں کے ہاتھوں میں آ
گئی تھی۔

"مگر یہ لوگ کون ہیں اور مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟" وہ دوبارہ اپنے چکراتے سر کو
تھام کر قالین پر ڈھے سی گئی۔ اس کے ذہن میں دوپہر کا وہ منحوس لمحہ گردش کر گیا جب وہ اپنے
رُوٹ سے سٹاپ پر اُتر کر گھر کی طرف جا رہی تھی ابھی وہ پہلی گلی کا موڑ ہی مڑی تھی کہ اس
کے بالکل قریب ایک سیاہ کرولا آ کر رکی وہ اتنی تیزی میں تھی کہ بریک لگانے پر اس کے ٹائر
چرچرائے تھے جس پر گھبرا کر اس نے دیکھا مگر اسے کچھ دیکھنے کی مہلت کب ملی کسی نے اس
کے منہ پر دبا کر سفید کپڑا رکھا اور اس کے لاکھ مزاحمت کرنے پر ایک ہی پل میں اسے
زبردستی اٹھا کر گاڑی میں دھکیل دیا تھا اور پھر اس کی بند ہوتی آنکھوں نے ایک اجنبی سے
چہرے کو دیکھا اور کانوں نے دوبارہ گاڑی کے ٹائر چرچرانے کی آواز سنی تھی اور اس کے
بعد اسے کچھ یاد نہ تھا۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی اور اب جو ہوش آیا تو وہ اسے باقی ہوش
اڑانے کو کافی تھا وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ اغوا ہو گئی ہے۔

"اغوا" اس کا دماغ کسی زلزلے کی زد میں آ گیا۔ "میرے خدایا" اس کے جسم کا
سارا خون ہی رگوں میں ٹھہرنے لگا۔ لفظ اغوا وہ بھی ایک جوان لڑکی کے لئے کتنا قیامت خیز
اور ذلت آمیز تھا وہ جانتی تھی "اور کوئی لڑکی اغوا کیوں کی جاتی ہے اور اس کا کیا حشر ہوتا ہے۔"
اس کے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"نہیں، نہیں یا اللہ مجھے موت دے دے میں اس سے پہلے ہی مر جاؤں۔" وہ وہیں
قالین پر ہی سجدہ ریز ہو کر اپنے مرنے کی دعائیں صدق دل سے اور رو رو کر مانگنے لگی۔ اس کا
بدن تھر تھر کانپ رہا تھا اور سانسیں گھٹ رہی تھیں آنسو گالوں پر روانی سے بہہ رہے تھے اور
ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

"بابا جان! بابا جان امی! ہائے میرے ماں باپ کا کیا حال ہو گا۔ سب مجھے ڈھونڈ رہے
ہوں گے۔ اماں کس قدر پریشان ہوں گی اور بابا جانے سب کیا سوچ رہے ہوں گے پھپھو،
تائی، تانیہ، رابعہ گھر تو بھرا پڑا تھا اور کل، کل تو میرا نکاح ہے وقاص کے ساتھ وہ...... وہ کیا
سوچ رہا ہو گا۔ میرے بابا کو سب کن نظروں سے دیکھ رہے ہوں گے یا اللہ میں کیا کروں

گی۔''

وہ دیواروں کے ساتھ سر پٹخنے لگی۔ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''میں یہاں سے کیسے نکلوں گی؟ اور اگر نکل بھی گئی تو گھر کیسے جاؤں گی۔ کیا کہا سب سے۔'' وہ اپنے آپ سے لڑ رہی تھی۔ اتنے میں باہر کسی کے قدموں کی چاپ دینے لگی۔ کوئی آ رہا تھا اور اسی طرف آ رہا تھا اس کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا میں...... کروں وہ اِدھر اُدھر کچھ تلاش کرنے لگی میں مار ڈالوں گی اگر کسی نے بھی مجھے...... آگے سوچ ہی نہ سکی اسے جھرجھری سی آ گئی۔ سامنے ایک کرسٹل کا بہت بڑا گلدان پڑا تھا جس بڑے خوب صورت سے سرخ پھول سجے ہوئے تھے اس نے وہ پھول نکال کر دور پھینکے گلدان کو مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑ کر دروازے کی اوٹ میں ہو گئی وہ بری طرح کانپ تھی۔

کوئی دروازے کا لاک کھول رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور سے پہلے کہ وہ گلدان کسی کے سر پر مارتی آنے والا پھرتی سے آگے نکل چکا تھا وہ اپنا توا برقرار نہ رکھ سکی اور نیچے گر پڑی۔

''مت ہاتھ لگانا مجھے۔'' کوئی اسے اٹھانے لگا تو وہ غرا کر دور ہٹ گئی اور وہ ذرا پرے ہو گیا۔ یہ سولہ سترہ برس کا ایک معصوم شکل کا لڑکا تھا جو دیکھنے میں ہرگز غنڈہ یا بدمعاش لگتا تھا۔ نہ ہی کسی ناپاک ارادے سے وہاں آیا ہوا لگ رہا تھا وہ دل ہی دل میں قدر سنبھل چکی تھی۔

''تم...... تم کون ہو اور مجھے یہاں کیوں بند کیا ہے؟''

ہمت کر کے وہ اس سے پوچھنے لگی مگر جواب میں اسے ایک گہری خاموشی کے سوا کچھ ملا وہ ایسے ظاہر کر رہا تھا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ بڑے آرام سے اس نے باہر راہدا میں رکھی ٹرالی اندر گھسیٹی جس میں کھانا رکھا تھا اور چائے دانی بھی رکھی تھی۔ اس لڑکے اشارے سے اسے کھانا کھانے کو کہا۔

''لعنت ہے تم پر اور تمہارے اس کھانے پر۔'' اسے غصہ آ گیا۔

''مجھے بتاؤ مجھے یہاں کیوں بند کیا ہے۔'' وہ چیخنے لگی مگر وہ اب بھی اس کی کوئی با نہیں سن رہا تھا۔

''دیکھو دیکھو مجھے یہاں سے جانے دو پلیز۔'' اب وہ اس کی منت کرنے لگی۔

''دیکھو میں تمہاری بہن کی طرح ہوں۔ میرا بھائی بھی تمہارے جیسا ہے۔'' اس

ڑ گیا اور وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''وہ مجھے ڈھونڈ رہا ہو گا میرے لئے پریشان ہو گا۔ پلیز مجھے جانے دو۔'' اب وہ اس ے سامنے ہاتھ باندھ رہی تھی وہ اسے روتا دیکھ کر تھوڑا پریشان ہو گیا۔ اس نے اس کے دھے ہوئے دونوں ہاتھوں کو نرمی سے کھولا اور بنا کچھ کہے سنے فوراً ہی وہاں سے چلا گیا۔ وہ کے پیچھے لپکی مگر وہ اسے اندر دھکا دے کر دروازہ دوبارہ لاک کر کے واپس چلا گیا۔

☆======☆======☆

دوپہر سے شام ہوئی اور شام سے پھر رات سمیر اور کرنل صاحب جانے کہاں مارے رے پھر رہے تھے وہ ابھی تک گھر واپس نہ آئے تھے۔ سعدیہ خان کے دل میں ایک ہلچل ی ہوئی تھی۔ طرح طرح کے وسوسے انہیں گھیرے ہوئے تھے اور تانیہ کے اندر جو قیامت پا تھی وہ ہی جانتی تھی کیونکہ وہ سب کے سامنے بظاہر نارمل نظر آنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی لیکن اس کا اندر جس طرح سے کٹ رہا تھا یہ اسے ہی خبر تھی۔

''چلو تانیہ ہم ہسپتال چلتے ہیں' طوبیٰ کو لے آتے ہیں اب تک تو اس کی دوست کی یعت سنبھل چکی ہو گی۔'' رابعہ جو دوپہر سے بار بار طوبیٰ کا پوچھ رہی تھی کہ کب آئے گی آخر ُس سے نہ رہا گیا۔

''طوبیٰ کو آج کالج جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔'' فائزہ خان کو بھی بولنا پڑا۔

''پھپھو! وہ ان کا بہت ضروری ٹیسٹ تھا آج اس لئے جانا ضروری تھا۔'' تانیہ نے لدی سے وضاحت پیش کی۔

''تو بیٹا وہ ہسپتال نہ جاتی کسی اور فرینڈ کو بھیج دیتی۔'' انہیں دل ہی دل میں طوبیٰ کا یہ ویہ اچھا نہ لگ رہا تھا کہ اتنی رات ہونے پر بھی وہ گھر نہ آئی تھی۔

''ابھی بابا کے ساتھ آ جائے گی بابا جان کا فون آیا تھا۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

''صمد بھائی کیا کہہ رہے تھے؟'' وہ بھائی کا سن کر کچھ نرم پڑ گئیں۔

''بابا بتا رہے تھے کہ طوبیٰ کی فرینڈ کی طبیعت بہت خراب ہے وہ بھی وہیں پر ہیں۔'' نے اپنے جھوٹ کو مزید آگے بڑھایا۔

''تو کیا اس بچی کا یہاں اور کوئی نہیں ہے؟'' فائزہ خان کا دل اب اس بیمار بچی پر پسیجنے لگا۔

''پھپھو جان! وہ ہاسٹل میں رہتی ہے کسی گاؤں سے تعلق رکھتی ہے۔'' اب وہ بڑے تماد سے کہانی آگے بڑھا رہی تھی۔

"تو اس کے گھر والوں کو اطلاع نہیں کی۔" وہ بھی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔

"جی کر دی ہے وہ آنے والے ہوں گے۔"

"چلو اچھا پھر تو طوبیٰ گھر آ جائے گی۔ ہائے بچی صبح سے کس قدر پریشان ہوگی، جانے کچھ کھایا پیا بھی ہوگا یا نہیں؟" اب وہ طوبیٰ کے لئے فکر مند ہونے لگیں۔

"ہاں یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ چل کر ان کا پتا لے آتے ہیں' بلکہ انہیں بھی ساتھ لے آئیں گے۔" رابعہ پھر جانے کو تیار ہوگئی۔

"کیوں بھائی؟" اس نے چپ بیٹھے وقاص سے پوچھا وہ تو پہلے ہی بے تاب بیٹھا جھٹ تیار ہوگیا۔

"ہاں چلو میں لے چلتا ہوں۔"

"وہ...... وہ امی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے انہیں چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں؟" تانیہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ معاملے کو کیسے سنبھالے۔

"یہ بھابی جان کہاں ہیں؟" فائزہ فکر مندی سے اٹھیں۔

"پھپھو وہ انہیں آرام کی ضرورت تھی میں نے ٹیبلٹ دے دی تھی شاید سو رہی ہ میں دیکھ کر آتی ہوں۔" وہ جلدی سے یہ کہہ کر وہاں سے نکل گئی۔ سعدیہ خان کے کمرے آئی تو وہ جائے نماز پر بیٹھی تھیں۔ وہ مغرب کی نماز کے بعد کچھ دیر تسبیح کیا کرتی تھیں اس مصروف تھیں۔

"یا اللہ تُو اس گھر پر اپنا رحم کرنا۔" اس نے نظریں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور لا میں آ کر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ کچھ دیر ٹہلنے کے بعد وہ ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ اس وقت اس حالت بالکل ایسے بچے کی سی تھی جس کا بہت قیمتی اور عزیز کھلونا کھو گیا ہو اور اس پر وہ نہ تو رو ہو اور نہ صبر کر پائے آنسو بھی نکلنے کو تیار ہوں اور وہ انہیں کسی کے ڈر سے چھپانے پر بھی مج ہو۔ اتنے میں گیٹ پر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

"یا اللہ طوبیٰ آ گئی ہو۔ جو جھوٹ میں نے پھپھو سے بولا ہے اسے سچ کر دکھاؤ۔" دعائیں مانگتی بھاگتی ہوئی پورچ میں آ گئی۔

"بابا جان' بھائی۔" اس نے گاڑی میں سے ان دونوں کو طوبیٰ کے بغیر اترتے دیکھ پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے آنسو چھلک ہی پڑے اور وہ اپنے بابا کے سینے سے کر رو پڑی۔

"میری پیاری بہن بابا وہ...... وہ...... وہ۔" ان کی آنکھوں میں اپنے سوال کا جوا

لہرا رہی تھی مگر وہاں بھی گہرے سمندروں کے ساحل پر پانی لہریں لے رہا تھا اور چھلکنے کو تیار مگر ضبط کے بند شاید بہت مضبوط تھے۔

"کچھ نہیں ہوگا میری بیٹی کو۔" انہوں نے اس کے سر پر اپنا کانپتا ہوا ہاتھ رکھ دیا۔

"بابا! اندر سب سوال کر رہے ہیں سب پوچھ رہے ہیں؟" اس نے اپنے آنسوؤں کو ر کر صاف کیا اور نارمل ہونے کی پوری کوشش کی۔

"میں نے ان سے کہا تھا کہ طوبیٰ کی کوئی ہاسٹل فرینڈ ایمرجنسی میں داخل ہے طوبیٰ اس کے پاس ہے۔" اس نے انہیں بتا دیا۔

"بیٹا! حقیقت کسی جھوٹ سے چھپ سکتی تو ہم اس سے بڑا جھوٹ بولتے مگر۔" وہ ے ہوئے لگ رہے تھے۔ "ہمیں سچ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تم اندر ان لوگوں کے پاس چلو ں ذرا تمہاری امی جان سے بات کر کے آتا ہوں۔" وہ جو اک شان سے چلا کرتے تھے آج ن کے قدم لگتا تھا زمین پر جم ہی نہ رہے ہوں اپنے بابا کی چال میں ایسی لڑکھڑاہٹ دیکھ کر وہ تڑپ کر رہ گئی۔

"بھائی! تم اندر جاؤ مجھ میں تو ہمت نہیں ہے۔" وہ اندر جانے سے گھبرا رہی تھی۔

"تانیہ! اگر میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوں تو مجھے یہ نہ سمجھو کہ میں ٹوٹا ہوا نہیں۔" وہ نے اندر کا دکھ نکالنے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گیا تھا اور وہ وہیں زمین پر اپنا سر گھٹنوں ں دے کر رونے لگی۔

"طوبیٰ' طوبیٰ۔" بس وہ اتنا ہی کہہ رہی تھی باقی کے لفظ تو اس کے اندر ہی ٹوٹ ٹوٹ کر ر رہے تھے۔

☆======☆======☆

"صمد خان! میری بیٹی کہاں ہے؟" سعدیہ خان جو بہت کچھ سمجھ تو چکی تھیں مگر ان کے نہ سے سننا چاہتی تھیں انہیں دیکھتے ہی ان کی طرف لپکیں۔

"حوصلہ کرو سعدیہ......" انہیں حوصلہ دیتے ہوئے ان کا اپنا حوصلہ ٹوٹ رہا تھا۔

"کک...... کیا مطلب؟" وہ ان کی آنکھوں میں جھانکنے لگیں۔

"خدا نے ہمیں بہت بڑے امتحان میں ڈال دیا ہے۔" انہوں نے انہیں کندھوں سے تھام کر صوفے پر بٹھایا اور ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دبانے لگے۔

"کیسا امتحان؟" وہ ٹھنڈی ہونے لگیں۔

"میری...... میری بیٹی۔" وہ ان سے جو پوچھ رہی تھیں اس کا صحیح جواب کرنل صاحب

کے پاس نہ تھا۔

''خدا پر یقین کامل رکھو سعدیہ وہ خدا کی حفظ و امان میں ہوگی۔'' وہ اسے تسلی دے ر
تھے۔

''کہاں...... کہاں ہوگی وہ۔'' وہ بے قرار ہوئی جا رہی تھیں۔

''سعدیہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتو میں بھلا یہاں پر ہوتا اسے لے نہ آتا۔'' ان کا صبر
ہاتھ سے چھوٹنے لگا۔

''تو کیا وہ اپنی دوست کے پاس ہسپتال میں نہیں ہے؟'' وہ دوپہر والی بات کو چ
بیٹھی تھیں جواب میں انہوں نے نفی میں سر ہلایا تو سعدیہ خان کا کلیجہ منہ میں آ گیا۔ اب ا
بات کی سنگینی کا اندازہ ہوا تھا۔

''تو کیا اسے کسی نے۔'' اتنا کہہ کر انہوں نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے دانتوں تلے
لیا۔

''خدا بہتر جانتا ہے۔ اسی کی ذات کو علم ہے۔ تم دعا کرو ہماری بیٹی محفوظ رہے۔'' کر
صاحب لاکھ مضبوط ہونے کے باوجود بکھر ہی گئے۔

وہ چھوٹے بچے کی طرح روتے ہوئے باتھ روم میں گھس گئے شاید وہ بیوی کے سا
اپنے حوصلے کے پہاڑ کو مٹی کرنا نہیں چاہتے تھے۔

''میرے اللہ۔'' سعدیہ خان کے ہونٹ کپکپائے اور آنکھوں سے بہتے آنسو ایک
برف ہوگئے۔ خوف کی سردیاں ان کی سانسوں کو بھی منجمد کر رہی تھیں۔

بیٹی ماں باپ کے لئے کیا چیز ہوتی ہے۔ عزت کے اصل معنی کیا ہیں اور اگر ان دونوں
پر ذرا بھی آنچ آ جائے تو باقی کیا بچتا ہے۔ خاک اور بس خاک ذلت رسوائی۔

''اے سب سے بڑھ کر عزت والے! اے سب سے زیادہ شرم اور غیرت والے! ہماری
عزت رکھنا۔'' ان کا روم روم جیسے دعا کرنے لگا اور دعائیں التجائیں بن کر آسمان کو چھو
لگیں اور ان کا دل جو چھوٹی بڑی خبر سے ہل جایا کرتا تھا انہیں لگا پہاڑ بن گیا ہو۔ اس پر
اٹیک ہوا تھا اس سے وہ بے ہوش نہیں ہوئی تھیں وہ اپنے ہوش کیسے کھوتیں انہیں تو سار
ہوش اب جمع کرنے تھے کیونکہ زمانے کے ہزاروں سوالوں کے جواب اب انہیں دینے تھے
باتوں اور طعنوں کے نشتر سہنے تھے۔ نظروں کی کاٹ برداشت کرنی تھی۔

خدا نے ان پر کیسا امتحان ڈال دیا تھا یہ اب ان کی سمجھ میں آ رہا تھا اور وہ خود کو اس
امتحان کے لئے تیار کر رہی تھیں کیونکہ اس کے سوا چارہ نہ تھا مگر انہیں خدا کی ذات پر دائمی

کامل یقین اور اپنے دودھ پر پورا بھروسا تھا۔ اپنی تربیت پر ناز تھا وہ جانتی تھیں کہ ان کی بیٹی
ان کی عزت کے تار کو ٹوٹنے نہیں دے گی۔

''یا رب! میری بیٹی کی حفاظت کرنا میں نے اسے تیرے ہی سپرد کیا اور تُو جہاں پوری
کائنات کا نظام سنبھالے بیٹھا ہے وہاں میری بچی پر بھی آنچ نہ آنے دے گا۔'' انہوں نے
نہایت ایمان اور یقین کے ساتھ یہ دعا مانگی اور نمازِ حاجت کے لئے وضو کرنے چلی گئیں۔

☆======☆======☆

کرنل صاحب بھی نمازِ حاجت ادا کر کے فارغ ہوئے تو سعدیہ خان کے پاس آ کر بیٹھ
گئے۔

''میرا خیال ہے سعدیہ! ہمیں فائزہ کو بتا دینا چاہیے۔''

''فائزہ کو۔'' وہ پریشان ہوگئیں۔

''ہاں کیونکہ اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں اور پھر ہماری بیٹی کے کردار میں کوئی جھول
نہیں۔ جو بھی ہوا ہے...... ہم سب کے ساتھ ایک سانحہ ہے۔ ہم کوئی گناہ گار یا خطاوار ہیں جو
چھپائیں۔'' وہ انہیں سمجھانے لگے۔

''صمد خان! پتا نہیں فائزہ اور وقاص کیا سوچے۔'' وہ سوچ رہی تھیں کہ صبح تو طوبیٰ اور
وقاص کا نکاح تھا اور اب یہ انہونی ہوگئی۔

''فائزہ میری بہن ہے اور اتنی عقل تو رکھتی ہے کہ اس میں طوبیٰ کا کوئی قصور نہیں۔'' وہ
سعدیہ خان کے خدشات بھانپ کر بولے۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر بیٹی ذات ہے۔''

''بیٹی کی ذات ہے تو کیا ہوا۔ وہ اتنی پاکیزہ فطرت اور مضبوط کردار ہے کہ اس کے
متعلق کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' انہیں اپنی بیٹی کے بارے میں کسی کا غلط کہنا گوارا نہ تھا۔

''پھر بھی صمد۔'' وہ بہرحال خوفزدہ ہی تھیں۔

''پھر بھی کیا اب نہ بتایا تو کل بتانا ہوگا اور کل جب ہم بتائیں گے وہ زیادہ برا ہوگا۔
ہمیں ان پر اعتبار کرنا چاہیے۔'' وہ اپنی جگہ پر درست کہہ رہے تھے۔

''ٹھیک ہے جیسے آپ مناسب سمجھیں۔'' وہ بھی جانتی تھیں کہ حقیقت کا سامنا تو
بہرحال کرنا ہی پڑے گا۔

☆======☆======☆

''آؤ رابعہ، ہم کچن میں چل کر چائے بنا لائیں۔'' سعدیہ خان کا اشارہ پا کر تانیہ نے

رابعہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے کچن میں لے آئی۔

''بھائی! طوبیٰ کیوں نہیں آئی؟'' فائزہ نے کرنل صاحب کو دیکھ کر پوچھا۔

''آپا! آپ یہاں بیٹھیں میرے پاس۔'' انہوں نے بہن کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

''خیریت ہے۔ تم کچھ پریشان ہو؟'' بھائی کے چہرے کا رنگ اُڑا اُڑا دیکھ کر وہ بہت فکر مند ہو گئیں۔

''خیریت نہیں ہے آپا۔'' ان کا لہجہ بہت کمزور لگ رہا تھا۔ آواز میں دراڑیں تھیں فائزہ کو لگا ان کا بھائی کسی گہرے صدمے سے دوچار ہے وہ بے چین ہو اٹھیں۔

''آپا! میری بچی میری طوبیٰ۔'' وہ بہن کے سامنے بالکل چھوٹے سے بچے کی طرح رو پڑے ایسا بچہ جیسے کوئی چوٹ لگ جائے اور جو اپنے کسی پیارے کو دیکھ کر اس میں زیادہ درد محسوس کرنے لگے۔

''میرے بھائی۔'' انہوں نے تڑپ کر بھائی کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

''کیا ہوا کیا ہوا میری طوبیٰ کو۔'' ان کا چہرہ ایک دم زرد ہو گیا جیسے بدن کا سارا خون نکلنے والا ہو۔

''طوبیٰ نہیں ہے۔'' وہ ہچکیاں لینے لگے۔

''کیا کیا مطلب؟'' وہ کچھ اور ہی سمجھیں وقاص بھی یہ سن کر بے تاب ہو کر اٹھا۔

''ماموں جان۔ کیا ہوا؟'' وہ آ کر اپنے ماموں کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''بیٹا! طوبیٰ کو کسی نے......'' آگے ان کی زبان لڑکھڑا گئی۔

''کیا؟'' فائزہ کے ساتھ ساتھ وقاص کو بھی جیسے سکتہ ہو گیا ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسی کوئی خبر انہیں سننے کو ملے گی پھر تو جیسے پورے کمرے میں موت چھا گئی ہو سارے کے سارے پتھر کے بت بن گئے تھے۔ جن کے جسموں میں حرکت نہ رہی تھی۔ نازیہ اور رابعہ چائے لے کر آئیں تو وہاں کوئی بھی زندہ نہ تھا۔ سب زندہ لاشیں تھیں جن کے چہروں سے لہو نچڑ گیا تھا۔

☆======☆======☆

وہ رات کیا تھی قیامت کی رات تھی...... وہ سب برزخ کے سب سے نازک اور اذیت انگیز مقام پر تھے جس کی دوسری طرف جنت دوزخ صاف دکھائی دے رہے تھے اور وہ اپنے فیصلوں کے منتظر تھے کہ کب انہیں آگ کے کنویں میں گرایا جاتا ہے یا......

سب کے ذہن اپنی اپنی سوچ میں سلگ رہے تھے۔ کرنل صاحب تو بس ٹیلی فون کے ساتھ لگے بیٹھے تھے وہ بار بار فون کرتے اور کبھی فون سننے لگتے۔ دراصل بڑی سوچ بچار کے بعد جب کوئی چارہ نہ رہا تو مجبوراً اپنے ڈیپارٹمنٹ سے انہیں مدد لینی پڑی تھی۔

انہوں نے اپنے دوست امان اللہ نیازی کو اعتماد میں لے کر ساری بات کی تھی جو انٹیلی جنس میں ایک خاص عہدے پر فائز تھے۔

فون کی بیل دوبارہ بجی کرنل صاحب نے لپک کر فون اٹھایا دوسری طرف امان اللہ نیازی ہی تھے۔

''کچھ معلوم ہوا؟'' انہوں نے بے تابی سے پوچھا۔

''ابھی تو کچھ معلوم نہیں ہوا تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں کسی پر کوئی شک نہیں۔'' وہ پوچھ رہے تھے۔

''شک کس پر میری تو کسی سے کوئی بھی دشمنی نہیں۔''

''دشمنی نہ سہی کسی کے ساتھ کوئی رنجش کوئی سخت بات ہوئی ہو؟''

''نہیں نیازی ایسی بھی کوئی بات نہیں۔''

''اچھا تو پھر ایسا تو نہیں کہ بچی کی کسی کے ساتھ کوئی انڈراسٹینڈنگ۔''

''نہیں نہیں میری بچی ایسی نہیں۔'' نیازی کے اس سوال پر وہ تڑپ اٹھے۔

''نیازی! میری بچی ان لڑکیوں میں سے ہے جن کے کردار کی گواہی اکثر فرشتے بھی دیا کرتے ہیں۔'' انہیں طوبیٰ کے بارے میں ایسی بات ہرگز اچھی نہ لگی تھی بلکہ انہیں غصہ آ گیا تھا۔

''میرا یہ مطلب نہ تھا عبدالصمد خان وہ میری بھی بیٹی ہے بس ایسے معاملات میں ہر پہلو پر نظر تو رکھنی پڑتی ہے ناں۔'' انہوں نے جھٹ وضاحت پیش کر کے کرنل صاحب کا دل صاف کرنے کی کوشش کی۔

''بہرحال تم یہ ضرور سوچو کہ کسی سے کوئی کسی بھی قسم کی ان بن ہوئی ہو یا یا کوئی ایسا بندہ جو بچی کو پہلے تنگ کرنے کی کوشش کرتا ہو تم تو جانتے ہو ہماری آج کل کی نسل چھوٹی بات پر کیا سے کیا نہیں کر گزرتی۔'' انہوں نے تفصیل سے سمجھایا اور پھر فون کرنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔

''ایسا کون ہو سکتا ہے؟'' کرنل صاحب سوچنے لگے ان کا دماغ بہت الجھا ہوا تھا وہ لیونگ روم سے نکل کر باہر صحن میں چلے گئے۔ وہ مسلسل یہی سوچ رہے تھے کہ کس پر شک

کریں ادھر کمرے میں موجود ہر ایک کے چہرے پر گہری سوچ اور سوگواری طاری تھی۔ وقا
کی حالت سب سے جدا تھی۔ اس کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پوری دنیا میں آگ لگا دے
وہ بڑی مشکل سے خود پر قابو پائے ہوئے تھا۔ سمیر کب سے اس کے چہرے
بدلتے رنگ دیکھ رہا تھا۔ آخر بولا۔

''وقاص بھائی! آپ جا کر لیٹ جائیں اور پھپھو آپ بھی۔''

''میں کیسے سو جاؤں سمیر مجھے بھلا نیند آئے گی۔ جانے وہ کس حال میں ہو گی ظالم
نے جانے...... '' اچانک ہی زبان سے کچھ نکلتے نکلتے رہ گیا۔

''فائزہ! خدا نہ کرے ایسا تو نہ کہو۔'' سعدیہ تڑپ کر بولیں۔

''بھابی جان! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ فوراً ہی شرمندہ ہو گئیں۔

''امی جان چلیں آپ کچھ دیر لیٹ جائیں۔'' وقاص نے ماں کو کندھوں سے پکڑ کر ا
اور زبردستی بیڈ روم کی طرف لے گیا۔ سعدیہ خان کے دل پر یہ بات نشتر کی طرح لگی تھی۔
منہ پھیر کے رو پڑیں۔

''امی جان۔'' تانیہ ماں کے دکھ کو سمجھتی تھی کیونکہ اس کے اپنے دل پر بھی چوٹ لگی تھ
''چلیں آپ بھی چل کر لیٹیں۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' وہ انہیں اٹھانے
انہوں نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کانچ کے ٹکڑوں پر کھڑی ہوں میں لیٹ نہیں پاؤں گی۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام
آنکھوں سے لگانے لگیں۔

سسکیاں رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں سمیر نے آگے بڑھ کر انہیں تھام لیا ان کی طبیعت
واقعی خراب ہو رہی تھی۔

''بابا' بابا جان۔'' تانیہ انہیں پکارتی باہر کو بھاگی اور سمیر ان کی زبان کے نیچے گولی رکھ
لگا۔ کرنل صاحب لپک کر آئے اور پھر سمیر کے سہارے وہ سعدیہ خان کو ان کے کمرے
لے گئے۔

''ہوش کرو سعدیہ! ہوش کرو۔'' وہ ان کے گالوں پر زور زور سے ہاتھ مار رہے تھے
جو کچھ دیر کے لئے اپنے ہوش بالکل کھو چکی تھیں ان کی سانسوں کی رفتار اور نبض دونوں مدھم
رہی تھیں۔ سمیر اور تانیہ دونوں بے حد پریشان ہو گئے حالانکہ ایسا تو اکثر ہو جایا کرتا تھا مگر آ
معاملے کی نوعیت اور ہی تھی اس لئے زیادہ خطرہ تھا کہ حالت زیادہ نہ بگڑ جائے۔ ''میں ڈاکٹر
فون کروں۔'' سمیر کو گھبراہٹ طاری تھی۔

''نہیں تم ایک گولی اور رکھو زبان کے نیچے۔'' انہوں نے سمیر سے کہا اس نے فوراً شیشی
سے گولی نکال کر ماں کی زبان کے نیچے رکھ دی تانیہ ان کی نبض پکڑ کر بیٹھی تھی اور اس کے
ہونٹ مسلسل کچھ پڑھ رہے تھے۔

سمیر ماں کو یوں بے سُدھ دیکھ کر بہت بوکھلا گیا تھا اس کا دل کسی انجانے خوف سے
دھڑک رہا تھا۔

''امی' امی جان۔'' وہ ان کے گالوں کو پیار سے سہلاتا انہیں آوازیں دے رہا تھا۔ آخر
بڑی دیر کی کوششوں کے بعد انہیں کچھ ہوش آیا۔ مگر اب بھی ان کے لب ہولے ہولے کپکپا
رہے تھے اور اک نقاہت بھری آواز آ رہی تھی۔ ''طوبیٰ' طوبیٰ۔''

☆======☆======☆

آج پورے ایک ماہ کے بعد گیتی واپس آ گئی تھی۔ اپنے وطن اپنے شہر کی سرزمین پر اس
نے قدم رکھا تو بے اختیار دل بھر آیا۔

''میں گئی تھی تو کیا تھی اور آئی ہوں تو کیا ہوں۔'' وہ جو اپنے ساتھ غیر ملکی سامان کے کئی
اٹیچی کیس بھر کے لائی تھی وہاں جو چھوڑ آئی تھی وہ اس سے کہیں زیادہ قیمتی تھا۔

''کاش میں نہ جاتی۔'' اس کا دل پچھتاوؤں سے بھرا ہوا تھا۔ مگر اب جو کھیت چڑیاں
چگ چکی تھیں اس سے کچھ حاصل نہ تھا۔ دل اگرچہ دھاڑیں مار مار کے رو رہا تھا مگر لبوں پر اس
نے چپ کے گہرے قفل لگا لئے تھے۔ آنکھوں میں بے شک سمندر ٹھاٹھیں مار رہے تھے لیکن
ساحلوں پر اس نے سخت بند لگا دیئے تھے کہ کوئی لہر چھلکنے نہ پائے۔ وہ جو ایک کمزور اور بزدل
سی لڑکی تھی۔ جو ڈری سہمی ہوئی تھی۔ جب متاعِ حیات لٹا چکی تو نڈر اور بے باک ہو گئی تھی
اب اس کے پاس لٹانے کو بچا ہی کیا تھا جو وہ حفاظت کے سامان کرتی۔

خالد خان اور شارقہ کسی کام سے کراچی ہی رک گئے تھے وہ اور سطوت پنڈی آئی
تھیں۔ ایئر پورٹ سے دونوں الگ الگ ہو گئیں یونٹ کے باقی لوگ بھی خدا حافظ کہہ کے
اپنے اپنے راستوں پر چلے گئے سب کے پاس کافی سامان تھا اس نے بھی ایک ٹیکسی روکی اور
اپنا سامان اس میں رکھوا کر ڈرائیور کو اپنے گھر کی طرف چلنے کو کہا۔

☆======☆======☆

وہ لڑکا کھانا رکھ کر چلا گیا تھا اس کے بعد ساری رات وہاں کوئی نہیں آیا تھا اور وہ ساری
رات اس کے لئے قیامت کی رات تھی۔ جو اس نے سخت اذیت میں گزاری تھی۔ ایک ایک
لمحہ سُولی پر اذیت سے گزارا تھا۔ وضو کر کے وہ نماز پڑھنے لگی تو ساری رات ہی سجدہ میں

گڑگڑاتے گزار دی۔ اس کے لبوں پر بس ایک ہی دعا تھی۔

''خدایا! مجھے ذلت سے پہلے موت دے دینا' میری عزت کی حفاظت کرنا۔'' جا

کب صبح ہوئی اور اس کی آنکھ ذرا دیر کو لگ گئی وہ وہیں قالین پر ہی سو گئی تھی۔

صبح جب دوبارہ وہی لڑکا ناشتہ دینے آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ بے خبر بے سدھ تھی۔ وہ کالج یونیفارم میں ہی تھی سفید لباس میں سفید دوپٹے سے خود کو لپیٹے ہوئے بہت ہی پاکیزہ سی روح دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے چاند کے گرد چاندنی کا ہالہ۔ وہ بہت خو صورت تھی اور بہت مقدس بھی۔ وہ لڑکا کچھ سوچ رہا تھا اس کے چہرے پر بڑی عجیب سوگواری طاری تھی۔ جیسے وہ بہت فکر مند ہو گیا ہو' پہلے اس نے سوچا کہ ہاتھ بڑھا کر اسے دے مگر اس کے چہرے پر جانے کیا تھا کہ وہ ایسا نہ کر سکا اور ناشتے کی ٹرے بیڈ پر رکھ کر خاموشی سے واپس چلا گیا جس طرح سے وہ آیا تھا مگر وہ بہت مضطرب لگ رہا تھا یہ ایک راہداری تھی جس کے دونوں جانب کمرے تھے۔ کوئی چھ سات کمرے تو ہوں گے۔ کمروں کے اندر کیا تھا۔ یہ بلڈنگ جو باہر سے ایک بڑا معزز ادارہ تھی اس کے اندر ا گھناؤنے کام ہوتے تھے۔ یہاں کے مکین جو بظاہر بڑے سوٹڈ بوٹڈ اور عزت دار نظر آ تھے۔ یہاں آکر وہ کس طرح سے لڑکیوں کی عزتوں کو تار تار کرتے تھے اور یہاں ایسی بے کہانیاں جنم لیتی تھیں جن کے انجام پر بیچاری لڑکیاں یا تو قتل ہو جاتی تھیں اور یا خودکشی...... کر لیتی تھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو باقی کی زندگی وہ زندہ لاشوں کی طرح بسر کر تھیں۔

وہ لڑکا یہی سب سوچ رہا تھا کہ یہ جو اتنی مقدس اور معصوم لڑکی اب یہاں لائی گئی جانے اس کا انجام کیا ہوگا؟ اور اس کے ساتھ اس کے بدن میں جیسے کوئی کپکپی سی طاری گئی۔

☆======☆======☆

''بھائی! کچھ پتا چلا طوبیٰ کا۔'' فائزہ خان اپنے بھائی سے مخاطب تھیں۔

''نہیں آپا! مگر آپ دعا کریں خدا سے امید رکھیں جلدی معلوم ہو جائے گا۔'' وہ حد حد پریشان تھے اور ایک ہی رات میں جن کی کمر جھک گئی تھکے تھکے لہجے میں بولے۔

''وہ احمد آ رہے ہیں۔'' وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھیں۔

''وہ تو آج وقاص کے نکاح پر آ رہے تھے مگر انہیں کیا خبر کہ یہاں۔'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر اپنے ہاتھ مروڑنے لگیں۔

''میں نے چاہا تھا کہ انہیں منع کر دوں تا کہ وہ یہاں آئیں ہی نہ اور نہ ہی انہیں پتا چلے۔'' وہ اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھیں۔

''مگر ان کا موبائل بند ہے اور گھر سے وہ نکل چکے ہیں دس بجے کی فلائٹ سے وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔'' اب وہ بے کلی سے کمرے میں چکر لگا رہی تھیں عبدالصمد خان اور سعدیہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

''کس قدر بے عزتی ہوگی میری اور کیسی بدنامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔'' ان کے دل کی باتیں زبان سے نکل ہی گئیں۔

''کیا مطلب بے عزتی یا بدنامی؟'' کرنل صاحب کو ان کی بات سن کر دکھ ہوا۔

''ظاہر ہے بھائی طوبیٰ کل سے غائب ہے اس کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔ پوری رات وہ گھر سے باہر رہی ہے اور بیٹیاں اگر تنہا گھر سے باہر رات گزاریں تو۔''

''آپا پلیز۔'' کرنل صاحب ان کی پوری بات سن ہی نہ سکے اور تڑپ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''فائزہ! کچھ تو خیال کریں کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔'' سعدیہ خان کے دل پر بھی ہاتھ پڑا تھا۔

''دیکھیں بھابی! میں یہ باتیں کسی طنز یا غلط سوچ سے نہیں کر رہی یہ سچ ہے کہ لوگ......'' انہوں نے وضاحت پیش کرنا چاہی۔

''لوگوں کی باتیں مت کریں آپ' آپ میری بیٹی کو جانتی ہیں۔'' کرنل صاحب کو غم کے ساتھ ساتھ غصہ بھی تھا۔

''بھائی! اسے تو جانتی ہوں مگر یہ لوگ یہ معاشرہ یہ بھی تو ہم سے ہی ہے۔ کیا ہم ان کے بغیر رہ سکتے ہیں؟''

عبدالصمد خان دیکھ رہے تھے کہ ایک ہی رات میں ان کی شیریں دہن بہن کی زبان میں تلخی آ گئی تھی۔

''آپا! میری بچی پر قیامت ٹوٹ گئی ہے۔ وہ جانے کس اذیت میں ہوگی اور آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں۔'' وہ رو دینے کو تھے۔

''صمد خان! قیامت ہم سب پہ ٹوٹی ہے۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ میں احمد سے کس طرح نظریں ملاؤں گی۔'' ان کے منہ سے نکلنے والا کوئی بھی لفظ زہر سے خالی نہ تھا۔ وہ تو سب سے پہلے اوروں میں شمار ہوگئی تھیں۔

''آپا! یہ جو کچھ بھی ہوا ہماری بدنصیبی اور آزمائش ہے میری......طوبیٰ خود مظلوم ہے
وار نہیں لہٰذا آپ اپنے رویئے کو بدل لیں تو مہربانی ہو گی۔'' ان کے انداز میں عجیب سی
تھی۔ سعدیہ خان کو ان کے چہرے پر بھی حرماں نصیبی سی دکھائی دی جس پر کٹ کر رہ گئیں۔
''میرے اللہ! تُو ہی رحم کر سکتا ہے اور تُو جانتا ہے میری طوبیٰ بے خطا بے قصور ہے۔''

☆======☆======☆

''ارے بھئی کہاں ہیں دولہا میاں اور یہ سب کے منہ کیوں لٹکے ہوئے ہیں؟''
خان نے آتے ہی پوچھنا شروع کر دیا وہ دس بجے کی فلائٹ سے آ گئے تھے۔ انہیں
ائیر پورٹ پر بھی صرف ڈرائیور ہی گیا تھا۔
''کیا ہوا صمد!'' وہ عبدالصمد خان کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے۔
''بس بھائی صاحب کچھ طبیعت ٹھیک نہیں۔'' انہوں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش
کی۔
''خیریت ہے۔'' وہ پریشان ہو گئے۔ ''مجھے سعدیہ بھابی بھی کچھ ٹھیک نظر نہیں آ رہیں۔''
غور سے سعدیہ خان کے چہرے کو دیکھ رہے تھے جس پر پریشانیاں اور فکریں زردیاں بن کر
چھائی ہوئی تھیں۔
''انہی کی وجہ سے ہم سب پریشان تھے دراصل رات ان کی طبیعت بہت ہی خراب ہو
گئی تھی۔'' فائزہ خان نے جھٹ وجہ پیش کر کے اپنے شوہر کو مطمئن کرنا چاہا۔
''اچھا اچھا'' وہ سمجھ گئے کہ سعدیہ خان کو جو ہارٹ پرابلم تھی وہ اچانک ہی مسئلہ پیدا کر
دیا کرتی تھی۔ وہ انجائنا کی مریضہ تھیں تانیہ ناشتے کی ٹرالی لے کر آئی تو وہ طوبیٰ کا پوچھنے
لگے۔
''یہ ہماری گڑیا کہاں ہے نظر نہیں آ رہی۔'' وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے پھر خود ہی
بولے۔
''اچھا اچھا وہ چھپی بیٹھی ہو گی۔ شرما رہی ہو گی۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''دیکھو بھئی
میں روایتی سسر نہیں بنوں گا۔ میری تو وہ بیٹی ہو گی اور دوست بھی دیکھنا تو سہی تم لوگ یہ زمانہ
جلا کرے گا ہماری محبت سے۔'' انہوں نے ہاتھ کا اشارہ فائزہ اور رابعہ کی طرف کر کے انہیں
زمانے سے تشبیہ دی۔
''کیوں تانیہ بیٹے؟'' انہوں نے تانیہ سے تائید چاہی۔
''جی پھوپھا جان۔'' وہ بھی مسکرا دی۔ وہ بے تکلفانہ انداز میں ناشتہ شروع کر چکے تھے۔

تانیہ نے چائے کپوں میں ڈال کر سب کو دی۔ صبح سے کسی نے بھی کچھ نہ کھایا تھا حالانکہ وہ
انتے کا کئی بار کہہ چکی تھی۔ فائزہ اور رابعہ نے تو چائے کے ساتھ دو دو بسکٹ لے بھی لئے
تھے مگر سعدیہ اور عبدالصمد خان نے تو ایک گھونٹ پانی کا بھی حلق سے نہ اتارا تھا۔ اسی لئے
اس نے اس وقت انہیں چائے دی تھی وہ جانتی تھی کہ اس وقت وہ احمد خان کی وجہ سے پی لیں
گے اور ایسا ہی ہوا دونوں نے خاموشی سے چائے کے کپ لئے اور گھونٹ گھونٹ کر کے پینے
لگے۔
''بھئی آج پراٹھے کس نے بنائے ہیں؟'' وہ بڑی رغبت سے کھاتے کھاتے پوچھنے
لگے۔
''جی وہ نئی ملازمہ ہے جنت بی بی اس نے۔'' تانیہ نے دھیرے سے جواب دیا۔
''واہ! بہت شاندار پراٹھے ہیں اور یہ ساگ بھی اس نے بنایا ہے۔'' وہ ساگ بڑے
ذوق سے کھاتے تھے اور یہ ساگ پراٹھا ان کا پسندیدہ ناشتہ تھا۔
''جی یہ بھی۔'' تانیہ بولی۔
''پھر تو تمہاری اس جنت بی بی کو اغوا کر کے کراچی لے جانا پڑے گا۔'' انہوں نے تو
مذاق کیا تھا مگر لفظ اغوا پر فائزہ خان کے ساتھ سبھی نے بے چینی سے پہلو بدلا سبھی کے دل جیسے
زور سے دھڑکے اور پھر مدھم پڑ گئے۔

☆======☆======☆

''کیا کیا کہہ رہی ہو تم فائزہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' احمد خان نے جب فائزہ خان کے منہ
سے ساری بات سنی تو ان کے تو حواس ہی جاتے رہے۔
''طوبیٰ اور اغوا۔'' زبان ان کے دانتوں تلے آ کر کٹ گئی تھی۔
''کس نے کر دیا یہ ظلم؟'' وہ اپنے ہاتھ مسلتے کمرے میں چکر پہ چکر لگائے جا رہے
تھے۔ ناشتے کے بعد جب انہوں نے طوبیٰ سے ملنے پر بہت اصرار کیا تھا تو فائزہ انہیں کمرے
میں لے آئی تھیں اور مجبوراً انہیں یہ بات بتانی پڑی تھی۔
''یہ نہیں ہو سکتا فائزہ۔'' انہیں تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔
''یہ ہو چکا ہے احمد۔'' وہ خود بہت پریشان تھیں۔
''اب کیا ہو گا؟'' وہ اپنا سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔
''یہی سوچ سوچ کر تو میرا برا حال ہے۔'' وہ بھی شوہر کے ساتھ بیٹھ گئیں۔
''وقاص کیا کہتا ہے؟''

"وقاص کیا کہے گا وہ تو ایک دم ایسا شاکڈ ہوا ہے کہ کل سے گم صم پڑا ہے۔" وہ اس
کی وجہ سے بھی ڈسٹرب تھیں۔

"جو کچھ ہوا یہ بالکل اچھا نہیں ہوا۔" وہ الجھ سے گئے تھے۔

"خدا جانے اب کیا ہو' جانے وہ کون لوگ تھے اور کیوں طوبیٰ کو لے گئے۔" وہ خود
سوال پہ سوال کیے جا رہے تھے۔

"اور جانے کیا کریں بچی کے ساتھ؟"

"خدا اسے اپنی امان میں رکھے۔" یہ سن کر فائزہ کا دل ہول گیا وہ بہرحال بھتیجی
بہت پیار کرتی تھیں۔

"بھلا اغوا ہونے والی لڑکیاں بھی کبھی امان میں ہوتی ہیں۔" انہوں نے یہ بات
سے تو نہیں کہی تھی لیکن پھر بھی فائزہ کو ایک گہرا نشتر ضرور لگا تھا۔

"احمد پلیز۔" انہوں نے التجا سی کی۔

"ٹھیک ہے فی الحال تو یہ دعا مانگو کہ وہ گھر واپس آ جائے۔" احمد خان فی الحال بات
کر کے کمرے سے نکل گئے۔

☆======☆======☆

وہ دن بھی پورا گزر گیا دعائیں مانگتے' آنسو بہاتے اور اس کے مل جانے کی کوشش
کرتے' جہاں سعدیہ خان صدمے سے نڈھال ہو کر زرد ہو چکی تھیں وہیں پر عبدالصمد خان
شخصیت کا سارا رعب و دبدبہ اور ساری بہادری کمزور پڑ گئی تھی۔ وہ جھکی کمر والے بوڑھے آدمی
لگنے لگے تھے۔

"یہ بیٹیاں بھی کیا چیز ہوتی ہیں۔" تانیہ باپ کو اس حال میں دیکھ کر دکھی ہو رہی تھی
"لوگ بیٹیوں کے ایسے ہی دکھوں سے خوفزدہ ہو کر شاید ان کے پیدا ہوتے ہی مر جانے
دعائیں کیا کرتے ہیں یا پھر جو زمانہ جہالت میں بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے وہ بہت
اندلیش ہوتے ہوں گے۔ اچھا ہی کرتے تھے۔" جانے کیوں تانیہ آج ایسی کفر کی باتیں
سوچے جا رہی تھی شاید اس لئے کہ اس کا چھوٹا سا دل اتنا بڑا صدمہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا
"کاش میرے پاس کوئی جادو کی چھڑی ہوتی اور اسے گھما کر میں پتا چلا لیتی کہ طوبیٰ کہاں
ہے؟" اس کا ذہن بچپنے کی باتیں سوچنے لگا۔ باقی تو سبھی کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے مگر وہ تو چپ
چاپ سب کی سنتی پھر رہی تھی اور زیادہ ہوتا تو اپنے کمرے میں جا کر رو پڑتی۔

"طوبیٰ! تم کہاں ہو؟ آ جاؤ دیکھو بابا جان کا برا حال ہے امی جان کی حالت دیکھی نہیں

جاتی اور دیکھو اس چھوٹو سمیر کو وہ کس طرح سر جھکائے اپنے آنسو چھپاتا پھر رہا ہے' میرے اللہ
ہمارا امتحان ختم کر دے طوبیٰ کی خبر دے دے ہمیں اس سے ملا دے وہ کہاں ہے اس کا پتا
دے دے مولا کریم۔" وہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے روئے جا رہی تھی۔

دن ڈھل گیا اور رات پھر اپنی تمام تر سیاہیوں سمیت ان کے گھر پہ چھا گئی بالکل ایسے
جیسے غم کے اندھیرے اس گھر کے مکینوں کے دلوں پر چھائے ہوئے تھے۔ احمد خان نے واپس
جانے کا اعلان کر دیا تھا۔

"اچھا یار عبدالصمد میں چلوں گا' بہت اہم بزنس ڈیل چھوڑ کر آیا تھا۔" وہ لاکھ اپنا ہونے
کے باوجود بزنس مین بہت پکے تھے۔ انہیں اپنا بزنس بھی کسی محبوبہ کی طرح عزیز تھا۔

"وقاص بیٹا اب تم بھی چلو تمہاری چھٹی بھی ختم ہو رہی ہے۔" انہوں نے وقاص کو بھی
ساتھ چلنے کو کہا تو سعدیہ خان نے بڑے کرب سے وقاص کی طرف دیکھا۔

"ابو جان! میں نے اور چھٹی لے لی تھی میں ماموں جان کو اس نازک وقت میں تنہا
چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" وہ بہت نیک طبع نوجوان تھا اور جس کرب سے اس کے ماموں گزر
رہے تھے وہ خود بھی تو اسی کا شکار تھا اور پھر اس کی حالت تو اور طرح سے بھی جدا تھی کہ طوبیٰ
اس کی بچپن کی محبت تھی اگرچہ یہ دوسری رات تھی طوبیٰ کو گھر سے غائب ہوئے اور جانے کن
ہاتھوں میں تھی' لیکن اس کا دل ابھی تک اس کے لئے میلا نہ ہوا تھا۔

"تمہاری مرضی ہے۔" انہوں نے بغیر کسی جذبات کے کہا۔

"اور تم فائزہ؟" انہوں نے فائزہ کو پوچھا۔

"میں ابھی رکوں گی آپ چلے جائیں۔" انہوں نے ان سے نظریں ملائے بغیر کہہ دیا۔

"تو پھر رابعہ تو چلے میرے ساتھ یہ یہاں کیا کرے گی خواہ مخواہ پریشان ہوتی رہے
گی۔" انہوں نے جب دیکھا کہ فائزہ اور وقاص پر ان کا بس نہیں چل رہا تو رابعہ کی طرف آ
گئے۔

"ابو جی میں....." اس نے باپ کو مخاطب کر کے ماں کی طرف سوالیہ نظروں سے
دیکھا۔

"ہاں ہاں بیٹا تم چلی جاؤ تمہارے ابو وہاں تنہا ہوں گے۔"

عبدالصمد خان نے جب سب کو شش و پنج میں دیکھا تو ان کی مشکل آسان کر دی۔

"آپا! اگر آپ بھی چاہیں تو چلی جائیں۔ یہ آزمائش تو خدا نے ہم پر ڈالی ہے ہم اس
اذیت سے خدا کی مرضی جان کر گزر جائیں گے۔"

"اچھا ٹھیک ہے جیسے تم لوگوں کی مرضی۔" رابعہ تم اپنا بیگ تیار کرو ہم صبح صبح نکلیں گے میں سیٹیں کنفرم کرتا ہوں فائزہ! تم آ کر ذرا میری چیزیں بیگ میں رکھ دو۔" وہ بہت نا... سے انداز میں فقط اتنا کہہ کر کہ "بھائی جان! حوصلہ رکھیں خدا بہتر کرے گا۔" اندر کمرے... چلے گئے۔ فائزہ سمجھ گئی تھیں کہ وہ کوئی بات ان سے کرنا چاہتے ہیں اس لئے وہ بھی ان... پیچھے ہی چلی گئیں۔

"دیکھو فائزہ! میری بات سنو۔ خدا کرے کہ طوبیٰ واپس مل جائے وہ اپنے گھر آجا... لیکن تم ابھی طوبیٰ اور وقاص کے نکاح کی بات دوبارہ نہ چھیڑنا۔" وہ فائزہ کو سمجھانے لگے۔

"احمد وہ کیوں؟" وہ حیران ہو گئیں کہ وہ کیا بات کر رہے ہیں۔

"بس میں نے کہہ دیا ناں۔" اس بار وہ ذرا سے سخت اور اجنبی لہجے میں بولے تو فا... چپ ہو گئیں۔

"اور وقاص کو بھی سمجھانا کہ زیادہ جذباتی ہونے کی کوشش نہ کرے۔" انہوں نے وقا... کے لئے بھی ہدایت نامہ جاری کر دیا۔

"لیکن احمد! وقاص طوبیٰ کو بہت چاہتا ہے۔" فائزہ نے پھر بھی ڈرتے ڈرتے کہہ دیا۔

"طوبیٰ اغواء ہو چکی ہے اور اب جو طوبیٰ واپس آئے گی وہ پہلے والی طوبیٰ ہرگز نہ... گی۔" انہوں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "دیکھو فائزہ! لڑکی ذات تو شیشے... شفاف برتن کی مانند ہوتی ہے۔ ذرا سا بھی میلا ہاتھ چھو جائے تو اس پر لگا داغ صاف دکھا... دینے لگتا ہے اور جھوٹے برتن میں کھانا کوئی بھی پسند سے نہیں کھاتا۔" وہ جانے اور کیا کچھ کہ... رہے تھے مگر راہداری سے گزرتی سعدیہ خان نے تو اتنا ہی سنا اور وہ چکرا کر دیوار سے... لگیں۔ انہیں لگا جیسے احمد خان نے ان کے منہ پر زوردار چانٹا مارا ہو۔ جس کا درد اور نشا... دونوں ہی ان کے کلیجے پر جا کر لگے تھے۔

☆======☆======☆

رات کے کوئی گیارہ بجے کا وقت تھا جب اسے باہر کسی کے قدموں کی چاپ اور بو... کی آوازیں سنائی دیں یہ ایک سے زیادہ افراد تھے۔ وہ چونکی ہو گئی اور اپنے منہ کو آتے دل... سنبھالنے لگی اس کے لبوں پر آیتوں کا ورد جاری تھا۔ اور وہ اپنے بازوؤں میں اپنے جسم کو بو... سمیٹ رہی تھی جیسے باہر برفانی طوفان شور مچا رہا ہو اور جو دروازہ کھلتے ہی اسے اپنی لپیٹ... لے لے گا۔ وہ دیوار سے لگ کر ایسے کھڑی تھی جیسے کوئی لاش، بس سانسیں رک گئیں...

...روازے کا لاک کھلا اور وہ اندر آ گئے اس نے اپنی آنکھیں اور بھی زور سے بھینچ لی تھیں۔ کوئی ...در آ کر بہت زور سے ہنسا تھا۔

"آؤ' آؤ پیٹرک میں تمہیں طوبیٰ سے ملاؤں...... مشرقی حُسن کا منہ بولتا مجسمہ۔"

کسی نے "طوبیٰ" کو بہت کھینچ کر ادا کیا تھا۔ "یہ یہ آواز تو بہت جانی پہچانی تھی۔" اس ...ی سماعتوں نے پہچان کا دعویٰ کر دیا تو اس نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔

"تم۔" وہ جو لاش بنی کھڑی تھی اسے ایسا زبردست جھٹکا لگا کہ وہ کئی گز دور جا کر گری ...ور وہ زور زور سے بڑی مکار ہنسی ہنس رہا تھا۔

"ہاں میں' میں انیق یزدانی۔ ہا...... ہا...... ہا......"

اس کے پیچھے کھڑے پیٹرک کے چہرے پر بھی بڑی شیطانی مسکراہٹ تھی۔

☆======☆======☆

"انیق یزدانی" اس کے لب ہولے سے کپکپائے اور دل ساکت ہونے لگا۔

"کیوں مجھے یہاں دیکھ کر حیران ہو" وہ اس کے قریب آ کر کچھ رازداری کے انداز ...یں بولا۔

"نہ...... نہ' میری جان حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس کی ٹھوڑی کو انگلی سے جیسے ...ی اس نے چھونا چاہا اسے بہت زور کا جھٹکا کھانا پڑا۔ جیسے بجلی کے ننگے تار کو چھو لیا۔

"خبردار! اگر مجھے ہاتھ لگایا" وہ خونخوار بلی کی طرح جھپٹی اور اس کا منہ نوچ کر لے گئی۔

"تم...... ہونہہ......" زخمی بھیڑیئے کی طرح وہ غرایا اور لپک کر اس کے نازک ہاتھ کو اپنے پنجے میں جکڑ لیا اور بے رحمانہ انداز میں اسے مروڑ کر کمر پر لگا دیا۔ درد کی شدت سے اس کی آنکھیں لال ہو گئیں مگر وہ ہونٹ بھینچ گئی۔ اس کا ننھا سا دل اندر ہی اندر پھڑپھڑا رہا تھا۔ جیسے آخری سانسیں لے رہا ہو اور وہ سانسیں بھی یہی دہرا رہی تھیں۔

"یا اللہ مدد یا اللہ عزت یا موت......"

"بہت پھڑپھڑا چکی ہو تم اب نکل کر دکھاؤ میرے ہاتھوں سے۔" اس نے ایک زوردار جھٹکے سے اسے بیڈ پر گرا دیا اور خود ہذیانی انداز میں ہنسنے لگا۔

"کم آن پیٹرک کم آن۔"

دور کھڑے شیطانی شکل والے اس انگریز کو وہ ہاتھ سے پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

"یہ...... یہ...... ہے وہ لڑکی جس نے میرا دل چرایا تھا میرا دل میرا یہ دل۔"

وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھتا ہوا پھر زرد پڑتی طوبیٰ کے قریب آنے لگا۔

"جو پہلی بار کسی کو دیکھ کر دھڑ کا تھا' میری یہ آنکھیں جنھوں نے تمہیں دیکھ کر زندگی پہلی بار کچھ خواب بنے تھے اور میں انیق یزدانی جس کی زندگی میں لڑکیاں اسی طرح بدلتی ہیں جس طرح میں سگریٹ کے برانڈ بدلتا ہوں مجھے انیق یزدانی کو......" وہ بار بار اپنی طر ہاتھ کر کر کے اپنا نام دہرا رہا تھا۔

"تم پسند آ گئی تھیں اور تمہیں میں نے۔" وہ اپنے حواسوں سے باہر نکلنے لگا۔ اسی کیف میں اس نے طوبیٰ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچنا چاہا مگر وہ تو جیسے اپنی جگہ پر پتھر بن چکی تھی۔

"تمہیں میں اپنی دلہن بنانا چاہتا تھا' اپنی بیوی بنانا چاہتا تھا۔" وہ بیڈ سے اٹھ کر اپنا دونوں ہاتھوں میں تھام کر چلانے لگا۔

"میری دلہن میری بیوی' پیٹرک اس لڑکی نے انکار کر دیا۔ میری دلہن بننے سے۔ ا یہ عزت راس نہیں آئی۔

انیق یزدانی کی دلہن' ٹھکرا دیا اس نے مجھے لوٹا دیا اس نے میرے گھر والوں کو ہاتھ۔"

اس کی آواز کپکپانے لگی۔ وہ ٹرالی میں دھری امپورٹڈ بوتلوں سے پیگ بنانے لگا۔ ا پیگ بنا کر اس نے پیٹرک کو تھما دیا اور دوسرا لے کر پھر اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اور خو ہو کر پیچھے ہٹنے لگی اس کا دل اور زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس کا شیطانی چہرہ اپنے قریب پا اس نے آنکھیں اتنی زور سے بند کر لیں کہ اس کی پلکیں ٹوٹ کر آنکھوں میں چبھنے لگیں۔

"یہ اس کا حسین چہرہ۔" اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا کرسٹل کا قیمتی گلاس ایک جھٹکے سے اس کے چہرے پر چھلکا دیا اور گلاس کو دیوار سے دے مارا ایک چھناکا ہوا اور کرسٹل ننھی کرچیوں کی شکل میں پورے کمرے میں بکھر گیا۔ طوبیٰ نے اس حرام اور خبیث چیز اپنا چہرہ تر ہوتا محسوس کیا تو نفرت سے اسے ابکائی آنے لگی۔ اس نے فوراً اپنے دوپٹے کے سے اپنا چہرہ رگڑ ڈالا۔ اتنی قوت سے کہ اس کی رگڑ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے نفر سے ایک بھرپور نگاہ انیق یزدانی پر ڈالی اور بڑے اعتماد سے بولی۔

"میں آج بھی تمہیں ٹھکراتی ہوں انیق یزدانی' تمہاری دلہن بننا میرے لیے عزت نہیں ذلت تھی۔"

"ذلت۔" وہ غرا کر آگے بڑھا۔

"جانتی ہو ذلت کیا ہوتی ہے؟"

وہ فوراً ہی ایک وحشی بن گیا اور اسے بالوں سے پکڑ کر بیڈ سے کھینچ لیا۔ اس ظالم نے زور سے اور ایسا اچانک اس کے بالوں کو کھینچا تھا کہ اس کی گردن میں اکڑاؤ آ گیا تھا مگر کے لبوں سے سسکی تک نہ نکلی تھی۔

"ذلت جو میں تمہیں اب دوں گا نا' وہ ہو گی ذلت ایسی ذلت کہ تم اپنا یہ حسین چہرہ کسی کو دکھا سکو گی بہت مان ہے نا تمہیں اپنے اس حُسن پر۔"

وہ طنز سے اسے سر سے پاؤں تک گھورنے لگا۔

"یہ حُسن۔" اس کی چوٹی کو ایک اور بل دے کر اس نے جھٹکا دیا کہ اس کی گردن کمر سے جا لگی۔

"حُسن تو ویسے بھی ہماری کمزوری ہے۔" اب اس کی بھوک اور شیطانیت سے بھری ریں اس کے جسم کے آر پار ہو رہی تھیں۔

"ہم حُسن کے خریدار بھی ہیں اور اس کا بیوپار بھی کرتے ہیں اور ہاں اس سے کھلواڑ بھی کرتے ہیں۔" اب وہ ایک مکمل شیطان کی صورت اختیار کر رہا تھا۔

"عزت اور ذلت کا ایسا فرق ہم تمہیں دکھائیں گے کہ تم زندگی سے نفرت کرنے لگو گی۔"

"زندگی سے نفرت۔" طوبیٰ کے پتھر ہوئے لب ہلے۔

"وہ تو مجھے اسی لمحے ہو گئی تھی۔ جب تمہارے شیطان غلاموں نے مجھے میری گلی سے ٹھایا تھا اور مزید دو چند تمہاری صورت یہاں دیکھ کر ہو گئی۔ مگر انیق یزدانی میری مجبوری اور بےبسی کو تم اپنی فتح مت سمجھو۔ ذلت اور عزت دینے والی ذات تو وہ ہے جس کے سامنے تم ایک سانس بھی اس کی مرضی کے بغیر لینے کی جسارت نہیں کر سکتے۔"

"بس بس نیکی بدی کا لیکچر نہیں۔"

اپنی اوقات جان کر وہ احساسِ کمتری میں گرفتار ہونے لگا اور اس نے وہی راہ اختیار کی جو ابلیس نے کی تھی۔ وہ ابلیس ہی کی دوسری صورت تو تھا۔

"میرے اللہ مجھ سے میرے حواس لے لے اور میرے بدن سے میری سانسیں۔ اس شیطان کو مجھ سے کچھ نہ ملے۔"

اس نے دل میں ایمان کی شدت سے اپنے اللہ کو یاد کیا اور اپنی آنکھوں کے ساتھ ساتھ اپنی سانسیں بھی سینے میں بند کر لیں۔ وہ اپنی سانسیں روک کر کھڑی ہو گئی اس کے پاس یہی

ایک راستہ رہ گیا تھا۔ کہ وہ اس ابلیس کو اس کے مکروہ ارادوں میں مات دے دے، لیکن سانس گھٹنے کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ اور پھر سیاہ پڑنے لگا ایسا ہی سیاہ اندھیرا اس کی آنکھوں میں بھی اترنے لگا تھا اس سے پہلے کہ وہ شیطان اس کے مقدس وجود کو اپنی کسی ہوس کا نشانہ بناتا وہ ڈھیلی پڑ کر نیچے گر چکی تھی۔

☆======☆======☆

فائزہ خان اور احمد خان کی باتیں سن کر سعدیہ بیگم کے رہے سہے حواس بھی جا رہے۔

''میرے اللہ! یہ دن بھی ہمیں دیکھنا تھا۔ میری بچی کے بارے میں ایسی باتیں' خدایا سب کے بھرم سب کے پردے رکھنے والا ہے ہماری لاج بھی اب تیرے ہاتھ ہے۔''

اپنے کمرے میں واپس آ کر وہ دیر تک روتی رہیں تانیہ کئی بار ماں کو روتا دیکھ کر جا چکی تھی۔ وہ انہیں چپ کراتی یا تسلی بھی دیتی تو کس طرح اس کا تو اپنا دل تڑپ رہا تھا۔

رابعہ کو اس کے ابو جان اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ جاتے جاتے وہ تانیہ کے گلے لگ کر رو پڑی تھی۔

''میں فون کروں گی جاتے ہی۔''

اس نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور پھر اسے دوبارہ گلے لگا کر اس کے گال پر بوسہ دیا۔

''ممانی جان کا خیال رکھنا تانیہ۔''

جواب میں تانیہ صرف اپنی ضبط سے سرخ آنکھوں کو جھکائے بس سر ہلا کر رہ گئی۔

''او کے صمد۔'' احمد خان کو جانے کی بہت جلدی تھی وہ صمد خان سے گلے بھی اتنی گرمجوشی سے نہ ملے جتنی گرمجوشی سے وہ آ کر ملے تھے۔

''یار! مجھے بہت اہم بزنس ڈیلنگ کرنی تھی ورنہ ضرور ٹھہر جاتا۔'' انہوں نے جو عذر پیش کیا اس میں تکلف اور غیریت آ چکی تھی۔

''تمہارا شکریہ کہ تم اتنی دیر ٹھہرے۔''

کرنل صاحب بمشکل اتنا ہی کہہ پائے انہیں اپنے اس پیارے بہنوئی کے اس طرح بدلتے رویے پر بے حد رنج ہوا تھا۔

''سمیر جاؤ اپنے پھوپھا جان کو ائیر پورٹ تک چھوڑ آؤ میں دیکھوں سعدیہ کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی۔'' وہ مزید وہاں ان کے سامنے رک نہ سکے اور سعدیہ خان کے پاس چلے گئے۔

''نہیں سمیر بیٹا تم رہنے دو تمہاری ضرورت اس وقت گھر پر زیادہ ہے۔ وقاص تم مجھے چھوڑ آؤ۔'' انہوں نے وقاص کی طرف ذرا خفگی سے ہی دیکھا اور بھی بہت کچھ تھا ان کی آنکھوں میں جسے وقاص جانتا تو تھا مگر اس وقت سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔

''جی ابو چلیں۔'' سمیر سے گاڑی کی چابی لے کر وہ سعادت مندی سے چل پڑا۔

راستے میں کچھ دیر تو گہری خاموشی رہی مگر بے چینی سے پہلو بدلتے احمد خان زیادہ دیر تک چپ نہ رہ سکے۔

''وقاص! تمہیں میرے ساتھ چلنا چاہیے تھا۔''

''ابو جان! میں ضرور آپ کے ساتھ چلتا اگر ممانی جان کی طبیعت اتنی خراب نہ ہوتی اور ماموں جان اس قدر مصیبت زدہ نہ ہوتے۔'' اس نے نہایت نرمی سے باپ کی بات کا جواب دیا تھا۔

''بہرحال تم ایک آدھ روز میں واپس کراچی پہنچو۔'' انہوں نے ذرا سختی سے کہا۔

''اور ہاں صورتِ حال جیسی بھی ہو اب مجھ سے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرو گے نہ تم نہ تمہاری ماں انڈر اسٹینڈ۔'' انہوں نے انڈر سٹینڈ کو اتنا چبا کر کہا تھا کہ وقاص کے ساتھ ساتھ رابعہ کے دل پر بھی چوٹ سی لگی۔ وقاص کا جی تو چاہا کہ کہہ دے۔

''ابو جان فیصلہ تو برسوں پہلے ہو چکا تھا اور وہی فیصلہ اٹل ہے آپ کوئی نیا فیصلہ کرنے کی نہ سوچیں۔'' مگر فرمانبردار بیٹا تھا اس لئے زبان نہ کھول سکا رابعہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بھائی کی ڈھارس بندھائی تھی۔ وہ بھی اپنے والد کے اس قدر جلدی رویہ بدلنے پر بہت دکھی تھی اسے بھی یہ سب اچھا نہ لگ رہا تھا مگر وہ بھی وقاص کی طرح کچھ کر نہ سکتی تھی۔ احمد خان نے ائیر پورٹ پر آخری لمحے تک یہی بات دہرائی تھی۔ ''بس تم کل پرسوں میں کراچی پہنچو۔''

واپسی پر جانے کیا ہوا وقاص گاڑی اس روڈ پر لے آیا جس پر صرف پانچ روز پہلے وہ سب بڑے خوش خوش گزر رہے تھے جب وہ نکاح کی شاپنگ کرنے آئے تھے۔ وہ بار بار بیک مرر میں طوبیٰ کا گلابی پڑتا چہرہ دیکھ رہا تھا اور اس کے یوں دیکھنے پر وہ گلابی سے سرخ پڑنے لگی تھی۔

''آہ طوبیٰ!'' وہ گاڑی روک کر اسٹیئرنگ پر سر رکھ کر اپنے غم سے بھرے دل کو سنبھالنے لگا۔

''خدا جانے وہ کس حال میں ہو گی اور کہاں ہو گی۔'' اس خیال نے اس کی روح تک کو بے قرار کر ڈالا۔

"میرے خدایا میں اسے کہاں تلاش کروں۔" اس نے اپنی نم آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھا دور تک ویرانی ہی ویرانی تھی۔

"طوبیٰ تم کہاں ہو۔" اس وقت اسے اپنی بے بسی پر رونا آ رہا تھا وہ سارے خواب بچپن سے اس کی آنکھیں بُنتی آ رہی تھیں وہ سب خواب آنسوؤں میں بھیگنے لگے تھے اس نے رگڑ کر انہیں صاف کیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ایک خواب بھی پلکوں کے کنارے توڑ کر بہہ نکلے۔

☆======☆======☆

"طوبیٰ! طوبیٰ! تانیہ!" وہ ہاتھوں میں تحفوں والا بھاری شاپر اٹھائے آوازیں دیتی اندر داخل ہوئی تھی۔

"ارے اتنی خاموشی بھئی کہاں ہیں سب لوگ؟" وہ لان پار کر کے اندر ٹی وی لاؤنج میں آ گئی۔ جہاں سمیر اور کرنل صاحب سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"السلام علیکم انکل؟" وہ حیران اور پریشان سی آگے بڑھی۔

"وعلیکم السلام۔" گیتی بیٹا تم کب آئیں۔" کرنل صاحب اسے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں ایک چمک سی آ گئی تھی۔

"جی میں کل آئی ہوں۔" وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

"انکل وہ طوبیٰ اور تانیہ کہاں ہیں؟"

دراصل اتنی خاموشی اس نے پہلے کبھی ان کے گھر میں محسوس نہ کی تھی اس لئے پریشان تھی۔

"وہ اندر ہیں تم آؤ۔" کرنل صاحب اسے اپنے ساتھ سعدیہ خان کے پاس لے آئے۔

"تانیہ!" وہ تانیہ کو ان کے سرہانے بیٹھا دیکھ کر اور بھی پریشان ہو گئی۔

"کیا خالہ جان کی طبیعت خراب ہے؟" وہ ان کے قریب آ گئی۔ جھک کر انہیں سلام کیا۔

"کیسی ہیں خالہ جان؟" وہ ان کا حال پوچھنے لگی۔

"شکر ہے خدا کا تم بتاؤ کب لوٹیں۔" وہ اٹھ کر بیٹھنے لگیں تو ڈھیر ساری نقاہت تھی ان کے چہرے پر نظر آئی۔

"آؤ بیٹھو یہاں۔" سعدیہ خان نے گیتی کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ وہ جانے کیوں آج اتنی

غور سے دیکھ رہی تھیں۔

وہ ان کے پاس بیٹھ گئی، تانیہ اس کے لئے چائے بنانے چلی گئی۔ کرنل صاحب بھی کرسی کھینچ کر کے وہیں بیٹھ گئے وہ حیران حیران نظروں سے یہ سب دیکھ رہی تھی جو اسے بہت بدلا بدلا اور اجنبی سا لگ رہا تھا۔

"آنٹی وہ طوبیٰ کہاں ہے؟" وہ طوبیٰ سے ملنے کے لئے بے تاب ہو رہی تھی۔

"طو.....بیٰ....." ان کے لبوں سے سسکی نکل گئی جس پر گیتی کے سینے پر ہاتھ پڑا تھا۔

"کک کیا ہوا اسے؟" اسے طوبیٰ بے حد عزیز تھی۔

"گیتی میری بچی میری طوبیٰ۔" وہ خود پر قابو نہ رکھ سکیں۔

"آنٹی، آنٹی پلیز۔" وہ انہیں چپ کرانے لگی اس کا دل انجانے وسوسوں سے بھرا جا رہا تھا۔

"آخر طوبیٰ کو کیا ہوا؟ طوبیٰ کہاں ہے؟" اور پھر جب کرنل صاحب نے اسے اعتماد میں لے کر ساری بات بتائی تو اس کے تو پاؤں تلے سے زمین ہی نکل گئی۔

"طو.....بیٰ.....نہیں ہے۔" اسے تو یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ اس کے کان جو سن رہے ہیں وہ سچ ہے۔

"بیٹی! یہ ساری بات تمہیں بتانے کا مقصد یہ تھا کہ تم ہی کچھ ہماری مدد کرو۔"

کرنل صاحب کا سر اور کمر دونوں جھکے ہوئے تھے۔ گیتی دیکھ رہی تھی کہ کرنل صاحب تو وہ لگ ہی نہ رہے تھے وہ تو اس ایک ہی جھٹکے سے برسوں آگے چلے گئے تھے۔ ان کی بڑھی ہوئی شیو، بکھرے بال اور جھکی کمر وہ بہت بوڑھے دکھائی دے رہے تھے۔

"تم اس کی تمام سہیلیوں کو جانتی ہو تم اس کی قریب ترین سہیلی ہو۔ اس کی تمام عادتوں سے واقف، کبھی کالج میں کسی کے ساتھ اس کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی ہو۔" اب وہ ہر چھوٹے بڑے نقطے پر غور کر رہے تھے۔

"نہیں انکل وہ تو کسی سے بلند آواز تک میں نہیں بولی۔ کسی سے خفا نہیں ہوئی۔ اس کا کبھی کسی سے جھگڑا نہیں ہوا۔" وہ طوبیٰ کو واقعی بہت قریب سے جانتی تھی۔

"پھر کیا ہو سکتا ہے میری بچی کے ساتھ کس نے کیا ہے یہ ظلم ہم سب پر۔" وہ بے بسی سے رو پڑے۔

"انکل پلیز۔" وہ انہیں حوصلہ دینے لگی۔

"میری طوبیٰ..... جانے کس حال میں ہو گی۔" سعدیہ خان تو کب سے چپکے چپکے اپنے

آنسو صاف کر رہی تھیں پھر سے ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں۔
''طوبیٰ کی دوستی تو سب سے زیادہ مجھ سے ہی تھی نادیہ' ماریہ یا پھر سبینا.....مگر
پچھلے برس ہی ہماری کلاس میں آئی ہے۔'' وہ ایک ایک کر کے سب کے نام گنوانے لگی۔
''سبینا ہاں سبینا۔'' کرنل صاحب ایک دم چونک پڑے۔ سبینا کے ساتھ ہی ان
خیال میں انیق یزدانی کا چہرہ آیا تھا۔ وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے۔
''بیٹی تم جس آفس میں کام کرتی ہو وہ کس کا ہے میرا مطلب ہے اس کمپنی کے
میں کون کون ہے۔'' وہ کوئی کلیو تلاش کرنا چاہ رہے تھے۔
''جی وہ خالد خان صاحب ہیں اور۔'' خالد خان کا نام لیتے ہی اس کے اندر ڈھیر
نفرت اور انتقام کا جذبہ بیدار ہو گیا۔
''خالد خان۔'' وہ اپنے ذہن پر زور دینے لگے۔ ''اور وہ انیق یزدانی وہ بھی تو
انہوں نے خود ہی انیق کا نام لے دیا۔
''جی' جی وہ بھی ہیں۔'' اس کے ذکر پر اس کی آنکھیں جھک گئیں۔
''یہ کمپنی ایڈورٹائزنگ اور ڈرامہ سیریل بنانے کے علاوہ کیا کرتی ہے۔'' اب
باقاعدہ کرید رہے تھے۔
''جی' جی وہ۔'' اس کا گلا خشک ہو گیا اور دل کی دھڑکن سست پڑنے لگی اب وہ کیا
بتاتی کہ وہاں اور کیا کیا کچھ ہوتا ہے۔
''اچھا خیر۔'' کرنل صاحب پریشان سے ہو گئے تھے اور گیتی آرا فکر مند کہ کہیں کر
صاحب کو معلوم تو نہیں ہو گیا کہ میرے چہرے پر بھی وہاں کے اندھیروں کی سیاہی مل جا
ہے۔
''بیٹی! میں نے تمہیں کبھی طوبیٰ سے کم نہیں جانا اسی لئے اپنی عزت اپنے بھرم کا
تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے امید ہے تم اس کی لاج رکھو گی۔''
انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا جس پر اس کا جی چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر
دے وہ تو خود اپنے دل میں ہزاروں راز لئے آئی تھی۔ اس کے سینے پر تو اپنے گناہوں کا من
بوجھ تھا۔ جسے وہ طوبیٰ کے ساتھ بٹانے آئی تھی۔ یہ طوبیٰ کا ایک اور غم تو ان سب پر بھاری
گیا تھا۔
''انکل طوبیٰ آپ کی بیٹی ہے تو میری بہن' آپ نے مجھے بیٹی سمجھا ہے تو بیٹیاں ہا
عزت کا پردہ اپنے کفن سے بھی رکھ لیا کرتی ہیں۔ طوبیٰ کے لئے میری جان بھی حاضر ہے

کے ہاتھ تھام کر اس نے اپنی آنکھوں سے لگا لئے جو نم تھیں اور پھر اپنے کلیجے پر ایک وزنی
رکھ کر وہاں سے واپس چلی گئی۔

☆======☆======☆

طوبیٰ کو جب ہوش آیا وہ اس پہلے والے کمرے میں نہ تھی۔ یہ کوئی اور ہی کمرا تھا۔ پہلے
سے چھوٹا مگر اس کی آرائش بھی تقریباً ویسی ہی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اِدھر
ر دیکھ رہی تھی جیسے ہی اس کے جسم میں ذرا سی حرکت ہوئی۔ اس نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا۔ ایک
بجلی کی سی تیزی سے اس کے قریب آ گئی۔
''تھینکس گاڈ آپ کو ہوش آ گیا۔'' وہ اسے سہارا دے کر اٹھانے لگی اور وہ اسے حیران
وں سے دیکھنے لگی۔
''میرا نام فلورا ہے۔'' وہ سانولی سی رنگت کی مگر انتہائی پُرکشش شکل کی لڑکی مسکرا کر بولی
بیٰ جواب میں کچھ نہ کہہ سکی اور مسلسل اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔
''آپ کو وَریڈ (Worried) ہونے کی ضرورت نہیں اب آپ ٹھیک ہیں۔'' وہ فوراً
ج میں سے فریش اورنج جوس کا گلاس بھر لائی۔ جسے طوبیٰ نے ہاتھ سے پرے کر دیا۔
''زندہ رہنا تمہارے بس میں ہے نہ مر جانا۔'' وہ مسکرائی مگر طوبیٰ کو لگا اس کے ہونٹ
طرح زخمی ہیں۔
''اپنی مرضی سے اگر موت مل جاتی تو اس دنیا میں لڑکیاں بہت کم زندہ ہوتیں۔'' وہ بھی
ت دکھی لگ رہی تھی۔
''تم مجھے صرف یہ بتا دو کہ میں کہاں ہوں۔'' طوبیٰ کے لب پہلی بار ہلے۔
''تم ایک ایسے پنجرے میں ہو جس میں کوئی دروازہ نہیں۔'' وہ زخمی سی مسکراہٹ لئے
کے پاس بیٹھ گئی۔
''مگر مجھے قید میں کیوں ڈالا گیا ہے؟'' وہ اپنی قید کی وجہ جان جانے کے باوجود اس
سے پوچھ رہی تھی۔
''میں پچھلے دو برس سے قید میں ہوں اور ہر لمحہ خود سے یہی پوچھتی ہوں کہ مجھے قید میں
لئے ڈالا گیا میرا قصور کیا تھا؟ جب مجھے اس سوال کا جواب نہیں ملا تو تمہیں اتنی جلدی کہاں
سے ملے گا۔'' فلورا کے دل کا داغ تو ننگا ہو گیا تھا مگر وہ اپنی آنکھوں کا بھرم قائم رکھنا چاہتی تھی
لئے اپنے آنسو چھپانے کے لئے باتھ روم میں چلی گئی۔
''اوہ خدایا! یہاں پر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' اس کا سر چکرانے لگا۔

"طوبیٰ ڈارلنگ' یہاں نہ کوئی اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ جا سکتا ہے۔"
وہ سامنے کی وارڈ روب کھول کر کپڑے دیکھنے لگی۔ اس نے کئی ہینگر باہر نکالے
بہت خوب صورت رنگوں میں دیدہ زیب کام والے لباس تھے۔
"یہ جرائم کی دنیا ہے۔ یہاں گناہ پلتے ہیں اور ابلیس یہاں کا دادا ہے۔" وہ زہر
مسکراہٹ لئے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی طوبیٰ کے قریب آ گئی اور سرخ رنگ کا
صورت دوپٹہ اسے اوڑھا دیا۔
"کیا غضب کی لگو گی۔" پھر وہ اس کی تعریف کرنے لگی۔
"کک...... کیا مطلب؟" طوبیٰ کے حواس جانے لگے۔
"شی...... ای۔" اس نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔
"یہاں پر مطلب پوچھنے کی اجازت نہیں۔" طوبیٰ نے دوپٹہ اپنے اوپر سے
پرے پھینک دیا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر ہینگر پر لگانے لگی۔
"دیکھو' دیکھو یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" وہ روہانسی ہو کر اس کی منت کرنے لگی۔
"یہ سب جو ہو رہا ہے میں برسوں سے دیکھ رہی ہوں مگر کیوں ہو رہا ہے یہ بتانا
مجھے اجازت نہیں۔" اب وہ کچھ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔
"میرے گھر والے بہت پریشان ہوں گے۔ مجھے تلاش کر رہے ہوں گے پلیز مجھے
یہاں سے جانے دو۔"
اس نے بالکل ایک ننھی سی بچی والی خواہش کا اظہار کر دیا جس پر فلورا زور زور سے
لگی۔
"جانے دوں' میں تمہیں جانے دوں۔" ہنستے ہنستے اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔
"پگلی میں نے تمہیں ابھی تو بتایا تھا کہ یہاں سے کوئی نہیں جا سکتا جو یہاں لائی
ہیں وہ آنکھوں پر پٹی اس لئے باندھ کر لاتے ہیں تا کہ ہم پچھلے تمام راستے بھول جائیں"
اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سہلانے لگی۔
"اب یہ ہی تمہارا مقدر ہے۔ تم یہاں سے پلٹ کر نہیں جا سکتیں۔"
ساتھ ہی وہ اسے سمجھانے لگی۔
"مقدر...... نہیں نہیں میں اس ذلت کو اس قید کو اپنا مقدر نہ بننے دوں گی میں اپنی
لے لوں گی۔" وہ اپنا دوپٹہ اپنے گلے میں لپیٹ کر پھندہ بنانے لگی۔
"بیوقوف ہو تم۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ذرا سخت لہجے میں گویا ہوئی۔

"موت اس قدر آسان نہیں مرنا اپنے بس میں ہوتا تو کوئی بے بس لڑکی کبھی کسی
درندے کا شکار نہ ہوتی۔"
"مگر میں تمہیں مر کر دکھاؤں گی۔" اس پر جنون سوار تھا۔
"فضول حرکتیں مت کرو تم ایسا نہیں کر سکتیں۔" اب اسے غصہ آ چکا تھا۔
"کیوں نہیں کر سکتی یہ میری زندگی ہے میں اسے ختم کرنے کا حق رکھتی ہوں۔"
دونوں میں تکرار کے ساتھ ساتھ کھینچا تانی بھی ہونے لگی تھی طوبیٰ گلے میں اپنے دوپٹے
کا پھندہ لینا چاہتی تھی اور فلورا اسے ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔
"جس چیز کا سودا ہو چکا ہو اس پر اپنا کوئی حق نہیں رہتا۔" اس نے طوبیٰ سے دوپٹہ
چھین کر اسے صوفے پر دھکیل دیا۔
"سودا" طوبیٰ کو کرنٹ لگا۔ "کس کا سودا؟" وہ لپک کر اس کے پاس آئی اور اسے
جھنجھوڑنے لگی۔
"تمہارا سودا" وہ ہنس تو اسے دیکھ کر طنز سے تھی مگر اس کے ہونٹوں پر کوئی دکھ ٹھہرا ہوا
تھا۔
"کس نے کیا؟" وہ پتھرانے لگی تھی۔
"یہاں کے دادا نے۔" وہ کندھے اچکا کر بولی اور دوبارہ سے وارڈ روب کھول کر
کھڑی ہو گئی۔
"کون ہے یہاں کا دادا؟" وہ اس کے سامنے آ گئی۔
"ابلیس بلکہ ابن ابلیس انیق یزدانی سب سے بڑا ابلیس اور خالد خان اس کا چیلہ نمبر
ون۔" اس کے لبوں سے زہر بہنے لگا تھا۔
"انیق یزدانی۔" اس نے انتہائی نفرت سے دہرایا "اور اور خالد خان۔" اس پر اسے
ایک اور شاک لگا تھا۔
"ہاں خالد خان کیا تم اسے جانتی ہو؟" وہ پلٹ کر پوچھنے لگی۔
"ہاں شاید۔" وہ پریشانی سے اپنے لب کاٹتی سوچنے لگی کہ اگر انیق یزدانی اور خالد
خان اس قدر گھناؤنے کام کرتے ہیں تو گیتی بھی یہیں ان کے ساتھ کام کرتی ہے۔
"گیتی۔" وہ ایک خیال آتے ہی لرز گئی "تو اس کا مطلب ہے گیتی کے ساتھ۔" اس
سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی اس کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا گئی تھی۔
"اوہ میرے خدایا اور اب میں۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"نہیں، نہیں۔" لرزا دینے والی سوچ تھی۔
"سنو! یہاں پر کوئی گیتی آرا بھی کام کرتی ہے؟" وہ فلورا سے پوچھنے لگی۔
"ہاں۔" وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ "مگر تم۔"
"وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔" طوبیٰ نے بتایا۔
"تمہاری۔" وہ اس کی طرف انگلی کر کے طنز سے بولی۔ "اگر وہ تمہاری اچھی دو
یہاں پر اپنی مرضی سے کام کر رہی ہے تو تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔" وہ عجیب کاٹ دار
میں کہہ رہی تھی۔
"وہ کام کرنے یہاں آئی تھی یہ نہیں جانتی تھی کہ یہاں پر گناہ کا کاروبار چلتا ہے۔"
طوبیٰ نے گیتی کے بارے میں وضاحت پیش کرنا چاہی۔
"بہرحال چھوڑو تم نے مجھے کن باتوں میں لگا دیا۔ باس آنے والے ہیں اور تم ابھی تک
ایسے ہی کھڑی ہو۔" وہ ایک ہینگر لئے اس کے قریب آ گئی۔
"لو! اسے پہن لو۔" اب اس کا چہرہ اور لہجہ دونوں بالکل سپاٹ تھے۔
"میں پہنوں مگر کیوں؟" وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔
"مجھے زیادہ بک بک کرنے کی اجازت نہیں...... تم لو اسے اور پہن لو۔" وہ کچھ سخت
رہی تھی۔
"نہیں ہرگز نہیں۔" وہ اپنا آپ چھپانے لگی۔
"بہتر ہو گا تم میری بات مان لو ورنہ۔" اب وہ مکمل پروفیشنل نظر آ رہی تھی۔
"تم مجھ پر زبردستی نہیں کر سکتیں۔" وہ بھی ذرا ہمت کر کے بولی۔
"اچھا ٹھیک ہے، الیگزینڈر۔" اس نے زور سے کسی کو آواز دی۔ فوراً ہی کمرے
دروازہ کھلا اور ایک ہٹا کٹا بڑی بڑی مونچھوں والا لوفر شکل کا آدمی اندر آ گیا۔ یہ وہی شخص
جس نے اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا تھا اس کا جی تو چاہا کہ اس کا منہ نوچ لے۔ مگر جس
ارادے سے وہ اندر آیا تھا وہ اسے محسوس کر کے سہم گئی تھی۔
"یہ کپڑے بدلنے میں ذرا نخرے دکھا رہی ہے۔" فلورا نے اسے بڑی معنی خیز انداز
میں دیکھا۔
"ذرا تم اسے تیار ہونے میں مدد دینا۔" اور وہ خود باہر جانے لگی جیسے ہی اس مکروہ شخص
کے ہاتھ اس کی طرف اٹھے وہ چیخی۔
"نہیں، نہیں فلورا پلیز۔" بھاگ کر اس نے فلورا کو تھام لیا وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ مگر قریب ہی رہنا تمہاری مدد کی ضرورت مجھے کسی بھی وقت پڑ
سکتی ہے۔" وہ مسکراتی ہوئی دوبارہ ہینگر اٹھا کر طوبیٰ کی طرف بڑھی۔
"اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے کانپتے ہاتھوں سے ہینگر تھام لیا۔
"سنو! کوئی اول فول حرکت مت کرنا۔ مرنا نہ تو آسان ہے نہ تمہارے ہاتھ میں۔"
اس نے اسے باتھ روم کے دروازے پر روک کر نصیحت کی "اور صرف پانچ منٹ، ورنہ
اس دروازے کا آٹو میٹک لاک باہر سے کھلتا ہے جسے پھر میں نہیں الیگزینڈر ہی......"
"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔" اس کی بات کے مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ سہم کر اندر چلی
گئی۔

☆======☆======☆

ٹرن...... ٹرن ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی رات کے تقریباً ساڑھے بارہ کا وقت تھا۔ اس
وقت ٹی وی لاؤنج میں سمیر صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ نہ وہ گہری نیند میں تھا اور نہ ہی جاگ رہا تھا۔
تیسری گھنٹی پر اس نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔
"ہیلو۔"
کرنل صاحب بھی فون کی بیل سن کر کمرے سے نکل آئے تھے وہ سعدیہ خان کو نیند کی
دوا دے کر سلانے کی کوشش کر رہے تھے آج ان کی طبیعت زیادہ ہی خراب تھی۔
"ہیلو۔" سمیر نے قدرے بلند آواز میں کہا تھا دوسری جانب سے آواز سنائی نہ دے
رہی تھی۔
"آپا! السلام علیکم۔"
دوسری طرف سے اس کو نوریہ آپا کی آواز سنائی دی تو وہ خوش ہو گیا۔
"آپا کیسی ہیں آپ۔" وہ ٹیلی فون سیٹ کو اسٹینڈ سے اٹھا کر صوفے کے پاس سینٹر ٹیبل
پر لے آیا۔
"بالکل ٹھیک بھائی تم کیسے ہو؟" ان کی آواز میں دنیا جہان کا پیار بسا ہوا تھا۔
"بالکل ٹھیک۔"
"اور گھر میں باقی سب۔" وہ سب کا پوچھ رہی تھیں۔
"سب، سب ٹھیک ہیں۔ دولہا بھائی کیسے ہیں؟" وہ سب کے ذکر پر ذرا گڑبڑانے لگا
تھا۔
"وہ بھی خدا کا شکر ہے بالکل ٹھیک ہیں۔ تم سناؤ وہ کہاں ہے؟" وہ ذرا شوخی سے پوچھ

رہی تھیں۔

''کون آیا؟'' اسے کچھ سمجھ نہ آئی تھی۔

''بھئی اپنی دلہن رانی نئی وہ طوبیٰ کہاں ہے؟'' نویرہ سمجھ رہی تھیں کہ طوبیٰ اور وقاص کا نکاح ہو چکا ہوگا۔

''وہ'' ریسیور سمیر کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔

''اور وہ وقاص میاں، ہیں کہ چلے گئے کراچی واپس اور پھپھو کیسی ہیں؟'' وہ سب کا باری باری پوچھ رہی تھیں۔

''جی وہ پھپھو اور وقاص بھائی یہیں ہیں۔''

''اچھا تو بلاؤ ذرا پہلے طوبیٰ کو اور پھر وقاص کو آج میں نے صرف طوبیٰ سے بات کرنے کے لئے فون کیا ہے۔''

وہ بے حد خوش تھیں خوشی ان کی آواز سے ظاہر تھی۔

''جی، جی وہ۔'' سمیر کو لو پریشان دیکھ کر کرنل صاحب نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''ہاں نویرہ بیٹی کیسی ہو تم۔'' وہ اپنی آواز میں بشاشت بھرتے ہوئے بولے۔

''جی بابا بالکل ٹھیک ہے۔'' وہ باپ کی آواز سن کر جذباتی ہو گئیں۔

''مبارک ہو بابا۔'' وہ طوبیٰ کے نکاح کی مبارکباد دے رہی تھیں۔

''اچھا کہو اور تو گھر میں سب ٹھیک ہیں صاحبزادے کی جاب کیسی جا رہی ہے۔'' بات کو ٹالنے لگے۔

''جی بابا جان سب کچھ ٹھیک ہے آپ سنائیں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا نا؟''

''سب کچھ ٹھیک ہو گیا تم پریشان نہ ہونا۔'' انہوں نے اس لئے اصل بات کو چھپا لیا کہ بیٹی پردیس میں تنہا یہ دکھ کس طرح برداشت کرے گی۔

''پھپھو تو کہہ رہی ہوں گی کہ رخصتی جلدی کریں۔'' وہ بے حد خوش لگ رہی تھیں۔ بیٹی کے یہ سوال کرنل صاحب کے دل پر برچھیوں کی طرح لگ رہے تھے۔

''لیکن بابا! میرے آنے سے پہلے طوبیٰ کی رخصتی ہرگز نہیں ہوگی۔''

''طوبیٰ کی رخصتی۔'' کرنل صاحب کا کلیجہ منہ میں آ گیا اور ضبط آنکھوں سے باہر۔ انہوں نے بہت مشکل سے خود پر قابو پایا۔

''بابا! امی جان کیسی ہیں؟'' وہ ماں کا پوچھنے لگیں۔

''ٹھیک ہیں سو رہی ہیں اس وقت جگاؤں۔''

''نہیں نہیں انہیں مت جگائیے گا میں کل ذرا جلدی فون کروں گی ان سے بات کرنے کے لئے آپ ذرا طوبیٰ سے بات کرا دیں۔''

''طوبیٰ سے..... وہ وہ بھی سو گئی ہے۔'' ان کا لہجہ کانپنے لگا۔

''سمیر سے کہیں اسے اٹھائے میں نے اس کے لئے فون کیا ہے۔'' وہ طوبیٰ کو نکاح کی مبارکباد دینا اور چھیڑ چھاڑ سے ستانا چاہ رہی تھیں۔

''سمیر، سمیر۔'' وہ پاس کھڑے ہاتھ مروڑتے سمیر کو پکارنے لگے۔

''وقاص بھی یہیں ہے نا۔'' وہ پوچھ رہی تھیں۔

''وقاص سے بات کراؤں۔'' انہوں نے موقع سنبھالنا چاہا۔

''ان سب سے باتیں کل۔ آج تو صرف طوبیٰ۔'' دراصل نویرہ کو طوبیٰ سے محبت بھی بہت زیادہ تھی۔ کرنل صاحب سے برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے ان کی ٹانگوں میں چلنے کا دم نہیں رہا تھا۔

''بابا جان۔'' سمیر نے باپ کو ریت کی دیوار بنتے دیکھا تو فوراً خود سہارا بن گیا۔

''سمیر۔'' ان کا ضبط چھلک ہی پڑا اور وہ بیٹے کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔

''طوبیٰ کو لے آؤ کہیں سے لے آؤ اسے ورنہ میری یہ دوہری ہوتی کمر ٹوٹ جائے گی۔'' سمیر باپ کو یوں قطرہ قطرہ پانی ہوتے دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا اور خود اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا۔

''ٹرن ٹرن۔''

ٹیلی فون کی گھنٹی دوبارہ بجنا شروع ہو گئی۔ وہ جانتے تھے نویرہ نے دوبارہ نمبر ڈائل کر لیا ہو گا۔

''اسے کچھ مت بتانا سمیر وہ تو خوش ہے لاعلم ہے اسے اس پہاڑ جیسے غم سے الگ ہی رکھنا۔'' وہ خود کو سنبھالنے کے لئے اندر چلے گئے۔

''اوہ خدایا تو ہم پر رحم کر...... دکھ کی یہ کالی راتیں کاٹ دے۔'' وہ منہ اوپر کر کے خدا سے التجا کرنے لگا۔ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ اس نے اس ڈر سے کہ باقی لوگ نہ وہاں آ جائیں ریسیور اٹھا لیا اور پھر کریڈل پر رکھ دیا اور پھر اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا اس طرح اس نے جان بوجھ کر اسے انگیج کر دیا تھا۔

"سوری آپا مگر جس عذاب سے ہم گزر رہے ہیں وہ آپ تنہا نہ سہہ سکیں گی اس لیے
ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔" وہ وہیں صوفے پر ڈھے گیا۔

"طوبیٰ...... آپی تم کہاں ہو؟" وہ چھوٹے سے بچے کی طرح سسکیاں بھرنے لگا۔

☆======☆======☆

"کیا بات ہے ندا؟ آج سب مصروف ہیں بہت تیاریاں ہو رہی ہیں کوئی خاص بات
ہے کیا؟" گیتی نے اسٹوڈیو تھری میں قدم رکھا تو اسے کچھ نئے چہرے بھی نظر آئے۔

"او ہو تمہیں نہیں پتا؟" ندا نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر ذرا طنز سے کہا۔

"نہیں مجھے واقعی نہیں پتا۔" وہ مسکرا کر بولی اب وہ بڑے بڑے طنز اور کاٹ دار باتیں
نظر انداز کر دیا کرتی تھی یہ تو معمولی سا طنز تھا۔

"اتنی لاڈلی اور ایسی لاعلمی۔" وہ پھر بھی زہر خند تھی دراصل اس بار خالد خان نے اسے
بیرون ملک کی شوٹنگز پر ساتھ لے جانے میں جس قدر سرد مہری کا ثبوت دیا تھا اس پر وہ ابھی
تک جل رہی تھیں۔

"لاڈ پیار کو چھوڑو تم بات بتاؤ۔" اس نے بڑی محبت سے اپنا ہاتھ ندا کے کندھے پر رکھ
دیا جس پر وہ ذرا سا پگھل گئی تھی۔

"کچھ خصوصی مہمان آ رہے ہیں اور ان کے لئے خصوصی فنکشن ہو گا۔" اس نے لفظ
خصوصی کو ذرا چبا کر ادا کیا تھا اور اگر وہ ایسا نہ کرتی تب بھی اب گیتی آرا کو یہاں کی ساری
زبان سمجھ آنے لگی تھی۔

"اوہ۔" اس نے اوہ کو ذرا لمبا کیا۔

"بائی دی وے اس بار خصوصی مہمان کہاں سے آئے ہیں؟" اس نے اپنی آنکھ کا کونا دبا
کر رازداری سے پوچھا۔

"یہ راز ابھی تک راز ہے۔ مگر سنا ہے کہ خالد خان کے لئے بڑا گولڈن چانس ہے
تگڑی آفر ہوئی ہے؟" اب وہ ذرا موڈ میں آ چلی تھی۔

"اور اس کی بھینٹ کون چڑھے گا؟" وہ میز پر چڑھ کر آلتی پالتی مار کے بیٹھ گئی۔

"اوروں کا تو مجھے پتا نہیں ہاں ایک تو تم ہو گی لازمی۔" وہ اس کے سامنے کرسی کھینچ
کے بیٹھ گئی تھی۔

"مم...... میں کیوں۔" وہ میز سے ایسے نیچے اتری جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

"واہ تم کیوں نہیں اتنا زبردست ٹور کر کے آئی ہو تہلکہ مچا دیا ہے اور۔" وہ بات کو ادھورا

چھوڑ کر اسے تکنے لگی۔

"ندا پلیز تم تو ایسے مت دیکھو۔" وہ جیسے خود پر شرمندہ تھی۔ زمین پر گڑنے لگی یہ سوچ
کر کہ جو ٹور اس نے کیا ہے اس میں کیا کچھ تھا۔

"تم تو میری دوست ہو وہ پہلی دوست جو اس اندھیری حویلی میں روشنی کی کرن بن کر
ملی تھیں۔"

وہ اس کی طرف محبت طلب نظروں سے دیکھنے لگی جن میں کچھ نمی اترنے لگی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے فوراً ہر بات بھلا کر اس کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھا دیا۔

"دراصل میں کچھ جیلس ہو گئی تھی تم سے بس اس لئے۔" اس کی یہ عادت بہت اچھی
تھی کہ وہ سچ کہہ دیا کرتی تھی۔

"یار! کمال کرتی ہو تم بھی اس دلدل میں ہم سب دھنسے ہوئے ہیں اگر کوئی ذرا زیادہ
گندگی میں کھڑا ہو تو اس پر رحم کرنا چاہیے یا جیلس ہونا چاہیے۔"

وہ بہت گہری بات کہہ گئی تھی جس پر ندا کو شرمندگی ہوئی۔

"میں نے کہا ناں آئی ایم سوری۔" وہ دہرانے لگی۔

"خیر خیر جانے دو۔" فوراً ہی گیتی نے اسے معاف کر دیا۔

"دیکھو ہم اچھی دوست ہیں' ہمیں ایک دوسرے کا آئینہ ہونا چاہیے ایک دوسرے پر
سیاہ چادر نہیں بننا چاہیے میرا سب تم جانتی ہو اور تمہارا میں۔" وہ اسے سمجھانے لگی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم کہو کل کیوں نہیں آئی تھیں۔" وہ اٹھ کر کافی کی بوتل اور گرم پانی کا
فلاسک اٹھا لائی اور کافی بنانے لگی۔

"بس یار کچھ طبیعت خراب تھی کچھ پریشان تھی۔" وہ بتانے لگی۔

"طبیعت کی خرابی تو خیر ایسے تھکا دینے والے ٹور سے واپسی پر ہونی ہی تھی مگر پریشانی
کیسے؟ دفع کرو اب کیا پچھتانا اور کیا پریشان ہونا۔"

وہ کچھ اور سمجھی تھی وہ تو خاصی لاپروا ہو چکی تھی اور یوز ٹو بھی یا پھر اس کا سمجھوتہ کر لینے کا
انداز تھا۔ ویسے بھی وہ درد کو سہہ جانے کا فن جان گئی تھی۔

"وہ بات نہیں ندا۔"

"تو پھر کیا بات ہے؟ مجھے بتاؤ۔" کافی کا مگ اسے تھما کر وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے
بھر لے آئی۔

"ندا میری ایک بہت اچھی دوست۔ بلکہ دوست کیا میرے وجود کا حصہ کہہ لو۔" وہ رو

پڑی۔

''کیا ہوا اسے؟'' ندا بھی پریشان ہو گئی۔

''وہ......وہ......اغوا ہو گئی ہے؟'' وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں بری طرح مروڑ رہی تھی

''کیا؟'' اس پر جیسے کسی نے گرم سیسہ انڈیل دیا ہو۔

''اغوا'' وہ اغوا ہو جانے والی لڑکیوں کا انجام اور ان کے گھر والوں کا دکھ محسوس کر رہی تھی۔

''اوہ خدایا؟'' وہ کافی کا مگ رکھ کر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''خدا جانے کس نے یہ ستم ڈھایا ہے مگر اس کے گھر والے بے حد پریشان ہیں۔ سوچ سکتی ہو ان پر کیسی قیامت بیت رہی ہے۔''

اس کی آنکھوں میں کرنل صاحب اور سعدیہ خان کے دکھ اور اذیت سے بھرے چہرے گھوم گئے اور تانیہ اور سمیرہ کیسے ضبط کیے پھر رہے تھے۔

''میں جان سکتی ہوں بلکہ محسوس کر سکتی ہوں۔ بیت چکی ہیں یہ قیامتیں ہم پر۔'' وہ بتانے لگی۔

''کیا' کیا مطلب۔'' گیتی کو ایک اور شاک لگا۔

''گیتی! ہم گزر چکے ہیں آگ کے اس دریا سے۔'' اس کا چہرہ اندر کی جلن سے دھواں ہونے لگا۔

''افزا۔'' اس نے اپنی چھوٹی بہن کا نام لیا۔

''کیا' کیا؟ افزا اور اغوا۔'' اسے کرنٹ کے جھٹکے لگ رہے تھے۔

''ہاں گیتی! یہ یہ خالد خان یہ درندہ اس نے مجھ سے کام نکلوانے کے لئے میری معصوم بہن کو ہتھیار بنایا تھا خیر یہ داستان پھر کبھی سہی تم اپنی دوست کا بتاؤ۔''

وہ فوراً اپنا تازہ ہوتا زخم دوبارہ ڈھانپ گئی۔ ورنہ اگر وہ پھٹ پڑتا تو یقیناً ندا سے ضبط کرنا ناممکن تھا۔

''طوبیٰ میری جان ہے ندا اور وہ اس قدر معصوم اور حسین ہے کہ اسے جو دیکھے دنیا بھول جائے۔'' وہ طوبیٰ کا چہرہ اپنی آنکھوں میں بھر کے بتانے لگی۔

''اس کی تو کسی سے کوئی دشمنی بھی نہیں تھی وہ تو ایسے اخلاقِ حسنہ کی مالک ہے کہ سوائے محبت اور مسکراہٹ کے اسے کچھ آتا ہی نہیں خدا جانے......'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''حُسن آہ حُسن ہی تو عورت کا سب سے بڑا دشمن ہے اسے بھی اس کے حُسن نے برباد

کر دیا' پڑ گئی ہو گی کسی ظالم اور بے حس شخص کی غلیظ نظر اس پر۔ اس خبیث خالد اور انیق جیسے کی۔'' وہ غصے میں خالد خان اور انیق یزدانی پر دانت کچکچا رہی تھی۔

''خالد خان اور انیق یزدانی۔'' وہ زیرِ لب دہرانے لگی۔

''ندا' ندا یہ لوگ اغوا بھی کرتے ہیں۔'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہونہہ! ان کے لئے یہ معمولی بات ہے تمہیں اندازہ نہیں ہوا اس قدر گھناؤنے کاروبار کو یہ چلا کیسے رہے ہیں؟'' وہ گیتی کی اس معصومیت پر حیران تھی۔

''تمہارا مطلب ہے؟'' وہ کچھ سمجھنے لگی۔

''مگر تمہاری دوست طوبیٰ اور یہ لوگ؟'' یہ بات اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہی تھی۔

''یہ یہ میں تمہیں پھر سمجھاؤں گی۔'' وہ تیزی سے اٹھی اور اپنا بیگ اٹھا کر خالد خان کی طرف چل دی وہ جانتی تھی کہ وہ اس وقت ڈارک روم سے ملحق کمرے میں ہو گا آج کچھ خاص تصاویر انلارج ہونی تھیں جو کسی کو خاص تحفے میں بھیجنی تھیں اور کچھ لڑکیوں نے ایسی ہی سیاہ انڈر گراؤنڈ مارکیٹ میں جانا تھا۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' ندا سے پوچھنے لگی۔

''میں آتی ہوں ندا! تم ذرا پتا تو لگاؤ ایسی کوئی خبر۔ اپنے اس قید خانے میں کوئی نیا پنچھی آیا ہو۔'' گیتی کو جیسے کچھ اندازہ سا ہو رہا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی سبینا کے ساتھ انیق کا کئی بار طوبیٰ کے گھر جانا اس کی طرف عجیب گہری نظروں سے دیکھنا مجھ سے دوستی مجھ پر مہربانی اور طوبیٰ کا مجھے بار بار یہاں جاب کرنے سے روکنا وہ اس خبیث خالد خان کے چہرے کے پیچھے کی سیاہی دیکھ چکی تھی۔ تبھی مجھے روک رہی تھی۔ بہت سے سرے مل رہے تھے۔

''خالد خان اور انیق یزدانی۔'' نفرت کا ایک طوفان اس کے اندر امنڈ آیا۔

''اگر ایسا ہے تو میں' میں......'' وہ انتقام لینے والے انداز میں مٹھیاں بھینچ اور کھول رہی تھی۔

☆======☆======☆

باتھ روم کا دروازہ اندر سے بند کر کے وہ بے بسی سے دیوار سے ٹیک لگا کر نیچے فرش پر ہی بیٹھ گئی اور زور زور سے رونے لگی۔

''نہیں' نہیں پہنوں گی میں یہ آگ کا لبادہ۔'' اس نے وہ آتشی لباس کھینچ کر دور پھینکا۔

''میں' میں اپنی جان دے دوں گی۔ دیکھتی ہوں مجھے کون روکتا ہے؟'' وہ پھر سے اپنی

سانسیں روک کر کھڑی ہوگئی۔ مگر کچھ ہی دیر میں اس کا دم سینے میں گھٹنے لگا اور وہ ضبط جو اس
نے پہلے کر لیا تھا اب اس سے نہ ہو سکا اور بے اختیار ہی اس کے لب کھل گئے اور سانسوں کا
سلسلہ چلنے لگا۔ پھر وہ بار بار ایسی کوشش کرتی رہی اور ناکام ہوتی رہی۔

"اپنی مرضی سے نہ کوئی جی سکتا ہے نہ مر سکتا ہے۔" اسے لگا فلورا اس پر ہنس رہی ہو۔

"تو کیا میں بھی...... نہیں ہرگز نہیں۔" اسے لگا کسی نے برف کی سل اس کی ریڑھ کی
ہڈی پر رکھ دی ہو۔

"یا اللہ! میں کیا کروں بس تو مجھے موت دے دے۔" وہ اِدھر اُدھر کوئی ایسی چیز تلاش
کرنے لگی جس سے وہ اپنی جان لے سکتی۔ کوئی تیز دھار چیز وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی مگر وہاں
ایسی کوئی چیز نہ تھی۔

"جلدی کرو۔" فلورا باہر زور زور سے دروازہ پیٹنے لگی۔

"آتی ہو یا الیگزینڈر لاک کھولے۔" اس نے پھر باہر سے دھمکی دی۔

"نہیں نہیں خدا کے لئے میں...... میں آتی ہوں۔"

وہ سہم گئی اور روتی آنکھوں سے وہ کرنے لگی جو وہ کرنا نہ چاہتی تھی۔

"میرے اللہ میری عزت تیرے ہاتھ میں ہے۔ مجھے بس عزت دینا یا موت۔" لباس
تبدیل کر کے اس نے رگڑ رگڑ کر اپنی آنکھیں صاف کیں اور باہر آ گئی۔

"اوہ...... گاڈ...... یہ تم ہو......" فلورا تو جیسے اسے دیکھ کر ساکت ہی ہوگئی۔

"قیامت...... قیامت ہے، کیا حُسن ہے؟" وہ اسے سر سے پاؤں تک ایسے دیکھ رہی
تھی جیسے تول رہی ہو۔ طوبیٰ اس کی آر پار ہوتی نظروں سے گھبرا کر اپنا بدن چرانے لگی۔ وہ
اپنے آپ کو اپنی باہنوں میں چھپا رہی تھی۔

"چلو اب تم یہاں بیٹھو میں اللہ داد کو بھیجتی ہوں اور سنو وہ کھانا لائے گا کھا لینا۔" وہ
ہدایات دے کر جانے لگی اور جاتے جاتے مڑی۔

"اور سنو!" اس نے بڑی تیکھی نگاہ اس پر ڈالی۔

"اگر نہیں کھاؤ گی تو خود ہی بھوکی مرو گی۔ لیکن نہیں مرنا اتنا آسان کہاں کہ انسان بھوک
سے مر جائے۔" اس نے خود ہی وضاحت کر دی کہ کہیں وہ بھوک سے مرنے کی کوشش نہ کر
ڈالے اور بغیر کچھ سنے زور سے دروازہ بند کر کے چلی گئی۔

"یا خدا! یہ اللہ داد کون ہے؟" وہ خوفزدہ سی ایک طرف بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔

کچھ ہی دیر کے بعد باہر قدموں کی آواز سنائی دی اور باہر سے لاک کھول کر کوئی اندر آ

یا۔ "اوہ۔" اسے دیکھ کر طوبیٰ نے ایک لمبی سانس کھینچی۔

"تو یہ ہے اللہ داد۔" یہ وہی معصوم سی شکل کا لڑکا تھا۔ اس نے کھانے کی ٹرے اس کے
منے رکھ دی اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کھانے کو کہنے لگا۔

"مجھے کھانا نہیں زہر چاہیے۔ وہ لا دو کہیں سے پلیز۔" وہ اس کی منت کرنے لگی۔ مگر وہ
پ تھا۔

"سنو، سنو۔" وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ گئی۔ "اگر میں تمہاری بہن ہوتی تو کیا پھر بھی تم
رے ساتھ یہی ہونے دیتے۔" اس کی اس بات پر اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"بولو کیا تم بول نہیں سکتے کتنا روپیہ ملتا ہے تمہیں اپنا منہ بند رکھنے کا۔" وہ غصے میں آ گئی
ی۔

"ایں، ایں آں۔" پہلی بار اس کے منہ سے کوئی آواز نکلی تھی وہ اشاروں سے اسے بتا رہا
ا کہ وہ واقعی نہیں بول سکتا اور اسے یہاں منہ بند رکھنے کے پیسے نہیں ملتے وہ بڑا بے بس لگ
ہا تھا طوبیٰ کو اپنے کہے پر بہت شرمندگی ہوئی کہ اس نے خواہ مخواہ ایک انسان کا دل دکھایا
ا۔

"پلیز تم مجھے یہاں سے نکل جانے دو۔" وہ ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی۔

"آں ہوں، ہوں۔"

وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر سمجھانے لگا۔ وہ اشاروں سے بتا رہا تھا کہ یہاں سے نکلنا اتنا
سان نہیں باہر سخت پہرہ ہے اور وہ بڑی بڑی مونچھوں والا (شاید الیگزینڈر کو کہہ رہا تھا) باہر
ن لئے کھڑا ہے۔ وہ اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا کہ وہ اس کی مدد ضرور کرے
۔ اسے چپ رہنے اور کھانا کھانے کا کہہ کر وہ باہر نکل گیا طوبیٰ کو لگا جیسے اس گھور سیاہ
دھیرے میں روشنی کی ایک کرن چمکی ہو۔

"میرے اللہ میری مدد کرنا۔" وہ دعائیں کرتی کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ "مجھے
نا کا تھوڑا سا اعتماد حاصل کرنا چاہیے۔ اب مجھے واقعی چپ ہو جانا چاہیے۔ اللہ ضرور میری مدد
کرے گا۔"

وہ کچھ سوچ کر بیٹھ گئی اور پلیٹ میں تھوڑا سا سالن لے کر دو چار نوالے کھا لئے۔ یہاں
سے نکلنے کے لئے بھی تو اسے توانائی کی ضرورت تھی اور اس نے تو پچھلے دو روز سے سوائے پانی
اور ایک کپ چائے کے کچھ نہ لیا تھا۔

"پتا نہیں بابا جان نے کچھ کھایا ہوگا یا نہیں؟" اسے اپنے بابا جان کا خیال آ گیا
تو جیسے لوہے کا ہو گیا۔

"میرے بابا کس قدر اذیت میں ہوں گے اور اماں، تانیہ، سمیر، سبھی...... سبھی
کی حالت کا سوچ کر تڑپ اٹھی۔

"سب مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ اماں جان تو دل کی مریضہ ہیں ان پر جا
بیت رہی ہوگی۔ میرے اللہ! تُو اپنے سوہنے حبیب کے صدقے مجھ بے بس پر رحم کر
آنسو اس کے گالوں پر لڑھکنے لگے۔

☆======☆======☆

"آج تیسرا دن ہے صمد بھائی! اور طوبیٰ کی کچھ خبر نہیں۔" فائزہ خان نے چائے
کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کی خبر ملے گی۔" عبدالصمد خان نے بڑے یقی
کہا تھا مگر ان کا اپنا دل اندر ہی اندر لرز رہا تھا وہ خود بے حد پریشان اور خوفزدہ تھے آج
انہوں نے بڑے دھڑکتے دل کے ساتھ پڑھا تھا اور اخبار میں موجود جرائم، اغوا اور ڈکی
خبر کو بڑے غور اور خوف سے پڑھا تھا آج ویسے بھی ان کا دل عجیب سے خوف کا شکا
تھا۔ صبح اخبار میں جب انہوں نے یہ خبر پڑھی کہ ایک لڑکی کو چند غنڈوں نے اغوا کیا ا
کا نشانہ بنانے کے بعد اس کے گلے میں پھندہ ڈال کر اسے ہلاک کرنے کے بعد اس
کو نہر میں پھینک گئے۔ اس لمحے ان کا کلیجہ منہ کو آ گیا تھا۔

ان کی جان جسم سے نکل کر لبوں پر آ گئی تھی۔ حالانکہ اخبار تو ہر روز بے شمار خبرا
بھرے رہتے تھے مگر اب انہیں ایسی ہر خبر اپنی خبر لگتی تھی۔ تب ہی انہوں نے اخبار
فون کر کے اس خبر کی تمام تفصیلات لی تھیں مگر وہ لڑکی کسی گاؤں سے تعلق رکھتی تھی یہ
انہیں کچھ تسلی ہوئی تھی مگر ان کا دل ایسے وسوسوں سے بھر گیا تھا وہ اندر سے خوفزدہ ہو
کہ کہیں کوئی ظالم کوئی درندہ ان کی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک نہ کر دے۔

"پھر بھی کچھ تو پروگریس ہونی چاہیے تھی کوئی تو کلیو ملتا۔"

فائزہ خان اپنی بات کو تفصیل سے کر رہی تھیں۔

"آپا! ہم سب اس کوشش میں تو لگے ہوئے ہیں۔" کرنل صاحب دیکھ رہے تھ
کی واری صدقے جانے والی بہن کے تیور بھی کچھ کچھ بدل رہے تھے۔

"دراصل احمد کا کئی بار فون آ چکا ہے۔ انہیں سنگاپور جانا ہے وہ کہہ رہے تھے ک

چھٹی بھی ختم ہو چکی ہے۔" وہ بات کو آگے بڑھانے لگی۔

"تو آپ لوگ چلے جائیں۔" وہ ان کی بات کا مفہوم سمجھ چکے تھے۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا بھائی میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ وقاص کراچی چلا جائے میں تو رکوں
ی۔" وہ فوراً ہی یہ سوچ کر شرمندہ ہو گئیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں اور کس انداز میں کہہ رہی
ں۔

"آپا! آپ ہرگز پریشان نہ ہوں آپ اور وقاص دونوں چلے جائیں خدا بہتر کرے گا
ارے ساتھ اور پھر واقعی کیا خبر کب......؟" بات کو ادھورا چھوڑ کر وہ دکھی ہو کر وہاں سے چلے
ئے۔ ان کی زبان یہ کہنا چاہتی تھی کہ ان کی بیٹی جانے کب ملے۔

سعدیہ خان نے بھی زخمی نظروں سے فائزہ کی طرف دیکھا وہ تسبیح لئے بیٹھی ہر وقت
ھتی رہتی تھیں اس وقت بھی کچھ پڑھ رہی تھیں۔ تانیہ کچن میں چلی گئی۔ سمیر گھر میں موجود نہ
ا۔ لیونگ روم میں اب فائزہ خان اور وقاص ہی رہ گئے تھے۔

"امی جان!" وقاص نے ماں کو مخاطب کیا۔ "آپ نے ماموں جان کا دل دکھا دیا۔"
ماں کی اس بات پر کچھ خفا تھا۔

"میرا مطلب صمد کا دل دکھانا نہیں تھا۔" وہ بیٹے سے نظریں چرا گئیں۔

"تمہارے ابو واقعی بار بار فون کر رہے ہیں۔" انہوں نے وضاحت پیش کی۔

"ابو جان کو بھی پتا نہیں کیا ہو گیا ہے؟" وہ بے چینی سے ہاتھ ملتا بولا۔

"وقاص! بری بات۔" انہوں نے بیٹے کو گھرکا۔ "اپنے باپ کے بارے میں ایسا مت
وجود وہ تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"میں بھی ان سے بہت پیار کرتا ہوں۔ ان کی بے حد عزت کرتا ہوں۔" وہ اٹھ کر ماں
کے قریب آ گیا۔ "مگر امی جان!" اس نے ماں کے گھٹنے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ "طوبیٰ! میری
لی خواہش ہے اور میرا آخری فیصلہ بھی۔" وہ ماں کو سمجھانا چاہ رہا تھا۔

"مگر بیٹا وہ خدا جانے۔" وہ دل کی بات لبوں پر نہیں لاتی تھیں ورنہ شوہر نے ان کے
انوں میں جانے کیا ڈالا تھا کہ ان کے دل میں بھتیجی کے لئے پیار کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر راب
ریا بن چکا تھا۔ وہ بھی جانے کب بھاپ بن کر اُڑ جاتا۔

"کچھ نہیں ہوگا طوبیٰ کو اور میں ہر حال میں طوبیٰ کو اپناؤں گا رہی بات ابو جان کی تو
ی الحال کل کراچی جا رہا ہوں ایک آدھ روز میں اپنی چھٹی بڑھوا کر واپس آؤں گا۔ آپ
موں جان کا حوصلہ بڑھائیں دکھ نہیں۔" اس نے ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے فیصلہ

کن انداز میں کہا اور بڑے بڑے قدم اٹھاتا لیونگ روم سے باہر چلا گیا۔

☆======☆======☆

''گیتی! تم یہاں؟'' خالد خان اسے دیکھ کر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشا
ہو گیا۔

''کیوں ڈیئر! یہاں نہیں آسکتی۔'' اس نے ایک ادا سے اس پر ایک گہری سی نظر ڈا

''کیوں نہیں۔ کیوں نہیں آؤ تم تو ہر جگہ آسکتی ہو۔'' اس نے اپنے سامنے پھیلی
تصویریں سمیٹ کر ایک طرف کر دیں۔ وہ ان ساری تصویروں کا یہاں بیٹھ کر انتخاب کر
تھا جنہیں انلارج کرنا ہوتا تھا یا جو کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کرنی ہوتی تھیں۔

''کوئی خاص تصویریں ہیں؟'' وہ جھک کر تصویریں اٹھانے لگی۔

''خاص تو ہیں مگر تمہارے لئے تو عام سی ہوں گی دیکھو۔'' وہ سگریٹ کا لمبا سا کش
ہوا بولا۔ وہ تصویریں دیکھنے لگی۔

''یہ یہ کب بنائی گئی تھیں؟'' وہ اپنی تصویریں دیکھ کر حیرت میں تھی۔ اسے خود خبر
جب یہ تصویریں بنی تھیں۔

''ظاہر ہے تمہاری بے خبری میں بنی ہیں ورنہ تم ایسے نیچرل پوز کب دیتیں؟''
وہ اپنے چہرے پر زمانے بھر کی خباثت لاتا ہوا مسکرایا۔

''اوہ...... تو ایسا سسٹم بھی ہے آپ کے ہاں۔'' وہ ساری بات سمجھ گئی تھی کہ یہ تصو
خود کار کیمروں کے ساتھ اس وقت اتاری گئی تھیں جب وہ پہلی بار ماڈلنگ میں آنے کے
میں تیار ہوئی تھی۔ جب پہلی بار اس نے یہاں کا باتھ روم استعمال کیا تھا اور ڈریس چینج کی
اور وہی پہلا لباس اس کے لئے اس گناہ کی دلدل میں دھنسنے والا پہلا قدم بن گیا تھا۔

''واہ! بڑا مضبوط جال بنتے ہیں آپ معصوم لڑکیوں کو پھنسانے کے لئے۔'' اس نے
تصویریں ایک طرف پٹخ کر خالد خان کو لال ہوئی آنکھوں سے گھورا۔

''کیا کریں مجبوری ہے بزنس جو ہوا۔'' وہ بڑی ڈھٹائی اور خباثت سے ہنسا اس کا د
چاہا کہ کہہ دے ''لعنت ہے تم پر اور تمہارے بزنس پر یہ تم دوزخ کا ایندھن جمع کر رہے ہو
ایک ایک لڑکی جسے تم یہاں مجبوریوں کی آگ میں جلاتے ہوئے وہاں وہ تمہارے لئے ا
آگ بھڑکائے گی کہ تمہیں پل میں راکھ کرے گی پھر تم جیو گے پھر جلو گے۔''

مگر یہ وقت ایسی باتوں کا ہرگز نہ تھا۔ وہ تو یہاں کسی اور ہی مقصد سے آئی تھی اس
بہت محتاط طریقے سے اپنا اندر چھپا کر اس نے ایکٹنگ کرنی تھی۔

''ویسے تمہاری پرفارمنس رہی بہت زبردست۔'' وہ اس کے قریب آکر اس کی تعریف
رنے لگا۔

''بس آپ کی ذرہ نوازی ہے ورنہ بندی کس قابل ہے؟'' وہ مسکرانے لگی۔

''اور کوئی کام ہو تو بندی حاضر ہے۔''

''ہاں ہاں کام ہے اور آج شام ہی ہے۔'' وہ اصل مقصد کی طرف آنے لگا۔

''وہ اپنے مترو صاحب ہیں ناں۔''

''کون وہ بیورو کریٹس۔''

''نہ نہ شی ای۔'' خالد خان نے اس کی بات کاٹ کر اس کے لبوں پر انگلی رکھ دی۔

''ملک کی ایسی نامور ہستیوں کا نام نہیں لیتے۔''

''ہاں ایسے معاملوں میں نام نہیں لیتے بلکہ صرف واہ واہ اور جے جے کار کے لئے نام
ہو تو ہر وقت لیتے ہیں۔'' وہ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے بولی۔

''طنز کی عادت نہیں جائے گی تمہاری۔'' وہ بھی ہنس پڑا۔

''بس مجبوری ہے خیر آپ بتائیں مترو صاحب کے لئے کیا پروگرام ہے۔'' اس نے
وکو لمبا کر کے ادا کیا۔

''ان کے کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔'' وہ بتانے لگا۔

''وہ جو وفد آیا ہوا ہے مڈل ایسٹ سے۔'' آج صبح کے اخبار میں ہی اس نے پڑھا تھا
ترو صاحب کے ساتھ اس وفد کے رہنما کی تصویریں بھی چھپی تھیں جو دونوں ممالک کے
یان دوستی اور بھائی چارے کا پرچار کرنے آئے تھے۔

''ہاں ہاں وہی۔'' خالد خان نے ادھ جلا سگریٹ پھینک کر دوسرا جلایا۔

''تو مہمان نوازی کرنی ہے ان مہمانوں کی۔'' وہ سمجھ چکی تھی۔

''یس ویری سمپل۔'' وہ اس کی ذہانت پر خوش ہوا۔

''اچھا تو کنیزوں میں کس کس کا انتخاب ہوا ہے۔'' وہ تفصیل پوچھنے لگی۔

''کنیز کہاں تم تو پرنسس ہو۔'' وہ اس کے گالوں کو چھو کر آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''اوہ ریئلی۔'' اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

''اس دل سے پوچھ لو۔'' اس نے اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ دیا۔ ''یا پھر اس آئینے
۔'' اور اسے پکڑ کر سامنے لگے قد آدم آئینے کے سامنے کر دیا۔

''ہاں واقعی۔'' وہ خود کو دیکھ کر اعتماد سے بولی۔

''میرے علاوہ اور کون کون ہے۔'' وہ اصل میں کچھ اور اگلوانا چاہ رہی تھی۔

''تم شارقہ ندا اور وہ......وہ......'' کچھ کہتے ہوئے رک گیا۔

''اور کون؟'' وہ خود اس کے قریب ہو گئی۔ ''کوئی نئی ہستی نیا چہرہ؟'' وہ اسے انگ پر اکسانے لگی۔

''نیا چہرہ ہاں......نہیں نہیں نیا چہرہ تو تم ہی ہو تمہارا ہی تعارف ہو گا۔'' اس کی لڑکھڑا کر پلٹ گئی اور گیتی جان گئی کہ وہ کچھ چھپا گیا ہے۔

''سر یہ پازیٹو بن گئے ہیں اس نئی ہیروئن کے۔'' یاسر نواز نے ڈارک روم سے اسے بتایا اس نے گیتی کی طرف نہیں دیکھا تھا جیسے ہی اس پر نظر پڑی وہ گڑبڑا گیا۔ خالد نے جانے کب اسے کوئی اشارہ کر دیا تھا وہ فوراً بدل گیا۔

''اوہو میں بھی کون سی فائل اٹھا لایا وہ لاتا ہوں سر۔'' وہ اسی طرح تصویریں واپس لے گیا۔ گیتی نے مسکرا کر خالد خان پر ایسی نظر ڈالی جیسے وہ بہت لاپروا ہو۔

''اچھا تو سر میں ندا کے پاس ہوں آپ یہاں سے فارغ ہو کر ہمیں پروگ تفصیلات بتا دیں۔'' وہ جان بوجھ کر وہاں سے ہٹ گئی۔

''اوکے۔'' وہ مسکرایا باہر آ کر وہ سوچنے لگی کہ کچھ تو گڑبڑ ہے اور بڑی خطرناک ہے۔ جانے کیوں اس کا دل کہہ رہا تھا کہ طوبیٰ انہی شیطانوں کے نرغے میں ہے۔ مگر ہے؟ یہ کس سے پوچھے۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ بلڈنگ ایک لال قلعہ ہے۔ اس کی بھول بھلیوں میں آنے والا واپسی کا راستہ بھول جاتا ہے اور اس کی کال کوٹھڑیاں اور ٹارچر سیل ہیں؟ وہاں کیا ہوتا ہے؟ کون آتا ہے کون وہاں سے کہاں جاتا ہے اور کون مر جاتا سب اگر کوئی اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تب بھی زبان سے نہیں بتا سکتا۔ یہاں جو بھی اس کے کانوں میں سیسہ اور زبان پہ تالے ڈال دیئے جاتے تھے اور چاہے کچھ ہو جا کسی سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا کچھ کہنے کی اجازت ہی نہ تھی کسی کو اگر کوئی کہتا تو ان کی مجبو اور بے بسی کو انگارہ بنا کر زبان پر رکھ دیا جاتا تھا۔ یہ لال قلعہ گناہوں کی آماجگاہ تھا۔ آج بھی ابلیس راج قائم تھا۔ یہاں رہنے والے مرد شیطان کے خاص پٹھو تھے جو محض کھلونا یا پھر کھل جا سم سم کا ورد جانتے تھے وہ عورت کو کنجی بنا کر اپنے لئے دولت کے دروازے کھول لیا کرتے تھے۔

خالد خان اور انیق یزدانی تنہا اس کام کے سرکار نہ تھے۔ بلکہ یہ تو بڑا منظم کاروبار میں تو بڑے بڑے نام تھے۔ یہاں تو بہت کچھ ہوتا تھا۔

سیاست اور ریاست کے کام بنانے میں عورت کس طرح استعمال ہوتی تھی یہ گیتی نے لیا تھا۔ ملک کے بڑے بڑے نام...... بڑی عزت دار ہستیاں جو عوام کے سامنے بڑا سر جھکا کر جوڑ کر تقریریں کرتی تھیں جو عورت کو اول درجے کی انسان اور ایک نہایت قابل عزت مانتے تھے اور جنہوں نے خواتین کے حقوق کے لئے بین الاقوامی سطح پر این جی اوز بنا تھیں۔

وہ سب کے سب دو چہروں والے انسان تھے یہاں آ کر وہ اپنا پہلا چہرہ ایک ماسک کی طرح اتار پھینکتے تھے اور حیوانیت اور شیطانیت میں بہت آگے چلے جاتے۔

گیتی نے یہ سب دیکھ لیا تھا۔ ملک سے باہر ملک کی عزت کو جس طرح نیلام کیا جاتا تھا' اس آگ میں سے خود نکل کر آئی تھی مگر یہاں ملک کے اندر بھی بڑے پیمانے پر اور بڑی سطح کے لوگوں میں جو کچھ ہو رہا تھا کم شرمناک نہیں تھا بیرون ممالک سے آنے والے وفود کو عورت مہمان نوازی کے طور پر پیش کی جاتی تھی تا کہ ان کو خوش کرے۔ عورت کو باہر تحائف کی شکل میں بھیجا جاتا تھا تصاویر انلارج کرا کے بھیجی جاتی تھیں جو اسٹیچو بنا کر ایکسپورٹ کیے جاتے تھے۔ عورت کا استعمال تو جادو کی گڑیا کے طور پر تھا جو ہر کام میں کار آمد تھی۔

گیتی جب خود وہ عورت بنی جو شو پیس تھی کسی کے لئے بھی' جو بھی زیادہ قیمت لگا دے تو معلوم ہوا تھا کہ اس دنیا میں عورت مرد کی نظر میں کس قدر حقیر اور ذلیل شے ہے۔ وہ ایسی آگ میں جلتے ذہن کے ساتھ ندا کے کمرے میں بیٹھی تھی ندا وہاں موجود نہ تھی۔ اسٹوڈیو میں کوئی شوٹنگ چل رہی تھی وہ اس کا انتظار کر رہی تھی جب اختر وہاں آ گیا یہ ڈارک روم میں سر کے ساتھ ہوتا تھا۔

''ہیلو اختر کیسے ہو؟'' وہ کچھ سوچتے ہی اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

''فائن۔'' جواباً وہ بھی مسکرایا۔

''بڑے مصروف رہتے ہو۔ کبھی ہمارے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔'' وہ جانتی تھی کہ اختر میں انٹرسٹڈ ہے تبھی اس پر نثار ہونے والے انداز میں بولی تھی۔

''زہے نصیب میں اور آپ کے پاس بیٹھوں۔'' وہ کرسی کھینچ کر اس کے قریب ہو گیا۔

''چائے پیو گے۔'' اس نے آفر کی۔

''وائے ناٹ۔'' وہ تو پہلے ہی تیار تھا کمبل ہونے لگا اس نے انٹر کام پر دو اسپیشل چائے کا آرڈر دیا۔

"اختر! ایک دو تصویریں میں نے انلارج کرانی تھیں اپنی۔" وہ بات کو سرا بنا کر بڑھنے لگی۔

"ضرور ضرور جب چاہو۔"

"مگر مجھے لگتا ہے انلارجمنٹ میں میری تصویر اچھی نہ رہے گی۔" وہ جان بوجھ کر لگی۔

"تم، تم تو کمال لگتی ہو تم نے اپنے انلارجمنٹ دیکھے نہیں جو سنگاپور کے لئے تیار ہیں۔" وہ بڑی گہری نظروں سے اسے تکنے لگا تھا گیتی کو لگا جیسے وہ زمین میں گڑ رہی ڈھیٹ ہو کر بولی۔

"ارے وہ نہیں۔ مجھے تو اپنے کمرے کے لئے بنوانا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے تم اپنی کوئی تازہ تصویر بنوا لو انلارج میں کر دوں گا سب سے سائز میں اور میری طرف سے تحفہ۔" وہ ذرا اور قریب ہونے لگا۔

"اچھا سچ۔" وہ خوش ہو گئی۔

"اختر! اگر میں کچھ پوچھوں تو تم بتاؤ گے۔" چائے آ گئی تھی وہ چائے کا کپ ا کرتی بڑے پیار سے بولی جس پر وہ نثار ہی ہو گیا۔

"ہاں کیوں نہیں۔"

"دراصل ہے تو ٹاپ سیکرٹ جانے تم بتاؤ کہ نہیں؟" وہ ذرا بننے لگی۔

"تمہارے لئے کیا سیکرٹ ہے پوچھو۔" اتنی لفٹ پا کر اس کے لئے اپنے حوا میں رہنا مشکل تھا۔

"سنا ہے کوئی نئی ماڈل آئی ہے آج کل، اور وہ بہت حسین ہے۔" اس نے اصل شروع کی۔

"نئی ماڈل۔" وہ ذرا رک سا گیا بولتے بولتے۔

"ہاں۔ بس مجھے ذرا جیلسی ہو رہی تھی پروفیشنل جیلسی۔" اس نے بات بنائی۔

"میں پوچھ رہی تھی وہ ہے کیسی تم نے فوٹو گراف بنائے ہوں گے اس کے کہیں نہیں جائے گی، ہمارا پتا ہی نہ کٹ جائے۔" گیتی نے منہ بنا کر ایسے ظاہر کیا جیسے وہ وا کاروباری حسد کا شکار ہو۔

"وہ تمہارا پتا نہیں کاٹ سکتی اور پھر اس نے ماڈلنگ تھوڑی کرنی ہے۔" وہ اگلنے لگا نشانے پر بیٹھ گیا تھا، گیتی کا دل مان گیا کہ واقعی عورت اگر اپنی حیا کی ردا تار تار کر لے تو

کر کے دنیا کا ناممکن ترین کام ممکن اور آسان بنا لیتی ہے۔

"یہ دیکھو یہ اس کے فوٹو گراف ہیں یہ میں سر خالد کو دکھانے جا رہا تھا تم دیکھ لو اور بے فکر اب یہاں تمہارے مقابلے کی کوئی اور نہیں آ سکتی۔" اس نے بڑا اترا کر ہاتھ میں پکڑا اس کے سپرد کر دیا۔

"اس بیچاری کو تو خبر بھی نہیں کہ کب اس کے یہ فوٹو بنا لئے گئے۔" وہ اپنے لہجے کو ذرا باش بنا کر بولا گیتی نے لفافے میں سے فوٹو نکالے۔ یہ خود کار کیمروں سے بنائے گئے ل ویسے فوٹو تھے جیسے پہلی بار اس کی بے خبری میں اس کے بنا لئے گئے تھے۔

اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی اور وہ یقیناً چکرا کر گر جاتی اگر قریب کھڑا اختر ے سنبھال نہ لیتا۔

"یہ یہ طوبیٰ تھی اس کی اپنی طوبیٰ اس کا دل۔ اس کی جان طوبیٰ۔" اس کی آنکھوں کے گے اندھیرا چھا گیا اور دل سینے کی دیواروں سے اپنا سر پٹختا رونے لگا۔

"ہائے طوبیٰ بھی اس جال میں پھنس گئی جس میں میں پھنسی تھی کیا اس کا بھی وہی حشر ا جو میرا ہوا؟ ندا کا ہوا؟ اور جانے کس کس کا تو آج کی پارٹی میں خاص مہمانوں کی مہمان زی کے لئے نیا چہرہ طوبیٰ کا ہے۔" ایک سرد لہر اس کے سارے وجود کا خون برف کر گئی۔

"نہیں، نہیں کبھی نہیں۔" وہ اس خوفناک خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک کر اٹھی اور کچھ جتی ہوئی دوبارہ مسکرا دی۔

☆======☆======☆

"مجھے جو کچھ کرنا ہوگا آج ہی کرنا ہوگا...... ورنہ...... ورنہ تو بہت دیر ہو جائے گی
میں کیا کروں یہ سب اتنا آسان بھی نہیں ہے۔" گیتی آرا اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی اس کے تو
گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔

"طوبیٰ اور یہاں۔" اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔

"میں وہ کچھ طوبیٰ کے ساتھ نہیں ہونے دوں گی جو میرے ساتھ ہوا۔" وہ بے
قراری اور پریشانی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔

"میں کیا کروں یا اللہ میں کیا کروں؟" وہ رو دینے کو تھی۔ "ندا...... ہاں ندا سے
کرتی ہوں۔" وہ ندا کا خیال آتے ہی اس کی طرف لپکی۔

"ہائے سویٹ گرل۔" وہ کوریڈور میں ہی تھی جب اسٹوڈیو۔ون سے وہ نکلا تھا۔

"ہائے۔" وہ اسے دیکھ کر چونکی ایک سیاہ سایہ سا اس کے چہرے پر لہرایا مگر وہ فوراً
اس کیفیت پر قابو پا گئی۔

"کہاں جا رہی تھیں۔" اس نے گیتی کا بازو تھام لیا۔

"جانا کہاں ہے اور جا بھی کہاں سکتی ہوں۔ ہر راستہ تو آپ کی طرف آتا ہے؟"
اپنے اندر اٹھنے والے طوفان کو دبا کر بڑی شاندار ایکٹنگ کر رہی تھی۔

"اوہ رئیلی......" وہ ذرا سا جھکا اور اس کی زلفوں سے کھیل گیا۔

"رئیلی تمہاری قسم۔" اس نے بھی اٹھلا کر سر اس کے کندھے پر ٹکا دیا۔

"تو پھر ہو جائے ایک کپ کافی۔" وہ مسکرایا۔

"جو حکم جناب کا۔" وہ بادل نخواستہ ہامی بھر کے اس کے ساتھ چل دی اگر کوئی اور
ہوتا تو وہ انیق کی اس آفر پر نثار ہو جاتی مگر اس وقت...... اس وقت تو اسے بہت جلدی

اس کے پاس بہت ہی کم وقت تھا۔ مگر جلدی میں وہ کوئی بھی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھی جس
کی وجہ سے اس کے لئے مشکلات پیدا ہوں۔

"آج شام تو خاصا ہنگامہ ہوگا۔" وہ کافی پھینٹتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ہنگامہ۔" وہ ذرا دیر کو رکا پھر قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"زبردست ہنگامہ آج کی پارٹی تو بہت خوش ہو کر جائے گی۔"

"کیوں آج کیا خاص بات ہے؟" وہ کافی کا مگ اسے تھما کر پاس ہی بیٹھ گئی۔

"ہے نا بہت خاص بات۔" اس نے اپنا بازو اس کی کمر کے گرد حائل کر دیا۔

"لگتا ہے بہت خاص تحفہ ہے آج کے مہمانوں کے لئے؟" وہ اندر کا راز جاننا چاہتی
تھی۔ اس لئے جان بوجھ کر ایسے سوالات کر رہی تھی۔

"بہت ہی خاص اور انمول تحفہ پیش کرنے والے ہیں ہم آج اپنے خاص مہمانوں کو۔"
وہ خاص مہمانوں پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"اوہ کوئی نئی دریافت۔" وہ اس کی آنکھوں سے دل میں اترنے لگی۔

"بالکل انوکھی اور حسین دریافت۔" وہ گیتی کو بہت گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔ آج
نیوی بلیو نیو اسٹائل ڈریس میں وہ واقعی قیامت کی حسین لگ رہی تھی۔

"تم ہو ناں سب سے حسین اور انمول ہیروں جیسی آنکھوں والی۔" وہ بے خود ہونے لگا
مگر اصل بات ٹال گیا۔

"میں۔" وہ بے یقینی کے انداز میں بولی۔ "رہنے بھی دیں۔"

"اچھا رہنے دیا۔" وہ اس کے گالوں کو چھیڑتا ہوا ہنس پڑا اور پھر فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا۔

"گیتی! شام کے انتظامات چیک کر لو اور دیکھو شارقہ کو ذرا میرے پاس بھیج دینا اور
ہاں وہ اللہ داد کو بھی۔" وہ ایک دم ایسے اجنبی ہو جایا کرتا تھا کہ اس کا صاف مطلب ہوتا تھا کہ
اب مقابل جا سکتا ہے۔ گیتی کو اپنی کم مائیگی اور بے عزتی کا احساس تو ہوا مگر وہ اس وقت ہر
بات پی جانا چاہتی تھی۔

"شارقہ۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی اس کا مطلب ہے کہ شارقہ کو ہر
بات کا علم ہے اور وہ اس سارے معاملے میں شامل ہے۔" ایک دم ہی اس کا سارا خون کھول
کر دماغ کو چڑھ گیا۔ "اس شارقہ کو تو میرا دل کرتا ہے شوٹ ہی کر دوں۔ یہ ضرور ایک روز
میرے ہاتھ سے ضائع ہو گی۔ شیطان کی دوسری شکل ہے یہ عورت، پتا نہیں اس کے سینے میں
کون سا سیاہ پتھر ہے، گناہ کی بیو پاری۔" شدید نفرت کا احساس اس کے غصے کو اور بھی سوا کر

گیا۔

''تم نے اسے کھانا دیا' وہ کھائے گی ضرور کھائے گی بھوک بہت ظالم چیز ہوتی ہے۔'' اندر سے آنے والی شارقہ کی تیز آواز نے اس کے قدم باہر ہی روک لیے۔ ''میڈم وہ بے حد ڈھیٹ چیز ہے کوئی بات مان کر ہی نہیں دیتی۔'' یہ فلورا کہہ رہی تھی۔ باہر کھڑی گیتی کے کان اور دل کی دھڑکنیں دونوں تیز ہوگئیں۔

''تم نے اسے یہ فوٹوگرافس دکھائے۔'' شارقہ کی آواز میں مکاری شامل ہوگئی۔

''جی میں اب لے کر جارہی ہوں اسے دکھاؤں گی۔''

''بس یہ فوٹوگرافس اسے دکھا دو اور کچھ ابھی کرنے کی ضرورت نہیں۔ خود بخود ہر بات مان لے گی اور سنو ذرا آرام سے وہ انیق صاحب کی خاص مہمان ہے۔'' شارقہ نے عجیب سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا تھا۔ جس پر گیتی کا جی چاہا کہ ابھی پولیس کو فون کردے اور سب کو واصلِ جہنم کرادے مگر یہ بے سود تھا جو زہر یہ لوگ پھیلا رہے تھے وہ اس ملک وقوم کے سب ستونوں میں سرایت کرچکا تھا بڑے بڑے سیاست دان' پولیس آفیسر بیوروکریٹس' آرمی سبھی جگہ ان کی اپروچ تھی اور اس اپروچ کا سب سے بڑا ہتھیار عورت ہی تھی۔ وہ بڑے منظم اور مضبوط طریقے سے یہ کام کررہے تھے اور پھر وہ شکایت کس سے کرتی تحفظ کن سے مانگتی۔ آج جن مہمانوں کی مہمان نوازی کے لئے ان کی ایجنسی سے رابطہ کیا گیا تھا وہ انہی میں سے تو تھے۔ آج جو کچھ ہونے والا تھا اس پر نوٹس لینے یا اسے بے نقاب کرنے کا کام جنہیں کرنا چاہیے تھا انہی کی نگرانی میں یہ کام ہوتے تھے۔ وہ جانے کس خیال میں کھوگئی۔

جب فلورا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔

''تم یہاں کب سے کھڑی ہو؟'' باہر گیتی کو دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔

''شارقہ اندر ہے۔'' وہ اس کی بات کو نظرانداز کرکے الٹا پوچھنے لگی۔

''اندر ہے۔'' فلورا اسے گھورتی ہوئی چل دی اس کے ہاتھ میں وہی براؤن سا لفافہ تھا جو اختر نے اسے دکھایا تھا اور جن میں طوبیٰ کے فوٹو تھے۔ اس کا جی چاہا کہ فلورا کے منہ پر ایک زوردار چانٹا رسید کرے اور یہ لفافہ اس سے چھین لے۔ اس خیال سے ہی اس کا جی کٹ کر رہ گیا تھا کہ ان تصویروں کو دیکھ کر طوبیٰ پر کیا قیامت گزرے گی' وہ تو شاید مر ہی جائے گی۔

''یا خدا میں کیا کروں؟'' اسے اپنی بے بسی پر رونا آ گیا وہ اندر آ گئی تو شارقہ اللہ داد سے کچھ کہہ رہی تھی اسے دیکھ کر گڑبڑا سی گئی۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ اور دیکھنا ذرا دھیان سے۔'' اس نے اللہ داد کو جانے کا کہا اور ساتھ

ہی ہدایت بھی کردی۔

''آؤ تمہارا کیسے اس طرف آنا ہوگیا؟'' اب وہ عجیب نظروں سے گیتی کو دیکھ رہی تھی۔

''میرا کوئی ارادہ نہیں تھا تم سے ملنے کو' انیق صاحب تمہیں یاد کررہے تھے۔'' وہ فوراً ہی پلٹ گئی ان دونوں میں بہت زیادہ لگتی تھی اس لئے دونوں ہی ایک دوسرے سے الرجک تھیں۔ گیتی کو یوں بھی جلدی تھی کہ وہ اللہ داد سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔

''اللہ داد۔'' وہ بھاگ کر اس کے پیچھے لپکی جو کوریڈور پار کرنے ہی والا تھا۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور رک گیا۔

''مجھے تم سے کچھ کام ہے کیا تم میری بات سنو گے پلیز۔'' اس نے نہایت التجائیہ انداز میں اسے کہا تو وہ ہولے سے مسکرایا اور اس کے ساتھ چل دیا۔ وہ اسے لے کر اپنے کمرے میں آ گئی اور دروازہ اندر سے لاک کرلیا پھر پردے برابر کیے وہ بہت گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی اللہ داد حیران ہوکر اسے دیکھ رہا تھا۔

پھر اس نے اپنی دراز سے طوبیٰ کی ایک تصویر نکالی جو اختر کے اس براؤن لفافے میں سے اس نے اڑالی تھی۔ تصویر اگرچہ کسی کو دکھانے کے لائق نہ تھی مگر اس وقت مجبوری تھی۔ اس نے دل پر پتھر رکھ کر تصویر اللہ داد کے سامنے کردی۔

''اللہ داد! تم اسے جانتے ہو؟'' وہ اس سے پوچھنے لگی۔ اللہ داد نے ایک نظر تصویر پر ڈالی اور فوراً ہی ہٹالی وہ اسی طرح خاموش کھڑا رہا۔

''دیکھو اللہ داد تم اسے جانتے ہو مجھے پتا ہے۔'' تصویر کو واپس دراز میں ڈالتے ہوئے اس نے اپنی بات پر زور دیا۔

''آں...... آں...... ناں۔'' وہ اپنے گونگے ہونے کے باوجود اسے سمجھانے لگا کہ وہ نہیں جانتا۔ گیتی دیکھ رہی تھی کہ اس کے چہرے پر بلا کا خوف طاری تھا۔

''دیکھو اللہ داد! تم پر ہرگز کوئی بات نہیں آئے گی۔ تم مجھے صرف یہ بتادو کہ یہ لڑکی یہاں ہے یا نہیں...... یہ میری دوست ہے بلکہ میری بہن ہے یہ۔'' وہ بڑی لاچاری سے اسے سمجھانے لگی۔

''دیکھو دیکھو میرے بھائی اس کی ماں دل کی مریضہ ہے اور اس کی حالت اس کے نہ ملنے سے بہت خراب ہورہی ہے۔ اس کی جان بھی جاسکتی ہے۔''

''نہ...... آں...... آں......'' وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اس کے ساتھ الجھنے لگا۔

''دیکھو! دیکھو! تم یہاں ہر روز بے شمار لڑکیوں کو زندہ لاشیں بنتے دیکھتے ہو اللہ داد' اگر

ان میں سے کوئی ایک تمہاری اپنی بہن ہوتو پھرتم کیا کرو گے کیا پھر بھی ان کی مدد نہ کرو گے؟
بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آرہے تھے۔

اپنی بہن کا سن کر اس کے چہرے پر بہت گہری زردیاں چھا گئیں اور وہ جذباتی ہو گیا
وہ اشاروں اور اپنی آواز کے اتار چڑھاؤ سے اسے سمجھانے لگا کہ وہ کچھ جانتا بھی ہے تو اسے
کچھ نہیں بتا سکتا اگر وہ اسے کچھ بتا دے گا تو خالد اور انیق اس کا بہت برا حشر کریں گے۔

"کچھ نہیں ہوگا میرے بھائی! کچھ نہیں ہوگا۔ میں تم پر آنچ بھی نہیں آنے دوں گی۔ ہ
بات اپنے اوپر لے لوں گی بس تم ایک بار مجھے اس کا پتا بتا دو کہ اسے کہاں رکھا گیا ہے؟" و
اس کی منت سماجت کرنے لگی۔ اس کے آگے ہاتھ باندھنے لگی۔

"نہ...... آں...... نہ...... آں......" وہ اس کے بندھے ہاتھ دیکھ کر بے چین ہو رہا تھا۔

"اچھا اگر تم چاہتے ہو کہ ایک بے گناہ لڑکی کی عزت آج نیلام ہو جائے اور اس کے
ماں باپ دنیا میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ اس کی ماں صدمے سے مر جائے او
باپ اور بھائی معاشرے کی باتوں کے خوف سے خودکشی کر لیں تو پھر ٹھیک ہے۔ مت بتا
تمہیں اپنی زندگی بہت پیاری ہے؟ ارے اس زندگی کو اک نہ اک دن تو ختم ہونا ہے مگر کر
کے کام ہی نہ آئی تو کس کام کی اور پھر یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اگر اس پر بھی ہم نے کچھ نہ کیا تو
خدا کو کیا جواب دیں گے؟"

وہ بے بسی سے رو پڑی تھی اس کی باتوں نے اللہ داد کے دل پر گہرا اثر کیا تھا ویسے بھی
وہ اندر سے بہت نرم دل واقع ہوا تھا۔ اسے چپ کراتے ہوئے وہ اس بات پر راضی ہو گیا کہ
وہ اسے بتا دے گا کہ طوبیٰ کو کہاں رکھا گیا ہے۔

"کہاں...... کہاں؟" گیتی کو ڈھارس ملی تو وہ فوراً الرٹ ہو گئی اسے اللہ داد کے
اشارے کچھ ٹھیک طرح سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ اس نے ایک کاغذ قلم مانگا جو جھٹ گیتی نے
اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر اس نے فٹافٹ کچھ لکھ کر گیتی کو تھما دیا۔ باہر کسی کے بولنے او
قدموں کی آواز پر وہ فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس کے چہرے پر خوف، موت کی طرح طاری ہو گیا
تھا۔ گیتی کا دل بھی کپکپانے لگا تھا۔

گیتی نے ہمت کر کے کمرے کا دروازہ کھولا اور ڈرتے ڈرتے سر باہر نکال کر دیکھا مگر
سامنے سے آتی ندا اور سطوت کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آگئی۔

اس نے اشارے سے اللہ داد کو کمرے سے نکل جانے کو کہا وہ سر جھکا کر تیزی سے باہر
نکل گیا اور ان دونوں کے قریب سے بغیر نظریں اٹھائے گزر گیا۔ انہوں نے بھی کوئی نوٹس نہ

یا جس پر گیتی نے خدا کا شکر ادا کیا اور ایک لمبی سانس کو سینے سے آزاد کر کے کچھ مطمئن ہو
گئی۔

☆======☆======☆

"تم نے کھانا ابھی تک نہیں کھایا۔" فلورا نے کھانے کی ٹرے کو جوں کا توں پڑا دیکھ کر
یک قہر آلود نظر اس پر ڈالی۔ جواباً طوبیٰ نے ایک بیچارگی اور بے بسی کی نظر اس کی طرف اٹھائی
بس کا اس پتھر پر کیا اثر ہونا تھا۔

"تو ٹھیک ہے تم ایسا کرو کہ پہلے یہ کچھ تصویریں ہیں انہیں دیکھ لو پھر فیصلہ کرنا کہ تم نے
کیا کرنا ہے؟"

اس نے وہ آخری تیر اپنی عیاری کی کمان سے نکال کر چلا دیا جو اس کھیل میں سب سے
آخر میں چلایا جاتا تھا اور جو کبھی رائیگاں بھی نہ جاتا تھا۔ فلورا نے خالی لفافے میں سے
صویریں نکال کر اس کے سامنے پھیلا دیں۔

"یہ یہ کیا ہے؟"

طوبیٰ کی نظر ان پر پڑی تو ایسا لگا جیسے اس کا پورا جسم بجلی کی ننگی تاروں سے کسی نے داغ
یا ہو وہ جھٹکا کھا کر اٹھی اور دیوانوں کی طرح تصویروں کو دیکھنے لگی۔

"نہیں، نہیں یہ میری نہیں ہیں یہ میری نہیں ہو سکتیں۔" وہ پاگل ہو گئی۔ کیونکہ یہ
صویریں اس کی باتھ روم میں کپڑے بدلتے وقت اتاری گئی تھیں اور جو کسی بھی طرح سے
ناسب نہ تھیں۔

"غور سے دیکھ لو یہ تمہاری ہی ہیں اور اگر اب بھی نہ مانیں تو پھر تمہاری اس سے بھی
ری حالت کی تصویریں اور مووی تمہارے گھر والوں کو پہنچا دی جائیں گی۔"
فلورا بڑی شیطانی ہنسی ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں، میں اپنی جان دے دوں گی۔" طوبیٰ نے تیزی سے سامنے ٹرے میں پڑی
روٹ کاٹنے والی چھری اٹھالی اور اس سے پہلے کہ وہ اسے استعمال کرتی بجلی کی تیزی سے
ہر کھڑا پیٹرک اندر آیا اور اس نے وہ چھری اس کے ہاتھ سے چھین لی اور اسے ایک زوردار
ہاتھ رسید کر دیا جس سے وہ چکرا کر دور جا گری۔

"پیٹرک! ذرا اسے تم اپنے طریقے سے سمجھاؤ یہ میری بات نہیں سمجھ رہی۔" وہ غصے سے
رائی تو بالکل ایک ریموٹ کنٹرول کی طرح دیوہیکل پیٹرک اس کی طرف بڑھنے لگا اس کے
ہرے پر بھی حیوانیت سے لگ رہا تھا کہ اس کے ارادے کس قدر غلیظ ہیں۔ وہ خوف سے سمٹتی

ہوئی دور ہٹ گئی۔

''نہیں خدا کے لئے نہیں۔'' اس کی صورت بالکل سفید لٹھے جیسی ہو رہی تھی جیسے
میں لہو کا ایک قطرہ تک نہ ہو۔

''تو پھر ٹھیک ہے ہم سے تعاون کرتی جاؤ ورنہ......''

فلورا کے چہرے پر مکارانہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر پیٹرک کو ر
کہنے لگی۔

''طوبیٰ! تمہارے گھر والے اس وقت سخت صدمے سے دوچار ہیں اور اگر یہ تصو
تمہارے گھر پہنچ گئیں تو تمہاری دل کی مریضہ ماں چند لمحوں میں ختم ہو جائے گی۔'' اب
کے ساتھ جذباتی بلیک میلنگ پر اتر آئی تھی۔

''میری اماں۔'' وہ تڑپ گئی۔

فلورا کا آخری تیر نشانے پر بیٹھ رہا تھا۔

''تم تو بہت اچھی لڑکی ہو۔'' اب وہ محبت دکھانے لگی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ب
بٹھا لیا۔

''لو تھوڑا سا کھا لو۔'' اور اپنے ہاتھ سے نوالہ بنا کر اس کے منہ میں ڈالنے لگی۔

''میں نہیں کھا سکتی مجھے بھوک نہیں۔'' خوفزدہ سی وہ بمشکل بولی۔

''چلو اچھا خود کھا لینا ورنہ انیق صاحب بہت غصہ ہوں گے ہم پر۔'' وہ بڑے معنی
انداز میں انیق صاحب کہہ کر اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگی اور پھر باہر نکل گئی۔

''ہونہہ انیق۔'' نفرت کا ایک گہرا احساس آگ بن کر اس کے لہو میں پھیل گیا۔

''دیکھ لینا میں تمہارا گریبان روزِ محشر پکڑوں گی تم پر خدا کا ایسا عذاب نازل ہو گا ک
اس کے عذاب کی بولتی تصویر اور دنیا کے لئے عبرت کا نشان بن کر رہ جاؤ گے۔ تم موت ما
گے تو تمہیں موت نہ ملے گی اور اگر زندگی چاہو گے تو سانسیں رک جائیں گی۔'' ٹپ ٹپ ا
کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

وہ اپنے ساتھ ہونے والے اس ظلم پر حیران تھی۔ اپنے رب سے گڑگڑا کر دعا م
مانگ رہی تھی کہ ''یا اللہ! اس کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے دانستہ نادانستہ
گناہوں کو بخش دے۔ یا رب! اگر یہ تیری آزمائش ہے تو مجھے حوصلہ اور ہمت دے کہ آگ
کے اس دریا سے گزر جاؤں اور اگر میری کسی خطا کی پکڑ ہو تو اے غفور و رحیم مجھے معاف
دے بس تو میری عزت کی حفاظت کرنا۔''

اس نے جلدی جلدی دو رکعت نفل نماز پڑھی اور دعا کے لئے سجدے میں گر گئی۔ جیسے
ہی باہر کسی کے چلنے کی آواز آئی وہ فوراً اٹھی۔ اپنے آنسو رگڑ کر صاف کیے اور خود پر قابو پا کر
بیٹھ گئی۔ اس کے دل کو کچھ قرار آ گیا تھا اس کے غیر متزلزل یقین نے اللہ پر اس کے بھروسے کو
ایسی پختگی بخشی تھی کہ اب اسے لگ رہا تھا کہ وہ اگر زندہ رہی تو عزت کے ساتھ رہے گی ورنہ
ضرور مر جائے گی۔

☆======☆======☆

گیتی بے حد پریشانی میں تھی اسے کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے کس سے بات
کرے اور کس سے نہ کرے۔ اس نے اس بات پر بھی دس بار سوچا تھا کہ ندا سے بات کرے
یا نہ کرے بالآخر اس نے ندا کی دوستی کو سامنے رکھتے ہوئے اس پر بھروسا کر لینا ہی مناسب
سمجھا کیونکہ اور کوئی بھی تو اسے تعاون کرنے والا نظر نہ آ رہا تھا۔ وہ طوبیٰ کی اس تصویر کو اپنی
دراز میں لاک کر کے ندا کی طرف چل دی ان کے پاس وقت بھی تو بہت کم تھا۔ ندا نے آج
کچھ خاص شوٹس دینی تھیں وہ ایک کمرشل کے لئے بک تھی وہ جانتی تھی کہ ندا اسٹوڈیو تھری میں
ہو گی وہ وہیں آ گئی۔

ندا بھی آخری شارٹس کروا رہی تھی...... وہ اسے دیکھتے ہی مسکرائی اور اشارے سے
اسے بیٹھنے کو کہا۔ گیتی سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی یہ شیونگ کریم کی کمرشل تھی اس کے ساتھ
بڑا مشہور اور خوب صورت ماڈل زبیر تھا۔ اپنا کام مکمل کروا کے وہ دونوں اس کی طرف آ گئے۔

''ہائے گیتی۔'' زبیر نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔

''ہائے۔'' وہ بھی مسکرائی۔

''کیا ہو رہا ہے آج کل؟ آپ تو ہوں گی کسی انٹرنیشنل ایڈ میں۔''
وہ وہیں اس کے قریب بیٹھتا ہوا پوچھنے لگا۔

''ارے نہیں آج کل تو میں ایڈز کر ہی نہیں رہی۔'' وہ بادلِ نخواستہ اسے بتانے لگی
حالانکہ اس وقت اسے صرف ندا سے بات کرنی تھی اور کچھ اسے اچھا نہ لگ رہا تھا۔

''ہائیں تو پھر کیا کر رہی ہیں؟'' وہ تو وہیں پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

''میں وی سیکرٹ انٹرنیشنل میگ کے لئے ایک سال کے لئے بک ہوں۔'' اس نے
جواب دے کر ندا کو اشارہ کیا جسے وہ فوراً سمجھ گئی۔

''گیتی مجھے تم سے کچھ کام تھا۔'' اس نے زبیر کو ایکسکیوز کیا۔

''اوہ وائے ناٹ۔'' وہ بغیر برا منائے کندھے اچکاتا ہوا چلا گیا۔

''سویٹ ہارٹ کل شام چھ بجے۔'' جاتے جاتے اس نے ندا کو یاد کروایا۔
''مجھے یاد رہے گا۔'' اس نے مسکرا کر اسے خدا حافظ کہا اور کیمرہ مین کو پیک اَپ کر
کا کہہ کر گیتی کو ساتھ لے کر باہر آ گئی۔
''آں ہاں...... یہاں نہیں ذرا باہر چلو۔'' وہ ندا کو اپنے آفس کی طرف جاتے ہو
دیکھ کر بولی۔
''خیریت تو ہے۔'' وہ گیتی کو پریشان دیکھ کر فکر مند ہو گئی۔
''نہیں بس تم چلو۔'' وہ جلدی میں تھی۔
''گاڑی کی چابی تو اٹھا لوں۔'' ندا نے اپنے کمرے سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور
دونوں تیزی سے باہر آ گئیں۔
''ہیلو گرلز کہاں؟''
باہر کار پارکنگ میں ان کا ٹکراؤ خالد خان سے ہو گیا۔
''بس ابھی آتے ہیں ذرا گیتی کے ابو کی طبیعت آج بہت خراب ہے انہیں دیکھ کر آ
ہیں۔'' ندا نے جلدی سے بات بنائی۔
''اوہ اچھا۔'' وہ تھوڑا فکر مند ہوا پھر فوراً ہی اسے اپنی فکر پڑ گئی۔
''بہر حال جلدی واپس آنا تمہیں پتا ہے نا آج تو گرینڈ نائٹ ہو گی۔'' وہ آنکھ کا کونا
کر خالص لوفرانہ انداز میں گویا ہوا۔
ندا کا جی چاہا کہ ایک زوردار نفرت سے بھرپور چانٹا اس خبیث کے منہ پر دے مار
مگر وہ اندر کا زہر اندر ہی پی گئی۔
''ہم ابھی آئے۔'' فوراً ہی اس نے جان چھڑوائی اور گاڑی کو اسٹارٹ کر کے تیز
سے ''خان ایڈورٹائزرز'' سے باہر آ گئی راستے میں دونوں نے کوئی بات نہ کی ندا نے ا
قریبی کافی شاپ پر گاڑی روکی۔
''نہیں اندر نہیں ہم یہیں بات کریں گے۔'' گیتی نے اسے اندر جانے سے بھی منع
دیا۔ ندا نے اشارے سے سامنے کافی شاپ سے باہر کھڑے لڑکے کو بلایا اور دو کافی مگ لا
کا کہہ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی
گیتی نے ساری بات اسے بتا دی۔ جسے سن کر اسے تو جیسے آگ لگ گئی مگر وہ بھی
بسی کی رسیوں میں جکڑی ہوئی تھی۔
''ندا! جذباتی ہو کر تو بات مزید بگڑ جائے گی کچھ ایسا سوچو کہ ہم اپنے مقصد

ہاب ہو جائیں۔''
''پولیس کو بتانے کا تو ہرگز فائدہ نہیں۔'' وہ ہاتھ ملنے لگی۔ ''ورنہ ایک طوبیٰ تو کیا یہاں تو
معصوموں کے ساتھ یہی حشر ہوتا ہے۔ میں اور تم جس طرح شکار ہوئیں اور جو کچھ اس
ں کے زیریں خانوں میں ہوتا ہے وہ سب پولیس کی مدد سے ہی ہو رہا ہے۔''
''تو پھر کیا کیا جائے۔'' گیتی رو دینے کو تھی۔
''اب جو کچھ کرنا ہے وہ میں نے اور تم نے ہی کرنا ہے۔ تم اللہ داد سے یہ پتا کرو کہ طوبیٰ
رنگ محل (یہ اس سیکرٹ جگہ کا نام تھا جو ایک وسیع و عریض رقبے پر پھیلا شہری آبادی سے
ایک شاندار بنگلہ تھا اور رنگ محل اس کا سیکرٹ نام تھا جو اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہاں
لوں کی رنگینیوں اور رنگ رلیوں کا سب سامان فراہم کیا جاتا تھا) کس وقت لے جایا
ئے گا باقی کا کام پھر کیا جائے گا۔'' وہ پلان بنانے لگی۔
''دیکھو گیتی تمہیں تو خالد خان اور انیق دونوں اس بات سے بے خبر ہی رکھیں گے کیونکہ
جانتے ہیں کہ تم طوبیٰ کی دوست ہو اور تم آج اپنی کسی بات یا حرکت سے ان پر ظاہر بھی نہ
نے دینا کہ تم کچھ جانتی ہو۔ البتہ میں آج خالد کے قریب ہوتی ہوں اور شارقہ سے بھی کچھ
لوم کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔''
''پھر بھی ندا ہم کریں گے کیا؟'' وہ بہت الجھی ہوئی تھی اسے کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیا ہو
؟
''تم ایسا کرو کہ طوبیٰ کے والد سے بات کرو......'' اس نے آئیڈیا دیا۔
''تمہارا مطلب ہے انکل سے......'' وہ حیران ہوئی۔
''ہاں ہمیں کسی نہ کسی کی مدد تو لینی پڑے گی پولیس پر ہم اعتبار نہیں کر سکتے۔ انکل آرمی
مائیڈ وہ بہتر پلان کر لیں گے کہ کیا کرنا چاہیے بس تم ان سے یہ وعدہ لے لینا کہ وہ بات کو
سا آؤٹ نہ کریں اور بس خاموشی سے اپنی بیٹی کو بچا لیں۔'' وہ بھی اندر ہی اندر بہت ڈر رہی
تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ان لوگوں کو جو لوگ سپورٹ کرتے ہیں وہی ملک و قوم کے کرتا دھرتا
ہیں اس لئے وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ان لوگوں پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔
''یہ بہت بڑا رسک ہے۔'' گیتی کا رنگ بھی پیلا پڑ رہا تھا۔
''اگر تم واقعی اپنی دوست کے ساتھ مخلص ہو آگ میں بے خطر کود جاؤ ورنہ چپ چاپ
کا بھی تماشا دیکھو جیسے اور بہت سی معصوموں کا دیکھتی ہو۔''
ندا نے کافی کا ایک گرم گرم گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے صاف گوئی سے کہہ دیا۔

''نہیں ندا' طوبیٰ کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ آگے کا سوچ کر ہی تڑپ
''تو پھر ٹھیک ہے۔ تم اس کے والد سے بات کرو میں باقی سب سنبھالتی ہوں۔''
وہ چٹکی بجاتے ہوئے ایسے کہہ رہی تھی جیسے یہ سب بہت آسان ہو حالانکہ یہ
مشکل اور ناممکن بات تھی وہ جانتی تھی۔

''تم کیسے یقین سے کہہ سکتی ہو کہ تم پتا لگا لو گی؟'' گیتی اب بھی متزلزل تھی۔
''پاگل ہو تم۔'' وہ اس کا گال تھپتھپا کر مسکرائی۔ ''میرا تجربہ تم سے زیادہ ہے
عورت کے لئے کیا مشکل ہے جب وہ بازار میں آ جائے۔ وہ جو پیٹرک ہے ناں۔''
بتانے لگی۔

''کون وہ دیو ہیکل۔'' گیتی کو یاد آ گیا۔
''دیو ہیکل نہیں بلکہ دیو کہو۔'' وہ ہنسی۔
''وہ ہی ہوتا ہے فلورا کے ساتھ ایسے تمام معاملات کی حفاظت پر مامور۔'' ندا
ایک لفظ کو چبا کر ادا کیا۔
''تو پھر۔'' گیتی کو کچھ سمجھ آئی کچھ نہ آئی۔
''تو یہ کہ وہ دیو مجھ پر بھی عاشق ہے۔ باقی تم سمجھ جاؤ۔'' وہ شرارت سے بولی۔
اس شرارت میں دکھ کی گہری ملاوٹ تھی۔ گیتی سمجھ گئی کہ ندا کو پیٹرک جیسے دیو جسے دیکھ
کراہیت کا احساس ہوتا ہے، سے کچھ اگلوانے کے لئے کیا قیمت چکانی ہو گی۔ ایک
اسے ندا پر بڑا ترس آیا مگر یہ رحم اور ترس ان کی ٹریننگ سے خارج کیے گئے الفاظ اور جذبات
تھے اس لئے وہ جلد نارمل ہو گئی۔ آفٹر آل وہ بھی اب ٹرینڈ تھی۔
''ٹھیک ہے میں جا کر ادھر معاملہ سنبھالتی ہوں تم ذرا طوبیٰ کے والد سے بات کرو۔''
''بس تم مجھے کسی ٹیکسی تک ڈراپ کر دو۔'' وہ اپنی گاڑی وہیں پر چھوڑ آئی تھی دونوں
کی گاڑی پر جو آئی تھیں۔ ندا نے کچھ آگے جا کر ایک خالی ٹیکسی کو اشارے سے روکا اور
ٹیکسی کے پاس ڈراپ کر کے خود ایک فراٹے سے گاڑی کو آگے لے گئی۔ گیتی یہ سوچتی
ٹیکسی والے کو اپنے گھر کا ایڈریس سمجھانے لگی کہ وہ اپنے گھر سے کرنل انکل سے فون پر
کر لے گی۔

☆======☆======☆

''بھائی! آج تین دن ہو گئے اور تین راتیں مگر طوبیٰ کا کچھ پتا نہیں چل رہا ہے آپ
آرمی والے بھی بے کار ہی ہیں۔'' فائزہ خان بھی آج تنگ سی آ گئی تھیں۔

''ہم سب جس کرب سے گزر رہے ہیں آپ جانتی ہیں پھر ایسی باتیں کرنے سے''
کرنل صاحب پہلے ہی بہت پریشان اور دکھی بیٹھے تھے۔
''میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب آپ کو پولیس سے مدد لینی چاہیے۔''
وہ اپنی بات پر اٹل لگ رہی تھیں۔
''مطلب ہے کہ پولیس آرمی سے زیادہ الرٹ ہے؟'' اب انہیں بہن کی سوچ پر غصہ آ

''الرٹ تو پولیس واقعی بہت ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ خود بھی جرائم میں ملوث
ہو سکتا ہے اس طرح آپ کو کوئی کلیو بھی مل جائے۔''
انہوں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔
''آپا! اللہ ضرور ہماری مدد کرے گا آپ بس دعا کریں۔'' وہ اپنے جذبات پر قابو پا کر
لی۔

ٹیلی فون کی بیل ہوئی تو انہوں نے لپک کر فون اٹھایا۔ اب تو انہیں فون ہی کا انتظار رہتا
شاید کوئی پیغام ان کی بچی ہی کا آ جائے۔
''ہیلو۔''
''ہیلو۔'' دوسری طرف ایک نسوانی آواز تھی۔ ''مجھے کرنل عبدالصمد خان سے بات کرنی

''جی میں بات کر رہا ہوں۔'' وہ اجنبی سی آواز سن کر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ
بھی ہو گئے انہوں نے سامنے بیٹھے وقاص کو اشارہ کیا جس پر اس نے تیزی سے اٹھ کر
سائیٹ پر لگے سیکرٹ ریکارڈ سسٹم کو آن کر دیا۔
''میں آپ کو طوبیٰ کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔'' وہ گھبرائی سی آواز میں کہہ

''طوبیٰ۔'' کرنل صاحب کے منہ سے جیسے ہی طوبیٰ نکلا سعدیہ خان' فائزہ' تانیہ اور
سب کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں...... سمیر گھر پر موجود نہ تھا۔
''جی جی جلدی کہیں۔'' کرنل صاحب کے لئے صبر کرنا مشکل ہو رہا تھا۔
''پہلے آپ وعدہ کریں کہ آپ پولیس یا آرمی کی مدد ہرگز نہیں لیں گے۔'' وہ اعتماد

''جی جی میں وعدہ کرتا ہوں۔'' وہ فوراً راضی ہو گئے۔

"میں آپ کی خود اس سلسلے میں ساری مدد کروں گی۔" پھر اس نے طوبیٰ کے
میں انہیں ساری بات بتا دی مگر یہ بات سیکرٹ رکھی کہ وہ کہاں ہے اور کن لوگوں کے
ہے۔

"وہ جلد آپ سے ملے گی اور میں آپ کو جلد ہی خبر دوں گی کہ آپ نے کہاں آ
"سنو، سنو۔"

کرنل صاحب پکارتے ہی رہ گئے مگر دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا تھا۔

"کیا، کیا کہا؟ طوبیٰ کہاں ہے۔ کس نے فون کیا تھا؟" سعدیہ خان نے ایک
کئی سوال کر ڈالے۔

"سعدیہ حوصلہ کرو صبر کرو ہماری بچی خیریت سے ہے۔" انہوں نے سعدیہ خان
پکڑ کر انہیں صوفے پر بٹھاتے ہوئے تسلی دی۔

"صبر ہی تو کر رہی ہوں۔ دل میں نیزہ گڑا ہے پھر بھی زندہ ہوں یہ صبر ہی تو ہے
رو پڑیں۔

"بس اللہ نے ہمارے صبر کو پسند کر لیا ہماری دعاؤں کو قبول کر لیا۔ ہماری بچی
جائے گی۔" وہ انہیں سمجھانے لگے۔

"کہاں ہے وہ؟" وہ بے قرار ہوئی جا رہی تھیں۔

"ابھی ہمیں یہ پتا نہیں چلا۔"

"تو پھر پتا کیا چلا۔" فائزہ خان بھی بولیں۔

"وہ جن لوگوں کے پاس ہے انہی کی کسی ساتھی نے فون کیا تھا اس نے بتایا ہے
تک تو ہماری طوبیٰ خدا کی حفظ و امان میں ہے۔ تم لوگ اللہ سے دعا کرو وہ ہماری مدد کرے
انہوں نے خواتین کو تسلی دیتے ہوئے کہا اور پھر ٹیلی فون پر کمپیوٹر ریکارڈنگ
چیک کرنے لگے۔ یہ ایسا سسٹم تھا جس سے ٹیلی فون کال بڑے راز اور احتیاط سے
ریکارڈ ہو جاتی تھی بلکہ ٹیلی فون کرنے والے کا نمبر بھی فوراً ٹریس ہو جاتا تھا اور مکمل
جاتا تھا کہ اس نمبر کا ٹیلی فون کس علاقے میں اور کس نام پر کام کر رہا تھا مگر ٹیلی فون ٹریس
کر کرنل صاحب کو کچھ مایوسی ہی ہوئی فون کرنے والی نے ایک دور کے ٹیلی فون بوتھ
کیا تھا جو پبلک کے استعمال میں رہتا تھا۔

ان کے دل میں ایسے ہی وہم سے آنے لگے کہ کسی نے ان کے ساتھ مذاق تو نہ
کوئی ان کے جذبات کے ساتھ تو نہیں کھیل رہا؟

"نہیں، نہیں، ایسا نہیں ہو گا اللہ میری مدد ضرور کرے گا۔" انہوں نے اپنے دل میں
اٹھنے والے وہم کو فوراً ہی جھٹک دیا...... پھر انہوں نے سمیر کے آنے تک کسی سے کوئی بات نہ
کی۔ سعدیہ خان دوبارہ جائے نماز پر جا بیٹھیں۔ فائزہ خان کے دل کو بھی کچھ تسلی ہوئی تھی۔

جیسے ہی سمیر آیا وہ اسے اور وقاص کو اپنے کمرے میں لے گئے اور ساری بات بتا دی۔

"بابا جان! انہوں نے دوبارہ فون کرنے کو کب کہا تھا۔"

سمیر ساری بات سن کر بے تاب ہو اٹھا تھا۔ "یہ تو اس نے کچھ نہیں بتایا میں خود بہت
پریشان ہوں۔"

وہ اپنی کنپٹیوں کو انگلیوں سے دبانے لگے۔

"بابا! ہمیں تھوڑی بہت مدد تو لینی پڑے گی۔" سمیر چاہتا تھا کہ وہ کوئی لائحہ عمل تیار کر
لیں۔

"بیٹا! اس نے مجھ سے وعدہ لیا اور مجھے سختی سے منع کیا ہے کہ ہم نہ کسی کو خبر کریں گے نہ
کسی سے مدد لیں گے۔"

پریشانی ان کے چہرے پر اور گہری ہو گئی تھی۔

"لیکن ماموں جان یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم بغیر کسی کی مدد لئے کامیاب ہو جائیں۔"
اس نے بھی اپنی رائے دے دی۔

"ہاں بابا یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ وہ لوگ کوئی عام غنڈے بدمعاش تو لگتے نہیں
خطرناک ہوں گے۔" سمیر نے خدشہ ظاہر کیا۔

"یقیناً وہ بہت خطرناک اور منظم لوگ ہیں ان سے ٹکر لینا آسان بات تو ہے نہیں۔"
کرنل صاحب خود بھی جانتے تھے مگر اس سے وعدہ کر چکے تھے اس لئے ذرا محتاط انداز
کا کچھ پلان کرنا چاہتے تھے۔

"پھر بھی ماموں جان؟" وقاص کی بے تابی دیکھی نہ جاتی تھی۔

"مجھے کچھ سوچنے دو۔" وہ فکر مندی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔

"بابا جان! کیوں نہ ہم انکل زیدی سے بات کریں۔" سمیر کے ذہن میں ایک دم ہی
زیدی صاحب کا خیال کوندا وہ ایلیٹ فورس کے کمانڈر تھے۔

"ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے۔" کرنل صاحب کے چہرے پر بھی امید کی کرن جگمگائی۔

"میرا خیال ہے کہ فون کرنے کی بجائے ہم لوگ خود وہاں پر چلیں تو ذرا بہتر ہو گا۔"
اس نے مشورہ دیا۔

''مگر اس کا دوبارہ فون کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔ ہم میں سے کسی ایک کو گھر رہنا چاہیے۔'' انہیں خیال آیا تو ان کے تیزی سے اٹھتے قدم ایک دم ہی رک گئے۔

''ایسا کرتے ہیں کہ میں گھر میں رہ جاتا ہوں۔'' وقاص نے فوراً اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے سعادت مندی دکھائی۔

''تم......'' کرنل صاحب کچھ سوچنے لگے پھر بولے۔

''ٹھیک ہے تم گھر رہو تمہیں سارا سسٹم تو پتا ہے جب بھی کال آئے تم فوراً ریکارڈ کر لینا۔''

''مگر بابا جس نے بھی فون کیا تھا اس نے پہلے تو آپ سے بات کی تھی۔ وہ اب بھی آپ پر ہی اعتماد کرے گی۔''

سمیر نے اپنے ذہن میں آنے والا خیال فوراً ہی ان پر ظاہر کر دیا۔

''ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو تو پھر ایسا کرو کہ تم لوگ جا کر زیدی سے بات کرو تو پھر اسے اپنے ساتھ ہی لے آنا یہاں بیٹھ کر باقی پلان بنائیں گے کہ کیا کرنا ہے؟''

''جی بالکل۔ یہ ٹھیک ہے۔'' وقاص کو بھی ان کی بات درست لگی۔

''تو پھر ٹھیک ہے تم لوگ جلدی جاؤ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔'' انہیں رخصت کر کے وہ ٹیلی فون کے پاس ہی بیٹھ گئے...... ان کے ہاتھ میں آج کا اخبار تھا جس کا بظاہر تو وہ مطالعہ کر رہے تھے مگر ان کا ذہن اور کہیں پر تھا۔

☆======☆======☆

ندا نے اپنے ذہن میں پورا پروگرام بنا لیا تھا کہ اس نے کیا کرنا ہے وہ اس جگہ کے ہر خفیہ کونے اور کمرے سے واقف تھی ہر آدمی کو جانتی تھی کہ کس کے سپرد کیا کام ہوتا ہے؟ چنانچہ وہ تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ پتا لگانے میں کامیاب ہو گئی تھی کہ پیٹرک کہاں پر موجود ہے۔ اب اسے پیٹرک تک پہنچنا تھا جس کے لئے وہ خالد خان کی طرف آئی تھی کہ ہو سکتا ہے خالد خود ہی اس کے سپرد کوئی کام کر دے۔

وہ خالد کے کمرے میں آئی تو وہاں پر سطوت اور شارقہ پہلے سے موجود تھیں۔

''ہیلو فرینڈز۔'' وہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''اوہ ندا آؤ۔'' خالد خان اسے دیکھ کر خوش ہو گیا آج کل وہ دوبارہ اس پر فدا تھا اور اس سے خاصا خوش ہی رہا کرتا تھا۔

''لگتا ہے کوئی خاص میٹنگ چل رہی تھی۔'' وہ اک ادا سے خالد خان کے قریب ہو کر پہنچ گئی۔

''آج کی شام ہی بہت خاص ہے تم جانتی ہو...... بس اسی کے انتظامات ہیں۔'' وہ اپنے خاص معنی خیز انداز میں بتانے لگا۔

''مجھے کس کی خدمت پر مامور کیا جا رہا ہے کچھ مجھے بھی تو معلوم ہو۔'' اس کا انداز بظاہر لاپروا سا تھا۔

''تم سے متاثر ہونے والوں کی تعداد ہے ہی بہت' اپنے الطاف چشتی صاحب تو بس کریزی ہیں تم پر' وہ جہاں ہوں وہاں تم کسی اور طرف بھلا کب دیکھ سکتی ہو؟'' وہ بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔

''اوہ وہ بڈھا کریزی۔'' اس کے چہرے پر ناگواری کے اثرات پھیل گئے۔

''نہ نہ...... بری بات۔'' خالد خان نے اپنی چھوٹی انگلی سے اس کے گال کو چھوتے ہوئے شرارت سے سرزنش کی۔

''وہ بہت کام کا بندہ ہے۔'' وہ اس ملک کے بہت حساس محکمے کا بڑا افسر تھا جوان کے بڑے بڑے کام ندا کے ایک اشارے پر کر دیتا تھا۔ مگر ندا اس سے بے حد خائف تھی اسے دیکھ کر اسے عجیب سی اکتاہٹ ہوتی تھی مگر اسے اکثر ہی اسے اٹینڈ کرنا پڑتا تھا اور اسے اٹینڈ کرنا بہت ہی دل گُردے کا کام تھا۔

''ٹھیک ہے سر پھر میں چلوں۔'' سطوت نے اجازت طلب کی۔

''ہاں چلو فوراً اور ہاں دیکھو ذرا اسٹائل ہونا چاہیے۔'' وہ اسے تاکید کرنے لگا۔

''ہاں فکر نہ کریں میرا تو کام ہی اسٹائل دینا ہے۔'' وہ بھی مسکرا دی۔

''ایسا کرو کہ تم اس ندا کو ساتھ لے لو۔'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے ندا کی طرف اشارہ کیا تو ندا کا دل دھڑکنوں کو جیسے سنبھالنا ہی بھول گیا۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی مگر اس کے ساتھ اسے بہت زیادہ خوف نے بھی گھیر رکھا تھا۔

''اچھا تم ایسا کرو کہ سطوت کے ساتھ جاؤ وہ بہت تنگ کر رہی ہے ذرا سمجھاؤ اور سدھارو اسے۔'' خالد خان نے پہلا آدھا سگریٹ بجھا کر نیا جلا لیا۔ ندا نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور اس کے ساتھ چل دی۔

☆======☆======☆

ندا نے اسے دیکھا تو دیکھتی رہ گئی وہ واقعی بہت حسین تھی اور اس کے حُسن کو جس چیز نے بہت زیادہ پُرکشش بنا رکھا تھا وہ اس کی معصومیت تھی۔ رو رو کر اس نے اپنی آنکھوں کو سوجا

رکھا تھا جس پر وہ اور بھی گلابی ہو گئی تھیں وہ سرخ رنگ کے دہکتے ہوئے بے حد خوبصورت اور قیمتی لباس میں خود بھی ایک شعلہ ہی دکھائی دے رہی تھی۔ سطوت نے اسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور پھر اس کے سر سے آنچل کو کھینچ لیا جسے وہ اپنے گرد لپیٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ سطوت نے ایسا کیا تو وہ سہم کر اور بھی سمٹ گئی۔

''فلورا تم اب جاؤ میں سنبھال لوں گی۔'' ندا نے وہاں پڑی آرام کرسی پر بیٹھ کر سر کو اس کی پشت سے ٹکا دیا۔

''چلو اب نخرے مت دکھاؤ اٹھو۔'' سطوت نے اسے بازو سے تھام کر اٹھا دیا اس کا انداز خاصا جارحانہ اور تضحیک آمیز تھا جس پر ندا کو غصہ تو آیا مگر وہ اسے پی گئی۔ ندا نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

سطوت نے اسے زبردستی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بٹھایا اور پھر اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے وہ اپنے کام میں بے حد مہارت رکھتی تھی اور اتنی ہی پھرتی بھی' بیوٹیشن کے ریفریشر کورسز کے لئے وہ آئے دن ملک سے باہر جاتی رہتی تھی۔

یہ الگ بات ہے کہ ان کورسز کے ساتھ ساتھ وہ اور بھی کئی کام نبٹا کر آتی تھی۔ اس وقت ملک کی چند مشہور اور ماہر بیوٹیشنز میں سے ایک مانی جاتی تھی۔ میک اپ کرنے کے بعد وہ اس کا ہیئر اسٹائل بنانے لگی تو اس کے اس قدر لمبے اور خوب صورت بال دیکھ کر تعریف کیے بغیر نہ رہ سکی۔

''بہت خوب صورت بال ہیں تمہارے' لگتا ہے بہت کیئر (Care) کرتی ہو؟'' اس کے بالوں میں برش پھیرتی ہوئی پوچھ رہی تھی جواب میں اس نے صرف ایک حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالی اس ایک نگاہ میں ایسا کرب تھا کہ ندا تڑپ اٹھی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ طوبیٰ کو مکمل تیار کر چکی تھی۔ دلہن کے روپ میں اس قدر حسین دکھائی دے رہی تھی کہ اس پر نگاہ نہ ٹھہر رہی تھی۔ اس وقت دروازہ کھلا اور انیق اندر داخل ہوا جسے دیکھ کر طوبیٰ کے ساتھ ساتھ ندا کا بھی خون جل گیا۔

''اوہو یہ حسن...... جادوگرنی ہو تم تو۔'' وہ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہاں پر سطوت اور ندا بھی موجود ہیں اس پر جھک گیا۔ وہ ایک کمزور اور بے بس سے پرندے کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی جس کے پر کٹے ہوئے تھے۔

''چلو ندا ہو جائیں کچھ پوز سٹل فوٹوگرافی کے۔'' اس نے طوبیٰ کو بڑے وحشیانہ انداز میں کھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

ندا نے نہ چاہتے ہوئے بھی کیمرہ سنبھال لیا وہ سٹل فوٹوگرافی میں بڑا اسٹائل اور مہارت حاصل کر چکی تھی اور اکثر گناہ کے اس کھیل کو زندہ رکھنے کے لئے تصویر میں بند وہی کیا کرتی تھی۔

''تم، تم اگر مجھے نہ ٹھکراتیں تو آج سچ مچ میری دلہن ہوتیں اور میری دلہن...... اسے تو سات پردوں میں چھپا کر رکھتا۔'' وہ ہذیانی انداز میں بکنے لگا۔

''مگر تم...... تم نے مجھے ٹھکرا دیا۔ اب میں تمہارا پردہ کسی کے سامنے نہ رہنے دوں گا۔ تمہیں عزت راس ہی نہ تھی۔'' اس نے اپنے جانور ہونے کا پورا ثبوت دیتے ہوئے ایک ایسا پوز زبردستی فلم بند کروایا جو کسی بھی شریف لڑکی کے جنازے کے لئے کافی تھا۔ ندا کا جی چاہ رہا تھا بلکہ وہ سوچ رہی تھی کہ اس فلم کو وہ فوراً ہی نکال کر ضائع کر دے گی مگر انیق وہ تو شیطانوں کا شیطان تھا اسے تو سوچیں تک سنائی دے جاتی تھیں۔ جیسے ہی ندا نے کیمرے سے آنکھ ہٹائی اس نے کہا۔

''ندا یہ فلم نکال کر مجھے دے دو۔ یہ تو میرے لئے بہت قیمتی ہے۔''

وہ ہنسا ندا نے پہلی بار دیکھا کہ اس کی ہنسی میں آج ہلکا سا دکھ بھی تھا اس کے دل کو طوبیٰ سچ مچ بھا گئی تھی مگر اب وہ اس سے انتقام لینے کی ٹھان چکا تھا اسی لئے تو اس نے آج کی شام کی وی آئی پی اسے ہی بنا دیا تھا اور ایسی محفلوں کے چیف گیسٹ کے ساتھ وہاں کیا کچھ ہوتا تھا۔ یہ ندا اچھی طرح جانتی تھی۔ اور یہ واقعی بہت بڑا انتقام تھا۔

فلم ندا سے لے کر انیق نے بڑی نفرت اور حقارت سے طوبیٰ کو دیکھا۔

''جب تک تم زندہ رہو گی پل پل مجھے یاد رکھو گی۔ میں تمہیں ایسی یادیں سونپ رہا ہوں ایسی نشانیاں دے رہا ہوں کہ تمہارا رواں رواں مجھے پکارا کرے گا۔'' پھر اسے زور سے دھکا کر اس نے بیڈ پر پٹخا اور زمین پر زور زور سے پاؤں مارتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

''تو ندا!! اب تمہیں اسے ہینڈل کرنا ہے مجھے اور بھی کام ہیں۔''

سطوت اس پر احسان کرنے والے انداز میں کہہ کر اپنا بیوٹی بکس اٹھا کر چلی گئی تو ندا نے جھٹ سے دروازہ بند کر لیا۔

وہ جو دھواں دھار آنسو بہا رہی تھی ندا اس کے قریب آئی اور نہایت محبت سے اسے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔

''طوبیٰ تمہارا نام طوبیٰ ہے ناں؟'' وہ پیار سے اس کے آنسو صاف کر رہی تھی۔ اسے چپ پا کر وہ خود ہی بولنے لگی کیونکہ اس کے پاس وقت بہت کم تھا گلے لگائے لگائے وہ اس

کے کان میں سرگوشی کے انداز میں کہہ رہی تھی کیونکہ اسے علم تھا کہ اس کمرے میں ہونے والی ہر حرکت اور گونجنے والی ہر آواز کو قید کر لیا جاتا ہے۔

''طوبیٰ! سنو گیتی بھی یہیں ہے اور اسے پتا چل چکا ہے کہ تم یہاں ہو' ہم نے تمہارے گھر اطلاع کر دی ہے۔ تم بالکل فکر نہ کرنا جیسے ہی تمہیں یہاں سے نکال کر رنگ محل لے جائے گا راستے میں ہی تمہارے والد تمہیں لے جائیں گے۔''

یہ سن کر وہ اسے ایسے حیرت سے دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی پتھر کا بت ہو۔

''یہ بالکل سچ ہے بس اب تم ان کے کسی کام میں مزاحمت نہ کرنا تاکہ انہیں کوئی شک نہ ہو۔''

باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر وہ فوراً اس سے دور ہٹ گئی اور زور زور سے اسے ڈانٹنے لگی۔

''زیادہ نخرے دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیدھی ہو کر بیٹھو اور یہ جوس پی لو۔''

باہر پیٹرک تھا اس نے آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر جھانکا وہ اپنی تسلی کرنا چاہتا تھا مگر اندر ندا کو دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔

''او ہیلو۔''

''ہیلو۔'' ندا مسکراتے ہوئے اس کی طرف آ گئی۔

''کہاں رہتے ہو آج کل؟'' باہر آ کر اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے ہولے ہولے دبانے لگی۔

''کہیں نہیں یہیں ہوتا ہوں مگر تم نظریں ہی نہیں ملاتیں۔''

ندا اس کے یخ ہوتے ہاتھوں سے اس کے اندر کی کیفیت کا اندازہ لگا رہی تھی۔

''نظریں کیا میں تو تم پر......'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ اسے دیکھنے لگی۔

''اچھا کہو آج کیا کر رہے ہو؟'' وہ انجان بن کر اس سے پوچھنے لگی۔

''آج'' مارے خوشی کے اس کا تو برا حال ہو رہا تھا۔

''آج اسے رنگ محل پہنچانا ہے۔'' وہ بتانے لگا۔

''اور اس کے بعد؟'' وہ اسے مکمل طور پھنسا رہی تھی۔

''اس کے بعد بھی کہاں؟'' اس کے جذبات پر جیسے اوس پڑنے لگی۔

''کیوں فارغ نہیں ہو رہے؟'' وہ اسے لائن پر لا رہی تھی۔

''آج تو نہیں البتہ کل فارغ ہوں۔'' وہ بھی اس کے قریب ہونے لگا۔

''اچھا کس وقت پہنچے گی یہ شاہی سواری رنگ محل؟'' اس نے اپنے لہجے میں ذرا حسد کو شامل کر لیا جیسے اسے پیٹرک کی یہ مصروفیت آج بری لگ رہی ہو۔

''بس یہی کوئی شام سات بجے۔'' وہ بھی ذرا برا سا منہ بنا کر بولا۔

''تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے؟'' وہ اک ادا سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''شفیق اور انوکھا بھی ہوں گے تمہیں تو پتا ہے کس قدر سخت انتظامات کرنے پڑتے ہیں؟'' اس نے تفصیل سے سب کے نام بتا دیئے۔

''تو ٹھیک ہے میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔'' وہ بچوں کی طرح اٹھلائی۔

''پتا نہیں کیوں آج تم پر پیار آ رہا ہے۔'' اس نے اس کے گال کو ہولے سے چھوا تو وہ پہاڑ جیسا مضبوط اور کرخت آدمی پل میں مٹی ہوتا نظر آیا۔

''آج تمہارے قریب رہنے کو جی چاہ رہا ہے۔''

''تو ٹھیک ہے تم میرے ساتھ چلنا۔'' وہ تو جیسے خوش ہو گیا خوش تو اپنے مقصد کو پا لینے پر ندا بھی ہوئی مگر وہ اپنی کیفیت کو اندر ہی دبا گئی۔

''میں باس سے بات کر لوں گا بلکہ خالد صاحب سے کہوں گا کہ فلورا کو تو سنبھالنا ہی ہیں آ تا ندا کو آپ میرے ساتھ کریں۔'' اس نے پلان بتا دیا۔

''چلو یہ ٹھیک ہے۔'' وہ راضی ہو گئی۔

''تو پھر کل کی شام میرے نام۔'' وہ یقین چاہتا تھا۔

''پر اس تمہارے نام صرف تمہارے نام۔'' اس نے مسکرا کر اسے یقین دلا دیا۔

☆======☆======☆

سمیر اور وقاص نے جب ساری بات زیدی صاحب کو بتائی تو وہ بہت پریشان ہوئے اور افسوس کرنے لگے۔

''کمال ہے صمد خان اتنا پریشان تھا اور اس نے مجھے خبر تک نہیں کی۔'' وہ پیار بھرا گلہ کر رہے تھے۔

''بس انکل ہم لوگ تو اپنے حواسوں میں ہی نہیں ہیں اس روز سے۔'' سمیر نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''ایسے موقعوں پر حواس کھوئے نہیں جاتے بلکہ قائم رکھے جاتے ہیں۔'' وہ کہنے لگے۔

''بہر حال چلو صمد خان کے پاس بیٹھ کر کچھ سوچتے ہیں۔'' وہ چلنے کو تیار ہو گئے۔

"لیکن ہمارے پاس وقت بہت کم ہے ادھر سے دوسرا فون کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔"
سمیر نے سچویشن بتائی۔

"ہاں تو ٹھیک ہے۔ میں انتظام کر جاتا ہوں۔" انہوں نے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا پھر انہوں نے کسی کو فون کر کے آرڈر جاری کیا کہ سادہ کپڑوں میں ایلیٹ فورس کے پانچ آدمی تیار رہیں کسی بھی وقت بلایا جا سکتا ہے۔"

"یس سر ڈونٹ وری سر۔" دوسری طرف سے بڑے مؤدبانہ انداز میں کہا گیا۔

"چلو اب جلدی کرو۔" فون بند کر کے وہ ان کی طرف آئے اور پھر تیز تیز قدموں سے وہ تینوں باہر نکل گئے۔

☆======☆======☆

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو صمد خان نے لپک کر ریسیور اٹھایا اور بولے۔

"کرنل عبدالصمد خان اسپیکنگ۔"

دوسری طرف وہی نسوانی آواز تھی۔ جسے سن کر انہوں نے ہاتھ اٹھا دیا اشارہ سمجھ کر سمیر نے فون ریکارڈنگ سسٹم کا بٹن آن کر دیا۔

اس نے جلدی میں وقت اور راستہ بتایا کہ کس راستے سے وہ لوگ جائیں گے کالی گاڑی ہو گی اور اس کا نمبر کیا ہوگا؟ یہ سب بتانے میں صرف ڈیڑھ منٹ لگا اور دوسری طرف سے کھٹ کر کے فون بند کر دیا۔

"چیک کرو فون کہاں سے کیا گیا تھا؟" زیدی صاحب نے وقاص سے کہا۔

وقاص نے فوراً کمپیوٹر پر ٹریس کیا تو فون پھر کسی پی سی او سے کیا گیا تھا مگر اس بار جو پی سی او استعمال کیا گیا تھا وہ کسی دور کے علاقے کا نہیں بلکہ ایک خاصے گنجان آباد روڈ کے کنارے واقع تھا۔

ان کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ اس علاقے کے ارد گرد کچھ کھوج لگانے کی کوشش کرتے اور پھر وہ وعدہ بھی کر چکے تھے کہ صرف طوبیٰ کو رہا کرا لیں گے اور بہت خاموشی سے کرا لیں گے۔

"صمد خان! دل تو نہیں مانتا کہ ہم صرف اتنی سی کارروائی کریں اور صرف اپنی بچی کو بچائیں۔ نہ جانے اور کتنی ایسی بے گناہ معصوم بچیاں ان ظالموں کی قید میں ہوں گی۔"

زیدی صاحب نے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا تانیہ چائے بنا کر لے آئی تھی۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو مگر فی الحال میں اس بچی سے وعدہ کر چکا ہوں جس۔

ہیں یہ اطلاع دی ہے۔"
کرنل صاحب نے بتایا۔

"ٹھیک ہے مگر بعد میں ہم ان لوگوں کو ایسے ہی نہ چھوڑیں گے۔" زیدی صاحب خاصے تاؤ میں تھے۔

"مگر تب تک تو وہ لوگ خاصے محتاط ہو جائیں گے۔" وقاص نے بھی ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ تو ہے مگر بیٹا مجرم جتنا بھی شاطر ہو اس کا جرم ہی اسے ایک نہ ایک دن پکڑوا دیتا ہے۔" انہوں نے چائے کا کپ خالی کر کے سائیڈ میز پر رکھا وہ بہت جلد اور گرم چائے پینے کے عادی تھے مگر اس وقت تو انہیں ویسے بھی بہت جلدی تھی۔

"ظالم کی رسی دراز ضرور ہوتی ہے مگر وہ اسی رسی سے بندھا ہوتا ہے جس کا سرا بہر حال خالقِ کائنات کے ہاتھ میں ہے اور وہ جب اس رسی کو کھینچے گا تو ظالم کا انجام دنیا و آخرت میں عبرت ناک ہی ہوگا۔"

کرنل صاحب کے انداز میں ایک پکے مسلمان کا ایمان بول رہا تھا۔ پھر انہوں نے سارا پلان کر لیا کہ وہ کہاں سے اس گاڑی کو فالو کریں گے اور کہاں جا کر اٹیک کریں گے۔

"عبدالصمد خان! ہمارے پاس وقت بہت کم ہے بس اب ہمیں نکلنا چاہیے۔" سب کچھ طے ہو جانے پر وہ اٹھ کر کھڑے ہوئے۔

"ٹھیک ہے صرف دس منٹ بعد ہم تمہیں فالو کر لیں گے۔"

"اوکے۔" وہ گرمجوشی سے کرنل صاحب سے ہاتھ ملا کر چلے گئے۔ بعد میں کرنل صاحب اور سمیر نے وقاص کو کچھ ہدایات دیں اور ضروری اسلحہ گاڑی میں رکھ کر وہ تینوں چل پڑے۔

"دشمن بہت شاطر بھی ہے اور پشت سے مضبوط بھی اس لئے ہمیں بہت محتاط رہ کر مقابلہ کرنا پڑے گا۔"

کرنل صاحب انہیں سمجھاتے جا رہے تھے۔

"اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد کرے گا۔" سمیر نے بہت اعتماد سے کہا۔

"بے شک، وہ سبھی کا مددگار ہے۔" کرنل صاحب بولے۔

سمیر گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور خاصی فاسٹ ڈرائیونگ کر رہا تھا کچھ ہی دیر میں وہ طے شدہ روڈ پر پہنچ گئے تھے اور گاڑی کو سائیڈ پر پارک کر کے سمیر اتر کر باہر آ گیا اور بونٹ کھول کر

کچھ چیک کرنے لگا حالانکہ وہ بہانے سے اِدھر اُدھر کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسی روڈ پر چند گز کے فاصلے پر بائیں جانب زیدی صاحب کی ایلیٹ فورس کے چار نوجوان سادہ کپڑوں میں ملبوس موجود تھے۔ وہ اس وقت ماڈرن حلئے میں دولت مندوں کی بگڑی اولاد لگ رہے تھے جو زیادہ تر ہلا گلا کرنے کے لئے باہر نکلتے ہیں۔

☆======☆======☆

''سر! بڑی زبردست چیز ماری ہے آپ نے......''

ندا کو موبائل پر کال کر کے انیق نے اپنے کمرے میں بلا لیا تھا وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی بظاہر لاپروا بننے کی ایکٹنگ تو کر رہی تھی مگر اس کے سینے میں دھڑکنے والا دل خوف سے سکڑا جا رہا تھا۔

''اچھا تمہارے خیال میں بہت زبردست چیز ہے؟'' اس نے بڑی گہری نظر سے اسے دیکھا وہ نظریں چراتی ہوئی بولی۔

''میرے خیال میں کیا؟ وہ تو حقیقت میں خیرہ کر دینے والی چیز ہے۔''

''مگر افسوس کہ یہ خیرہ کرنے والی اپنے ہی نور سے راکھ ہونے والی ہے۔'' اس نے سامنے پڑا کرسٹل کا گلاس اٹھا کر اسے اشارہ کیا جسے فوراً ہی اس نے آگے بڑھ کر بھر دیا۔ ندا دیکھ رہی تھی اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ شدید غصے میں ہے۔

''میرے لئے حکم سر۔'' وہ مؤدب ہو کر پوچھنے لگی۔

''تم اسے لے کر رنگ محل جاؤ گی اور آج کی سٹل فوٹو گرافی بھی تم ہی کرو گی۔ باقی اختر اور ریاض مووی میکنگ کے لئے وہاں موجود ہوں گے تم نے کیا کرنا ہے یہ تو تمہیں......''

بات ادھوری چھوڑ کر وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''مجھے کچھ بتانے یا سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے بات مکمل کر کے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

''ویسے بھی میرا خیال ہے کہ آج کی شب گزر جانے کے بعد جو سحر ہو گی تو خود ہی اُسے بات مان جائے گی۔''

''ہاں آج کی شب کے بعد کوئی ایسی سحر اس کی زندگی میں نمودار نہ ہو گی جب اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھند ہٹ سکے گی۔''

وہ گلاس کو ہونٹوں سے ہٹا کر ہنسنے لگا۔

''ہاں یہ تو ہے سر۔'' مجبوراً وہ بھی ہنس دی۔

''ندا تمہیں پتا ہے ناں کہ اگلے ہفتے ہم ایک طائفہ لے کر مڈل ایسٹ جا رہے ہیں۔'' وہ تیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''جی مجھے خبر ہے کیونکہ اس طائفے میں میرا اور گیتی کا نام بھی شامل ہے۔'' اس نے بتا دیا۔

''صرف تمہارا نام گیتی کا نہیں۔'' وہ ذرا سا سخت لہجے میں بولا۔

''وہ کیوں سر؟'' اسے کچھ حیرت ہوئی۔

''گیتی کی جگہ یہ نئی لڑکی جائے گی۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔

''رائٹ سر۔'' اس کے اوپر جانے کیوں گھبراہٹ طاری ہو رہی تھی اسے ڈر تھا کہ اگر وہ زیادہ دیر انیق کے سامنے رہی تو وہ اس کی سوچ ہی نہ پڑھ لے۔

''سر! ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''ارے واقعی۔'' وہ بھی ٹائم دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''تم چلو ہم لوگ بھی پیچھے پیچھے ہی پہنچ رہے ہیں۔ اور دیکھو ذرا احتیاط سے۔'' جاتے جاتے اس نے مڑ کر اسے دیکھا۔ جانے ان نظروں میں کیا تھا ندا کی جان لبوں پر آ گئی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی دوبارہ بلڈنگ کی بیسمنٹ میں آ گئی جہاں ایک کمرے میں طوبیٰ کو رکھا گیا تھا آتے آتے کوریڈور میں اس کا سامنا گیتی سے ہوا جس سے اس نے بات تو کوئی نہیں کی بس آنکھیں ملا کر ایک ہلکے سے اشارے سے سب کچھ کہا سنا گیا تھا۔

☆======☆======☆

اس روڈ پر ٹریفک کافی حد تک کم ہو جاتی تھی کیونکہ یہ روڈ شہر کی حدود سے باہر لے جانے والے راستوں میں سے ایک تھا۔ یہ کسی اور شہر کی طرف نہیں جاتا تھا بلکہ غیر آباد علاقوں سے گزرتا ہوا جاتا تھا البتہ راستے میں کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے گاؤں پڑتے تھے۔ آگے جا کر یہ اونچا نیچا اور دشوار گزار بھی ہو جاتا تھا۔ پہاڑی راستے ویسے بھی خطرناک اور مشکل ہی ہوتے ہیں۔

اس بل کھاتی سڑک پر ایک کنارے سفید ٹوٹا کرولا کھڑی تھی جس کے چاروں دروازے کھلے ہوئے تھے اور ایک نوجوان سا لڑکا اس کا بونٹ کھولے کچھ چیک کر رہا تھا باقی تینوں افراد اِدھر اُدھر ایسے دیکھ رہے تھے جیسے گاڑی کی خرابی دور ہونے تک کھلی آب و ہوا کے مزے لوٹ رہے ہوں۔ یہ سڑک تھوڑا آگے جا کر ایک گولائی میں بل کھا جاتی تھی اور ایک

پہاڑی چڑھائی چڑھتی ہوئی دوسری اٹ سے اوپر جا نکلتی تھی۔ یعنی اوپر سے نیچے کی
صاف نظر آتی تھی۔ اسی طرح تقریباً کافی راستہ مسلسل چڑھائی کا تھا۔

اسی گولائی کی اوٹ میں ایک سیاہ بڑی جیپ کھڑی تھی جس میں ذرا اچھے مضبوط
پھرتیلے جسموں کے ماڈرن سے لڑکے موجود تھے انہوں نے گاڑی کے دروازے کھول رکھے
تھے اور تیز آواز میں ٹیپ ریکارڈر بجا رکھا تھا اور دوربین سے باری باری قدرتی مناظر
انجوائے کر رہے تھے اور جو اِکا دُکا گاڑی یا جیپ وہاں سے گزرتی وہ انہیں ہاتھ ہلا ہلا کر
کرتے تھے اور لوگ مسکرا کر انہیں دیکھتے ہوئے گزر جاتے بغیر کچھ غور کیے اور بغیر ان کے
بارے میں کچھ سوچتے ہوئے۔

ان میں ایک لڑکے کے ہاتھ میں موبائل فون بھی تھا۔ جسے وہ بار بار کان سے لگا کر
کال اٹینڈ کر رہا تھا اور اس کے چیونگم چباتے منہ سے صرف یس سر یس سر ہی نکل رہا تھا۔

☆=====☆=====☆

کچھ ہی دیر کے بعد ایک کالی پجارو اس روڈ پر آتی دکھائی دی اسے دیکھتے ہی بونٹ
جھکے نوجوان نے جلدی سے اسے بند کیا اور گاڑی کے اندر بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرنے
کوشش کرنے لگا۔ باہر کھڑے باقی کے تین افراد بھی تیزی سے گاڑی میں بیٹھ گئے۔

اس کالی پجارو کے پیچھے چند گز کے فاصلے پر ایک اور آف وائٹ جیپ تھی۔ جس میں
قبائلی حلیئے کے تین چار آدمی سوار تھے۔ جن میں سے دو کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ بالکل
ایسے ہی کئی زمینداروں اور وڈیروں کی گاڑیاں اپنے ذاتی رائفل برداروں کے ساتھ گزرا
کرتی تھیں۔ جنہیں کوئی نوٹس میں نہ لیتا تھا۔ سیاہ پجارو ان کے قریب سے گزری تو اس
ڈرائیور نے ایک تیکھی سی نظر ان پر ڈالی اور دوبارہ شیشہ اوپر چڑھا لیا۔ اس کے اندر کتنے افراد
تھے اس کا اندازہ یوں نہ ہو سکتا تھا کہ اس پجارو کے شیشے بھی سیاہ تھے۔ جیسے ہی وہ پجارو ذرا
آگے بڑھی تو سفید کرولا بھی اسٹارٹ ہوگئی اور اس کے پیچھے ہو لی۔ اب تین گاڑیاں اس
دار سڑک پر آگے پیچھے سفر کر رہی تھیں سیاہ پجارو سفید کرولا اور پھر آف وائٹ جیپ۔

جیسے ہی وہ اس بل کھاتی پہاڑی کی اوٹ میں ہوئی وہاں موجود جیپ والے ماڈرن
نوجوان الرٹ ہو گئے اور جیسے ہی پجارو ان کے قریب آئی انہوں نے سائیڈ پر پڑا پتھر سڑک
لڑھکا دیا جس سے پجارو کو بریک لگانے پڑے۔ بریک لگنے کی دیر تھی وہ ماڈرن نوجوان ایک
دم ایکشن میں آ گئے۔ دوسری طرف بھی ٹرینڈ لوگ ہی تھے وہ بھی ایک لمحے میں الرٹ
گئے۔ دونوں طرف سے فائرنگ شروع ہوگئی۔ پجارو والوں کو کچھ خاص سنبھلنے کا موقع نہ ملا

کیونکہ پیچھے ہی وائٹ کرولا بھی پہنچ چکی تھی۔

پجارو والوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ انہیں ایسا واقعہ بھی پیش آ سکتا ہے۔ ان کا
زردز کا کام تھا اور وہ اتنی احتیاط سے یہ کام کرتے تھے کہ کسی کو شک نہ ہو سکتا تھا۔ پیٹرک نے
اب بازی ہاتھ سے جاتی دیکھی تو اندر موجود دلہن کو نشانے پر لے لیا کیونکہ وہ اتنا تو سمجھ چکا تھا
کہ یہ سب اس دلہن کو بچانے کے لئے ہو رہا ہے۔

''نہیں پیٹرک تم ایسا نہیں کرو گے؟'' اب تک سہمی بیٹھی ندا ایک دم چیخ پڑی۔

''اچھا تو تم ہو غدار۔'' وہ فوراً سمجھ گیا کہ اس معاملے کو لیک آؤٹ کرنے والا کردار ندا
نے ادا کیا ہے۔

ندا بھی زمانے سے انہی لوگوں کے ساتھ کام کر رہی تھی ان کی سب شاطر چالوں سے
واقف تھی وہ جانتی تھی کہ یہ لوگ اپنے جرائم کے ثبوت زندہ نہیں چھوڑا کرتے۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' ندا نے اپنے زیر جامہ سے چھوٹے سائز کا مگر جدید طرز کا
پسٹل نکال لیا۔

''تم ابھی اتنی ماہر نہیں ہوئیں۔'' اس سے پہلے ہی پیٹرک کا نشانہ لگ گیا مگر یہ نشانہ صحیح
جگہ پر نہ لگ سکا تھا گولی طوبیٰ کے سینے پر لگنے کی بجائے اس کے بازو پر لگی تھی۔ اسے ندا نے
دھکا دے کر بچانے کی پوری کوشش کی تھی۔

ندا کے پسٹل سے نکلی ہوئی گولی پیٹرک کے دماغ میں گھستی چلی گئی ریاض اور اس کے
باقی دو ساتھیوں کو ایلیٹ فورس کے دو نوجوان جہنم رسید کر چکے تھے جو پیچھے جیپ میں ماڈرن
حلیے میں آئے تھے۔ ندا کو بھی گولی لگ چکی تھی ان نوجوانوں نے آگے بڑھ کر برق رفتاری
سے زخمی بے ہوش طوبیٰ کو اٹھا کر سفید کرولا میں ڈالا اتنے میں کرولا کے پیچھے آتی آف وائٹ
جیپ بھی وہاں پہنچ چکی تھی۔

''تم لوگ جاؤ نکلو یہاں سے ہم انہیں سنبھالتے ہیں۔'' ایلیٹ فورس کا ایک نوجوان
چلایا۔ ضمیر نے تیزی سے گاڑی کو ریورس کیا ٹائر چرچرانے کی آواز دور تک فضا میں گونجی اور
اس کے ساتھ ہی گولیاں چلنے کی آوازوں سے سارا پہاڑی علاقہ لرز اٹھا۔

☆=====☆=====☆

طوبیٰ کچھ تو خوف و ہراس کے زیر اثر تھی اور کچھ گولی لگنے سے اس کا خون بہت زیادہ
بہہ چکا تھا۔ وہ لوگ اسے لے کر سیدھے ہسپتال جا رہے تھے مگر راستے میں کرنل صاحب کو
کوئی خیال آیا۔

"سمیر! گھر کی طرف چلو۔"

وہ بار بار اپنی گود میں بے ہوش پڑی طوبیٰ کے گال تھپتھپا رہے تھے۔

"ابھی ہمیں بہت خطرہ ہے۔ ہسپتال کسی صورت محفوظ نہ ہوگا۔" وہ بہت زیادہ پر
تھے۔

"مگر ماموں جان خون بہت بہہ رہا ہے۔" وقاص نے بے جان پڑی طوبیٰ کے
سے تیزی سے بہتا خون دیکھ کر کہا۔

"خدا خیر کرے گا۔" وہ اپنی جیب سے چھوٹا سا رومال نکال کر اس کے زخم کے گرد
کر باندھتے ہوئے بولے۔

"اور تم ذاکر بھائی کو فون کرو کہ فوراً گھر پہنچیں۔" انہوں نے موبائل فون وقاص
طرف بڑھایا۔

ڈاکٹر ذاکر ان کے نہ صرف فیملی ڈاکٹر تھے بلکہ فیملی فرینڈ بھی تھے وہ آرمی ڈاکٹر بھی
تھے بس کرنل صاحب کے چند مخلص دوستوں میں سے ایک تھے۔ وقاص نے جلدی سے ا
نمبر ملایا۔ سمیر بھی بار بار بیک مرر میں اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل اسے اس حالت
دیکھ کر پانی ہوا جا رہا تھا...... اس نے اس قدر تیزی سے ڈرائیو کیا کہ بہت کم وقت میں وہ
کے گنجان آباد علاقے میں داخل ہو چکے تھے ان کے پیچھے زیدی صاحب کی گاڑی انہیں فا
رہی تھی جس میں ان کے ساتھ دو اور نوجوان بھی تھے۔ جو بظاہر نارمل انداز میں بیٹھے ہو
تھے مگر وہ اتنے الرٹ تھے کہ ایک لمحے میں ایکشن میں آ سکتے تھے۔ ان کی چیتے جیسی نگا
اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔ وہ خطرے کی بو دور ہی سے بھانپ لیتے تھے۔ یہ سب ان کی ٹرین
کا حصہ تھا۔

اگلے بیس منٹ کے بعد وہ اپنی کالونی میں داخل ہو چکے تھے اور جب وہ اپنے گھر
گیٹ سے اندر داخل ہوئے تو کرنل صاحب کا صبر جواب دے گیا۔

وہ اپنی گود میں بے ہوش پڑی اپنی بچی کو خود سے لپٹا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔

"میری بچی۔" وہ دیوانوں کی طرح اس کے خون میں لت پت وجود کو خود سے
رہے تھے۔

"میری طوبیٰ۔" وہ باقاعدہ آواز سے رو رہے تھے۔

یہ ان کے اس صبر کا جمع شدہ سمندر تھا جو اس سارے عرصے میں انہوں نے ضبط کر
اپنے اندر بنایا تھا۔ اس سارے عرصے میں وہ دوسروں کو تسلیاں دیتے رہے تھے اور آج

لی کی ضرورت پڑ گئی تھی۔

"بابا پلیز۔" سمیر نے انہیں تسلی دی۔

"ماموں جان آپ آئیں۔" وقاص جسے خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا انہیں سہارے
باہر نکالنے لگا۔

سعدیہ خان کے تو قدموں سے جیسے جان ہی نکل گئی تھی خون میں لت پت طوبیٰ کو سمیر
بازوؤں میں دیکھ کر۔

"طوبیٰ۔" ان کے لبوں سے دبی دبی چیخ نکلی۔

"اماں جان پلیز۔" تانیہ نے فوراً انہیں سنبھالا۔ وہ اسے سیدھا اس کے کمرے میں
لے گیا اور بیڈ پر لٹا دیا خون ابھی تک بہہ رہا تھا۔

"ذاکر کو دوبارہ فون کرو۔"

کرنل صاحب نے اس پر کمبل ڈالتے ہوئے زور سے کہا۔ سمیر فوراً فون کی طرف دوڑا
اسی وقت ڈاکٹر ذاکر حسین کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔

☆======☆======☆

"اس کی یہ ہمت کہ یہ ہماری مخبری کرے۔" انیق یزدانی کا خود پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا
ا۔ وہ سامنے زخمی حالت میں بے ہوش پڑی ندا کو دیکھ کر غرا رہا تھا دراصل فلورا نے انہیں
بائل فون پر ساری اطلاع دے دی تھی جس پر وہ لوگ فوراً حرکت میں آ گئے تھے۔ ان کے
دمی پولیس کے روپ میں موقعے پر پہنچے تھے اور بڑی آسانی سے اپنے زندہ و مردہ لوگوں کو
ال لائے تھے۔ وہ اتنے چالباز تھے اور پھر ان کے ہاتھ اس قدر لمبے تھے کہ وہ ایلیٹ فورس کو
اج دینے میں کامیاب ہو گئے تھے اور یہ سب پولیس کی مدد سے ممکن ہوا تھا۔

"اسے جلدی ہوش میں لاؤ۔" وہ غصے میں کھولتا اِدھر اُدھر چکر لگا رہا تھا۔

"ہوش میں کیا لانا ہے اسے بے ہوشی میں ہی ختم کرا دیتے ہیں۔" سگریٹ کے لمبے
کش لیتے خالد خان نے مشورہ دیا۔

"نن نہیں۔" وہ زور سے دھاڑا۔

"اگر یہ اسی طرح مر گئی تو اسے پتا کیسے چلے گا کہ اس نے ہمیں دھوکہ دیا تھا۔ ہمیں انیق
یزدانی کو۔" وہ لفظوں کو چبا چبا کر اپنی نفرت باہر نکال رہا تھا اگر وہ سخت طیش میں تھا تو خالد کو
ی کم غصہ نہ تھا ان کی سب پلاننگ غلط ہو گئی تھی۔ سارا پروگرام چوپٹ رہ گیا تھا اور اتنی بڑی
نگ ہو کر بھی نہ ہو سکی تھی اور خاص مہمانوں کی ناراضگی الگ اٹھانی پڑ رہی تھی کیونکہ اس

واقعے کے بعد ہر گز گنجائش نہ رہ گئی تھی کہ اب رنگ محل میں کوئی جشن ہوتا بلکہ منٹوں میں ان
رنگ محل کی سب رونقیں گل کر کے وہاں سے سارے ثبوت ہٹانے پڑے تھے۔

ایک گولی ندا کے کندھے میں دھنس گئی تھی تو دوسری کولہے کے گوشت کو چیرتی ہوئی گز
گئی تھی۔ اس کا بھی خون بہت زیادہ بہہ چکا تھا اور خون کی اس کمی کے باعث آپریشن رُک گ
تھا۔

''اسے ہر حال میں بچنا چاہیے اور جلد صحت مند ہونا چاہیے۔'' وہ اس کا معائنہ کر
ڈاکٹر کو ہدایت کر رہا تھا۔

''سوری انیق صاحب! انہیں ہسپتال لے کر جانا پڑے گا کیونکہ پراپر تھیٹر کے بغیر
کوئی ٹریٹ منٹ نہیں کر سکتے۔''

''تو ٹھیک ہے ہسپتال شفٹ کرا لو مگر مجھے یہ زندہ چاہیے۔'' وہ جھاگ اگلتا کہہ رہا
اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سامنے پڑی ندا ہوش میں آ جائے اور وہ اسے عبرت ناک
دے ڈالے۔ یہ ڈاکٹر انہی کا خریدا ہوا تھا بلکہ اس نے جو اپنا ذاتی ہسپتال بنا رکھا تھا وہ ا
لوگوں کی دی ہوئی دولت سے بنا تھا۔

فوراً ہی ندا کو ڈاکٹر فرید کے پرائیویٹ ہسپتال میں پہنچانے کا انتظام کر دیا گیا۔ ا
ہسپتال میں زخمیوں کا علاج ہوتا یا کسی کو زہر دے کر مروا دیا جاتا کوئی بھی پوچھنے والا نہ تھ
پولیس بلکہ ان کی نگرانی اور حفاظت کیا کرتی تھی۔

''ندا! اکیلی یہ کام نہیں کر سکتی۔'' خالد خان نے آدھا سگریٹ پاؤں تلے مسل کر د
جلانے کے لئے نکالتے ہوئے کہا۔

''یہ تو مجھے بھی خبر ہے کہ وہ تنہا ایسا نہیں کر سکتی؟'' انیق یزدانی غصے اور بے چینی
کمرے میں ٹہلنے لگا۔

''پھر اس کے ساتھ اور کون ہو سکتا ہے۔'' خالد خان نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لے
دھواں فضا میں چھوڑا۔

''اور جو کوئی اس کے ساتھ ہے وہ بھی ایک نہیں' یہ کئی لوگوں کو ساتھ ملا کر کیا گیا ہے۔''
انیق یزدانی کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ''ایسا کون ہو سکتا ہے جسے اس کے سا
ہمدردی ہو۔'' خالد خان کا دماغ آنکھیں بن کر چاروں طرف جائزہ لینے لگا۔

''ہمدردی' صرف ہمدردی میں کوئی اتنا بڑا رسک لے نہیں سکتا یہ تو کسی ایسے بند
کام ہے جسے خاص طور پر طوبیٰ کے ساتھ انس ہو گا اور ایسا ہمارے اندر کون ہے جو ایسا

بود ہے؟'' وہ کمرے کے وسط میں رک کر زمین پر اپنے بائیں جوتے کی ایڑی آہستہ
نے لگا۔ یہ جب وہ بہت بے چین ہوتا تب کیا کرتا تھا۔

''ہاں ایسا ہے ایک بندہ؟'' اس کے دماغ میں کچھ جھماکا سا ہوا۔ وہ چٹکی بجاتا بولا اب
کے چہرے پر ایک چمک آ گئی تھی۔

''کون' کون۔'' خالد خان بے تاب ہو کر اس کے قریب آ گیا۔

''بس اب تم دیکھتے جاؤ وہ خود بخود سامنے بھی آئے گا اور سب کچھ مانے گا بھی۔'' وہ
ے اٹھ کر اپنی کمپنی کی ذاتی ٹیلی فون ایکسچینج کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس نے اپنے تمام
یوں اور سب ملازمین ماڈل گرلز اور کام کرنے والوں کے ٹیلی فون نمبروں پر سیکرٹ چیک
ٹ کرنے کے سسٹم نصب کرا رکھے تھے جس کا علم خود اسے تھا اور یا پھر خالد خان اور ایک
را اعتماد کے لوگوں کو ان میں سے ایک اس ایکسچینج کا چیف آپریٹر بھی تھا۔

''آپریٹر۔'' وہ میز پر اپنی انگلیاں تیزی سے بجا رہا تھا۔

''یس سر۔'' دوسری طرف سے نہایت ادب سے کہا تھا۔

''مس گیتی آرا کی پچھلے چار پانچ روز کی تمام ٹیلی فون کالز ٹریس کرو اور فوراً مجھے اس کا
بھی چاہیے۔'' وہ ایک ایک لفظ کو چبا کر کہہ رہا تھا۔

''او کے سر۔'' دوسری طرف سے بغیر کوئی سوال کیے حکم مان لیا گیا۔

☆======☆======☆

''یار! یہ مت پوچھنا کہ یہ کیا ہے اور کیسے ہوا بس تم میری بچی کی جان بچاؤ۔'' ڈاکٹر
کو دیکھتے ہی کرنل صاحب نے انہیں لپک کر ریسیو کیا وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیرت اور
انی کے ملے جلے تاثرات سے انہیں دیکھنے لگے۔

بہرحال بغیر کوئی سوال کیے وہ سامنے بے حال پڑی طوبیٰ کا طبی معائنہ کرنے لگے۔

''گولی بہت اندر تک دھنس چکی ہے اور خون بھی بہت زیادہ ضائع ہو چکا ہے۔'' معائنہ
نے کے بعد وہ کچھ اور پریشان ہو گئے تھے۔

''کچھ کرو' کچھ کرو ذاکر۔'' اب ان کا لہجہ منت سماجت والا تھا۔ ذاکر حسین نے دیکھا
نت کرنل عبدالصمد خان کے چہرے پر رنج ہی رنج تھا اور ایسی بے بسی طاری تھی جو
ا والوں کے چہروں کے رنگ میں ہوا کرتی تھی۔ ڈاکٹر کے اپنے دل پر ہاتھ پڑا وہ
ر جھجک کر اپنے میڈیکل باکس سے فوری ضرورت کی میڈیسن نکالنے لگے۔

''بہرحال ہمیں اس کی جان بچانے کے لئے اسے کلینک لے جانا پڑے گا۔'' ایک

انجکشن لگا کر وہ طوبیٰ کے زخمی بازو کی ٹمپریری ڈریسنگ کرنے لگے تاکہ خون بہنا بند ہو جا

''کلینک۔'' کرنل صاحب کے ساتھ ساتھ سمیرا اور وقاص کے ہونٹ بھی ہلے۔

''یہ گولی آپریشن کے ذریعے نکلے گی جو کہ یہاں تو ممکن نہیں۔'' وہ ذرا ایسے لہ
بولے جس میں ان کے لئے تھوڑا سا طنز تھا مگر ایسا طنز جو جلانے کے لئے نہیں سمجھانے
لئے کیا جاتا ہے۔

''بھئی اور دیر مت کرو۔'' وہ دوبارہ بولے۔

''مگر ڈاکٹر ہم اسے باہر نہیں لے کر جا سکتے؟'' کرنل صاحب بہت بے بس تھے
اسے فی الحال ساری تفصیل نہیں بتا سکتے تھے۔

''مگر کیوں؟'' ڈاکٹر صاحب کو غصہ آنے لگا۔

''باہر اس کی جان کو خطرہ ہے۔'' وہ خود سہمے ہوئے تھے۔

''اور یہاں اس کی جان کو زیادہ خطرہ ہے۔'' وہ کرنل صاحب کو کندھوں سے تھا
کھڑے ہو گئے وہ برسوں کے جگری دوست تھے اور پھر وہ بھی دو بیٹیوں کے باپ تھے
صاحب کی آنکھوں سے بہہ جانے والے طوفانوں کے نشان ان کے چہرے پر دیکھ کر
کچھ سمجھ گئے تھے۔

''اللہ پر بھروسا اور مجھ پر اعتماد کرو۔'' وہ انہیں حوصلہ دے رہے تھے۔

''یار! میں۔'' کرنل صاحب ان کے ہاتھ تھام کر رو پڑے الفاظ تو ان کے حلق
کانٹے بن کر چبھ رہے تھے۔

''سمیر تم گاڑی نکالو۔'' وہ ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی گرماہٹ پہنچا کر سم
طرف متوجہ ہوئے۔

''جی انکل۔'' وہ تیزی سے جانے کو مڑا۔

''سنو ذرا رکو۔'' کچھ سوچ کر انہوں نے آواز دے ڈالی اور وہ وہیں رک کر ا
قدموں پر گھوم گیا۔

''تانیہ کو بلاؤ۔'' وہ ان کے فیملی فرینڈ تھے اس لئے بالکل اپنوں کی طرح تھے
سے بولے۔

''تانیہ۔'' وقاص نے فوراً ہی اسے آواز دے ڈالی اور ساتھ ہی بلانے کو لپکا بھی۔

''جی۔'' وہ ایسے حاضر ہو گئی جیسے چراغ کا جن وہ تو پہلے ہی باہر دروازے سے لگی
اندر کی آہٹوں سے اپنے دل کی دھڑکنوں کو گن رہی تھی۔

''بیٹا! تم ایسا کرو کہ بہن کو چینج کرا دو۔'' انہوں نے طوبیٰ کے تن پر موجود عروسی لباس کو
کر کہا تھا۔ وہ بہت سمجھدار تھے اس بات پر کرنل صاحب کے ساتھ ساتھ سمیرا اور وقاص کی
یں بھی جھک گئیں۔ بہت سے ایسے سوال ان کے لہو میں کانچ کی طرح رینگ گئے تھے
کے جواب سے وہ خود کترا رہے تھے۔

وہ تینوں باہر آ گئے تانیہ نے فٹافٹ اپنی بے ہوش بے سُدھ اور زخمی بہن کو اپنی بانہوں
لے لیا چینج کراتے ہوئے اس کے گالوں پر مسلسل خاموش اور بے زبان آنسو بہے چلے جا
تھے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کا ہاتھ جب اس کی نازک شفاف گردن
یا تو اس کے لبوں سے بے اختیار آہ اور دل سے شدید درد کی لہر نکلی۔

''ظالموں نے اپنے تشدد کے نشان بھی چھوڑ دیئے تھے۔''

وہ طوبیٰ کی گردن پر جلتے سگریٹ سے لگائے گئے داغ کو دیکھ کر تڑپ اٹھی۔

''میری پیاری بہن۔'' بے ساختہ اس نے اپنے لب اس نشان پر رکھ دیئے اور اس کی
ح تک وہ اذیت گئی جو طوبیٰ کو اس وقت ہوئی ہو گی جب یہ داغ لگایا گیا تھا۔

☆======☆======☆

ٹیلی فون کی بیل چند ہی منٹ کے بعد ہو گئی۔ سامنے بیٹھے بے چینی سے پہلو بدلتے
یزدانی نے بجلی کی سی تیزی سے ریسیور اٹھایا۔

''سر! کالیں ٹریس ہو گئی ہیں۔'' دوسری طرف سے اطلاع دی گئی۔

''ٹیپ آن کرو۔'' وہ قدرے بلند آواز میں بولا۔ اور ساتھ ہی اس نے اپنے ٹیلی فون
ٹ کے اسپیکر کا بٹن بھی آن کر دیا کیونکہ خالد خان اس پر جھکا ہوا وہ سب سننے کا منتظر تھا جس
یق یزدانی تھا۔ پہلے دو روز کی کالوں میں تو سوائے اپنی فرینڈز کو کال کرنے یا رشتہ داروں
بات چیت کرنے کے کچھ نہ تھا۔ اسی طرح اگلے روز جو کالیں کی گئی تھیں وہ ثیتی آرا نے
بلکہ اس کی چھوٹی بہن ثمینہ نے کی تھیں اور ہسپتال میں اپنے ایڈمٹ باپ کی خبر لینے کے
بار بار کی تھیں۔ آج کل ان کے والد سخت بیمار تھے۔ ہزار علاج کے باوجود ان کا کینسر قابو
نہ آیا تھا اور آج کل ان کی زندگی کی آخری سانسیں چل رہی تھیں۔

''اوہ شٹ۔'' اس نے فون بند کرتے ہوئے اپنے ہاتھ پر مکا مارا۔

''تم نے دھیان سے سب کالیں ٹریس کی ہیں کہیں ان دنوں تمہارا سسٹم تو خراب نہیں
۔'' وہ آپریٹر پر گرم ہونے لگا۔

''جی نہیں سر ایسا کچھ نہیں تھا۔'' وہ بیچارا سہما ہوا بولا۔

"بہرحال آج سے اس نمبر کو ہر وقت چیک کرو۔" اس نے کھٹ سے بند کر دیا۔

"اب کیا کرو گے؟" خالد خان بھی پریشان ہو چکا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ گیتی اور ندا نے مل کر طوبیٰ کو بچایا ہے اور اب وہ دونوں ہرگز سکیں گی۔" اس نے ٹیبل پر پڑے پیپر ویٹ کو اٹھا کر سامنے دیوار پر دے مارا اب وہ غصے کی انتہاؤں کو چھو رہا تھا۔

"ریلیکس یزدانی ریلیکس۔" خالد خان نے اسے کندھوں سے تھام کر کرسی پر بٹھا دیا۔

"شیر کے منہ سے شکار چھن گیا اور تم کہتے ہو ریلیکس۔" وہ دھاڑ رہا تھا۔

"خالد! میں زندہ نہیں چھوڑوں گا ان تینوں کو۔" وہ غصے میں بالکل ایک دیوانہ اور پا شخص بن جاتا تھا۔

"صبر اور پلان سے یزدانی غصے سے نہیں۔" خالد خان بہت ہوشیار آدمی تھا سوچ رہا کہ جذباتی ہونے سے کہیں بات بگڑ ہی نہ جائے۔

"ایسا نہ ہو کہ گیتی بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے خود پر قابو پاؤ۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"میرے ہاتھ میں آئی تو ریت کبھی نہیں نکلی۔" وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر سے بند کرتا ہوا بولا۔

"مگر گیتی کو خبر ہوئی کیسے کہ طوبیٰ ہمارے پاس ہے؟" وہ پھر ہتھے سے اکھڑنے لگا۔

"ٹرن، ٹرن۔" ٹیلی فون بجتے ہی خالد خان نے لپک کر ریسیو کیا۔

"سر! ندا نے ہوش میں آتے ہی سوسائیٹ (خودکشی) کر لی۔"

دوسری طرف ڈاکٹر فرید کی گھبرائی ہوئی آواز آ رہی تھی۔

☆======☆======☆

"نہیں، نہیں ندا نہیں مر سکتی۔ میرے ہاتھوں سے سزا پائے بغیر کیسے مر گئی" وہ بے ہو ہوئی ہو گی۔ فرید سے کہو دوبارہ چیک کرے۔"

غصے میں وہ ہذیان بک رہا تھا وہ انسانیت سے گرا ہوا جانتا ہی نہیں تھا کہ جزا و سزا دینے والا تو اور ہے اور اس کے آگے بھلا کب کسی اور کی مرضی چلتی ہے۔ جو اس معمولی سے شیطان کی مرضی چل سکتی۔

"انیق! ریلیکس......" خالد نے اسے کندھوں سے تھام کر کرسی پر بٹھا دیا۔

"وہ اتنی آسانی سے مر گئی۔ میرے ہاتھوں سے نکل گئی۔" وہ دوبارہ ہاتھ ملتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ ہوس اور حکمرانی کے نشے نے اسے کفر میں مبتلا کر دیا تھا جو وہ اپنے تسلط کو دوسروں کی

زندگی و موت کا اختیار سمجھ چکا تھا۔

"خود پر قابو رکھو تم تو ہوش سے کام لو۔" پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے خالد خان نے اسے سمجھایا۔

"ہوش سے کام لوں؟ اس کے بعد بھی؟" اس نے بڑی کڑی نگاہوں سے خالد خان کو دیکھا۔

"میرا مطلب ہے ندا تو ہمارے ہاتھوں سے نکل ہی گئی۔ مگر باقی بازی تو ابھی ہمارے ہاتھ میں ہے۔" اس نے اس کی توجہ دوسری طرف لگانے کی کوشش کی۔

"ہاں باقی کی بازی۔" وہ طنز سے ہنسا۔

"باقی...... باقی۔" وہ اپنے ہاتھوں کو بری طرح مروڑ رہا تھا۔

"باقی کیوں پوری بازی کیوں ہمارے ہاتھ میں نہ رہی۔ اس بساط کو کس نے الٹنے کی کوشش کی؟"

اس کا غصہ کسی بھی طور کم نہ ہو رہا تھا۔

"انیق یزدانی کوئی بساط بچھائے اور وہ الٹ دی جائے۔ انیق یزدانی کوئی کھیل شروع کرے اور وہ بغیر جیت کے ختم ہو جائے۔"

اسے تکبر سے بھی بہت آگے تک اپنی ذات پر گمان تھا اپنی ذات کے بُت کو خدا بنا کر خود اپنی پوجا کرنے کا عادی ہو چکا تھا یہ کیسے برداشت کرتا کہ کوئی اور اس کی پوجا نہ کرے اس کے سامنے سر نہ جھکائے۔

"ہمیں کچھ اور سوچنا چاہیے؟" خالد خان اس کے مقابلے میں ذرا سمجھدار تھا اور اس وقت سمجھ رہا تھا کہ "چال" کس طرح چلنی ہے کس مہرے کو کس خانے میں رکھنے سے ہاری ہوئی بازی جیتی جائے گی۔

"کیا کروں؟ میں کیا کروں؟" وہ تو اپنے سارے حواس ہی کھو چکا تھا ندا کی موت کی خبر سن کر اس کے خیال میں ندا اس سارے کھیل کی کھلاڑی تھی لہٰذا ساری چالیں خود بتا رہی تھی مگر وہ تو ایک لفظ بھی کہے بغیر چلی گئی تھی ایسی جگہ۔ جہاں سے انیق بھی اسے دوبارہ نہ لا سکتا تھا۔

"ندا سے اپنی توجہ ہٹا کر اب تم گیتی کے بارے میں سوچو۔" خالد خان نے بہت سوچ سمجھ کر ہی چال کا پہلا مہرا چل دیا۔

"گیتی۔" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ خالد خان نے اپنی چال کی پہلی کامیابی پر مسکرا کر

اسے دیکھا۔

''اور سب سے پہلا کام یہ کرو کہ ندا کی موت کی خبر کو دبا دو چھپا لو...... کسی کو بھی کانوں کان یہ پتا نہ چلنے دو کہ وہ مرگئی ہے۔''

وہ پوری چال کی تفصیل اس پر واضح کرنے لگا اس پر انیق یزدانی نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اس سے یہ ہوگا کہ گیتی ریلیکس رہے گی ورنہ ندا کی موت کی خبر اسے الرٹ کردے گی اور کہیں وہ بھی......'' بات کو ادھورا چھوڑ کر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اب بات انیق کی سمجھ میں آگئی اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی شیطانی چمک ابھری۔

''یہ بات مشہور کرادو کہ ندا کو امریکہ بھیج دیا گیا ہے۔'' اب وہ بھی خوش ہوگیا تھا اس لئے سکون سے باقی کا پلان بتانے لگا تھا۔

''اور ڈیڈ باڈی...... اس کے گھر والوں کو......'' خالد خان نے کہنا چاہا۔

''پاگل ہوئے ہو۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے آگے کہنے سے روکا۔ اور سامنے میز پر پڑی بوتل اٹھا کر اسے غور سے تکنے لگا۔

''وہ گئی امریکہ اُڑ گئی فضاؤں میں۔'' اس نے بوتل کا کارک اپنے ہاتھ میں پکڑے تیز دھار چاقو کی نوک میں پھنسا کر ٹک سے فضا میں اُڑا دیا اور معنی خیز انداز میں خالد خان کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔

''ڈاکٹر فرید سے کہو کہ اسے وہیں پر ٹھکانے لگا دے اور دوبارہ کبھی اس کا کوئی ذکر نہ ہو۔ دیٹ اِز اِین اَف۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر بات ختم کردی۔

خالد خان نے اس کے چہرے پر فیصلہ کن کرختگی دیکھ کر ٹیلی فون سیٹ اپنی طرف کھسکایا اور ڈاکٹر فرید کا نمبر ملانے لگا اس کی انگلیاں ٹیلی فون نمبر ڈائل کررہی تھیں اور دماغ میں اک نیا پلان کروٹ لے رہا تھا۔

☆======☆======☆

ڈاکٹر ذاکر حسین نے طوبیٰ کو جلدی سے اپنے کلینک کے چھوٹے سے O.P.D (آپریشن تھیٹر) میں شفٹ کیا۔ ان کے ساتھ آپریشن میں ان کی مسز ڈاکٹر سائرہ مدد کررہی تھیں۔ وہ تھیٹر میں بے سدھ پڑی طوبیٰ کو یوں زخمی حالت میں دیکھ کر اگرچہ بے تاب سی تھیں مگر انہوں نے اس وقت ذاکر حسین سے سوال کوئی نہ کیا تھا۔

''خون بہت زیادہ ضائع ہوچکا ہے ہمیں خون کی ضرورت پڑے گی۔'' طوبیٰ کی بگڑتی

حالت دیکھ کر وہ پریشان ہوگئیں۔ ڈاکٹر ذاکر نے انہیں اشارے سے کچھ کہا اور وہ تھیٹر سے باہر آگئیں۔

''بھابی میری بچی۔'' سعدیہ خان انہیں باہر آتا دیکھ کر تڑپ اٹھیں۔

''خدا سے دعا کریں۔'' انہوں نے ان کے کندھے پر ڈھارس بندھانے کے لئے ہاتھ رکھا۔

''ہمیں خون کی ضرورت ہے۔'' وہ کرنل صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''میرا سارا خون لے لیجیے۔'' وہ لپکے۔

''نہیں بھائی صاحب ایسے نہیں۔'' وہ ان کی اس وقت کی جذباتی کیفیت جان سکتی تھیں اس لئے ذرا سا مسکرا کر بولیں۔

''اس کا بلڈ گروپ O+Tive ہے اور آپ کا B+Tive ہے۔'' انہوں نے سمجھایا تو کرنل صاحب ایک دم پریشان ہوگئے اور سب کی طرف دیکھنے لگے۔

''سمیر! تمہارا؟'' وہ سمیر سے پوچھ رہے تھے۔

''بابا میرا بھی B+Tive ہی ہے۔'' وہ بھی بہن کے لئے خون نہ دے سکنے پر بے بس تھا۔

''ماموں جان میرا بلڈ گروپ O+Tive ہے۔'' وقاص فوراً آگے بڑھا۔

''اچھا تو آپ آئیے۔'' کرنل صاحب کے کسی بھی تاثر کا جواب لئے بغیر ڈاکٹر سائرہ وقاص کو اندر لے گئیں اور نرس سے کہا۔

''سسٹر! جلدی کریں۔'' اور خود دوبارہ گلوز پہن کر اپنے شوہر کا ساتھ دینے لگیں ایک طرف وقاص کو لٹایا گیا تھا اور دوسری طرف طوبیٰ' ایک طرف سے وقاص کے جسم سے خون لیا جارہا تھا اور دوسری طرف وہ طوبیٰ کے جسم میں زندگی کی امید بن کر منتقل ہورہا تھا اور اسی پچویشن میں ڈاکٹر ذاکر نے طوبیٰ کا آپریشن کیا۔

کیونکہ اس وقت یہ ہی ہوسکتا تھا اگر وقاص کے جسم سے پہلے خون لیا جاتا پھر طوبیٰ کو لگا کر آپریشن کرتے تو شاید دیر ہوجاتی۔ طوبیٰ کو اس طرح خون میں لت پت پڑا دیکھ کر وقاص کے دل سے جانے کتنی دعائیں نکل رہی تھیں۔ اس وقت تو وہ طوبیٰ کے لئے اتنا پچی ہورہا تھا کہ اگر اس کی جان بھی نکال کر طوبیٰ کے جسم میں ڈال دی جاتی تو وہ انکار نہ کرتا۔

ڈاکٹر صاحب کو کٹ خاصا گہرا لگانا پڑا تھا کیونکہ گولی بہت اندر دھنسی ہوئی تھی انہوں نے بڑی مہارت اور چابکدستی سے اپنا کام مکمل کیا۔ وقاص دیکھ رہا تھا اس سارے عمل میں وہ بہت پریشان اور بے تاب سے تھے' بار بار سائرہ کی طرف کچھ کہتی نظروں سے دیکھتے اور وہ

گھبرا کر طوبیٰ کی نبض پر ہاتھ رکھ دیتیں۔

بالآخر ان کے چہرے پر بڑی مشکل کے بعد ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

''الحمدللہ۔'' اپنے چہرے سے ماسک ہٹا کر وہ گلوز اتارنے لگے۔

''بے شک وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔'' انہوں نے وقاص کی طرف مسکراتی نوید دیتی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''بے شک۔'' بے ساختہ وقاص کے منہ سے بھی اللہ کے شکرانے میں تعریفی کلمات نکلنے لگے۔

''بڑا رسکی تھا مگر اس کی نظر کرم تھی سو آسان ہو گیا۔'' انہوں نے قریب آ کر وقاص کا کندھا تھپکا اور باہر چلے گئے تاکہ وہاں موجود لوگوں کو بھی یہ نوید سنا سکیں۔

''اللہ بہت بڑا ہے۔'' یہ خبر سنتے ہی جائے نماز پر بیٹھی سعدیہ خان سجدے میں گر گئیں اور بچوں کی طرح باآواز رونے لگیں۔

''مبارک ہو۔'' ڈاکٹر صاحب نے کرنل صاحب کو اپنے سینے سے لگا لیا وہ بھی ان کے سینے سے لگے سسکیاں بھر رہے تھے۔

''بھئی سائرہ چائے پلواؤ اچھی سی سخت طلب ہو رہی ہے۔'' ذاکر حسین عبدالصمد خان کو ساتھ لئے اندر کی طرف چل دیئے۔

''آئیں بھابی۔'' ڈاکٹر سائرہ نے سعدیہ خان کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

''میں اسے دیکھ لوں؟'' وہ بچوں کی سی معصومیت سے پوچھنے لگیں۔

''ضرور مگر ابھی ذرا اسے روم میں شفٹ کر رہے ہیں۔ چلیں اتنی دیر چائے پیتے ہیں۔'' وہ انہیں ساتھ لئے ڈاکٹر صاحب کے اس کمرے کی طرف جا رہی تھیں جو انہوں نے اپنے اس چھوٹے سے ہسپتال میں اپنے خاص مہمانوں کے لئے سیٹ کیا ہوا تھا۔

انہوں نے ایک نرس کو چائے بنا کر لانے کا کہہ دیا تھا۔ وہ سعدیہ خان کو بتا رہی تھیں۔

''اب ہرگز بھی گھبرانے کی بات نہیں ہے طوبیٰ مکمل طور پر خطرے سے باہر ہے۔ اب اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں۔''

☆======☆======☆

گیتی کو باقی سارے واقعے کی کوئی خبر نہ تھی بس اتنا اطمینان ہو گیا تھا کہ طوبیٰ اپنے گھر میں پہنچ چکی ہے وہ بہت کوشش کر رہی تھی یہ پتا لگانے کی کہ ندا کہاں ہے سارا معاملہ کیسے ہوا مگر اسے کسی طرف سے کوئی خبر نہ مل رہی تھی، وہ تو اتنی بے بس تھی کہ کسی سے کھل کر پوچھ بھی نہ

سکتی تھی۔ خود کو بھی نارمل ظاہر کرنے کی وہ جتنی کوشش کرتی سب کی سب بیکار ہی جاتی۔ دل کی بے کلی اور پریشانی کسی طور نہ جاتی تھی کسی کام میں دل لگتا تھا نہ کوئی کام اچھا ہی لگتا تھا جی چاہتا کہ آفس نہ جائے کچھ روز کے لئے کہیں اور ہی چلی جائے غائب ہو جائے۔ کہیں ہمیشہ کے لئے بھاگ جائے۔

مگر کہاں جاتی آج کل اس کے ابو زندگی کی آخری اسٹیج پر تھے۔ جن کی زندگی کو بچانے کے لئے اس نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا مگر اس زندگی پر موت کے سیاہ سائے تو ہلکے بھی نہ ہوئے تھے بلکہ اور بھی گہرے ہو گئے تھے۔

وہ عجیب کشمکش کی حالت میں تھی۔ دل پر عجیب سی غیر معمولی گھبراہٹ طاری رہتی تھی۔

''کیا بات ہے آپا! آج کل آپ بہت پریشان رہتی ہیں۔'' ثمینہ چائے بنا کر لائی تو اسے گم صم سر پکڑے دیکھ کر قریب آ گئی۔

''بس دل بہت پریشان ہے۔'' وہ اس کے سامنے اپنی کیفیت نہ چھپا سکی۔

''آپ نے نماز پڑھنی بالکل ترک کر دی ہے۔ یہ سب اسی لئے ہے۔'' اس نے وجہ بتائی۔

''نماز ہاں شاید۔'' وہ ویسی ہی گم صم تھی۔

''شاید نہیں یقیناً یہی وجہ ہے۔ نماز ہی تو دل کا سکون ہے۔'' وہ بہت یقین سے بولی تھی حقیقت بھی تھی چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا کر وہ سوچنے لگی کہ واقعی اسے تو بہت ہی عرصہ ہو گیا نماز سے غافل ہوئے۔ ''کیا میرا دل سیاہ ہو گیا ہے؟''

وہ اپنا جائزہ لینے لگی۔ ''اللہ نہ کرے۔'' خوف کی ایک لہر سے اس کا پورا جسم تھرا گیا۔

''گناہ کی کالک سے پورا بدن کالا ہوا پڑا ہے بھلا دل کہاں بچا ہو گا وہ بھی تو کالا ہو گیا ہو گا۔'' اندر سے ایک آواز آئی۔ ''نہیں نہیں'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہوا آپا؟'' اسے یوں اچھل کر اٹھتے دیکھ کر ثمینہ بھی پریشان ہو گئی۔

''آں ہاں کچھ نہیں۔'' وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

''اچھا چلیں نماز پڑھ لیں عصر کا وقت ہو رہا ہے۔ میں بھی پڑھ لوں پھر بیٹھیں گے۔'' چائے کے خالی کپ اٹھاتے ہوئے بولی۔

''عصر کا وقت۔'' اس نے سامنے لگے وال کلاک کو دیکھا۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ ''میں نماز پڑھ کر کیا کروں گی میرا تو رواں رواں پلید ہے۔'' ندامت اور شرمندگی اس کے قدم روک رہی تھی۔

''پلید ہے تو کیا ہوا۔ اسے پاک کر لے دھو لے یہ غلاظت۔'' کوئی اس کے اندر بول رہا تھا۔

''گناہوں کا گند دُھلا ہے کبھی؟'' شرمندگی نے پھر متزلزل کرنا چاہا۔

''دُھلتا ہے۔ گناہوں کا بھی سب گند دُھل جاتا ہے۔'' اندر کی آواز ڈھارس بندھا رہی تھی۔

''کس چیز سے دھوؤں؟'' وہ اپنا آپ دیکھنے لگی۔ پورا جسم غلاظت اور بدبو سے اٹا تھا۔ بڑے بڑے سیاہ داغ سڑے ہوئے کیچڑ میں لتھڑا ہوا بدن۔ اسے خود سے نفرت محسوس ہونے لگی۔

''پاگل اپنے باہر کو نہ دیکھ اپنے اندر پر بھی تو نگاہ ڈال۔'' پھر اسی آواز نے انگلی تھام لی

''میرا اندر' کیا میرا بھی کوئی اندر ہے؟'' وہ خود پر حیران تھی۔ ''اسے تو میں نے خود دیا تھا۔ بہت عرصہ ہوا۔'' وہ ماضی کو یاد کرنے لگی۔

''آں...... ہاں۔'' کسی نے اسے چونکا دیا گھسیٹ کر ماضی سے باہر نکال لیا۔ بھلا اسے اور لوٹ آؤ۔'' انگلی پکڑنے والے نے بازو تھام کر کھڑا کر دیا۔

''دھو ڈالو اپنی سب غلاظت' توبہ کی طرف رجوع کرو اور ندامت کے آنسوؤں سے پاک کر لو ساری پلیدگی، آؤ آج کی طرف ''آج'' کی نئی بنیاد ڈالو۔ گئے کل کو بھول جاؤ توبہ کر لو۔'' کوئی مسلسل اس کے ساتھ تھا۔

''مگر مجھے کون قبول کرے گا۔'' وہ کچھ خوفزدہ تھی۔

''وہ قبول کرے گا جس نے پیدا کیا ہے؟''

''وہ۔'' اس کے تصور سے ہی وہ کانپ گئی۔

''نہیں نہیں میں اس قابل کہاں؟'' اسے پھر خود سے گھن آ گئی۔

''تم چلو تو سہی وہ قبول بھی کرے گا اور پیار بھی کرے گا توبہ کا ایک دروازہ اس نے ہمیشہ اپنے بھولنے اور بھٹکنے والوں کے لئے کھلا رکھا ہوتا ہے۔'' کوئی اسے لے کر چل دیا ایک ایک قدم کئی کئی من کا وزنی ہو رہا تھا دل پر اس کی ہیبت طاری تھی اپنی کم مائیگی رُلا رہی تھی۔ مگر کوئی اسے کھینچ کر لے گیا جانے کب اور کس طرح اس نے وضو کر لیا۔ وہ تو خود سے بالکل ہی بے خبر تھی۔

اور پھر ثمینہ کب سے دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی اسے دیکھ رہی تھی وہ تو سجدے میں گری ہوئی تھی۔ اس کا پورا جسم ہچکولے لے رہا تھا اور جائے نماز کی سطح بھی اس کے آنسوؤں سے

تر ہو رہی تھی اس کے لب جانے کیا بڑبڑا رہے تھے۔ مگر ثمینہ دیکھ رہی تھی کہ وہ توبہ کے دروازے پر کھڑی اس بے نیاز رحیم و کریم سے کچھ مانگ رہی تھی۔ اس کے اپنے آنسو بے اختیار ہو کر بہہ رہے تھے۔

☆======☆======☆

اسے ہوش آیا تو ذہن پر عجیب سا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کچھ ٹھیک سے یاد نہ آ رہا تھا کہ اسے کیا ہوا تھا۔ پہلے وہ کہاں تھی اور اب یہاں کیوں ہے؟

''طوبیٰ! میری جان!'' اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر سعدیہ خان لپک کر آگے بڑھیں۔

''میری جان میری بیٹی۔'' انہوں نے سہارے سے اسے تھاما اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے رو پڑیں۔

وہ حیران حیران نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی سامنے ہی تانیہ آنکھوں میں جانے کب سے بہہ جانے والے آنسوؤں کو روکے کھڑی تھی۔ اس کے بابا پیارے بابا کرنل عبدالصمد خان اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر فوراً آگے بڑھے۔

''میری گڑیا۔'' وہ بہت لاڈ میں اپنی بیٹیوں کو ''گڑیا'' کہا کرتے تھے انہوں نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھا۔

''بابا! میرے بابا!'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر پھوٹ پڑی ضبط اور درد کا اک سمندر تھا جو بہہ نکلا۔ جذبات کا اک طوفان تھا جو پوری شدت سے اٹھا اور وہاں کھڑے تمام لوگوں کے دل بہا کر لے گیا۔

''گڑیا میری جان بس کرو۔'' وہ اسے سینے سے لگائے چمکارے جا رہے تھے اور وہ تھی کہ بجائے سنبھلنے کے بکھرتی چلی جا رہی تھی۔

''میرے بابا جان۔'' بس اس کے کانپتے لرزتے ہونٹوں سے نکل رہا تھا تانیہ بھی قریب آ گئی تھی اس نے آ کر اس کے ہاتھوں کو ہولے ہولے دبانا شروع کر دیا تھا۔ سمیر بھی الگ کھڑا بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ ذرا فاصلے پر موجود وقاص بھی وقفے وقفے سے اپنی آنکھوں میں آنے والی نمی کو صاف کر رہا تھا فائزہ خان بھی بھتیجی کے درد کو اپنے سینے میں محسوس کر رہی تھیں۔

''طوبیٰ بس کرو۔'' مچل مچل کر روتی وہ کسی طرح بھی نہ سنبھل رہی تھی ڈاکٹر سائرہ کو معلوم ہوا تو وہ بھاگی چلی آئیں۔

''اسے اتنا نہ رُلائیں۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر کرنل صاحب سے درخواست کی۔ وہ

جانتی ہی نہ تھیں کہ یہ آنسو کسی کے رُلانے سے تھوڑے ہی آیا کرتے ہیں یہ تو بن موسم کی جھڑی کی طرح شروع ہوتے ہیں اور جب تک اندر کا درد مدھم نہ ہو برستے ہی رہتے ہیں۔

''بابا۔'' کرنل صاحب کو ذرا دور ہوتا دیکھ کر وہ تڑپ کر اٹھی اسے خوف تھا کہ کہیں پھر بچھڑ نہ جائے جیسے ہی وہ اٹھی اسے سخت چکر آ گیا اور وہ وہیں بستر پر ایک دم لڑھک گئی اس کا چہرہ زرد ہونے لگا تھا۔

''میری جان۔'' کرنل صاحب نے فوراً ہی دوبارہ اسے اپنی بانہوں میں تھام لیا۔ ڈاکٹر سائرہ نے فٹافٹ بلڈ پریشر چیک کرنا شروع کر دیا۔

''دیکھا ناں پھر بی پی لو ہو گیا۔''

''رخسانہ، رخسانہ۔'' وہ نرس کو آوازیں دینے لگیں۔

''ڈاکٹر صاحب کو بلاؤ۔'' وہ بہت پریشان ہو گئی تھیں۔

''یس میڈم۔'' نرس جن قدموں پر آئی تھی انہی پر فوراً پلٹ گئی۔ اس کے ہونٹ زرد ہوتے ہوتے نیلے پڑنے لگے۔ ''اوہ بہت زیادہ لو ہو گیا یہ تو۔'' وہ دوبارہ بی پی دیکھ کر فکرمند ہو گئیں۔

''آپ لوگ پلیز اسے ڈسٹرب نہ کریں۔'' انہوں نے ذرا سے سخت لہجے میں کہا پھر جیسے ہی ان کے معصوم بے بس چہروں پر نظر پڑی تو نرم پڑ گئیں۔ ''میرا مطلب ہے کہ ابھی اس کی ذہنی حالت ایسی نہیں ہے کہ یہ مزید کوئی شاک افورڈ کر سکے اور پھر زخم اتنا گہرا تھا، خون بہت زیادہ بہہ گیا یہ کسی بھی طرح ذہنی یا جسمانی بہتر حالت میں نہیں ہے۔'' انہوں نے اچھی طرح سمجھا دیا۔

''کیا ہوا؟'' ڈاکٹر ذاکر حسین جو ایک بہت اہم مریض کو دیکھ رہے تھے طوبیٰ کا سن کر بھاگے چلے آئے۔

''یہ یہ تو فینٹ (بے ہوش) ہو گئی جو کہ اسے ہونا نہیں چاہیے تھا۔'' وہ اسے دیکھ کر بہت فکرمند ہو گئے۔

''کرنل صاحب! آپ لوگ ایسا کریں کہ صرف ایک آدمی اس کے پاس ٹھہرے باقی گھر جا کر آرام کریں۔'' انہوں نے کرنل صاحب کو ایک طرف لے جا کر سمجھایا۔

''بھابی کو تو ضرور ہی لے جایئے ان کی طبیعت خراب نہ ہو جائے۔'' وہ کونے میں دبے سسکیاں لیتی سعدیہ خان کو دیکھ کر اور بھی پریشان ہو گئے۔

''مگر ایسی حالت میں؟'' وہ اپنی بے ہوش بیٹی کو چھوڑ کر جانے کا سوچ بھی نہ سکتے تھے

''اسے خدا تعالیٰ نے نئی زندگی بخشی ہے اب اسے بحال رکھنے کی دعا کرو جا کر۔'' وہ ان کا کندھا تھپتھپا کر بولے۔ انہوں نے فوراً ہی کچھ ضروری انجیکشن طوبیٰ کو لگائے اور ڈرپ کی رفتار کچھ تیز کر دی۔

''اب یہ سوتی رہے گی اور نیند ہی اس کے لئے بہتر ہے۔'' فارغ ہو کر وہ پھر کرنل صاحب کو سمجھانے لگے۔

جس پر وہ کچھ مطمئن ہو کر گھر جانے پر راضی ہو گئے۔

''ایسا کرو کہ وقاص بیٹا! تم بھی اپنی امی جان کو گھر لے جاؤ۔ یہ بھی رات سے جاگ رہی ہیں اور پھر تم بھی کمزوری محسوس کر رہے ہو گے۔'' انہوں نے چپ چاپ کھڑے وقاص کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے جانے کو کہا تو وہ بنا کچھ بولے بس طوبیٰ کو دیکھ کر رہ گیا۔ کرنل صاحب اس کے دل کی حالت سمجھ رہے تھے مگر اس وقت وہ جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر گئے۔

''آپا! میرا خیال ہے آپ لوگ گھر چلیں۔'' اب انہوں نے فائزہ خان کو مخاطب کیا۔

''ٹھیک ہے بھائی۔'' وہ بغیر کسی حجت کے مان گئیں۔

''رات کو سمیر بھی گھر آ جائے گا۔'' انہوں نے سمیر کی طرف دیکھ کر کہا جو ایک ٹک بہن کو دیکھے جا رہا تھا۔

اور وقاص کو اپنی امی اور ممانی کو لے کر نہ چاہتے ہوئے گھر جانا پڑا۔

☆======☆======☆

''گیتی...... گیتی اٹھو ابا کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔'' ثمینہ نے آ کر گیتی کو جھنجھوڑ ڈالا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اپنے ابا جان کے پاس سے اٹھ کر آئی تھی پھر ابھی شاید اس کی آنکھ بھی لگ گئی۔

''کیا کیا ہوا انہیں۔'' وہ آنکھیں ملتی بستر سے نیچے اتر آئی۔ وہ نیچے جھک کر اپنے سلیپر تلاش کر رہی تھی۔

''وہ لمبی لمبی سانسیں لے رہے ہیں۔ ایسے جیسے سینے میں گھٹن ہو رہی ہو۔'' اس کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھولے ہوئے تھے۔

''اچھا چلو۔''

''ابا...... ابا جان!'' وہ انہیں ہلا ہلا کر بلانے لگی۔

''کیا ہوا انہیں۔'' وہ پاس کھڑی آنسو بہاتی ماں سے پوچھنے لگی۔

"پتا نہیں ابھی تو کہہ رہے تھے۔ میری سانس رک رہی ہے؟" وہ بھی جھک کر ا
دیکھنے لگیں۔ جواب بہت آرام سے لیٹے ہوئے تھے جیسے سو رہے ہوں۔ انہوں نے گھبر
سینے پر ہاتھ رکھا دھڑ دھڑ بولتا دل بالکل چپ ہو گیا تھا۔ اوپر جھک کر سانس کی آواز سننا چا
ابھی دھونکنی کی طرح چلتی وہ بھی گم ہو گئی تھی اب تو کچھ بھی نہ سنائی دے رہا تھا۔ نبض
رکھا جو پہلے اچھل رہی تھی پھر کبھی ڈوبتی کبھی ابھرتی کیفیت تھی اب بالکل ڈوب چکی تھ
انہوں نے اک حسرت سے اپنا ہاتھ ان کے چہرے پر پھیرتے ہوئے کہا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون ○

"کیا...... کیا ابا" گیتی دیوانوں کی طرح باپ کو ٹٹولنے لگی ان کی ماں بہت دیدار
حوصلے والی خاتون تھیں بغیر بَین ڈالے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر رونے لگیں۔
"ابا مر گئے ابا چلے گئے۔" ثمینہ لپک کر باپ کے مردہ وجود کی طرف آئی اور انہیں
پُرسکون گہری نیند سوتا دیکھ کر دیوانی ہو گئی۔
"نہیں ابا تو زندہ ہیں، سو گئے ہوں گے ابھی ابھی تو مجھ سے کہہ رہے تھے کہ جاؤ گی
بلا کر لاؤ تا کہ وہ مجھے ہسپتال لے چلے میری سانس رک رہی ہے۔" وہ گیتی کو تھام کر کھڑ
گئی۔
"گیتی آپا ابا کو ہسپتال لے چلو بے ہوش ہو گئے ہوں گے۔" وہ باپ کے ساتھ
زیادہ محبت کرتی تھی ہر وقت ان کی خدمت میں لگی رہتی تھی۔
"ثمینہ! بابا نہیں رہے۔" گیتی نے بہن کو کھینچ کر گلے سے لگا لیا۔
"کیا؟ بابا نہیں رہے۔" اس نے دوبارہ چپ پڑے باپ کی طرف دیکھا اور
پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"بابا چلے گئے۔ ہمارے بابا چلے گئے۔" اب دونوں بہنیں ایک دوسرے کو گلے لگا
رو رہی تھیں۔ ان کی آوازیں سن کر چھوٹی بہنیں زہرہ اور نادیہ بھی بستروں سے اٹھ کر آ
تھیں۔ البتہ چھوٹا بھائی ابھی بھی بے خبر سو رہا تھا۔
"اماں! آپ نے بھی نہیں روکا۔" ثمینہ کا تو کلیجہ ہی پھٹا جا رہا تھا۔ وہ ماں کے گلے
گئی۔ ان کی گھٹی گھٹی آوازیں اب ہلکی سسکیوں میں بدل گئی تھیں کچھ ہی دیر میں اچھا خاصا
ماتم کدہ بن گیا تھا۔ مگر یہ ماتم دلوں میں ہی برپا تھا ورنہ تو سبھی بڑے صبر سے رو رہے تھے۔
اگرچہ اپنوں کی موت کا صدمہ تو زندہ رہنے والوں کے لئے واقعی پہاڑ برابر ہوتا
اسے سہنا اور برداشت کرنا ناممکن نظر آتا ہے لگتا ہے کہ ہم بھی مرنے والے کے ساتھ ہی

ئیں گے۔ مگر وہ جو زندگی اور موت کا مالک ہے وہ زندہ رہنے والوں کو صبر اور حوصلہ بھی خود
ا کرتا ہے۔ جو دل پر جدائی کا گھاؤ لگاتا ہے اسے وقت کے مرہم سے مندمل بھی خود ہی
ا کرتا ہے۔

☆======☆======☆

"ہیلو" ٹیلی فون کی تیسری بیل پر خالد خان نے فون اٹھایا تھا۔
"ہیلو! سر" دوسری طرف ان کا ایکسچینج آپریٹر تھا۔
"ہاں کہو کیا خبر ہے۔" اس نے سگریٹ کا پیکٹ کھول کر نیا سگریٹ نکالتے ہوئے
ھا۔
"سر! میڈم گیتی کا نمبر مسلسل میری آبزرویشن میں ہے اور"
"اور کیا؟" وہ جو ٹانگیں میز پر رکھے بڑے ریلیکس موڈ میں بیٹھا تھا فوراً سیدھا ہو گیا۔
"سر! میڈم نے پچھلے چار روز میں مسلسل ایک نمبر ڈائل کیا ہے اور بغیر کسی سے بات
بار بار سلسلہ منقطع کرتی رہی ہیں۔" وہ تفصیل سے بتانے لگا۔
"کون سا نمبر کس کا نمبر ہے۔" وہ پوچھنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔
"جناب میں نے پتا کر کے ہی آپ کو فون کیا ہے نمبر کسی کرنل عبدالصمد خان کا ہے جو
شان کالونی میں رہتے ہیں۔"
"کیا، کیا؟" وہ پہلے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا اب اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
"جی یہی نام ہے میں نے اچھی طرح کنفرم کیا ہے۔" وہ بیچارا ڈر ہی گیا کہ کہیں وہ غلط
میشن تو نہیں دے بیٹھا۔
"اچھا ٹھیک ہے مسلسل آبزرویشن رکھو اور فوراً اطلاع کرتے رہنا۔"
"او کے سر" دوسری طرف سے مؤدبانہ انداز میں او کے کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔
"کرنل عبدالصمد خان۔" وہ بڑبڑایا اور پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
"اوہ گیتی گیتی تم نے تم نے...... مجھے دھوکا دیا۔ جب خالد خان نے انیق کو فون ٹریس
نے والی بات بتائی تو وہ غصے سے کھول اٹھا اس کا جی چاہ رہا تھا کہ گیتی آرا اس کے سامنے آ
ئے تو وہ اس کا گلا دبا دے' اس کے حسین اور معصوم چہرے پہ تیزاب ڈال دے یا...... یا پھر
ے کوئی ایسی سزا دے کہ جسے وہ یاد رکھے کہ اس نے انیق یزدانی کے ساتھ کوئی کھیل کھیلا
ا۔
"گیتی آرا آج کل چھٹی پر ہے۔" خالد خان نے اس کی کیفیت دیکھ کر خود ہی بتا دیا

تا کہ وہ زیادہ پریشان نہ ہو۔

''چھٹی پر کس لئے؟'' وہ دھاڑا۔

''اس کے والد کی حالت آج کل خراب ہے۔'' خالد خان جو ایک ایک ماڈل تو
معمولی سے معمولی ملازم کے بارے میں بھی ذرا ذرا سی خبر رکھا کرتا اسے ساری معلومات
دے رہا تھا۔

''کب سے نہیں آ رہی؟'' اب اس نے اپنے غصے پر کچھ قابو پا لیا تھا۔

''پچھلے پانچ چھ روز سے۔'' خالد خان نے بتایا۔

''آپریٹر سے کہو کہ اس کا نمبر ملائے۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔

''آپریٹر سے کیوں یہ لو بات کرو۔'' خالد نے اپنے موبائل سیٹ سے گیتی کا نمبر ملا کر
اس کے حوالے کر دیا۔

''کون ثمینہ؟'' وہ سب کی آوازیں پہچانتا تھا دوسری طرف ثمینہ کی آواز سنتے ہی پوچھنے
لگا۔

''انکل کا کیا حال ہے؟ مجھے کیوں نہیں بتایا کہ ان کی طبیعت اتنی خراب ہے؟'' وہ ایک
ساتھ دو سوال کر گیا۔

''کیا' کیا؟'' دوسری طرف سے ثمینہ نے جو خبر بتائی تھی اس پر اسے دھچکا لگا تھا۔

''اچھا مجھے کیوں خبر نہیں دی۔'' وہ کچھ ناراض سا ہو گیا۔

''بھائی! ہمیں تو کچھ ہوش ہی نہیں رات سے۔'' ثمینہ جو اسے بھائی کہا کرتی تھی اس
کی ہچکیاں لیتی ٹوٹی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''اچھا بس ہم ابھی پہنچتے ہیں۔'' اس نے بڑے جذباتی انداز میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

''کیا ہوا؟'' خالد خان کو کافی حد تک سمجھ تو آ چکی تھی مگر پھر بھی اس نے پوچھ لیا۔

''مر گیا بڈھا کھوسٹ۔'' اس نے بڑی حقارت سے ایسے ذکر کیا جیسے کوئی انسان نہیں
بلکہ کوئی بہت معمولی سا جانور مر گیا ہو۔ ''ختم ہو گیا بیماری کی پوٹ' بہت ستایا تھا اس آدمی نے
ہمیں بہت خرچ کیا میں نے اس پر چلو جان چھوٹی۔'' وہ مرنے والے کے بارے میں نہایت
گھٹیا الفاظ استعمال کر رہا تھا اسے دراصل اپنا مرنا ہی تو یاد نہ تھا تبھی تو وہ اس قدر تکبر میں
کرتا تھا۔

''چلو وہاں جانا بھی ضروری ہے۔'' وہ جانے کے لئے کہہ رہا تھا۔

''ویسے یار تم خود بھی کوئی کم ایکٹر نہیں ہو؟'' خالد خان نے مسکراتی نظروں سے اس

کے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔

''مائی پلیژر (My Pleasure)'' وہ کندھے اچکا کر بولا۔ ''یہی تو وقت ہے اس پر
اپنا اعتماد بحال کرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط کرنے کا وہ اس وقت ہم سے سہمی ہوئی ہے مگر اس
وقت کی ہماری محبت اسے یہ بھلا دے گی۔''

وہ بڑی عیاری سے دوبارہ چال چلنے کی تیاری کر چکا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم چوہیا کو بل سے باہر نکال کر مارنا چاہتے ہو؟'' خالد نے عجیب
سے فضول انداز میں اسے ''چوہیا'' کہا اور ساتھ ہی شکل بگاڑ کر اس کی نقل بھی اتاری جس پر
اپنی بزدانی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اور وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کے ہنس پڑا دونوں ہنستے
ہوئے گیتی کے گھر جانے کے لئے نکل پڑے۔

☆======☆======☆

طوبیٰ نے دوسرے دن آنکھیں کھولیں تو وہ پہلے روز سے کافی حد تک بہتر تھی۔ تانیہ نے
اس کے آنکھیں کھولتے ہی آگے بڑھ کر اپنی بانہوں میں لے لیا' محبت سے اس نے اس کا
ماتھا چوما اور اپنے سہارے سے اسے تھوڑا سا اونچا کر کے ایک اور تکیہ اس کی گردن کے نیچے
رکھ دیا وہ اسے بہت پیار سے دیکھ رہی تھی۔

''میری جان۔'' اسے یوں اپنی طرف دیکھتا پا کر تانیہ کے دل کو کچھ ہونے لگا آنکھیں
چرا کر وہ اس کے بال سلجھانے لگی۔

''لاؤ میں تمہارے بالوں کو سلجھا دوں' دیکھو کیسے الجھ رہے ہیں برش کر دوں؟'' وہ اس
کے ذہن کو دوسری طرف لگانا چاہتی تھی۔ اس نے بغیر کچھ کہے اس کا ہاتھ تھام کے روک لیا۔

''اچھا پھر میں تمہارے لئے جوس لاؤں تھوڑا سا پی لو۔'' وہ فلاسک سے فوراً تھوڑا سا
جوس نکال لائی اور اسے پلانے کے لئے گردن میں ہاتھ ڈال کر اٹھانے لگی۔

''آہ.....'' تانیہ کی انگلی اس کی گردن پر جلی ہوئی جگہ پر لگ گئی تو بے ساختہ ہی اس کے
لبوں سے آہ نکل گئی۔

''سوری سوری۔'' تانیہ نے جلدی سے اسے پیار کیا۔

''لو یہ پی لو۔'' وہ جوس کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگانے لگی۔

''نن' نہیں۔'' تیسرے دن میں یہ پہلی آواز لفظ بن کر اس کے لبوں سے نکلی تھی۔

''تانیہ' تانو۔''

وہ اس کے گلے سے لگ گئی اور سینے میں منہ چھپا کے رونے لگی۔

"آپو! آپ ایک ہی بار رو لیں۔ دل پہ جتنا غبار ہے اسے ڈھل جانے دیں۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی اپنے آنسوؤں کو چھپا رہی تھی۔

"تانیہ! میں اب پہلے والی طوبیٰ تو نہیں رہی؟" وہ ہچکیاں لیتی کہہ رہی تھی۔

"کیوں کیوں آپ وہی طوبیٰ آپی ہیں۔" اس کے دل پر جیسے ہاتھ پڑا۔

"کیا سب لوگ مجھ سے اب بھی پیار کریں گے۔" وہ معصوم نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"طوبیٰ آپی میری جان۔" تانیہ نے کھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تانو! یقین کرو میں بالکل بے قصور ہوں بے گناہ ہوں اور بے خطا بھی۔" وہ بے یقین سی ہو گئی تھی تبھی تو اپنے بارے میں صفائیاں پیش کر رہی تھی۔

"ہاں' ہاں' ہمیں خبر ہے۔ آپ بالکل بے قصور ہیں۔" وہ اسے پیار کرتی جا رہی تھی اور اپنی آنکھوں کی نمی صاف کرتی جا رہی تھی۔ اتنے میں کرنل عبدالصمد خان اور سمیر بھی اندر داخل ہوئے وہ فجر کے وقت گھر چلے گئے تھے اور اب ناشتہ لے کر آئے تھے۔

"ارے میری گڑیا جاگ گئی۔" وہ اسے دیکھتے ہی خوش ہو گئے اور بانہیں پھیلا کر بیٹی کی طرف آ گئے۔

"میری بہادر بیٹی کو درد تو نہیں ہو رہا؟" انہوں نے اس کے کندھے پر بندھی پٹی کی طرف دیکھ کر پوچھا جو خون سے تر ہو رہی تھی۔ شاید رات کو بھی خون نکلتا رہا تھا۔

"جی بابا۔" وہ ڈبڈبائی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ سامنے ہی کھڑا سمیر مسکرا رہا تھا اس کے ہاتھ میں چائے کا مگ تھا۔

"لو چائے پیو' تانیہ آپ ناشتہ نکالو۔" وہ آ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ تانیہ ٹفن سے چیزیں نکالنے لگی۔

"بس اب بہت ہو گیا۔" ایک دم ہی سمیر سنجیدہ ہو کر بیٹھ گیا۔

"کیا؟" تانیہ کے ساتھ ساتھ کرنل صاحب بھی چونک کر بولے۔

"سمیر! کیا کہہ رہے ہو۔" انہوں نے ذرا گھور کر اسے دیکھا۔

"بابا جان! میں کہہ رہا ہوں کہ آپی اب بس کر دیں یہ اور جلدی سے بستر چھوڑ کر چلیں۔ بہت روز ہو گئے میں نے پڈنگ نہیں کھائی۔" وہ بچوں والے لہجے میں ذرا روٹھا روٹھا سا بولا تو سب کے ساتھ طوبیٰ بھی مسکرا دی۔

"ویٹس اِٹ۔"

اس نے اسے مسکراتا دیکھ کر چٹکی بجائی۔ "آپ تو ہنستی مسکراتی ہی اچھی لگتی ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کے اسے نثار ہوتی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اچھا سمیر چلو جلدی سے بہن کو ناشتہ کرواؤ پھر ہمیں نماز جنازہ پر بھی پہنچنا ہے۔" کرنل صاحب نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نماز جنازہ کس کی؟" تانیہ کا دل جیسے دھک سے رہ گیا۔

"ہاں وہ بیٹا اپنی گیتی آرا کے والد فوت ہو گئے۔" انہوں نے طوبیٰ کے سر پر ہاتھ رکھ کر ہولے ہولے بتایا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ طوبیٰ اور گیتی آرا کے ابو میں بے پناہ دوستی اور محبت ہے۔ وہ خلاؤں میں گھورنے لگی۔

"گیتی ہاں گیتی نے ہی تو مجھے نکالا ہے ان درندوں کی قید سے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"گیتی نے۔" کرنل صاحب سمیر اور تانیہ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا پھر کرنل صاحب نے اشارے سے سمیر اور تانیہ کو کچھ بولنے سے منع کر دیا اور خود بھی اس بات کو نظر انداز کر گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ابھی طوبیٰ کے لئے کسی قسم کی ٹینشن قطعی درست نہیں۔

"تانیہ بیٹا تم بھی کچھ دیر کے لئے ہمارے ساتھ چلو تمہاری امی ابھی آ جائیں گی طوبیٰ کے پاس' گیتی کو اس وقت تمہاری سخت ضرورت ہو گی۔" انہوں نے بات کو ٹال کر دوسری طرف پلٹ دیا۔

"گیتی! میں بھی گیتی کے پاس چلوں گی؟" وہ تو ایک دم ہی دیوانی ہو گئی۔

"آپ؟" تانیہ پریشان ہو گئی۔

"تمہیں نہیں پتا اس کا مجھ پر کتنا احسان ہے؟" وہ تو بستر سے نیچے اتر کر کھڑی ہو گئی۔

"بیٹا! آپ ابھی نہیں جا سکتیں۔ کل آپ کو گھر لے جائیں گے پھر مل لینا اس سے۔" کرنل صاحب نے اسے پیار سے سمجھایا۔ پھر وہ چپ کر کے بیٹھ تو گئی مگر مسلسل خلاؤں میں کچھ تلاش کرتی رہی۔ اسے وہ معصوم سی پیاری شکل والی لڑکی یاد آ رہی تھی جس نے اپنی جان پر کھیل کر اسے بچایا تھا۔ پھر تو اسے سارا منظر ہی یاد آ گیا۔ کیسے ایک دم گولیاں چلیں اور کس طرح ندا نے اسے دھکا دے کر اس کے حصے کی گولیاں اپنے سینے پر لے لیں۔ ایک دم ہی وہ خوفزدہ ہو گئی اور آنکھیں زور سے میچ لیں اس کے ہونٹ ہولے ہولے لرز رہے تھے وہ کیا کہہ رہی تھی کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مگر اس کے دل میں کس درد کی شدت اٹھ رہی تھی یہ سب جانتے تھے۔ کرنل صاحب نے بڑے پیار سے اسے سہارا دے کر تکیے پر لٹایا اور

بڑی شفقت سے اس کے ماتھے کو چھوا۔

"اللہ کو یاد کرو بیٹا اور اس کا شکر ادا کرو وہ کسی کو بے بس نہیں رہنے دیتا۔"

انہوں نے اپنی بچی کے دلی سکون کے لئے اپنے دل کی گہرائیوں سے دعا کی اور پ
اشارے سے باہر جانے کو کہا" تانیہ کو اس کا خیال رکھنے کا کہہ کر باہر نکل گئے۔

"جانے وہ کس کرب سے گزر کر آئی ہے جانے اس پر کون سی قیامت گزری ہے"
بہت دکھ بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ "ہم نے اس کے انتظار اور جدائی میں کیسی کیسی
قیامتیں دیکھی ہیں وہ تو آگ کا دریا پار کر کے آئی ہے۔" سمیر کو وہ وقت یاد کرتے ہی جھرجھری
آ گئی۔ جب ان کا ایک ایک پل ہزار پل جیسا ہو گیا تھا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" اس نے فوراً خدا کا شکر ادا کیا جس نے انہیں اس عذاب نا
آزمائش سے نکالا تھا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین سے مل کر انہیں طوبیٰ کے بارے میں بتا کر وہ جلد ہی واپس گھ
طرف چل دیئے۔ گیتی آرا کے والد ان کے محلے دار بھی تھے اور بہت اچھے دوست بھی اُ
وہ ایک فوجی حوالدار تھے مگر آرمی میں ان دونوں کا بہت عرصہ ساتھ گزرا تھا اور پھر دوست
پڑوسی ہونے کے ناتے ان کے گھر میں سوگ کا پہلا کھانا بھی ان کی طرف سے جانا تھا
کے لئے وہ آتے وقت سعدیہ خان کو کہہ آئے تھے کہ انتظامات کروالیں۔

☆======☆======☆

ان کا چھوٹا سا گھر لوگوں سے بھرا پڑا تھا۔ اتنا رش تھا کہ واقعی تل دھرنے کو جگہ نہ تھ
کچھ تو ان کے اپنے رشتہ دار بہت تھے اور کچھ محلے میں ان کا اخلاق بہت اچھا تھا۔ گیتی آر
والدہ ہر ایک کے دکھ سکھ میں فوراً پہنچا کرتی تھیں اس کے ابا نے بھی سب کے ساتھ بن
رکھی تھی اور کچھ اب گیتی آرا کے شوبز میں آ جانے کی وجہ سے اس کا اپنا میل جول بہت ز
تھا۔ ہر طرف سے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں کہیں سے دبی دبی سسکیاں ابھر رہی تھیں
کہیں باقاعدہ آواز کے ساتھ رویا جا رہا تھا۔ گیتی آرا کی دونوں پھوپھیاں چونکہ گاؤں
رہتی تھیں کچھ جہالت کا اثر تھا کچھ غربت کا اس لئے انہیں اتنا شعور نہ آ سکا تھا وہ اب بھی
کر کر کے اپنے پیارے بھائی کو رو رہی تھیں ثمینہ کی تو ہچکیاں ہی نہ رک رہی تھیں۔

ایک وہ تھی جو بس ایک ٹک اپنے ابا کو دیکھے جا رہی تھی اور آنسو اس کی آنکھوں سے
جا رہے تھے۔ چھوٹی بہنیں ماں سے لپٹی بیٹھی تھیں ثمینہ نے اسے بتا دیا تھا کہ باہر انیق بھ
اور خالد خان آ چکے ہیں اور کفن دفن کے سب انتظامات میں وہی آگے آگے ہیں۔

اس کا جی تو چاہا کہ کہہ دے کہ انیق اور خالد میرے باپ کے کفن پر اپنا غلیظ پیسہ نہ لگانا
مگر اپنے ضمیر کے آگے وہ خود شرمندہ تھی اس کا اپنا روپیہ کہاں سے حلال تھا اس کی زبان سلی
ہی رہ گئی۔ انیق یزدانی کو یوں غمزدہ حالت میں آگے آگے دیکھ کر کرنل صاحب کو بالکل اچھا نہ
لگا تھا بلکہ ان کا تو خون ہی کھولنے لگا تھا لیکن وہ زبان بندی کے لئے مجبور تھے اور وہ ایسا
زبردست ایکٹر تھا کہ لگ رہا تھا سب سے زیادہ دکھی وہی ہو۔

"السلام علیکم انکل۔" کچھ دیر بعد وہ وہاں سے اٹھ کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"وعلیکم السلام۔" انہیں کہنا ہی پڑا پھر وہ گیتی کے والد کا افسوس کرنے لگا۔

"اللہ بخشے وہ نہایت نیک انسان تھے اور میرے لئے تو بہت ہی محترم تھے۔" وہ سر
جھکائے آنکھوں میں آنسو بھرے بیٹھا تھا۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں مرنے والا جنتی تھا اس نے اپنی زندگی میں بڑے رنج اٹھا
لئے۔"

پاس بیٹھے مرزا صاحب کہنے لگے۔

مرحوم کا اپنا بیٹا تو بہت چھوٹا تھا اور باقی کے غریب رشتہ دار بیچارے آگے بڑھنے سے
یوں کترا رہے تھے کہ خالد خان اور انیق یزدانی کی بھاری شخصیتوں کا بوجھ ان کی چھوٹی سی
عزت نفس برداشت نہ کر رہی تھی لہٰذا وہ کچھ دور دور ہی رہے۔ قبرستان سے واپسی پر اس نے
کھانا دینے کی بھی بہت کوشش کی وہ بار بار اصرار کر رہا تھا مگر کرنل صاحب نے ذرا سختی سے
کہہ دیا۔

"میاں! پہلا حق اپنے عزیز رشتہ داروں یا پڑوسیوں کا ہوتا ہے۔ آپ ہمیں اس حق
سے محروم نہ کریں۔"

"انکل آپ خفا نہ ہوں بے شک یہ حق آپ ہی کا ہے۔" وہ بہت سعادت مندی سے
بولا۔

"تو بس پھر آپ اپنے اور کام کیجیے۔" وہ زیادہ لفٹ دینا نہ چاہتے تھے اس لئے دوسری
طرف چلے گئے۔

سمیر تو خیر اس طرف آیا ہی نہ تھا اسے تو جانے کیوں اسے دیکھ دیکھ کر ہی تاؤ آتا تھا
حالانکہ یہ بات ابھی تک نہ کرنل صاحب کو معلوم تھی نہ سمیر کو بلکہ سوائے گیتی یا طوبیٰ کے کسی کو
بھی خبر نہ تھی کہ طوبیٰ کو تین روز حبس بے جا میں رکھنے والا اور اس کے اہل خانہ کو عذاب میں
مبتلا کرنے والا یہی شیطان تھا پھر بھی انہیں اس شخص سے نفرت ہی محسوس ہو رہی تھی۔

☆======☆======☆

"دیکھا تھا تم نے اس کرنل صاحب کا رویہ۔" واپسی پر وہ غصے سے کھولے جا رہا تھا۔

"رسی جل گئی مگر بل ابھی باقی ہے۔" خالد خان نے گلی کا موڑ کاٹتے ہوئے اس کی طرف جھک کر معنی خیزی سے کہا۔

"ہونہہ بل۔" وہ غصے سے اپنے ہاتھ پر مکے مارنے لگا۔ "بل تو میں اس رسی کا ایک ایک نکال دوں گا اور ایسا کس کے کھینچوں گا کہ اس کے تار تار سے بل کا نشان بھی جاتا رہے گا۔" وہ دانت کچکچا کر بولا۔

"اس نے اسے چھپا کہاں رکھا ہے' کیونکہ گھر میں تو وہ نہیں ہے۔" اب خالد خان اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

"وہ ایک کلینک میں ہے۔" اس نے بڑے آرام سے بتایا تو خالد کو حیرانی کا دھچکا لگا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے اور تم۔" وہ اس کی خاموشی اور سکون پر حیران تھا۔

"تم نے ہی تو کہا تھا کہ چوہیا کو بل سے نکال کر مارنا چاہیے۔" وہ مکاری سے مسکرایا۔

"اچھا تو یہ پلان ہے۔" اگلے ہی لمحے وہ بھی مطمئن ہو گیا اسے انیق کی شیطانی توتوں پر پورا بھروسا تھا۔

"پلان تو میرا اب انہیں ساری زندگی تڑپانے کا ہے اس لئے میں ان کے لئے ہرگز پریشان نہیں' یہ جائیں گے کہاں مجھے تو جلدی ہے گیتی آرا سے بدلہ لینے کی۔" وہ مسکراتا ہوا تفصیل سے بتانے لگا۔

"کیا مطلب؟" خالد کچھ سمجھا کچھ نہ سمجھا۔

"مطلب! مجھے اب طوبیٰ نہیں چاہیے۔ گیتی چاہیے۔" اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

"یعنی؟" خالد گہرائی تک جانا چاہتا تھا۔

"یعنی! طوبی میرے لئے بے کار ہے۔ تم جانتے تو ہو زخمی شکار کی اہمیت میرے لئے مردہ ہی ہوا کرتی ہے۔ مجھے تو شکار کو زندہ پکڑنے کا مزہ آتا ہے۔" اب وہ پورا ابلیس بن گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ انتقام کی آگ میں تپنے لگا اور جل کر کالا سیاہ ہو گیا۔ "طوبیٰ میرے ہاتھ سے نکل تو گئی مگر جو زخم وہ اپنے ساتھ لے گئی ہے وہ میں زندگی بھر بھرنے دوں گا نہ بھولنے' وہ پل پل یاد کرے گی کہ یہ زخم اسے انیق نے دیئے ہیں میرا نام تو وہ قبر میں بھی ساتھ لے کر جائے گی۔" اب وہ دانت پیستا خوفناک درندہ لگ رہا تھا جو اپنے دانتوں کو

دانتوں سے ہی رگڑ کر تیز کر رہا تھا۔

"یہ زندگی طوبیٰ اور اس کی گھر والوں کے لئے جہنم نہ بنا دوں تو مجھے انیق نہ کہنا۔" اس نے اپنی صلاحیتوں پر تکبر کرتے ہوئے خود کو چیلنج کر دیا۔

"گڈ...... ویری گڈ۔" ساری بات کی گہرائیوں کو جان کر خالد خان نے اسے داد دی۔

"اصل کام تو اب گیتی کو گھر سے باہر نکالنے کا ہے کیونکہ اب وہ آسانی سے نکلے گی نہیں۔" طوبیٰ کو چھوڑ کر وہ گیتی کو ڈسکس کرنے لگا۔

"نکلے گی ضرور نکلے گی۔" خالد خان نے یقین سے کہا۔

"ہوں تو اسے ہے نہیں مجبوری سے بندھی ہوئی تھی۔ باپ مر گیا وہی اس کی مجبوری تھی اب وہ کس کے لئے نکلے گی۔" انیق کو کچھ پریشانی تھی۔

"اب بھی مجبور ہو کر ہی نکلے گی۔" وہ مکاری سے ہنسا۔

"مطلب؟" اس بار انیق نے مطلب پوچھا۔

"مطلب وہ ویڈیو کیسٹ کب کام آئیں گے۔" اس نے آنکھ مار کے اپنا گھٹیا پن دکھایا۔

"ارے ہاں وہ کیسٹ۔" انیق بھی خوش ہو گیا دونوں کا مشترکہ قہقہہ گاڑی سے نکل کر باہر فضاؤں میں دور تک گیا۔

☆======☆======☆

طوبیٰ کی حالت جیسے ہی ذرا سنبھلی وہ اسے گھر لے آئے۔ اب تک کوئی غیر معمولی واقعہ نہ ہوا تھا اور کچھ کرنل صاحب اور زیدی صاحب بہت زیادہ راز داری اور احتیاط سے بھی کام لے رہے تھے۔ اپنے خیال میں انہوں نے کسی کو ہوا بھی نہ لگنے دی تھی کہ طوبیٰ زخمی تھی اسے ہسپتال کب لے جایا گیا اور کب واپس لایا گیا مگر انہیں یہ خبر نہ تھی کہ جن لوگوں سے ان کا واسطہ پڑا تھا ان کی انٹیلی جینس تو ان سے بھی تیز اور متحرک تھی۔ انہیں تو پل پل کی خبر تھی لیکن وہ فی الحال چپ تھے' کسی نئے موڑ پر چونکا دینے کی تیاری کر رہے تھے۔

"اللہ کا شکر ہے کہ میری بچی کی جان بخش دی اس نے۔" گھر آتے ہی سعدیہ خان نے شکرانے کے نفل ادا کیے اور صدقہ و خیرات کرنے کے لئے دوڑیں۔

وہ اپنے کمرے میں بالکل چپ لیٹی کمرے کی چھت کو مسلسل گھورے جا رہی تھی اس کے کندھے کا زخم صرف بہتر ہوا تھا نہ تو بھرا تھا نہ اس کا درد گیا تھا ہلکا ہلکا درد مسلسل تھا اور بازو رکھتے اٹھاتے وقت تو اچھا خاصی ٹیسیں اٹھتی تھیں۔ حالانکہ گھر میں سب لوگ اسے بہت پیار

کر رہے تھے مگر جانے کیوں وہ کسی سے نظریں نہ ملا پا رہی تھی بار بار ایک احساس اسے ڈنک مار رہا تھا کہ وہ تین راتیں اور چار روز مسلسل گھر سے غائب رہی تھی اور ایسی جگہ پر ایسے لوگوں کے درمیان رہی تھی جو جو.....'' اس کے آگے وہ کچھ نہیں سوچ سکتی تھی مگر کالے کالے ہیولے اسے ڈرانے لگتے تھے۔

''میں اغوا ہوگئی تھی اغوا۔'' یہ لفظ برچھیوں کی طرح اس کا سینہ چھلنی کر رہا تھا اس کی آنکھیں ایک لمحے کو خشک نہ ہو رہی تھیں۔

''ہائے اب میں کیسے جی پاؤں گی۔ میرے گھر والے میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے؟'' یہ خیال اس کے دل کا سب قرار نوچ کرلے جاتا۔

''میری بچی میری جان! کیسی پیلی پڑ گئی۔'' سعدیہ خان اس کے قریب آکر بیٹھ گئیں۔

''اور کیا' دیکھیں تو آنکھیں کیسی اندر کو دھنس گئیں۔'' فائزہ خان بھی اسے چمکارنے لگیں۔

''لو اٹھ کر بیٹھو یہ جوس پی لو۔'' انہوں نے بھتیجی کو پیار سے گلے میں باہیں ڈال کر اٹھانا چاہا۔

''اُف۔'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

''کیا ہوا۔'' انہوں نے جلدی سے دیکھا دراصل ان کا ہاتھ کافی سختی سے اس کی گردن کے اس حصے کو دبا گیا تھا جہاں اس درندے نے اپنی وحشت کے کئی نشان چھوڑ دیئے تھے۔ جلی ہوئی جگہ پر ہاتھ لگنے سے درد بڑھ گیا تھا۔

''ہائے کیسے ظالم درندے تھے وہ۔'' بے ساختہ ہی فائزہ خان کے منہ سے نکل گیا۔ جس پر طوبیٰ کا چہرہ ایک دم دھواں ہوگیا۔

''ان کے دل میں ذرا رحم نہیں آیا ہوگا۔'' وہ غور سے اس کی گردن کو دیکھنے لگیں۔

''جانے بدبختوں نے معصوم بچی کے ساتھ اور کیا کیا ہوگا۔''

وہ اپنے خیال میں یہ سب محبت اور ہمدردی میں کہہ رہی تھیں مگر انہیں علم نہ تھا ان کی یہ باتیں ناخن بن کر طوبیٰ کے زخم چھیل رہی ہیں۔

''امی جان پلیز۔'' وقاص نے بالآخر ماں کی سرزنش کر ہی دی۔

''میں تو یہ زخم دیکھ کر کہہ رہی تھی کہ بچی کا کیسا حشر کر دیا۔ ان ظالموں نے۔'' وہ کچھ شرمندہ سی ہوگئیں مگر ان کے لبوں سے نکلے الفاظ تیر بن کر اپنا کام کر چکے تھے۔ طوبیٰ کی ذہنی حالت حالت پھر بگڑنے لگی تھی وہ اپنا چکراتا سر تھام کے زور زور سے رونے لگی تھی۔

''پھپھو! میرے ساتھ اور ایسا کچھ نہیں ہوا۔ میں بے گناہ ہوں بے قصور ہوں۔ امی امی آپ انہیں بتائیں ناں کہ اس میں میری کوئی خطا نہ تھی۔ تانیہ تم بتاؤ میں' میں آج بھی بالکل ویسی ہی ہوں۔'' وہ بے بس ہوئی جا رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کس طرح سمجھائے کہ وہ ویسی ہی پاک ہے اس کے دامن پر کوئی داغ نہیں مگر وہ کیسے یقین دلاتی؟ یہ احساس اس کے دماغ کو جلا رہی تھی۔ اس کے سر کی نسیں پھٹنے والی ہو رہی تھیں۔

''میرے ساتھ کچھ نہیں ہوا جو آپ سمجھ رہے ہیں ایسا کچھ نہیں ہوا۔'' وہ چیخ چیخ کر کہنے لگی۔

''طوبیٰ' طوبیٰ ہوش کرو۔ پاگل مت بنو۔'' سعدیہ خان اسے سنبھالنے لگیں مگر وہ تو بکھر رہی تھی سنبھلتی کیسے۔

''اماں' اماں میرا یقین کریں خدا گواہ ہے اماں۔'' وہ بچوں کی طرح مچل مچل کر انہیں یقین دلانے لگی۔

''میری جان' اماں تم پر قربان' مجھے یقین ہے مجھے پتا ہے تم' تم پریشان مت ہو۔'' انہوں نے اس کا سر اپنی گود میں چھپا لیا وہ انہی کے جسم کا حصہ تھی۔ بھلا وہ کیسے نہ جانتیں جسم کے اگر کسی حصے سے بدبو آنے لگے گی تو کیا اس کا احساس باقی جسم کو نہ ہوگا اور ماں تو اس سارے نظام کا وہ حصہ ہوتی ہے جو سب سے پہلے محسوس کرتی سنتی اور دیکھتی ہے۔ ان کی بچی بے گناہ تھی۔ بے خطا تھی ویسی ہی پاک تھی انہیں اس کے بدن سے ویسی ہی میٹھی میٹھی خوشبو آ رہی تھی جیسے انہیں بچپن میں اس سے آیا کرتی تھی۔ وہ خوشبو جو ان کے سینے میں ممتا کے جذبات کو ابھارا کرتی تھی اور وہ بے ساختہ اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا کرتی تھیں چوما کرتی تھیں اب بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔

''میری بچی میری گڑیا۔'' وہ رو پڑیں۔

''دیکھو ادھر میری طرف دیکھو' میں ہوں تمہارا یقین۔ تمہاری گواہ' میں گواہی دیتی ہوں تمہاری پاکیزگی ویسی ہی نئی نویلی ہے جس پر قسم کھائی جائے۔ تمہارے بدن کی چادر ویسی ہی صاف ستھری اور نکھری ہوئی ہے۔ اس پر غلاظت کا کوئی داغ نہیں۔ نشان تو کچھ ہوا کرتے ہیں۔ آتی جاتی ہوا بھی مٹی اڑا کر گزر جائے تو وہ مٹی سفید رنگ پر جم جاتی ہے لیکن پھر دھلنے سے اتر جاتی ہے نشان اور داغ میں فرق ہوتا ہے۔'' وہ اسے گود میں چھپا کر خود سے لپٹا کر پیار کر رہی تھیں اور اس کی پاکیزگی کی گواہی دیئے جا رہی تھیں۔

مگر اس کا ہچکیاں کھاتا جسم تو جیسے کسی زلزلے کی زد میں تھا اور اب بس ایک ہی ورد

کیسے جا رہا تھا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" فائزہ خان بہت زیادہ شرمندہ ہو گئی تھیں۔ انہیں وہم بھی نہ تھا کہ معاملہ ایسا سنگین ہو جائے گا۔

"طوبیٰ! طوبیٰ بیٹا میرا یہ مطلب نہ تھا۔ بھابی میں یہ نہیں کہہ رہی تھی۔" وہ بے بسی سے اپنی صفائی پیش کرنے لگیں۔

"امی جان آپ آئیں میرے ساتھ۔" وقاص بھی نادم سا ہو کر ماں کو اپنے ساتھ لے گیا۔

"تانیہ! اپنے بابا جان کو بلاؤ۔" طوبیٰ کو سنبھلتا نہ پا کر سعدیہ خان پریشان ہو گئیں۔

"جی اماں۔" وہ باہر کو بھاگی کہ کہیں اس کے بابا گھر سے نکل نہ جائیں جو ابھی کہیں ضروری کام سے جانے کو نکلے تھے۔

☆======☆======☆

"گیتی! میں جانتا ہوں کہ تمہارا غم پہاڑ جیسا ہے۔ مگر اس کو سہنے کے لئے تمہیں تو اپنا دل بڑا کرنا پڑے گا۔" جہلم سے فارغ ہو کر وہ آج گیتی سے بات کر رہا تھا۔ ان سارے دنوں میں وہ سب سے آگے تھا اس نے اس کے گھر والوں کی بہت ڈھارس بندھائی تھی۔

"خالہ جان! آپ ہی اسے سمجھائیں۔" اس نے گیتی کی ماں سے درخواست کی اب وہ بھی انیق کو اپنا بیٹا ہی سمجھنے لگی تھیں۔

"میں کیا کہوں؟" وہ جو خود دکھ کے منوں بوجھ تلے دبی ہوئی تھیں اسے بس دیکھ کر رہ گئیں۔

"دیکھیں اس نے اپنی حالت کیا بنالی ہے چلیں اسے کہیں ذرا آرام کر لے۔ اٹھو۔" وہ بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھام کے اسے اٹھانے لگا۔ وہ جو اس کے ساتھ نفرت کے جذبے اپنے اندر محسوس کرنے لگی تھی۔ اسے لگا کہ آج بھی اس کے دل میں پرورش پانے والی محبت زیادہ مضبوط ہے اس کی جڑیں بہت گہرائی تک دور دور پھیلی ہوئی تھیں یہ نفرت تو بالکل ایک خودرو ننھا سا پودا تھا جو کسی گھنے پیڑ کے قدموں میں خود ہی کہیں سے پھوٹ پڑے اور پھر خود ہی ختم ہو جائے۔

"چلو اٹھو۔" وہ اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط گرم گرم ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔

"ثمینہ بہنا تم ہمارے لئے گرم گرم چائے بنا کر لاؤ میرا بھی سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔" وہ وہیں ٹانگیں پسار کر اس کے ساتھ والی کرسی پر ہی بیٹھ گیا۔

"بیٹا! تم نے ہمارا بہت ساتھ دیا ہے۔" گیتی کی امی کی آواز بھرا گئی۔

"بیٹا تو ہوتا ہی دکھ سکھ بٹانے کے لئے ہے۔ بلکہ دکھ بٹانے اور سکھ دینے کے لئے۔" وہ سعادت مندی سے سر جھکا کر مسکرا دیا۔

باتوں کا فن اسے خوب اچھی طرح سے آتا تھا اور وہ جانتا تھا کہ کس وقت پر کن الفاظ کو استعمال کرنا ہے۔

"خالہ جان انکل کی وفات نے تو یقین جانیں میرا بھی حوصلہ چھین لیا ہے۔" وہ جذباتی ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ گیتی نے چوری سے دیکھا اسے لگا اس کی آنکھوں میں نمی بھی تھی۔ وہ جانتی تو تھی کہ یہ ڈرامہ کر رہا ہے مگر پھر اس کا دل اسے سچ ماننے کو چاہ رہا تھا۔

"کاش انیق تم سچ مچ اسی طرح کے ہوتے۔" اس نے سوچا۔

"آپ مجھے اپنا سچ مچ کا بیٹا ہی بنالیں، انکل کے بعد تو میرے فرائض اور بھی بڑھ گئے ہیں۔" اس نے بڑی ذومعنی اور گہری بات کہہ دی۔ ایسی بات جس پر گیتی آرا کا دل ایک لمحے کو دھڑکنا ہی بھول گیا۔ اس کی امی بھی یہ سن کر ششدر ہی رہ گئیں ان کے دل میں بھی اب خواہش جنم لے چکی تھی کہ گیتی اور انیق کی شادی ہو جائے۔ وہ اکثر سوچا کرتی تھیں جانتی تو تھیں کہ گیتی انیق کو بہت چاہتی ہے مگر انیق کی دولت اور اپنی غربت کو دیکھ کر چپ ہو جاتی تھیں۔ اب ان کے دل سے ایک دم ہی دعا نکلی۔ "اللہ کرے ایسا ہو جائے۔"

"اچھا بیٹا تم بیٹھو میں چائے بھجواتی ہوں۔" وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئیں۔

انیق نے یہ دن کس اذیت میں گزارے تھے وہی جانتا تھا۔ خدا خدا کر کے تو آج وہ گیتی سے مل رہا تھا۔

"اپنا دکھ مجھے دے دو۔" اس نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں اسے ختم کر دوں گا۔ وعدہ۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بڑے یقین سے بولا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اس دکھ کو واقعی ختم کر دے گا۔

"گیتی! یقین کرو مجھے واقعی تم سے محبت ہو گئی ہے۔ تم نے مجھے جیت لیا ہے۔" وہ بے خود ہو گیا۔

"کیا...... محبت مجھ سے؟" اس کا دل ہواؤں میں اُڑنے لگا۔ اسے یہ بھی خبر تھی کہ انیق نہیں کہہ رہا تھا مگر اسے سچ مان لینے کو اس کا دل چاہ رہا تھا۔ سو وہ بھی اسے جھوٹ موٹ ہی نا مگر مان ہی گئی۔ یہ عشق شاید ہمیشہ سے ایسا ہی ہے گھاٹے کا سودا کہ کرنے والا اپنا تن من قربان کرنے پر بھی راضی رہتا ہے اس پر جو اس کے ساتھ محبت نہ کرتا ہو بلکہ دھوکہ دیتا رہا

ہو۔ جھوٹ کو سچ اور خواب کو حقیقت ماننا عشق کی عادت بن جاتا ہے۔ وہ بھی انیق کے ہر
جھوٹ سچ مان لیا کرتی تھی اسے بھی مان گئی۔

''اب تم آفس آنا شروع کرو۔'' ثمینہ چائے لے آئی تو اس نے بات بدل دی۔

''میں آفس؟'' وہ تذبذب کا شکار ہوگئی۔

''ہاں بھئی آفس؟'' اس نے اپنی بات پر زور دیا۔

''انیق! اب میں ماڈلنگ نہیں کروں گی۔'' اس نے کوشش کر کے کہہ ہی دیا جس پر وہ
خاصا شاکڈ ہوا۔

''کیا ماڈلنگ نہیں کرو گی؟'' اس نے چائے کا کپ وہیں رکھ دیا۔

''ہاں میں یہ کام چھوڑنے کا عہد کر چکی ہوں۔'' وہ کچھ اعتماد سے بولی اس کے چہرے
پر فیصلہ کن ارادہ دیکھ کر سنبھل گیا۔

''اچھا اچھا ٹھیک ہے چھوڑو دفع کرو۔'' اس نے اپنا موڈ دوبارہ بہتر کر دیا۔

''ویسے بھی اب تمہیں اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔'' اس نے بڑے غور سے اس کے
چہرے کو تکتے ہوئے جانے کس سوچ سے کہا تھا مگر وہ کچھ اور سمجھی تھی۔

''مجھ سے ملنے پر تو پابندی نہیں۔'' وہ مسکرایا۔

''نہیں۔'' وہ شرما کر ہولے سے بولی۔

''اور میرے ساتھ کہیں جانے پر۔'' وہ پوچھنے لگا۔

''کہاں؟'' وہ گھبرا گئی۔

''میرے گھر۔'' وہ جذبات کے عالم میں بولا۔

''چلو گی ناں؟'' وہ آنکھوں میں گھس کر پوچھ رہا تھا۔

''ہاں۔'' وہ بمشکل کہہ پائی اور وہ خوش ہو کر مسکرا دیا۔

☆======☆======☆

طوبیٰ کی ذہنی حالت قطعی اچھی نہ تھی وہ کچھ بھی نہ بولتی تھی بس چپ چاپ لیٹی خلاؤں
میں کچھ تلاش کیا کرتی تھی یا پھر بولتی تو صرف اتنا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا میں بے خطا ہوں میں ویسی ہی ہوں۔'' اور اس کی اس حالت پر
کرنل صاحب' سعدیہ خان' تانیہ اور سمیر تڑپ تڑپ جایا کرتے تھے۔ فائزہ خان تو اس روز
ایسی شرمندہ ہوئیں کہ پھر اگلے ہی روز واپس کراچی چلی گئی تھیں۔

وقاص نے جاتے جاتے ماموں اور ممانی کے سامنے سر جھکا کر وعدہ کیا تھا۔

''میں جلدی دوبارہ امی ابو کو لے کر آؤں گا۔ ماموں جان! میں طوبیٰ کو اسی محبت سے
[ہی لے جاؤں] گا اور اس کے ذہن سے یہ سارا خوف اپنی محبت سے نکال پھینکوں گا۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دعا مانگی تھی۔

''میں آپ کا بیٹا ہوں مجھ پر بھروسا رکھیے گا۔'' جاتے جاتے بھی وہ کہہ رہا تھا اور اس
[کی] تسلی دینے پر عبدالصمد خان کو خاصا حوصلہ ہو گیا تھا ورنہ وہ تو بیٹی کی حالت دیکھ کر بہت
[ٹوٹ] ہو چکے تھے۔

''طوبیٰ! مجھے یقین ہے تم آج بھی ویسی پاکیزہ ہو جیسی اس سانحے سے قبل تھیں اور
[میری] محبت میں آج بھی وہی شدت اور سچائی ہے جو اول روز سے تھی میں آؤں گا طوبیٰ۔'' وہ
[اسے] بھی بہت تسلی دے کر اور وعدہ کر کے گیا تھا جس پر اس کی اداس آنکھوں میں بھروسے کی
[ایک] کرن جگمگائی تو تھی۔

''بابا جان! ہم لوگ کب تک چپ بیٹھے رہیں گے۔''

[س]میر کو آج بہت زیادہ غصہ تھا۔ آج پھر طوبیٰ کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔

''ہم کیا کریں؟ ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' وہ نہایت بے بسی سے بولے وہ خود طوبیٰ کو دیکھ
[ک]ر بہت پریشان تھے۔

''میں تو چپ نہیں رہوں گا۔'' وہ اپنے بھائی ہونے کی عزت سے مجبور تھا۔

''کیا کرو گے قتل کر دو گے اسے' پہلے تو ہمیں یقین ہی نہیں کہ یہ حرکت اس نے کی بھی
[ہے یا] نہیں' دوسری طرف طوبیٰ کی ذہنی حالت ایسی نہیں کہ اس سے کچھ پوچھا جائے اور پھر
[اس] معاملے کو ہم نے چھیڑا تو ہم خود ہی بدنام ہو جائیں گے۔ تم جانتے نہیں ہو بیٹیوں
[وا]لے کس قدر مجبور ہوتے ہیں۔'' وہ کرب کی انتہائی کیفیت سے دوچار تھے۔

''بابا! آپ طوبیٰ کو نہیں دیکھ رہے۔'' اب وہ کچھ نرم تو پڑا لیکن اپنے درد کی شدت کو پھر
[بھی] نہ چھپا سکا۔

''اسی کو تو دیکھ رہا ہوں کیا وہ مزید کوئی بات برداشت کر سکے گی۔ ابھی تو ہماری محبتوں
[کا تما]شا کی ہو گئی ہے لوگوں کی باتیں سوچو لوگ اگر جان گئے تو کیا زندہ رہنے دیں گے''
وہ ڈھے سے گئے ان کے چہرے پر برسوں کی گرد جمی ہوئی تھی۔

''بابا جان پلیز۔'' وہ باپ کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھ کر اور پریشان ہو گیا۔

''بس اب ہمیں طوبیٰ کو سنبھالنا ہے۔ باقی کا سب معاملہ میں نے خدا کے سپرد کر دیا۔''
[بڑ]ے فوجی افسر اور بااختیار ہونے کے باوجود بیٹی کی عزت کے آگے ریت بن کر بکھر

گئے تھے ورنہ وہ چاہتے تو اپنے حریف کو نیست و نابود کر سکتے تھے مگر لوگ......لوگ کیا کہیں
اسی ڈر سے وہ چپ ہو گئے۔

''بابا جان! ایک بار طوبیٰ آپی نے گیتی آرا کا نام لیا تھا۔'' سمیر نے کچھ یاد کرتے ہو
کہا۔

''ہاں لیا تو تھا۔'' انہیں بھی یاد آ گیا۔ ''گیتی تو کل بھی آئی تھی طوبیٰ کو دیکھنے۔'' وہ ذ
پر زور دے رہے تھے۔

''ہاں مگر انہوں نے تو ذکر تک نہیں کیا نہ کچھ پوچھا نہ کچھ بتایا۔'' سمیر کہنے لگا۔ ''
انجان بن رہی ہیں سارے معاملے سے۔'' اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے وہ ہماری وجہ سے چپ ہو۔'' کرنل صاحب نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''ہماری وجہ سے کیوں؟''

''وہ اس لئے کہ کہیں ہم شرمندہ نہ ہوں یا ہمارا دل نہ دکھے۔'' انہوں نے وضاحت
کی۔

''تو پھر ہم ان سے خود پوچھ لیتے ہیں۔'' اس نے تجویز پیش کی۔

''مگر اس کا فائدہ؟''

''فائدہ یہ کہ کم از کم اپنے دشمن سے چوکنے تو رہیں۔'' سمیر بہت زیادہ سمجھدار تھا
لئے دور اندیشی کی باتیں کیا کرتا تھا۔

''ٹھیک ہے اب گیتی آئے گی تو بات کر لیں گے۔''

''صاب! یہ آپ کا پیکٹ ایک آدمی لایا ہے کہتا ہے یہاں دستخط کر دیں۔'' وہ باہر
میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے جب چوکیدار نے ایک خاکی لفافہ لا کر کرنل صاحب کے
میں تھما دیا۔

بڑی خوبصورت لکھائی میں اوپر ان کا نام لکھا ہوا تھا یہ لکھائی پہلے کبھی ان کی نظروں
نہ گزری تھی۔ انہوں نے پلٹ کر لفافہ دیکھا دوسری طرف بھیجنے والے نے اپنا نام اور پتا
لکھا تھا۔

''کیا ہے؟ کس نے بھیجا ہے؟'' سمیر نے لفافہ ان کے ہاتھ سے لے کر دیکھا
کچھ حیران ہی تھا۔

یہ لفافہ بڑی مشہور کوریئر سروس کے ذریعے بھیجا گیا تھا جن کی ڈلیوری سب سے
تھی۔

''صاب! یہاں دستخط کر دیں۔'' چوکیدار نے دوبارہ ان کی توجہ اس طرف دلوائی تو وہ
قلم نکال کر دستخط کرنے لگے۔

''کیا ہے اس میں؟'' سمیر اسے باہر سے جانچ پرکھ رہا تھا۔

''لاؤ دیکھتے ہیں۔'' انہوں نے پیکٹ اس کے ہاتھ سے لے کر کھولنا شروع کیا اندر
سفید لفافہ تھا جس پر ایک چھوٹی سی چٹ چسپاں تھی جس پر لکھا تھا۔

''امید ہے ناچیز کا یہ تحفہ پسند آئے گا۔'' اور نیچے ایک عجیب سا نشان ڈالا گیا تھا۔ جو کسی
... لگ رہا تھا۔

انہوں نے دھڑکتے دل سے سفید لفافہ چاک کیا۔ تو دو تین رنگین تصویریں گر پڑیں۔
نظریں پڑتے ہی وہ لڑکھڑا گئے۔

''میرے اللہ۔'' ان کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا۔

سمیر نے جھٹ وہ تصویریں اٹھا کر الٹی کر دیں اور دوبارہ لفافے میں ڈال دیں۔ کیونکہ
قابل تھیں ہی نہیں کہ ان پر دوسری نظر ڈالی جا سکے۔

''بابا! آپ چلیں اندر۔'' اس کے اپنے ہاتھ پاؤں یخ ہو رہے تھے وہ کرنل صاحب کو
لے کر اندر لایا۔

''یہ مجھے دے دو۔'' انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے ایسے کہا جیسے وہ چوری کرنے جا
رہے ہوں۔ سمیر نے چپ چاپ لفافہ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔

''اب وہ گھٹیا ہتھکنڈے استعمال کریں گے۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکے باقی کی بات ان کے
حلق میں اٹک کر رہ گئی تھی۔

''اگر ہم مزید چپ بیٹھے رہے تو وہ جانے کیا کیا کریں گے۔'' سمیر کے تو سر سے پاؤں
تک جل اٹھتے تھے۔

''میں تو شوٹ کر دوں گا اسے۔'' وہ آپے سے باہر نکلا۔

''یہ وہی ہے بابا آپ مان لیں یہ وہی ہے وہی اس قدر ذلیل ہو سکتا ہے میں......میں

وہ اپنی عمر سے بہت بڑا لگ رہا تھا کرنل صاحب نے بنا کچھ کہے بس اپنا کانپتا ہوا ہاتھ
اس کے کندھے پر رکھ دیا وہ اس وقت اس قدر بے بس لگ رہے تھے کہ سمیر کو رونا آ گیا۔

☆======☆======☆

''طوبیٰ، طوبیٰ، طوبیٰ......بس کرو اب جب سے تم واپس آئے ہو تم نے یہی رٹ لگا

رکھی ہے۔'' محمد احمد خان نے نہایت غصے سے بیٹے کو ڈانٹا۔

''تو ابو آپ کیوں اس کے نام سے الرجک ہو رہے ہیں۔'' وہ تھوڑا سا انڈر ریاشا
ہو گیا تھا ان دنوں اس لئے باپ کے سامنے بولنے لگا تھا۔

''اس لئے کہ اب وہ طوبیٰ نہیں ہے؟'' وہ بھی آنکھیں نکال کر بولے۔

''تو کیا ہوا اسے اب؟'' اس نے ان آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈال دیں۔

''یہ اپنے آپ سے پوچھو۔'' ان سے جواب نہ بن پڑا تو الٹا اسے کہنے لگے۔

''میرا جواب وہی ہے کہ وہ وہی طوبیٰ ہے بلکہ وہ تو اب مظلوم ہے ابو! ابو اس کے ساتھ
جو ہوا اس میں اس کا کیا قصور تھا؟ بتائیں یہ کسی کے بھی ساتھ ہو سکتا تھا۔'' وہ باپ کو سمجھانے
لگا۔

''اس کا قصور نہیں ہے مگر جو ہوا وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں جسے بھلا دیا جائے۔'' وہ بڑے
ضدی تھے اپنی بات پر اڑ جاتے تو انہیں کوئی نہ ہٹا سکتا تھا۔

''اگر یہ سب ہماری رابعہ کے ساتھ ہو جاتا۔'' اس نے حقیقت دکھانا چاہی۔

''شٹ اپ وقاص، بند کرو اپنی بکواس جو منہ میں آتا ہے بکتے چلے جاتے ہو۔'' وہ ایک
دم آگ بگولہ ہو گئے۔ انہیں یوں بگڑتا دیکھ کر فائزہ خان کی تو جان ہی نکل گئی۔

''بے غیرت بدتمیز شرم نہیں آتی اپنی بہن کا نام لیتے ہوئے۔'' وہ کھولے جا رہے تھے۔

''وہ بھی کسی کی بہن اور بیٹی ہے ذرا ان کا سوچیں۔'' وہ تو باپ کو آئینہ دکھانے پر تلا
تھا۔

''چلو، چلو وقاص تم یہاں سے۔'' فائزہ خان نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔

''قصور ہو یا نہ ہو مگر طوبیٰ میری بہو نہیں بنے گی ہرگز نہیں بنے گی۔'' وہ اس کی بات
وہیں سے کاٹ کر دھاڑے۔

''ابو پلیز ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں۔'' وہ نرمی سے منت کرنے لگا۔

''نہیں، نہیں ہرگز نہیں۔ تم مجھے سمجھانے کی بجائے خود سمجھو تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' وہ دو ٹوک
انداز میں بڑی سختی سے کہہ کر چلے گئے۔

''امی! آپ بھی ابو کو نہیں سمجھا رہیں۔''

''اس میں طوبیٰ کی کیا خطا؟'' وہ ماں کے سامنے چھوٹا بچہ بن کر رو دیا۔

''جانتی ہوں مگر تمہارے ابو کو میں نہیں سمجھا سکتی۔'' وہ خود ہار چکی تھیں انہیں سمجھا کر
اور وہ احمد خان کی نیچر جانتی تھیں وہ صرف اپنی مرضی کرنا جانتے تھے انہیں صرف اپنے

سے محبت تھی۔ وہ محبت کرتے تھے اس سے مگر اس میں ان کی مرضی اور حکم کا دخل ہوتا تھا وہ تو
خود بعض اوقات خود کو احمد خان کے سامنے چھوٹا محسوس کیا کرتی تھیں۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ ابو سے کہہ دیں اگر وہ اپنی بات پر اٹل ہیں تو میں بھی اپنی کر
کے رہوں گا۔'' اس نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''وقاص دیکھو ایسا کچھ نہ کرنا۔'' وہ باپ بیٹے کی اس خانہ جنگی سے گھبرا چکی تھیں۔

''نہیں میں اپنی مرضی کرنے کا حق رکھتا ہوں اور کروں گا۔''

وہ بھی غصے سے پاؤں پٹختا باہر نکل گیا۔ وہ رابعہ کے سہارے سے اپنے کانپتے وجود کو
بمشکل سنبھال سکیں کہ کیا کریں ایک طرف باپ تھا اور دوسری طرف بیٹا۔

☆======☆======☆

''گیتی! یقین کرو میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔'' وہ اسے یقین دلانے کی
بھرپور کوشش کر رہا تھا۔

''مگر تم میرے متعلق تو سب کچھ جانتے ہو میں اس قابل نہیں ہوں کہ تمہاری شریکِ
حیات بنوں۔'' وہ اگرچہ خود یہی چاہتی تھی کہ کسی طرح سے اسے انیق کی قربت نصیب ہو
جائے مگر اپنے آپ سے ڈرتی تھی۔ وہ بھلا اب کہاں شریف لڑکی تھی وہ تو لٹی پٹی ہوئی چیز
تھی۔

''مجھے تم ہر طرح سے ہر حال میں قبول ہو۔'' وہ زمانے بھر کی محبتیں اپنے اندر سمیٹے
ہوئے تھا۔

''انیق جس راہ کے تم کھلاڑی ہو میں وہاں سے پلٹ آئی ہوں۔ مجھے تو اب باقی کی عمر
اپنے آپ کو مل مل کر دھونا ہے، پاک کرنا ہے کہ شاید میری غلاظت اتر جائے۔'' وہ اپنے آپ
سے اس قدر شرمندہ تھی کہ نظر نہ ملا سکتی تھی۔

''اور اگر میں کہوں کہ میں نے بھی ان راستوں کو چھوڑنے کا عہد کر لیا تو پھر بھی تم مجھے
ٹھکرا نہ کرو گی؟''

''سچ۔'' اسے تو یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

''ہاں گیتی تمہاری محبت نے مجھے بہت بدل دیا ہے اور اب اگر تم مجھے نہ ملیں تو میں تھکا
ہوا انسان کبھی صحیح راستہ تلاش نہ کر پاؤں گا۔''

اب اس درد کی آمیزش میں آنسو بھی شامل ہو گئے تھے۔

''انیق تم اس قدر بدل سکتے ہو۔'' وہ خوشی سے دیوانی ہو رہی تھی۔

''ہاں گیتی میں بہت بدل گیا ہوں میرا اعتبار کرو۔'' وہ اس کے قدموں میں بیٹھا
''اپنے ساتھ ساتھ میرے گناہوں کو بھی دھو ڈالو'' وہ اس کے ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔
''انیق' انیق میں تمہیں اپنی محبت سے عبادت کے راستوں پر لے جاؤں گی۔'' اس
ہاتھوں کو پکڑ کر رو دی۔

''تو پھر میں ہاں سمجھوں؟'' وہ بچوں کی طرح خوش ہو گیا۔

''ہاں۔'' وہ مسکرا دی اس کے دل سے منوں بوجھ اتر گیا تھا۔

اب زندگی کے کسی راستے پر مجھے تنہا تو نہ کرو گی؟'' وہ وعدہ لینے لگا۔

''کبھی نہیں۔'' اس نے پیمان باندھ لیا۔

☆======☆======☆

''گیتی بیٹا! اگر تم کچھ جانتی ہو تو ہمیں بتا دو پلیز۔'' ایک شام کرنل صاحب نے ا
بلوا ہی لیا۔ انہوں نے اسے اعتماد میں لے کر ساری بات بتا دی۔

''میں' میں انکل۔'' وہ اس نئے امتحان سے گڑبڑا گئی کہ کیا کہے اگر وہ بتا دیتی تو ا
انیق پھنس جاتا وہ جو برے راستوں سے پلٹ رہا تھا۔ نیک بننے کا عہد کر چکا تھا پھر ا
کے اعتماد کو دھچکا لگتا تو جانے وہ کیا ہو جاتا۔

''نہیں نہیں میں نہیں بتاؤں گی۔'' اس نے دل میں عہد کر لیا۔

''دیکھو تمہاری دوست طوبیٰ کی کیا حالت ہو گئی ہے؟'' انہوں نے سامنے بے
پڑی طوبیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ جسے ابھی ابھی سکون کا انجکشن دے کر سلایا گیا تھا۔ ہر روز
اسے نیند کی دوائیاں دینی پڑتی تھیں ورنہ وہ جاگتی تو بس روتی ہی رہتی۔

گیتی نے ایک نظر سامنے پڑی اپنی دوست کو دیکھا وہ تو پہلے والی طوبیٰ ہی نہ تھی اس
دل کو کچھ ہوا' جی چاہا سب بتا دے سب کی نشاندہی کر دے مگر انیق کی محبت پھر غالب آ گئی

''میں تمہارا ہاتھ تھام کے نیکی کے راستوں پر چلنے لگا ہوں ڈگمگاؤں تو تھام لینا گر
دینا۔'' اس کے کانوں میں اس کی آواز آ رہی تھی اگر وہ نیکی کا ارادہ کر ہی چکا ہے تو پھر
اسے ضرور معاف کر دے گا یہ سوچ کر اس نے انیق کے بارے میں کچھ بھی نہ بتایا۔

''انکل! میں تو کسی کے بھی بارے میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ صاف مکر گئی۔

''مگر طوبیٰ نے کہا تھا کہ تم نے اس کی مدد کی وہاں سے نکلنے میں۔'' اب ان کا لہجہ
سخت ہو گیا تھا۔

''میں نے مدد......'' وہ حیران ہونے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔

''مجھے تو خود آپ نے یہ ساری بات بتائی ہے۔ مجھے کیا خبر طوبیٰ کے ساتھ کیا ہوا وہ کون
تھے۔'' اس کا دل اندر سے جھوٹ بولتے ہوئے کانپ رہا تھا اس کی آواز اس کا ساتھ نہ
دے رہی تھی مگر وہ یہ جھوٹ ایک برے شخص کو نیک بنانے کے لئے بول رہی تھی اس لئے
حوصلے سے بول ہی گئی۔

''وہ کوئی اور گیتی ہو گی کسی اور کا نام بھی تو گیتی ہو سکتا ہے۔'' وہ بھی ذرا اجنبی سے انداز
میں جواب دے رہی تھی۔

''دیکھو کسی خوف کے تحت جھوٹ نہ بولو ہم کچھ بھی نہیں کریں گے نہ تمہارا نام کہیں آئے
گا۔'' کرنل صاحب نے اس کی ڈھارس بندھانا چاہی۔

''انکل قسم لے لیں میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔'' وہ گھبرا کر نظریں چرا رہی
تھی۔ عبدالصمد خان جان تو گئے تھے کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے مگر وہ زبردستی اسے منوا بھی تو نہ
سکتے تھے۔ بے بسی سے ہاتھ ملنے لگے۔

''اچھا بہرحال تم ان لوگوں سے بچ کر رہنا یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔'' انہوں نے
نصیحت کی۔

''یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ جن کے ساتھ میں کام کرتی ہوں وہ تو بہت فیئر لوگ
ہیں۔'' وہ اپنی معصومیت میں کئی شیطانوں کے چہرے چھپا گئی وہ جانتی ہی نہیں تھی کہ نادانی
میں وہ کس قدر غلط حرکت کر رہی ہے۔

''اچھا اب میں چلوں۔'' وہ اٹھ کر جانے کو تیار ہو گئی۔

''ہاں جاؤ لیکن بیٹا جو باتیں ہم نے تمہیں اپنی بیٹی جان کر تم سے کہیں ان کا پردہ
رکھنا۔'' انہوں نے ایک مجبور باپ کی طرح ہاتھ جوڑ دیئے۔

''آپ یہ کیا کر رہے ہیں انکل' جیسی طوبیٰ ویسی میں آپ کی بیٹی ہوں۔'' گیتی کو اچھا نہ
لگا وہ انہیں اس قدر بے بس دیکھ کر تڑپ گئی۔ مگر وہ خود ایک پیمان سے بندھی تھی اس لئے
بات کو ٹال کر وہاں سے چلی گئی۔ جاتے جاتے رک کر اس نے بے خبر پڑی طوبیٰ کے ماتھے پر
بوسہ دیا اس کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر طوبیٰ کے چہرے پر گر گئے یہ اس کی عقیدت اور محبت
کا اظہار تھا جو اسے اس کے ساتھ واقعی تھی۔ مگر دوسری طرف عشق کی لگن نے بھی اسے جکڑ رکھا
تھا۔ وہ دل کو مسوس کر رہ گئی۔

''اچھا انکل مجھے معاف کر دیجیے گا میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکی۔ مجھے علم ہوتا تو میں
ضرور بتا دیتی۔''

"اچھا آنٹی جی مجھے آپ سب کی محبتیں بہت یاد آیا کریں گی۔ میں آیا کروں گی آپ سب سے ملنے۔"

وہ باری باری سب سے ملنے لگی۔ دراصل اس نے اسلام آباد میں ایک چھوٹا سا گھر کب کا خریدا ہوا تھا اب وہ انیق کے کہنے پر وہاں شفٹ ہو رہی تھی سب گھر والوں کے ساتھ۔ ان کا سامان تو جا چکا تھا وہ خود آج سب سے خدا حافظ کہنے آئی تھی جب کرنل صاحب نے اس سے یہ پوچھ گچھ شروع کر دی تھی۔

وہ ان کے گھر سے نکلی تو اس کا ضمیر اسے بہت ملامت کر رہا تھا لیکن اس وقت شیطان نے روپ بدل کر اسے بہکا دیا تھا۔ وہ نیکی کا روپ بدل کر پھر اس سے غلط کام لے رہا تھا اور یہ کام جسم فروشی سے بھی زیادہ غلط اور گھناؤنا تھا۔ کسی کے اعتماد کو دھوکا دینا گناہوں پر جان بوجھ کر پردہ ڈالنا۔ مگر وہ کیا کرتی وہ معصوم خود نہ جانتی تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے۔

☆======☆======☆

"خان ایڈورٹائزنگ اینڈ ٹیلی پروڈکشن کے مالک انیق یزدانی اور مشہور ماڈل گرل اور ڈرامہ آرٹسٹ گیتی آرا کی منگنی۔" طوبیٰ نے صبح اخبار اٹھا کر کھولا تو سامنے ہی یہ شہ سرخی نظر آئی وہ تفصیل پڑھنے لگی۔ "مشہور ماڈل گرل گیتی آرا کا کہنا ہے کہ وہ ماڈلنگ اور ایکٹنگ چھوڑ چکی ہیں۔ وہ شادی کے بعد بالکل ایک گھریلو عورت بن کر زندگی گزاریں گی۔ انیق یزدانی کے ساتھ ان کی یہ محبت کی شادی ہے۔ وہ بھی گیتی آرا کو دل کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کا ساتھ عمر بھر نبھانے کا عہد کر لیا ہے۔" ساتھ میں دونوں کی تصویر بھی چھپی تھی۔ دونوں ہی مسکرا رہے تھے۔ گیتی آرا کے چہرے پر بڑی پُرسکون مسکراہٹ تھی جب کہ انیق کے چہرے میں شیطان کا ایک اور روپ نظر آ رہا تھا۔

آج وہ خود کافی بہتر محسوس کر رہی تھی اس لئے اخبار لے بیٹھی تھی جو تانیہ نے ابھی باہر سے لا کر وہاں رکھا تھا وہ خود چائے لینے چلی گئی تھی۔ وہ بھی بہت خوش تھی کہ آج طوبیٰ کافی فریش ہے مگر جب وہ چائے لے کر واپس آئی تو سارا ماحول ہی بدل چکا تھا وہ اس کے چہرے کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"یہ یہ تم نے دیکھا' یہ دیکھو۔" اس نے اخبار تانیہ کے آگے کر دیا۔ اس نے یہ خبر پہلے نہ پڑھی تھی اب جو پڑھی تو پریشان ہو گئی۔

"یہ ٹھیک نہیں کر رہی یہ ایسا کیوں کر رہی ہے اسے روکو۔ یہ یہ تو بہت بڑا شیطان ہے گیتی جانتی ہے گیتی کو پتا ہے پھر یہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟" وہ اسے پکڑ کر جھنجھوڑنے لگی۔

"آپی آپی ہوش کرو۔" وہ اسے سنبھالنے لگی جو بڑی مشکلوں سے جا کر سنبھلی تھی پھر بکھرنے لگی۔

"بابا کو بلاؤ اما کو بلاؤ بابا...... بابا جان۔" وہ اس کے ہاتھوں سے نکل کر خود انہیں آوازیں دینے لگی۔ آوازیں دیتی وہ ان کے کمرے میں آ گئی۔

"جی میری جان۔" سعدیہ خان اسے وہاں دیکھ کر لپکیں۔ "اماں جان! بابا کہاں ہیں۔" اس کی پھولی سانسوں سے لگ رہا تھا وہ تیز رفتاری سے دوڑ کر آ رہی ہے۔

"کیا' کیا ہوا؟" کرنل صاحب جو باتھ روم میں تھے طوبیٰ کی آواز سن کر فوراً آ گئے اور اسے کندھوں سے تھام کے بیڈ پر بٹھا دیا۔

"بابا! آپ نے یہ خبر پڑھی۔" اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا اخبار ان کے آگے کر دیا۔

"ایسی کون سی خاص خبر ہے جو ہماری بیٹی ہمیں دکھانے آئی ہے؟" وہ مسکراتے ہوئے اخبار دیکھنے لگے مگر جو خبر طوبیٰ نے انہیں دکھائی تھی اسے دیکھ کر تو وہ بھی پریشان ہو گئے تھے۔

"یہ تو اچھا نہیں ہو رہا؟" وہ بڑبڑائے۔

"میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں بابا اسے منع کریں۔ یہ تو بہت ظالم انسان ہے یہی ہے جس نے مجھے...... مجھے بابا مجھے...... یہ بہت ظالم ہے درندہ ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اس کا وجود جیسے زلزلوں کی زد میں آ گیا۔

"یہی ہے یہی ہے...... گیتی جانتی ہے' گیتی نے مجھے اس سے بچایا پھر خود کیوں اس سے؟" وہ مچل رہی تھی ان کے گلے سے لگی جھٹکے کھا رہی تھی۔

"آپ کو نہیں پتا یہ کیسے لوگ ہیں؟ وہاں کیا ہوتا ہے۔" وہ سب کچھ بتا رہی تھی جو اس کے اندر لاوے کی طرح ابل رہا تھا اس کی آنکھوں کے آگے وہ سب منظر کسی فلم کی طرح گھوم گئے جب اس شیطان نے زبردستی اس کی تصویریں بنوائی تھیں۔

اور وہ برداشت نہ کر سکی اس کا بی پی پھر خطرناک حد تک لو ہو گیا۔ ذہن میں آندھیاں چلنے لگیں اور وہ چکراتے سر کے ساتھ اپنے بابا کی بانہوں میں جھول گئی۔

☆======☆======☆

"مجھے تمہاری ہرگز سمجھ نہیں آ رہی کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟" خالد خان نے اپنا ال ابھرتے ہوئے لال لال آنکھوں سے اسے گھورا۔

"تمہاری سمجھ بیچاری اتنی کہاں کہ تم اس پر کوئی بوجھ ڈالو۔" وہ اس کا مذاق اُڑانے لگا۔

"مگر یہ سب ہے کیا' یہ خبر لگوانے کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے اخبار اٹھا کر اس کے

سامنے پٹخ دیئے۔ آج صبح کے سبھی اخباروں میں انیق یزدانی اور گیتی آرا کی منگنی کی خبر چھپی تھی۔

"یہ یہ پاپڑ ہے۔" وہ اخبار اٹھا کر ہنسنے لگا۔

"پاپڑ ہے بکو مت سیدھی بات کرو۔" وہ لڑکھڑاتی آواز میں بول رہا تھا اسے شاید آج زیادہ ہی چڑھ رہی تھی ویسے بھی تو وہ کئی گلاس پی چکا تھا۔

"چوہا پیٹ بھرنے کے لئے روٹی کھاتا ہے مگر پاپڑ تو وہ بہت ہی شوق سے کھاتا ہے۔ تو اگر اسے پاپڑ نظر آئیں گے تو کیا وہ بل سے باہر نکلے گا؟" انیق یزدانی نے اپنا گلاس گھماتے ہوئے خمار آلود لہجے میں اسے ساری بات سمجھادی۔

"اوہ اچھا پاپڑ۔" سمجھ آنے پر وہ بھی ہنسنے لگا۔ "لیکن اتنی معمولی سی چوہیا کے لئے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہاتھ ڈال کر باہر نکالتے اور مسل ڈالتے ایسے۔"

اس نے اپنا ادھ جلا سگریٹ زمین پر پھینک کر بوٹ تلے مسل دیا۔

"بل میں ہاتھ ڈالنے پر چوہیا کاٹ بھی سکتی تھی اور تم جانتے نہیں ہو شاید کہ چوہے کے دانتوں میں پلیگ چھپا ہوتا ہے پلیگ موت کا دوسرا نام ہے۔" وہ بہت گہری باتیں کر رہا تھا۔

"ہاں ہاں واقعی۔" اسے انیق کے دماغ کی داد دینی پڑی۔

"واہ تمہیں تو استاد نہیں پیر استاد ماننا چاہیے۔" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ مارنے لگا تو خود لڑکھڑا گیا۔

"سنبھل کے...... تم ابھی اپنے پاؤں پر میرے بغیر نہیں کھڑے رہ سکتے۔" اس نے اسے سنبھالتے ہوئے کہا۔

"تو اب کیا پروگرام ہے؟" وہ صوفے پر گر گیا اب اسے مکمل چڑھ چکی تھی اور اس کا دماغ ماؤف ہونے کے بجائے روشن ہونے لگا تھا۔

"اب ٹھیک چار روز بعد تم جشن کی تیاریاں کرو جان پیڑک کو خصوصی دعوت پر بلاؤ اور......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر عجیب انداز میں مسکرایا۔

"اچھا کہاں؟" وہ بھی اسی کی شکل لگ رہا تھا۔

"گھوڑا گلی والے بنگلے پر۔"

"وہاں وہ آئے گی۔" وہ کچھ مشکوک ہی تھا۔

"بھاگی چلی آئے گی۔ میرے ساتھ آئے گی؟" وہ بڑے یقین سے بولا۔

"چلو پھر ٹھیک ہے ویسے بھی کافی دنوں سے بڑی بوریت تھی۔"

"بوریت تھی تو اب ہلا گلا کر لینا جی بھر کے کرنا اپنی زندگی کی یادگار ویڈیو بنا لینا کہ کوئی حسرت نہ رہ جائے۔" اس نے خالی گلاس کو فضا میں اچھال کر کیچ کر لیا۔

"ویڈیو بھی بنے گی ہلا گلا بھی ہوگا ضرور ہوگا۔ چار روز بعد ٹھیک چار روز بعد گھوڑا گلی والے بنگلے میں پاپڑ کھلائیں گے۔" وہ بچوں کی طرح اپنی لے میں گانے لگا یہاں تک کہ بے خبر ہو گیا اور اس کے خراٹوں کی آواز زور زور سے گونجنے لگی۔

"باسٹرڈ۔" انیق نے مسکرا کر اس پر ایک نگاہ ڈالی اور اپنی گاڑی کی چابی اٹھا کر اسے انگلی میں گھماتا کچھ گنگناتا باہر نکل گیا۔

☆======☆======☆

سات روز بعد کے اخبارات میں ایک عجیب لرزا دینے والی خبر لگی تھی جسے دیکھتے ہی سمیر کی ریڑھ کی ہڈی تک سنسنا گئی تھی وہ اخبار اٹھا کر اندر کو بھاگا۔

"بابا جان!" اس نے اخبار ان کے سامنے کر دیا یہ گیتی آرا اور انیق یزدانی کی منگنی کے پندرہ روز بعد کا اخبار تھا۔ "مشہور ماڈل گرل اور انیق یزدانی کی منگیتر گیتی آرا کو کسی نے بڑے بہیمانہ طریقے سے قتل کر دیا۔ مقتولہ پچھلے ایک ہفتے سے گھر سے غائب تھیں۔ قاتل کوئی بہت ظالم درندہ تھا۔ مقتولہ کا سر کاٹ کر تن سے جدا کر دیا گیا تھا۔ انیق یزدانی نے ایف آئی آر کٹوا دی ہے۔"

اخبار کرنل عبدالصمد خان کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گیا۔ آگے کیا تفصیل تھی وہ کچھ نہ پڑھ سکے اور اپنے ڈوبتے دل کو تھام کر وہیں فرش پر بیٹھ گئے۔

کرنل عبدالصمد خان کو زمین آسمان گھومتے دکھائی دے رہے تھے وہ چکرا کر گر جاتے اگر سمیر آگے بڑھ کر انہیں سہارا نہ دے دیتا تو۔

"بابا جان!" اس نے انہیں بیڈ پر بٹھا دیا وہ بالکل گم صم سے چھت کو گھورنے لگے ان کی آنکھوں کے سامنے اس معصوم اور پیاری سی بچی کا چہرہ بار بار آ رہا تھا۔

"اوہ خدایا یہ کیا ہو گیا؟" ان کے لبوں سے ایک سرد آہ نکل گئی۔

"اتنا ظلم ایسی بربریت۔" ان کا لہو ابل رہا تھا غصے اور غیرت سے۔

"اب ہمیں ضرور کچھ کرنا پڑے گا ورنہ یہ لوگ۔ یہ تو جانے کس کس کی زندگیاں برباد کریں گے۔"

انہوں نے اخبار اٹھا کر دوبارہ خبر پڑھنی شروع کی خبر کے ساتھ ہی گیتی کی مرنے سے

قبل کی خوبصورت تصویر تھی اور دوسری طرف اس کے قتل کے بعد سر کٹے ہوئے دھڑ کی تصویر۔ انہیں جھرجھری سی آ گئی۔

"اُف بے رحمی اور بے حسی کی انتہا ہے۔" انہوں نے اخبار کو لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔

"ان کے گھر والوں کا کیا حشر ہوگا؟" سمیر کو مقتولہ کے مظلوم گھر والوں کا خیال آ گیا۔

"گھر والے۔" کرنل صاحب بڑبڑائے...... "اس کی بیوہ ماں اور چھوٹے بہن بھائی جواب بالکل بے سہارا ہو گئے ہوں گے۔"

"اپنی امی کو بلاؤ۔" وہ سمیر کو سعدیہ خان کے بلانے کا کہہ کر خود باتھ روم میں لباس تبدیل کرنے چلے گئے۔

"امی جان! امی جان!" وہ ماں کو آوازیں دیتا ان کے کمرے میں آ گیا۔

"کیا بات ہے بیٹا؟" وہ اپنی ساڑھی کا پلو درست کرتیں اس کی طرف آ گئیں۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ طوبیٰ کی طبیعت جب سے کچھ بہتر ہوئی تھی اس کی امی جان میں پھر سے وہی ہمت آ رہی تھی ورنہ ان دنوں میں تو ان کی حالت کیسی خراب ہو گئی تھی۔ ان دنوں کے تصور سے ہی اس کی روح کانپ اٹھی۔

"سمیر! تم کچھ کہہ رہے تھے؟" سعدیہ خان نے اس کا تصور توڑا۔

"آپ کو بابا جان بلا رہے ہیں۔" وہ یہ سوچ کر ہی پریشان ہو گیا تھا کہ اب ان کی ماں کو پھر ایک دھچکا لگے گا وہ بھی تو گیتی کو بہت زیادہ چاہتی تھیں۔

"اچھا چلو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور اس کے ساتھ چل پڑیں۔

"سمیر بھائی!" اسے تانیہ نے آواز دے کر روک لیا۔

"ہاں کہو۔" وہ اس کی طرف آ گیا۔ "کیا بات ہے؟"

"بابا بہت پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔" وہ اپنے بابا جان کو لان میں پریشانی سے اِدھر اُدھر چکر لگاتے دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

"وہ وہ۔" وہ بتاتے بتاتے رک گیا۔

"بھائی! خیریت تو ہے؟" اس کا دل ڈر گیا تھا۔

"ہاں خیریت ہے۔" وہ نظریں چرا گیا۔

"نہیں خیریت نہیں ہے۔"

وہ سامنے آ کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ "کہاں جا رہے ہیں آپ لوگ؟" اس نے دوسرا سوال کر دیا۔

"تانیہ! تم چلو طوبیٰ کے پاس۔" اس نے شاید زندگی میں پہلی بار اس سے ایسے لہجے میں بات کی تھی وہ تو حیران ہونے کے ساتھ ساتھ شرمندہ ہی ہو گئی اور دوڑ کر اندر چلی گئی۔

"چلو میں اسے آ کر منا لوں گا۔" وہ دل ہی دل میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوتا لان کی طرف چلا گیا جہاں اس کے بابا اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"گاڑی نکالو سمیر۔" عبدالصمد خان نے اسے آتا دیکھ کر کہا وہ وہیں سے پورچ کی طرف چلا گیا۔

"سعدیہ! ہمت سے کام لو۔" وہ سعدیہ خان کو ہمت دلا رہے تھے جو یہ خبر سنتے ہی سکتے میں آ گئی تھیں۔

"اگر تم حوصلہ کھو بیٹھو گی تو ان لوگوں کی کون ڈھارس بندھائے گا؟" وہ انہیں سمجھا رہے تھے سعدیہ خان نے جلدی سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور دل کو کڑا کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"شاید اللہ کو ابھی اور آزمائشیں منظور ہیں ہم گناہگاروں کی۔" وہ پے در پے صدمات سہہ کر اب کچھ حد تک بہادر ہو گئی تھیں خود پر قابو پا لیا کرتی تھیں ورنہ یہ دل تو بات بے بات رونے کا عادی ہوتا جا رہا تھا اور ادھر دوسری طرف دکھ تھے کہ ختم ہونے میں ہی نہ آ رہے تھے۔

سمیر گاڑی لے آیا تو وہ دونوں لان سے چلتے ہوئے گیٹ کی طرف آ گئے اور خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ پھر باقی راستے میں تینوں میں سے کسی نے بھی بات نہ کی مگر تینوں کے دماغ چیخ رہے تھے اور لب شدتِ برداشت سے بھنچ رہے تھے۔

☆======☆======☆

گیتی آرا کے گھر میں تو کہرام مچا ہوا تھا گھر لوگوں سے یوں کھچا کھچ بھرا پڑا تھا کہ تل دھرنے کو بھی جگہ نہ تھی جہاں پولیس اہلکار جگہ جگہ کھڑے دکھائی دے رہے تھے وہیں لگتا تھا کہ سارے شہر کے صحافی بھی یہیں جمع ہو گئے ہیں۔ عام لوگ، گیتی آرا کے فین اور چاہنے والے جس جس نے صبح کے اخبار میں یہ دلسوز خبر پڑھی تھی وہ دوڑا چلا آیا تھا۔ پولیس اہلکاروں نے بمشکل سے لوگوں کو اندر جانے سے روکا ہوا تھا۔

کرنل عبدالصمد خان کو وہاں کسی سے بھی اپنا تعارف کروانا نہ پڑا تھا۔ ان کی گاڑی کو پہنچتے ہی کانسٹیبل نے جھک کر سلام کیا تھا اور راستہ بنا کر انہیں اندر جانے میں مدد بھی کی تھی۔

سمیر نے جلدی سے اپنی امی جان کا بازو تھاما اور انہیں رش میں سے نکالتا ہوا اندر لے گیا تو اک قیامت برپا تھی۔ سعدیہ خان کو دیکھتے ہی ثمینہ ان کی طرف لپکی۔

"خالہ جان۔" وہ ان سے لپٹ کر پھوٹ پڑی۔

"خالہ جان میری باجی میری بہن گیتی چلی گئی۔" وہ دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ "اسے اسے کسی ظالم نے......" اس کی ہچکیاں اس کے الفاظ کو نگل جاتی تھیں اور آنسو بات کے درد کو بیان کر رہے تھے۔ "دیکھیں، دیکھیں کیا حال کیا ہے گیتی کا، خدا ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچائے۔" اس نے گیتی کے مردہ جسم پر سے کپڑا کھینچ دیا۔

"یا اللہ میری توبہ۔" سعدیہ خان نے فوراً آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ ان کی تو دبی دبی سی چیخ ہی نکل گئی تھی۔ گیتی آرا کا کٹا ہوا سر ڈاکٹروں نے ٹانکوں کی مدد سے اس کے دھڑ کے ساتھ جوڑ دیا تھا۔ یہ خاصا لرزہ خیز منظر تھا جو ان سے برداشت نہ ہو سکا۔ انہوں نے ثمینہ کو گلے لگا کر بھینچ لیا۔

ان کے اندر دکھ کی شدت کے ساتھ ساتھ عجیب سا خوف بھی تھا۔ انہیں فوراً اپنی طوبیٰ کا خیال آ گیا اور پورا بدن سن ہو گیا وہ بھی تو طوبیٰ جیسی ہی تھی۔ سامنے برآمدے کے ایک ستون سے لگی بیٹھی اس کی امی انہیں بالکل ڈھانچہ دکھائی دیں جن کے جسم میں جان نہ تھی۔ زندہ تصویر لبوں پر کوئی فریاد نہ تھی مگر وہ ماتم کناں تھیں۔ آنکھوں سے بس اک سمندر رواں تھا اور لب ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔ جیسے کچھ پڑھ رہے ہوں۔ وہ ہر حال میں اللہ کو یاد کرنے والی اور اس کا شکر ادا کرنے والی مومنہ عورت تھیں۔

سعدیہ خان ہولے ہولے چلتی ہوئی جا کر وہاں بیٹھ گئیں۔ وہ انہیں دیکھ کر اپنا ضبط کھو بیٹھیں۔ سعدیہ خان نے انہیں گلے لگایا تو وہ ہلکی ہلکی ہچکیاں لینے لگیں مگر کہا پھر بھی کچھ نہیں ورنہ جس ماں کی جوان بیٹی کو یوں قتل کر دیا جائے وہ تو بین کر کے اور ماتم کرتے کر قیامت اٹھا دے مگر آفرین تھی اس عورت کے صبر پر۔

سعدیہ خان نے انہیں کافی دیر گلے سے لگائے رکھا تا کہ وہ خوب کھل کر رو لیں بعد میں وہ صرف اتنا ہی بولیں۔

"اللہ خوب جانتا ہے وہی میری بچی کے خون کا حساب لے گا۔"

☆======☆======☆

باہر وہ بیٹھا یوں آنسو بہا رہا تھا جیسے سچ مچ اس کی دنیا اجڑ گئی ہو۔

"سر! آپ کے خیال میں یہ کون ہو سکتے ہیں؟" ایک صحافی نے اس سے سوال کیا۔

"جو بھی ہوں ان کا انجام بہت برا ہو گا۔" وہ غصے سے پھنکارتا ہوا بولا۔

"سر! کیا میڈم کی کسی سے کوئی دشمنی...... میرا مطلب ہے کوئی پروفیشنل جیلسی وغیرہ"

ایک خاتون صحافی نے بھی اپنا چھوٹا سا ٹیپ آگے کر دیا۔

"نہیں، گیتی ایسی نہیں تھی۔ وہ وہ تو محبت سے بنی تھی۔ محبت کی پیغامبر تھی۔" وہ پھر سے آنسو بہانے لگا۔ "اس سے کوئی خفا ہو ہی نہیں سکتا تھا وہ تو دلوں پر راج کرنے آئی تھی راج کر کے چلی گئی۔"

دور بیٹھا سمیر دیکھ رہا تھا کہ وہ شخص جس قدر مکار تھا اس سے کہیں بڑا اداکار بھی تھا۔

"سر! آپ کے خیال میں......"

"پلیز، پلیز آپ لوگ بند کریں ایسے سوالات۔" اس نے قدرے بلند آواز میں انہیں مزید سوال کرنے سے روک دیا۔ "آپ کو اپنے میگزین چمکانے کی پڑی ہے یہاں کسی کی زندگی اندھیر ہو گئی ہے وہ میری کیا تھی، میں نے کیا کھو دیا ہے، آپ لوگوں کو کیا خبر؟" اس نے اپنے جذبات کے کمان میں سے چن کر آخری تیر پھینکے اور آنسو صاف کرتا لوگوں کو پرے کرتا اندر چلا گیا۔

"یزدانی صاحب کو واقعی گیتی آرا سے سچی محبت تھی۔" ایک طرف سے بڑی ہمدردی بھری آواز آئی اور یہ دلیل تھی اس بات کی کہ انیق یزدانی کی چال کامیاب ہو گئی اور وہ اپنی اداکاری سے لوگوں کو جُل دے ہی گیا۔

"جانے اب یزدانی صاحب کیا کریں؟" وہ لوگ آپس میں ڈِسکس کر رہے تھے۔

"تم دیکھ لینا اصل مجرم بہت جلد سامنے آ جائیں گے اور ان کا انجام بہت برا ہو گا۔" ایک نوجوان صحافی بڑے جوش سے بولا۔

"تو اور کیا یزدانی خاندان کی غیرت بھلا چپ رہے گی؟" ایک اور نے جواباً تائید کی۔

"کوئی بہت سفاک دشمن تھا۔ جس نے ایسا بہیمانہ ظلم کیا ورنہ......" ایک لیڈی رپورٹر نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے کوئی ان کا چاہنے والا بھی ہو۔" دوسری رپورٹر نے اپنی رائے دی۔

"چاہنے والا۔ نہیں نہیں چاہنے والا بھلا ایسا کیسے کر سکتا ہے؟" پہلی کو دوسری کے خیال پر حیرت ہوئی۔

"بعض اوقات چاہت میں جب ناکامی ہو جائے تو وہ نفرت کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس میں انتقام بھی شامل ہوتا ہے۔" پہلی نے اپنے خیال کو دلیل سے درست ثابت کرنے کی کوشش کی۔

"بہر حال فی الحال تو یہ ایک معمہ ہی ہے وہ کون تھا؟ اس نے ایسا کیوں کیا؟ ان سب

سوالوں کو سنبھال رکھو وقت خود جواب دے گا۔" ایک صحافی نے آگے بڑھ کر ان کی بحث کو ختم کر دیا۔

لوگ اپنی اپنی رائے دے رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے۔ بہت سی ماڈل گرلز اور اداکارائیں وہاں نظر آ رہی تھیں جو آنسو بہانے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے میں مصروف تھیں۔

سطوت اور شارقہ بھی خوفزدہ ہو گئی تھیں۔ دراصل انہیں خود بھی کسی بات کا علم نہ تھا۔ وہ بھی بڑی غمزدہ نظر آ رہی تھیں اور غمزدہ سے زیادہ خوفزدہ بھی۔

ایک صحافی بہت غور سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور ایک طرف خاموش کھڑا کچھ لکھ رہا تھا۔ سمیر کے جی میں جانے کیا آئی وہ اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا اتنے میں اس کا ایک صحافی دوست وہاں آ گیا۔

"کیوں جاوید تم کیوں چپ کھڑے ہو؟" آنے والے نے خاموش کھڑے صحافی کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"میں اس وقت سے دو باتیں سوچ رہا ہوں۔" وہ شوبز کا بڑا معروف صحافی تھا اور گیتی آرا کے کئی انٹرویو کر چکا تھا۔

"وہ کیا باتیں ہیں؟" آنے والے نے جس کا نام وحید تھا پوچھنے لگا۔

"ایک تو یہ کہ یہ جو بغیر سر کی لاش برآمد ہوئی ہے ضروری تو نہیں کہ گیتی آرا ہی کی ہو؟" وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ سمیر کو اس کا سوال دل پر لگتا محسوس ہوا وہ ان کی باتیں اور بھی غور سے سننے لگا۔

"پاگل ہوئے ہو۔" وحید ہنس پڑا۔ "لاش گیتی آرا ہی کی ہے تصدیق ہو چکی ہے پولیس پوسٹ مارٹم بھی کرا چکی ہے۔"

"کیا پوسٹ مارٹم سے اب مرنے والے کا نام اور شناخت بھی حاصل ہونے لگی ہے۔" جاوید نے طنز سے وحید کو دیکھا وہ کچھ شرمندہ ہو گیا۔

"نہیں مگر قتل ہونے والی گیتی ہی ہے۔ اس کا لباس اور اور......" وہ خود کوئی ثبوت والی بات نہ کر سکا۔

"کچی باتیں مت کرو۔ تم ایک جرنلسٹ ہو اور شک کو بنیاد بنا کر کیا' کیوں اور کیسے سے اپنی تفتیش شروع کرو۔" جاوید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں میں جھانکا۔

"اچھا دوسری بات؟" وحید نے اپنی شرمندگی کو چھپانے کے لئے پوچھا۔

"دوسرا یہ کہ گیتی آرا کے قتل کا سن کر اس کی سب کولیگز یہاں جمع ہیں مگر ندا نہیں ہے؟" اس نے اپنی کھوجتی نظروں سے چاروں طرف دیکھ لیا تھا اور واقعی ندا کہیں بھی نہ تھی۔

"تو؟" وحید گڑبڑا گیا۔

"تو بہت کچھ مگر تم نہیں سمجھو گے۔" جاوید نے ہنس کر اس کا کندھا تھپکا اور دوسری جانب چل دیا یہ کہتا ہوا کہ۔

"دوست یہ دو بہت الجھے ہوئے سوال ہیں انہیں سلجھاؤ جواب کچھ اور نکلے گا۔"

وہ تو کہہ کر چلا گیا مگر سمیر کو بے چین کر گیا۔ واقعی کسی نے بھی اب تک ایسے سوال نہیں کیے تھے جو جاوید نے کیے تھے۔ اس کا مطلب ہے یہ بندہ بہت ذہین اور بہت کام آنے والا تھا وہ آگے بڑھا۔

"سنیں۔" اس نے اس کے بڑھتے قدم روک لئے۔

"جی۔" وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ "میرا نام سمیر خان ہے آرمی میں لیفٹیننٹ ہوں۔" اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر میں جاوید احمد ہوں شوبز رپورٹر۔" اس نے بھی اپنا تعارف ادا کیا۔

"جی آپ کا تعارف مجھے ابھی حاصل ہوا آپ کی گفتگو سن چکا ہوں۔" مجھے آپ کا وزیٹنگ کارڈ چاہیے۔ کیوں یہ میں آپ کو پھر بتاؤں گا۔" اس نے جلد ہی مدعا بیان کر دیا۔

"وائے ناٹ۔" اس نے اپنے پرس میں سے کارڈ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔

"میں آپ سے جلد رابطہ کروں گا۔"

"میں انتظار کروں گا۔" وہ مزید کچھ پوچھے بغیر آگے چلا گیا اور سمیر نے کارڈ پرس میں ڈالا اور کرنل صاحب کے اشارے کو دیکھتے ہی ان کی طرف لپک گیا وہ اسے بلا رہے تھے۔

☆======☆======☆

طوبیٰ کی طبیعت اب کافی بہتر تھی اور وہ آہستہ آہستہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ رات کو دواؤں کے زیر اثر سونے کی وجہ سے وہ صبح ذرا دیر سے بیدار ہوتی تھی۔ وہ سو کر اٹھی تو گھر میں اک مکمل خاموشی طاری تھی۔ اس نے اٹھ کر دیکھا امی جان اور بابا بھی موجود نہ تھے۔ وہ صبح لان میں ہی بیٹھے ملا کرتے تھے۔ سمیر تو اکیڈمی جا چکا ہوتا تھا آج کل وہ پنڈی گیا ہوا تھا اس لئے گھر سے ہی جایا کرتا تھا۔

''تانیہ' تانیہ۔'' وہ تانیہ کو آوازیں دیتی کچن میں ہی آ گئی۔ وہ چائے بنا رہی تھی۔
''طوبیٰ' طوبیٰ!'' وہ اسے دیکھ کر کھل گئی۔ ''آئیں یہاں بیٹھیں۔'' اس نے فو
سیدھی کر کے اسے بیٹھنے کو کہا۔
''امی اور بابا کہاں ہیں؟'' وہ ان کے متعلق پوچھنے لگی۔
''وہ ماموں کی طرف گئے ہیں۔'' وہ اسے ماموں کا بتانے لگی کیونکہ کرنل صاحب
یہی کہہ کر گئے تھے کہ ان کی ممانی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں اس لئے وہ لوگ وہاں ج
ہیں۔
''اچھا'' وہ ممانی کا سن کر کچھ پریشان ہو گئی۔
''لیں آپ ناشتہ کریں۔'' اس نے فٹافٹ ناشتے کی ٹرے بنا کر میز پر رکھ دی
چاپ ناشتہ کرنے لگی۔
''جنت بی بی! آپ پراٹھے بہت اچھے بناتی ہیں؟'' اس نے پراٹھے بناتی جنت
کی تعریف کی۔
''شکریہ بی بی۔'' وہ خوش ہو گئی۔
''مجھے بھی سکھا دینا۔'' آج وہ کچھ فریش تھی مسکرا کے بات کر رہی تھی ورنہ تو مسکر
اس کے لبوں سے خفا ہو گئی تھی۔
''جی ضرور جب آپ کہیں۔'' جنت بی بی بھی اسے مسکراتا دیکھ کر کھل اٹھی۔ یہ ع
اپنے دکھ لے کر آئی تھی اب ان کے سب دکھ سکھ کی ساجھی تھی۔
پھر وہ وہیں پر ہلکی پھلکی گفتگو کرتی رہی۔ ''چلو آج میں پڈنگ بناؤں۔'' اسے ا
خیال آ گیا کہ بہت روز ہو گئے اس کا چھوٹا بھائی چپ ہو کر رہ گیا ہے آج اسے حیران
کر دے۔
''ہاں آپی بہت دن ہو گئے آپ کے ہاتھ کی پڈنگ نہیں کھائی۔'' تانیہ بھی خوش
اس نے خوشی خوشی پڈنگ بنائی اتنے میں دوپہر ہو گئی تانیہ نہانے کے لئے چلی گئی تو
ہوئی باہر آ گئی۔
''اخبار'' باہر سے اخبار والے نے اپنے مخصوص انداز میں چیخ کر کہا اور د
اخبار کا رول اندر پھینک کر چلا گیا اس نے یونہی اخبار اٹھا لیا اور پورچ میں ایک طرف
پڑھنے لگی اوپر ایک دو سیاسی خبروں کی شہ سرخیاں تھیں اس نے سرسری نظر سے دیکھا
صفحہ پلٹ دیا مگر جیسے جیسے اس کی نظریں صفحے پر پھسل رہی تھیں' اس کی آنکھیں پھیلتی

اور ہاتھ لرز رہے تھے یہاں تک کہ اس کا پورا وجود جھٹکوں کی زد میں آ گیا اور وہ چیختی ہوئی
بھاگی۔
''تانیہ' تانیہ بابا اماں۔'' وہ بہت زور زور سے چلا رہی تھی۔ ''دیکھیں گیتی کو کسی نے قتل
گیتی مر گئی گیتی کو کسی نے مار دیا اس نے مار دیا میرا بدلہ گیتی سے لے لیا اب مجھے مار
یا
گی'' وہ زور زور سے رونے لگی۔ ''مجھے بچا لو تانیہ مجھے بچاؤ۔'' وہ خوف سے زرد ہو چکی تھی
ر گری اور اس کی بانہوں میں جھول گئی۔
''آپی! آپی ہوش کریں۔'' تانیہ اسے یوں بے ہوش ہوتا دیکھ کر اپنے ہوش کھونے لگی۔

☆======☆======☆

نماز عصر کے ساتھ گیتی کی نماز جنازہ تھی۔ قبرستان سے واپسی پر انہیں تقریباً شام کے
گئے اور جب وہ سعدیہ خان کو لے کر واپس گھر جا رہے تھے تو مغرب کی اذانیں ہو رہی

''کیسی قیامت ٹوٹی ہے ان لوگوں پر بھی۔'' سعدیہ خان نے بات شروع کی۔ ''جیسے نظر
گئی ہو ان کے ہنستے بستے گھر کو۔'' انہیں کچھ عرصہ پہلے کا ان کا ہنستا بستا گھر یاد آ گیا۔
''ہاں واقعی۔'' کرنل صاحب کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔
''مجھے تو بہت خوف آ رہا ہے.....'' وہ گھبرائی ہوئی تھیں۔
''کس بات سے؟'' حالانکہ وہ جانتے تھے مگر نظر انداز کر کے پوچھنے لگے۔
''یہ بہت ظالم اور سفاک لوگ ہیں۔'' وہ اشارے کنایوں میں انہیں سمجھا رہی تھیں۔
''ہیں تو لوگ ہی اور لوگ خدا کی ادنیٰ مخلوق ہوتی ہے بے بس اور لاچار۔'' وہ سمجھانے

''پھر بھی ہمیں کچھ سوچنا چاہیے۔'' ان کا دل ڈرے جا رہا تھا۔
''کیوں پریشان ہو رہی ہو' اللہ کو ماننے والی ہو اس پر بھروسا کامل رکھو وہ ہمارا کچھ نہیں
کتے۔'' وہ سعدیہ خان کی ہمت بندھانے لگے مگر ان کا دل اس بارے میں سوچ ضرور رہا
اب انہیں پوری طرح محتاط رہنا پڑے گا۔
''نویرہ کے آنے میں صرف چار روز رہ گئے ہیں مجھے تو اس کی فکر لگی ہے۔'' انہیں نویرہ
رف سے فکر تھی۔ وہ ماں بننے والی تھی اور صرف ایک ماہ کے لئے پاکستان آ رہی تھی۔ وہ
رہی تھیں کہ اگر ایسے میں اسے وہ سب پتا چل گیا جو ہم پر بیت چکا ہے تو کیا ہو گا؟ وہ
ا پریشان تھیں۔

''اللہ سے مدد مانگا کرو سعدیہ۔ تمہارا یوں بات بات پر پریشان ہونا مایوسی کی علا
ہے۔'' صمد خان نے بیوی کو سمجھایا۔ وہ تو ہر بات میں خدا پر بھروسا کرنے والے مضبوط ا
کے انسان تھے۔

''شاید ٹھیک کہتے ہیں آپ' میری قوتِ برداشت واقعی کم ہوتی جا رہی ہے۔'' وہ شر
سی ہو گئیں۔

بہرحال کچھ نہیں ہوگا وہ ہماری بیٹی ہے ہمارے دکھ سکھ کی ساجھی ہے۔ جان بھی ل
تو ہمارا درد ہلکا ہی کرے گی۔''

انہوں نے بہت اچھی بات کہی۔ ''نوریہ نے تو ہمیشہ میرا بوجھ کم ہی کیا ہے۔ بلکہ
ہے سعدیہ! وہ آ رہی ہے تو حالات کو اچھا کر کے جائے گی۔'' وہ تو بیٹی کے آنے پر بہت مط
محسوس کر رہے تھے اپنے آپ کو۔

''اس کی حالت ایسی نہیں ہے کہ اسے کوئی ٹینشن دی جائے۔'' وہ شوہر کو اصل با
سمجھانے لگیں۔

''پھر وہی وہم کی باتیں۔'' کرنل صاحب نے پھر بیوی کو ڈانٹ دیا۔

''سعدیہ؟ اللہ کے بندے ٹینشن سے نہیں گھبراتے۔'' دوسرے ہی لمحے انہوں نے م
سے انہیں سمجھایا۔

''جی۔'' بس وہ انہیں دیکھ کر رہ گئیں کہ وہ کیسا شخص ہے۔ اس کا توکل کتنا مضبوط
اللہ پر' واقعی اس کے سینے میں ایک مرد مجاہد مرد مومن کا دل ہے۔ وہ دل ہی دل میں اپنے ش
کے لئے دعائیں مانگنے لگیں اتنے میں وہ اپنے گھر کے قریب پہنچ چکے تھے۔

''بس اب خود کو نارمل کر لو۔ طوبیٰ کو بالکل محسوس نہ ہو کہ ہم کہاں سے آ رہے ہیں
انہوں نے سعدیہ خان کی سرخ متورم آنکھوں کی طرف اشارہ کر کے کہا تو وہ فوراً اپنی آنکھ
صاف کرنے لگیں۔ گھر میں گاڑی داخل ہوئی تو پورچ میں ٹہلتی تانیہ دوڑ کر آئی۔

''بابا جان! طوبیٰ آپی۔''

''کیا ہوا طوبیٰ کو؟'' وہ تیزی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلے تقریباً بھا
ہوئے اندر کمرے میں پہنچے تو وہاں ڈاکٹر ذاکر پہلے سے موجود تھے۔

''شش' ش۔'' انہوں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ہا
پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے گئے۔

سعدیہ خان وہیں بے سدھ پڑی طوبیٰ کے پاس اپنا ڈوبتا دل سنبھال کر بیٹھ گئیں۔

☆======☆======☆

''دیکھیں احمد صاحب آپ ہی مان جائیں وقاص کی حالت دیکھیں۔''
فائزہ خان رات کو کھانے کے بعد چائے لے کر کمرے میں آئیں تو شوہر کو سمجھانے
ہیں۔ پچھلے تقریباً ایک ماہ سے ان کے گھر کا ماحول بہت خراب ہو گیا تھا۔ باپ بیٹا ایک
رے سے سخت خفا تھے انہوں نے ایک میز پر کھانا' ایک دوسرے کے سامنے بیٹھنا اور ایک
رے سے بات چیت کرنا سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ رابعہ بھی سخت پریشان تھی۔ وہ بھائی کو
بھاتی تو ابو خفا ہو جاتے اور ابو کی بات کو مانتی تو ایک ہی بھائی تھا اس کا۔

''اچھا۔'' احمد خان نے گھور کر بیوی کو دیکھا۔ ''میں مان جاؤں اور وہ وہ......''

''وہ تو بچہ ہے احمد۔''

''بچہ نہیں ہے گستاخ اور بدتمیز ہو گیا ہے۔'' انہیں پھر سے غصہ آنے لگا۔

''نہیں' نہیں احمد! نہیں ہے۔'' وہ ان کا ہاتھ تھام کے بیٹھ گئیں۔

''دیکھیں میری بات' ٹھنڈے دل سے سنیں۔'' وہ محبت سے انہیں منانے لگیں۔ ''طوبیٰ
پ کو بھی بہت پیاری ہے' ہے نا؟'' وہ پوچھنے لگیں' انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی سر اقرار
ہلا دیا۔ ''اس کے ساتھ ظلم ہوا انہونی ہو گئی۔ وہ بے خطا بے قصور ہے۔ یہ جو اس کے ساتھ
کسی کے بھی ساتھ ہو سکتا تھا۔'' وہ ہولے ہولے کہہ رہی تھیں۔

''خدا نہ کرے ہماری رابعہ کو کالج سے آتے ہوئے کوئی اٹھا کر لے جائے۔'' انہوں
جان بوجھ کر ان کے دل کا سب سے حساس حصہ دبا دیا۔

''فائزہ پلیز۔'' انہوں نے شدت کرب سے پہلو بدلا۔

''ایسے بالکل ایسے ہی میرے بھائی کا کلیجہ کسی نے نوچ لیا تھا۔ سوچیں ذرا اگر ایسے
جب وہ قیامت کے دکھ اٹھا رہے ہیں ہم انہیں تنہا چھوڑ کر آ گئے ہیں ان پر کیا بیتی ہو گی۔''
ہا گرم دیکھ کر چوٹ لگا رہی تھیں۔

وہ دیکھ رہی تھیں ان کا گرم لہو ٹھنڈا پڑ رہا تھا اور برف ہونے والے جذبات بھڑک کر لَو
دے رہے تھے۔ ''طوبیٰ کو طوبیٰ نہ سمجھیں۔ رابعہ سمجھیں احمد اور ہماری رابعہ بھلا گناہ گار ہو سکتی
''

''میری بیٹی ایسی ہے ہی نہیں۔'' وہ بڑے یقین سے بولے۔

''والدین ایسے ہی یقین کرتے ہیں اپنے بچوں پر۔'' وہ پھر سے بولیں۔ ''تو کیا اب
پنی بیٹی کو زمانے کے ظالم ہاتھوں میں دے دیں گے کہ وہ اس کی زندگی کے پل پل کو

طعنوں سے بھر کے اس کی خوشیوں کو نوچ لے۔

احمد! طوبیٰ آج بھی ویسی ہی پاکیزہ ہے جیسی کل تک تھی کیا آپ کو اس کا آنسوؤں سے دھلا چہرہ دیکھ کر نہیں لگتا کہ وہ......'' وہ بات کو ادھوری چھوڑ کر ان کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگیں جس پر اب غصے کی بجائے نرمی اور شرمندگی کی لکیریں ابھر رہی تھیں۔

''مگر لوگ کیا کہیں گے؟'' ایک خوف ان کے دل میں ابھی موجود تھا۔

''لوگ' کون لوگ؟'' فائزہ خان کو کچھ غصہ آ گیا۔ ''لوگ کون ہوتے ہیں ہمارے رشتوں میں دراڑیں ڈالنے والے' ہماری محبتوں کو داغدار کرنے والے؟ اور پھر لوگوں کو کیا خبر ہم پر کیا بیتی ہے۔ احمد' احمد۔'' وہ دوبارہ پلٹ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گئیں۔

''ابھی یہ دکھ ہمارے سینوں کی دیواروں میں محفوظ ہے زمانے کی ہوا نے اس راز کو نہیں چھوا احمد! وہ ہماری بچی ہے اسے ہم اپنے گھر لے آتے ہیں کسی کو کبھی خبر نہ ہو گی۔'' وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگی۔

''محبت تو مسیحا ہوتی ہے ہر درد کی اس بچی کے درد سمیٹ لو احمد وہ تمہاری بھی بیٹی ہے اسے اپنی عزت بنا لو تا کہ اس کی عزت پر لگنے والی گیلی مٹی کا یہ داغ دھل جائے ورنہ......ورنہ یہ داغ گہرا ہو گیا تو۔'' ان کی آواز رندھ گئی۔ وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر رو دیں۔

''احمد بڑے بن کر سوچو اور بڑے دل سے اسے اپنا لو۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں' واسطہ دیتی ہوں تمہیں اپنی عمر بھر کی محبتوں اور خدمتوں کا' میں نے تم سے کبھی کچھ نہیں مانگا۔ آج میرے دامن میں میرے بیٹے کی خوشیاں اور میرے بھائی کی لاج رکھنے کا وعدہ ڈال دو۔'' وہ رو پڑیں۔

''فائزہ! فائزہ! مت کرو ایسے۔'' انہوں نے ان کے ہاتھ پکڑ کر اوپر بٹھایا۔

''تو پھر وعدہ کرو کہ وقاص کی بات مان لو گے۔'' وہ ہاتھ پھیلا کر عہد مانگنے لگیں۔

''اوں ہوں وقاص کی بات تو ہرگز نہیں مانوں گا۔'' احمد خان نے دوبارہ سنجیدہ سی شکل بنا لی جسے دیکھ کر فائزہ خان کے چہرے پر دوبارہ ویرانی چھانے لگی۔

''وقاص کی بات کیوں مانوں۔'' انہوں نے بیوی کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھایا۔

''بلکہ اپنے دل کی بات مانوں گا اور میرا دل کہہ رہا ہے کہ طوبیٰ ہماری بیٹی بنے گی۔'' شرارت سے ہنسے تو فائزہ خان کی بھی جان میں جان آ گئی۔

''سچ احمد! سچ؟'' وہ بے یقینی سے ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

''سو فیصد سچ۔'' انہوں نے اپنی انگلی پر ان کے آنسو اتار لئے۔

''میں آپ کا یہ احسان عمر بھر نہیں بھولوں گی۔'' وہ شکریہ ادا کرنے لگیں۔

''میں' میں وقاص کو بلا کر لاتی ہوں وہ آپ سے معافی مانگے گا آ کر اور آپ معاف کر [...] گے۔'' وہ بیٹے کو بلانے دوڑیں۔

''واہ' کبھی لڑتی ہو تو تم تڑاخ کرتی ہو اور کبھی آپ جناب۔'' وہ پیچھے سے ذرا بلند آواز میں بولے تو وہ مسکراتی ہوئی ایک نظر ان پر ڈال کر وقاص اور رابعہ کو یہ خوشخبری سنانے چلی گئیں۔

☆======☆======☆

کرنل عبدالصمد خان جاتے ہوئے صبح کا ایک اخبار اپنی دراز میں لاک کر کے چلے گئے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ گیتی آرا کے قتل کی خبر کو انہوں نے چھپا لیا ہے مگر وہ کس کس اخبار کو چھپاتے اور جو خبر آگ کی طرح انسانوں کے پورے جنگل میں پھیل چکی تھی وہ ان کے روکے کہاں رکتی یا بجھتی۔ طوبیٰ کو پتا چل گیا اور بہت جلد چل گیا تھا جس کا نقصان اس کی ذہنی حالت اور اس کے گھر والوں کے دلی جذبات کے لئے بہت زیادہ تھا۔

ڈاکٹر ذاکر نے بڑی محنت سے اسے کچھ نارمل کیا تھا مگر اب وہ پھر بستر پر پڑ گئی تھی اور پہلے سے زیادہ فکر مند کر دینے والی حالت میں تھی۔ اب اس نے جب سے گیتی آرا کے قتل کی خبر پڑھی وہ پہلے تو بہت چیخ چیخ کر روئی تھی اور پھر ایسی خاموش ہوئی کہ اب تک چپ تھی اور چپ چاپ لیٹی چھت کو گھورتی رہتی تھی' سب لوگ اسے بلانے اور رُلانے کی بھرپور کوشش کر چکے تھے مگر وہ تو جیسے پتھر ہو چکی تھی۔

تین روز گزر چکے تھے مگر اس کی حالت میں کوئی خاص فرق نہ آیا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا یہ بات مزید تشویش ناک ہوتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین بے حد فکر مند اور پریشان تھے۔

''صمد خان! میں طوبیٰ کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔'' وہ اسے ڈرپ لگا کر پلٹے تو کرنل صاحب کو بتانے لگے۔ ''میرا خیال ہے ہمیں کسی ماہرِ نفسیات کا سہارا لینا پڑے گا۔'' وہ خیال کم اور مشورہ زیادہ ظاہر کر رہے تھے۔

''ذاکر! دیکھنا مجھ سے کچھ چھپانا نہیں۔'' کرنل صاحب بڑے حقیقت پسند انسان تھے مضبوط اعصاب کے مالک بھی اس لئے سچ کو سمجھنا زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔ بہ نسبت جھوٹ

''کچھ کہا نہیں جا سکتا اگر حالت ایک دو روز مزید ایسی رہی تو'' وہ خاصے فکر مند تھے۔

''تو تو کیا ذاکر؟'' وہ بے تاب ہو گئے۔

''تو اس کی یادداشت یا ذہنی صحت متاثر ہو سکتی ہے۔'' ڈاکٹر ذاکر حسین نے صاف
دیا۔

''تو پھر جو کرنا چاہیے وہ کرو ذاکر! کسی بھی طرح میری بیٹی کو اس عذاب ناک حالت سے نکالو۔'' وہ بہت بے بس دکھائی دے رہے تھے۔

''اللہ بہتر کرے گا یار ہمت کیوں ہارتے ہو؟'' وہ انہیں حوصلہ دینے لگے۔ دونوں ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے۔ اس لئے ایک دوسرے کا درد محسوس کر لیا کرتے تھے۔

''میں آج ہی ڈاکٹر حمید اللہ سے رابطہ کروں گا۔'' وہ بتانے لگے کہ ڈاکٹر حمید اللہ ایک بہت مشہور اور قابل ماہر نفسیات ہیں وہ یقیناً اس مسئلے کو بہتر اور جلد حل کر لیں گے۔

''ٹھیک ہے تم' اس سے رابطہ کر لو۔'' وہ آج بہت تھکے ہوئے اور کمزور لگ رہے تھے پے در پے کے ان دکھوں اور آزمائشوں نے ان کے اعصاب کو بہت متاثر کیا تھا۔ آخر انسان کی قوتِ برداشت کی بھی تو حد ہوتی ہے۔ وہ نڈھال ہو چکے تھے مگر ہمت نہیں ہاری تھی۔

''میں ذرا زیدی کی طرف جا رہا ہوں۔'' وہ سعدیہ خان کو بتاتے ہوئے بولے۔

''وہ نویرہ کو بھی لانا ہے ایئر پورٹ سے۔'' وہ یاد کروانے لگیں۔

''اس کی فلائیٹ لیٹ ہے میں واپسی پر اسے لیتا آؤں گا۔'' انہوں نے ذاکر حسین کو ساتھ لیا اور چل دیئے۔

سمیر پہلے ہی بہت چھٹیاں کر چکا تھا آج کل ان کا کیمپ ہو رہا تھا وہ کسی بھی طرح غیر حاضر نہ رہ سکتا تھا اس لئے مجبوراً وہ ان حالات میں بھی واپس اکیڈمی چلا گیا تھا۔ ایک مجاہد کی زندگی ایسے ہی امتحانوں سے بھری ہوتی ہے۔ جب وہ بار بار قربانیاں دیتا ہے۔

سعدیہ خان بہت تھک گئی تھیں۔ ''خدایا! تُو ہم لوگوں پر رحم کر۔'' وہ اپنے اللہ کو یاد کرنے لگیں۔

☆======☆======☆

''فائزہ! فائزہ! وکی وقاص!'' احمد خان بالکل اچانک ہی وقت سے پہلے اپنے آفس سے واپس آ گئے تھے اور زور زور سے چلا رہے تھے۔

''یہ آج تمہارے ابو اس وقت۔'' فائزہ کچن میں دوپہر کے کھانے کے لئے کچھ بنانے میں مصروف تھیں اور وقاص ان کے پاس کھڑا چائے پی رہا تھا۔ آج کل وہ چھٹی پر گھر آیا ہوا تھا۔ اس لئے زیادہ وقت ماں کے ساتھ ہی گزارتا تھا۔ وہ اس وقت ماں کے ساتھ پنڈی جانے کا پروگرام بنا رہا تھا کیونکہ جب سے اس کے ابو رضامند ہوئے تھے گھر میں دوبارہ

خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ رابعہ کالج گئی ہوئی تھی۔

''فائزہ!'' انہوں نے دوبارہ چیخ کر کہا۔ وہ خاصے غصے میں لگ رہے تھے۔

''جی' جی۔'' وہ تولئے سے ہاتھ پونچھتی بھاگی آئی تھیں۔

''کہاں ہے وقاص؟'' غصے سے ان کا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا تھا۔

''جی ابو۔'' وقاص جلدی سے بولا۔

''بہت ظرف ہے ناں تمہارے اندر' بہت بڑا دل ہے تمہارا اور بہت کچھ تم برداشت کر سکتے ہو۔'' وہ غصے سے کانپ رہے تھے۔

''احمد! احمد! خیر تو ہے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' فائزہ خان نے انہیں بازو سے تھام کر صوفے پر بٹھانا چاہا۔

''چھوڑو مجھے۔ میں دیکھوں یہ کتنا عظیم ہے۔ اس دور کے اس ہیرو کا کتنا بڑا ظرف ہے۔ دیکھوں ذرا۔'' وہ اپنا آپ چھڑا کر وقاص کے سامنے آ گئے۔

''مگر ابو میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ تو حیران پریشان سا انہیں دیکھ رہا تھا۔

''تم نے کچھ نہیں کیا تو یہ دیکھو۔'' انہوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا خاکی لفافہ اس کے منہ پر دے مارا۔ وہ غصے کے بہت تیز اور مزاج کے گرم انسان تھے ان کی قوت برداشت بہت کم تھی جلدی وہ اپنا ٹیمپر لُوز کر لیا کرتے تھے۔

''کیا ہے اس میں۔'' فائزہ خان کا دل دھک دھک کرنے لگا کہ جانے باپ بیٹے کو کیا دکھانے لایا ہے۔

''دکھا دینا اپنی ماں کو بھی۔'' وہ فائزہ خان کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے جانے کو پلٹے۔

''اور ہاں سنو میں بڑا شریف اور بزدل سا انسان ہوں مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ میں روز روز ایسے تماشے دیکھوں اور زمانے کی نظروں میں تماشا بنوں' پھر بھی تمہاری غیرت اگر مر گئی ہو تو اپنی من مانی کرنے کے لئے میرا گھر چھوڑ کر جانا پڑے گا تمہیں۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ کر پاؤں پٹختے چلے گئے۔

''دیکھو وکی کیا ہے اس میں۔'' فائزہ خان سے مزید انتظار مشکل تھا وہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ آخر ہے کیا اس لفافے کے اندر جس نے احمد خان کو اتنا مشتعل کر دیا تھا۔ مگر وہ یہ تصور بھی نہ کر سکتی تھیں کہ لفافے کے اندر سے نکلنے والی چیز انہیں پتھر کا کر دے گی۔

''یہ' یہ کیا ہے؟'' وہ شرم اور شرمندگی سے زمین میں گڑ گئیں۔

"یہ یہ امی جان۔" وہ جلدی جلدی اپنے ہاتھ سے چھوٹ کر گرنے والی تصویروں کو فرش پر سے سمیٹنے لگا۔ وہاں ایک چھوٹا سا نیلا کاغذ بھی تھا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔

"ناچیز کی طرف سے حقیر سا نذرانہ۔ دکھانے کو تو اور بھی بہت کچھ ہے وقتاً فوقتاً پیش کرتا رہوں گا۔ ویسے انلارج کرالیں شاہکار ہیں۔"

آپ کا خادم

کسی نے بڑے گھٹیا پن سے طنز کرنے کی کوشش کی تھی۔

"اوہ! یو باسٹرڈ۔" وقاص نے اپنا مکا اپنے ہی ہاتھ پر مارا۔ "آئی کِل یو (I Kill You)۔" اس نے وہ کاغذ کا ٹکڑا مٹھی میں لے کر مسل ڈالا۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔" فائزہ خان اپنا سر تھام کر وہیں قریبی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"امی جان! یہ بلیک میلنگ ہے گھٹیا ہتھکنڈے ہیں۔" وہ ماں کو سمجھانے لگا۔

"کچھ بھی ہو وقاص تمہارے ابو اب نہیں مانیں گے۔" وہ شوہر کے مزاج کو اچھی طرح جانتی تھیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ جس بازی کو انہوں نے بڑی ہی مشکلوں کے بعد ایک ہفتہ قبل جیتا تھا وہ بازی پھر پلٹ گئی تھی اور وہ ہار گئی تھیں بری طرح ان کا دھک دھک کرتا دل اب دھونکنی کی طرح چلنے لگا تھا۔

اُف توبہ کیسی واہیات تصویریں تھیں انہیں دیکھ کر احمد خان کا پٹھان خون اُبل نہ پڑتا تو کیا کرتا۔ بھتیجی سے انہیں لاکھ محبت سہی مگر اب ایسی صورت میں جب ان تصویروں میں وہ ایک شرمناک حالت میں اسے دیکھ چکی تھیں۔ کس طرح بہو بنا لیتیں جانے یہ تصویریں کس کس نے دیکھی ہوں گی۔

انہیں تو یہ سوچ کر ہی غیرت آ رہی تھی۔ "رُل گئی میرے بھائی کی عزت خاک پڑ گئی اس کی دستار پر۔" وہ دل ہی دل میں بھائی کا خیال کر کے اور بھی زمین میں گڑ گئیں۔ "صمد خان یہ تصویریں دیکھے گا تو شاید طوبیٰ کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کر دے گا۔" وہ ایک پٹھان عورت بن کر سوچ رہی تھیں جو بہت روایتی اور خاندانی تھی اور ان کے خاندان اور روایات میں اگر ان کے خاندان کی کسی جوان لڑکی پر کسی نامحرم کی غلط نظر بھی پڑ جاتی تو وہ اس کا خون پی جاتے اور اگر لڑکی کسی نامحرم کے بارے سوچ بھی لیتی تو قتل کر دی جاتی تھی اور ایسی ذلت ایسی رسوائی۔ "توبہ توبہ خاندان والے کیا کہیں گے؟" وہ تھرا گئیں۔

☆======☆======☆

نوریہ واپس پاکستان آئی تو وہ حالات ہی نہ تھے۔ اس کا ہنستا بستا گھر کیسا ویران ہو چکا

تھا اور ہر دم کھلکھلانے والے چہرے کیسے مرجھا کر رہ گئے تھے۔ طوبیٰ کو اس حالت میں دیکھ کر تو اس کی جان ہی نکل گئی تھی۔ اس کے بابا برسوں کے بیمار دکھائی دے رہے تھے۔

"آپ آپ لوگوں نے مجھے بتایا کیوں نہیں تھا۔" وہ سب سے خفا تھی۔

"بیٹا! تم وہاں پریشان ہوتیں۔ اس لئے۔" سعدیہ خان نے بڑی محبت سے اسے سمجھایا مگر وہ تو بالکل بچی بنی ہوئی تھی۔

"ہاں میں پریشان ہوتی اور آپ نے جو یہاں قیامتیں دیکھیں ان کی اذیت بتائیں کیا وہ اذیت کم تھی؟" وہ لال لال آنکھیں نکالے ماں سے پوچھ رہی تھی جو صبح سے آنسو بہا بہا کر اس نے کر لی تھیں۔

"نوریہ! تم تو سمجھدار ہو بیٹی! ہم تمہیں وہاں کیسے یہ سب بتا دیتے تم سسرال میں تھیں۔" کرنل صاحب نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

"مگر بابا! آپ لوگوں نے تنہا یہ سب سہا۔" اسے تو بس یہی رنج تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کا یہ درد بٹا نہ سکی تھی۔

"تنہا نہیں تھے ہم تم لوگوں کی محبتوں کا یقین تھا ہمارے ساتھ۔" انہوں نے پیار سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

"دیکھیں ناں بابا! طوبیٰ کی کیسی حالت ہو گئی ہے۔" وہ طوبیٰ کے پاس بیٹھ کر اس کے ہاتھ چومنے لگی۔

"طوبیٰ! میری جان کچھ تو بول، دیکھ میں تیری نوریہ آپا آ گئی ہوں میری طرف دیکھ کر بات کر۔" وہ بچوں کی طرح اسے پچکارنے لگی۔

مگر وہ جواب میں بس ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ ایسے جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ "طوبیٰ! کہہ دے مجھ سے کہہ دے اپنے دل کا درد۔" وہ اس کی پیشانی پر ہولے ہولے اپنا ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"اماں جان یہ تو مجھے پہچان ہی نہیں رہی اسے کہیں نا مجھ سے بات کرے۔" اس کے دل کو اسے یوں پتھر بنا دیکھ کر کچھ ہو رہا تھا۔

"میں، میں کیا کروں میری جان مجھے بتا میں کیا کروں میرا کلیجہ تو خود پانی ہو رہا ہے۔" وہ نوریہ کو گلے سے لگا کر رو پڑیں۔

"ارے آپا! آپ اور اتنا سا دل بالکل چڑیا جتنا۔" سمیر جو کب سے نوریہ کو یوں رو رو کر ہلکان ہوتے دیکھ کر دکھی ہو رہا تھا زور سے بولا۔

''آئیں آپ ادھر۔'' اس نے اسے کندھوں سے تھام لیا۔ ''کیا امریکہ والے رونا ہی سکھاتے ہیں انگریز بزدل کہیں گے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہنس پڑا۔

''نہیں' نہیں تو میں کہاں بزدل ہوں۔'' اس نے روتی آنکھوں کو صاف کیا اور ایک دم مسکرادی۔ وہ ایسے ہی کیا کرتی تھی سمیر جانتا تھا اسی لئے تو اس نے اسے روتے میں ہنسادیا تھا۔

''یہ جو طوبیٰ ہے نا یہ ہماری آپی بس ہمیں ہماری محبتوں کو تھوڑا سا آزما رہی ہے اسے ہوا کچھ نہیں زیادہ دیر چپ تو یہ رہ ہی نہیں سکتی۔ دیکھ لیجیے گا بولنے لگے گی۔'' وہ انہیں صوفے پر بٹھا کر طوبیٰ کو دیکھنے لگا۔

''اسے کچھ نہیں ہوگا میں' میں ان لوگوں کو شوٹ کردوں گا۔ سزا دلوا کر رہوں گا۔'' اس کا خون ان لوگوں کے بارے میں سوچ کر کھولنے لگا جن کی وجہ سے اس کی بہن کی یہ حالت ہوئی تھی۔ آج اس کی قوتِ برداشت کمزور پڑ گئی تھی۔ ''آئی کل ہم (I Kill Him)۔'' وہ بالکل ایک غصیلا سپاہی دکھائی دے رہا تھا جس کی غیرت جب جاگتی ہے تو وہ دشمن کو ملیامیٹ کرکے رکھ دیتا ہے دراصل وہ اپنی بہن کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ان بہن بھائیوں میں عجیب سی محبت تھی۔ بہت انوکھی اور گہری' وہ تو ایک دوسرے کو کانٹا لگنے پر تڑپ جایا کرتے تھے۔ یہاں تو اب ان کے دن اور راتیں نیزوں کی نوک پر گزر رہے تھے۔

''مجھے...... مجھے پتا ہے وہ کون ہے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ گیتی آپا کا قتل کس نے کیا ہے۔ میں' میں سب کو بتادوں گا۔'' وہ جو دیکھنے میں بڑا کڑیل جوان بن چکا تھا اندر سے تو بالکل بچہ ہی تھا۔ یہ اس کے اندر کا نادان بچہ تھا جو تکلیف ملنے پر رو رہا تھا اور تکلیف دینے والے سے بدلہ لینے' اس کی شکایت کرنے کا کہہ رہا تھا۔

''کون...... کون ہے وہ؟'' نویرہ کے ساتھ ساتھ سعدیہ خان اور کرنل صاحب بھی ایک دم بولے۔

''وہ' وہ کمینہ' وہ درندہ صفت انیق یزدانی۔'' وہ اپنی شدت کرب سے انگارہ ہوتی آنکھوں سے طوبیٰ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''انیق۔'' کرنل صاحب کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے لفظ نکلے وہ تقریباً کرسی پر ڈھے سے گئے۔

''ہاں' ہاں وہی انیق اور وہ خالد خان یہ دیکھیں بہت بڑا ڈرامے باز اور آرٹسٹ بنتا ہے

...سمجھتا ہے اس کی اصلیت کوئی نہیں جانتا۔'' اس نے ایک شوبز کا میگزین ان کے آگے کردیا ...جس میں انیق یزدانی کا انٹرویو چھپا تھا۔ جس میں اس نے گیتی آرا کے قتل سے لاعلمی اور اپنی ...سے گہری چاہت کا اظہار کیا تھا یہ چاہتا نہیں تھا گیتی آپا کو' اس نے انہیں ختم کرنے کے لئے یہ ساری چال چلی تھی۔'' وہ جانے کس طرح سے ساری حقیقت جانتا تھا۔ آج غصے میں ...بولا تھا تو سارے پردے چاک کررہا تھا۔

''سمیر' تم...... یہ سب کیسے جانتے ہو؟'' کرنل صاحب اپنے نوجوان بیٹے کو حیرت سے دیکھ رہے تھے جو اپنی عمر سے کہیں بڑا دکھائی دے رہا تھا۔

''بابا! میں پٹھان مرد ہوں میرا خون تو خود آگ ہے اور پھر میں مجاہد ہوں۔ بس بابا اب میں انہیں نہیں چھوڑوں گا بہت ہوگیا ان کا ظلم اب وہ اپنے انجام کی سوچیں۔'' وہ جوش سے ...اٹھا۔

''کہاں جارہے ہو۔'' سعدیہ خان نے لپک کر اسے تھام لیا۔

''مجھے مت روکیں آپ۔'' وہ ان کے ہاتھ سے چھوٹنے لگا۔

''تم بہت چھوٹے ہو ابھی۔'' ان کی ممتا کے آئینے میں ابھی اس کا عکس ایک نونہال جتنا ...ہی تھا۔

''چھوٹا نہیں ہوں میں' بہنوں کے بھائی کبھی چھوٹے نہیں ہوتے ان کی عزتوں کی حفاظت کا بوجھ انہیں بہت طاقتور کردیتا ہے بس آپ مجھے جانے دیں۔'' وہ ضد کرنے لگا۔

''کیا کروگے تم؟'' کرنل صاحب نے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے لیا۔

''میں قتل کردوں گا انہیں۔'' وہ تو سر پر کفن باندھے کھڑا تھا۔

''کس کس کو قتل کروگے؟'' وہ پوچھ رہے تھے ان کے انداز میں ہلکا سا طنز بھی شامل تھا۔

''اس معاشرے میں قدم قدم پر ایسے بھیڑیئے چھپے بیٹھے ہیں تم کس کس کو مارو گے ...یہاں ہر دوسرے چہرے کی شرافت کے پیچھے ایک گھناؤنا چہرہ ہے۔ تم کس کس کو بے نقاب کرو گے؟'' کرنل صاحب کو غصے سے زیادہ دکھ کی شدت نے بولنے پر مجبور کیا تھا وہ بھی بہت کچھ ...جان گئے تھے مگر ان کے لبوں کو جس بات نے سی رکھا تھا وہ تھی عزت' بیٹی کی عزت کا پردہ' ورنہ وہ اگر چاہتے تو بہت کچھ کرسکتے تھے۔

''بابا میں سب کے چہروں سے نقاب نوچ لوں گا سب کو دنیا کے سامنے بے نقاب کردوں گا۔ دنیا دیکھے تو سہی کہ ان نقابوں کے پیچھے کون کون چھپا بیٹھا ہے۔'' وہ تو اپنی بات پر

قائم تھا۔

''جب تم دنیا کے سامنے ان کے نقاب نوچ لو گے ان کے راز کھولو گے تو کیا زمانہ تم سے کچھ نہ پوچھے گا؟'' ان کی آواز میں سختی کی جگہ لرزش آ گئی تھی زمانہ تو ہر ایک کی کہانی کو منظر عام پر دیکھنا چاہتا ہے۔

زمانہ تو ہر ایک کو سٹیج پر بلا کر فقرے کسنے کا عادی ہے کن لوگوں اور کس معاشرے کی بات کرتے ہو تم' یہاں ہر ایک کے چہرے پر ایک ماسک ہے ہر ایک کی زندگی میں کچھ پوشیدہ راز ہیں تمہارے اور میرے چہرے پر بھی نقاب ہے۔ کیا تم باہر جا کر اس طرح چیخ چیخ کر کہہ سکتے ہو؟'' وہ اسے کندھوں سے پکڑے جھنجھوڑ رہے تھے۔ ''کیا ہماری زندگی میں جو راز شامل ہو گیا ہے اسے تم زمانے کو بتا سکو گے؟ یہاں ہم سب بلیک میلنگ کی لائف گزار رہے ہیں اگر تم اسے بے نقاب کرو گے تو وہ بھی تمہاری عزت پر سے اس بھرم کا نقاب نوچ لے گا جو ابھی قائم ہے۔

تم زمانے کو اس کا گھناؤنا چہرہ دکھاؤ گے تو وہ زمانے کو اور بہت کچھ دکھا سکتا ہے۔'' ان کا اشارہ ان تصویروں کی طرف تھا جو ابھی دو روز قبل پھر اس نے انہیں بھیجی تھیں۔

''بابا جان! میں اور کچھ نہیں کر سکتا تو اسے تو مار سکتا ہوں میں' میں اسے شوٹ کر دوں گا۔'' وہ تصویروں کو سوچ کر اور بھی سیخ پا ہو گیا۔

''تم کیا سمجھتے ہو میں یہ نہیں کر سکتا یا نہیں کروا سکتا تھا۔''

وہ بے بسی سے اسے گھورنے لگے۔ ''دیکھو یہ دیکھو کیا ہے؟'' انہوں نے بہت سارے نیلے کاغذ کے ٹکڑے اس کے سامنے بکھیر دیئے۔ ''پڑھو یہ کیا ہے؟ یہ وہ بیڑیاں ہیں جو میرے قدم جکڑے ہوئے ہیں۔'' وہ کاغذ کے ٹکڑے دھمکیوں سے بھرے ہوئے تھے وہی پرانا ہتھکنڈا بلیک میلنگ والا کہ یہ تصویریں عام کر دیں گے پوسٹر بنوا دیں گے کہ ایک عزت دار کرنل کی شریف بیٹی انڈر گراؤنڈ ورلڈ کی مشہور ماڈل گرل ہے جو اپنے جسم کی نمائش سے ماڈلنگ میں کروڑوں روپیہ کماتی ہے جسے اس کا شریف باپ بڑی شرافت سے ہضم کر رہا ہے۔ اور یہ خبر ملک کے نیوز پیپرز کی اشاعت اور فروخت میں خاصے اضافے کا باعث ہو گی اور لوگوں کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث' کسی نے بہت ہی زیادہ کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ سب لکھا تھا۔

''میں خون پی جاؤں گا ان کا۔'' سمیر کو بھی غصہ آ گیا۔

''اگر ان کا خون بہانے یا پی جانے سے ہماری عزت کا یہ داغ دھل سکتا تو میں جانے

کس کس کا خون پی چکا ہوتا مگر یہ ہاتھ یہ ہاتھ بندھے ہوئے ہیں دیکھو مجبوریوں کے کتنے موٹے موٹے قفل ڈال دیئے ہیں انہوں نے میرے ہاتھوں میں۔''

وہ کرنل عبدالصمد خان سے ٹوٹ کر ایک مجبور اور بے بس باپ کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ ''کیا تم اس کے پوسٹر اور اس کے نام کی خبروں کو دیکھ اور پڑھ سکو گے؟'' وہ ہارے ہوئے ٹوٹے ہوئے لگ رہے تھے۔

''بابا جان!'' نویرہ نے تڑپ کر باپ کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''بیٹیاں جس قدر میٹھی چیز ہوتی ہیں ان کی عزت کے معاملے اتنا ہی زہر پھیلایا کرتے ہیں والدین کی رگوں میں۔'' انہوں نے نویرہ کا ہاتھ اپنے کندھے سے اٹھا کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

''شاید اسی لئے پہلے لوگ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔'' نویرہ نے تو دکھی ہو کر کہا تھا مگر کرنل صاحب کو اس کی بات اور دکھی کر گئی۔

''ایسا نہیں کہا کرتے بیٹا' جب ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی سے محبت کی ہے اور بے پناہ کی ہے اسے رحمت کہا ہے تو پھر ہم کون ہوتے ہیں اس سے منکر یا متنفر ہونے والے؟ یہ دکھ اپنی جگہ مگر مجھے میری بیٹیاں بہت پیاری ہیں۔'' انہوں نے تانیہ کو بھی اشارے سے بلا کر گلے سے لگا لیا جو ایک طرف چپ کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ ''تم لوگ کبھی آئندہ ایسا مت سوچنا یا کہنا اور میری طوبیٰ کے سامنے کبھی ایسی کوئی بات کوئی اور نہیں کرے گا۔'' انہوں نے قریب جا کر طوبیٰ کو محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

''میں زمانے سے ڈرتا نہیں ہوں بس مجھے اپنی بچی کی عزت نفس کا خیال ہے کہ وہ دکھی ہو گی شرم محسوس نہ کرے ورنہ میں ایک ایک کو ٹھکانے لگا سکتا ہوں۔'' انہوں نے سمیر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

''بہنوں کے بھائی جہاں بہت طاقتور ہوتے ہیں وہیں بہت مجبور بھی ہوتے ہیں۔'' انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔

''صبر' بیٹا صبر! اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔'' وہ سمیر کے ہچکیاں لیتے وجود کو تھپکیاں دے رہے تھے۔

''بابا! انہوں نے میری بہن کو۔'' اس کی زبان بات کو پورا نہ کر سکی تھی۔

''میں نے اپنا کیس اپنے اللہ کے سپرد کر دیا ہے وہ بڑا انصاف پسند ہے وہی اس کا حساب لے گا اور ضرور لے گا۔'' وہ بھی رو پڑے اس طرح اور اتنا کہ با آواز۔

''میرے اللہ تُو مجھے میری ہمت سے بڑھ کر آزمائش نہ دے میری مدد فرما دے۔ میرے اللہ میری بچی کا بھرم رکھ لے۔'' وہ التجائیں کر رہے تھے اور باہر دیوار سے لگی جنت بی بی بھی اپنی ہچکیوں کے بیچ میں آمین' ثم آمین کہہ رہی تھی۔

☆======☆======☆

ڈاکٹر حمید اللہ نے علاج شروع کر دیا تھا ان کا طریقہ علاج بہت مختلف تھا اور اس سے اتنا فرق پڑ گیا تھا کہ وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ منہ سے نکالنے لگی تھی بستر سے اٹھ کر کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہل لیتی تھی مگر زیادہ تر خلاؤں میں ہی کچھ دیکھتی رہتی تھی۔

اس وقت بھی وہ کھڑکی کھولے کھڑی تھی اور باہر دیکھ رہی تھی نویرہ اس کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی موسم بہار کی آمد آمد تھی باہر لان پھولوں سے بھرا تھا آنکھوں کو سبز اور رنگ برنگے پھولوں کا یہ نظارہ بہت بھلا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ اس نے ایک نظر نویرہ پر ڈالی اور پھر باہر دیکھنے لگی۔

''چائے پیو گی؟'' نویرہ نے مسکرا کر پوچھا۔ ''آؤ چائے پیتے ہیں۔'' اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ خود ہی بولی اور اس کا ہاتھ تھام کر چل پڑی۔

''چلو آج باہر لان میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔'' وہ اسے باہر لے آئی تانیہ نے پہلے ہی میز پر چائے لگا رکھی تھی۔

''ارے واہ آپی آئی ہیں۔ آئیں آئیں۔'' سمیر نے لپک کر کرسی پر اسے بٹھا دیا اور کرسی کی پشت پر جھک کر اسے دیکھنے لگا وہ کیسی کمزور اور زرد ہوگئی تھی۔

تانیہ نے فوراً چائے کپ میں ڈال کر اسے پیش کر دی وہ چپ چاپ چائے پینے لگی چائے کے دوران سب ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے جسے وہ خاموشی سے سنتی رہی۔

نویرہ نے پلیٹ میں کباب رکھ کر اسے دیئے۔ ''یہ مچھلی کے کباب میں نے خاص تمہاری پسند کے بنائے ہیں۔ تمہیں پسند ہیں ناں؟'' وہ پوچھ رہی تھی جواب میں اس نے پلیٹ نویرہ کے ہاتھ سے لے لی اور کباب کھانے لگی۔

''اور لو گی؟''

نویرہ نے بڑے پیار سے پوچھا تو اس نے اقرار میں سر ہلا دیا اس کا مطلب تھا کہ اب اس کی ذہنی حالت بہت بہتر ہو چکی تھی اور وہ بات کو سمجھنے لگی تھی۔ اس کا جواب بھی دیتی مگر زبان سے نہیں اور اسے زبان سے بلوانا اور رُلانا اب ضروری ہو چکا تھا۔

نویرہ ڈاکٹر حمید اللہ کے ساتھ پورا تعاون کرتے ہوئے اس کے علاج میں شریک تھی۔

...ہدایات ڈاکٹر صاحب اسے دے رہے تھے وہ اسی طرح طوبیٰ کے ساتھ ٹریٹ کرتی تھی ہر لمحہ وہ طوبیٰ کی ترنگ میں اس کے ساتھ تھی اور آج اس نے طوبیٰ کو رُلانا تھا۔ جس کے لئے طے کیے ہوئے پلان کے مطابق وہ آج صبح سے اس کے ساتھ تھی۔ چائے وغیرہ کے لئے ...دل انہوں نے جان بوجھ کر دیا تھا تاکہ اس کا ذہن کچھ فریش ہو سکے اور اسے سب کچھ ...لگے۔ چائے کے بعد وہ سب اندر آ گئے۔ کرنل صاحب اور سمیر تو کہیں باہر چلے گئے۔ ...خان اپنے کمرے میں لیٹنے کے لئے چلی گئیں اور وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئیں۔

''آج تو کوئی مووی دیکھتے ہیں۔'' تانیہ نے وی سی آر پر ویڈیو کیسٹ لگاتے ہوئے

''یہ بہت زبردست مووی ہے سمیر کہہ رہا تھا کہ ضرور دیکھنا۔'' اس نے ریموٹ کنٹرول ...کے ہاتھوں میں دے دیا اور خود طوبیٰ کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی اس نے اپنے ہاتھ اس کی کمر ...حائل کر رکھے تھے۔

یہ ایک انگلش مووی تھی جو تقریباً ایسے ہی موضوع پر بنائی گئی تھی اس میں تھرل اور ...س تھا۔ اسٹوری ایک ایسی ہی لڑکی کی تھی جس طرح گیتی آرا کی لائف اسٹوری تھی۔ ...میں لمحہ لمحہ دلچسپی پیدا ہو رہی تھی نویرہ اور تانیہ دیکھ رہی تھیں کہ طوبیٰ بہت غور سے مووی ...رہی تھی اور اس کے چہرے کے تاثرات بھی ساتھ ساتھ بدل رہے تھے جسے دیکھ کر وہ کچھ ...ان محسوس کر رہی تھیں اور دل ہی دل میں دعائیں کر رہی تھیں کہ اللہ کرے ان کا پلان ...یاب ہو جائے۔

''ن......نہیں......نہیں۔'' اچانک ہی طوبیٰ زور زور سے چیخنے لگی' اسے مت مارنا مت ...'' وہ ٹی وی کی طرف دیکھ کر شور مچا رہی تھی۔ ''گیتی گیتی۔'' وہ لپک کر ٹی وی کی طرف ...دراصل مووی میں اب ولن ہیروئن کو قتل کرنے لگا تھا۔ جس نے اس کے لاشعور میں چھپی ...کو بھڑکا دیا اور وہ زبان پر آ گئی۔

''یہ یہ گیتی ہے۔''

''نہیں طوبیٰ یہ گیتی نہیں ہے۔'' نویرہ اسے جھنجھوڑنے لگی۔

''آپا! یہ گیتی ہی ہے اور یہ یہ انیق یزدانی دیکھو کیسا مکار ہے اس کے چہرے پر کیسی ...نت برس رہی ہے۔''

''تو مارنے دو ہمیں کیا۔'' نویرہ نے اپنے جذبات کو چھپاتے ہوئے لاپرواہی کے انداز ...ہا۔

"مارنے دوں، گیتی کو مارنے دوں، نہیں آپا گیتی نے تو مجھے اس شیطان کے پنجے سے نکالا تھا وہ ندا کہاں گئی ہاں ندا وہ بھی تو تھی، اس نے ہی تو مجھے بچایا تھا اسے گولی لگ گئی تھی۔" آہستہ آہستہ سب یاد آ رہا تھا۔

"کون ندا مجھے بتاؤ ہاں مجھے بتاؤ طوبیٰ کیا ہوا تھا؟" نوریہ نے ٹی وی آف کر کے اسے اپنی بانہوں میں تھام لیا۔ "آؤ آؤ ہم اندر چلتے ہیں۔" وہ اسے تھامے تھامے اندر لے گئی۔

"ندا، ندا بہت اچھی تھی اور یہ گیتی، گیتی مر گئی ناں؟" وہ نوریہ سے سوال کرنے لگی۔

"گیتی کو کسی نے قتل کر دیا طوبیٰ وہ زندہ نہیں ہے۔" وہ جان بوجھ کر اسے جذباتی کر رہی تھیں۔

"گیتی قتل ہو گئی؟" اسے یاد آ گیا کہ اس نے تو اخبار میں یہ خبر پڑھی تھی۔ "آپا! گیتی میری وجہ سے قتل ہوئی ہے۔" وہ نوریہ کے گلے سے لگ کر رونے لگی۔

"گیتی بہت اچھی تھی مگر اسے جانے کس نے قتل کر دیا؟" وہ کہنے لگی۔

"مجھے پتا ہے اسے کس نے قتل کیا ہو گا وہ بہت ظالم انسان ہے۔" روتے روتے بتانے لگی۔

"تمہاری وجہ سے کیوں طوبیٰ مجھے بتاؤ تمہیں کون لے گیا تھا۔" وہ کریدنے لگی۔ وہ پوری طرح سے جذبات کی زد میں تھی رو رو کر بتانے لگی۔

"آپا! آپ مجھے چھوڑ کر کیوں چلی گئی تھیں۔ آپ کی طوبیٰ آپ کی گڑیا پر کیا کیا قیامتیں گزریں آپ کو کیا خبر؟" وہ نوریہ کے سینے سے لگ کر سسک رہی تھی پھر اس نے سسکیوں اور ہچکیوں کے ساتھ ساری بات اسے بتا دی کہ کس طرح سے اسے اغوا کیا گیا کہاں لے جایا گیا اور انیق نے وہاں اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

"آپا! وہ بہت بڑا درندہ ہے۔" وہ روتے روتے بے حال ہو گئی تھی۔

"میری جان! میری گڑیا!" وہ اس کی باتیں سن کر تڑپ گئی۔ "خدا غارت کرے ظالموں کو۔" اس کے منہ سے بددعائیں نکلنے لگیں۔

"آپا! اس نے زبردستی میری ایسی تصویریں بنائیں کہ جنہیں...... وہ......" وہ شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی۔ "اب میں کسی سے آنکھ نہیں ملا سکتی آپا! دعا کریں میں مر جاؤں۔" وہ اپنے آپ سے بیزار ہو گئی تھی۔ "میرے بابا میرا بھائی کیا سوچتے ہوں گے میرے بارے میں۔" وہ پھر رونے لگی۔ "یا اللہ! مجھے اس ذلت کی زندگی سے چھٹکارا دے دے۔" وہ بار بار موت کی دعائیں مانگ رہی تھی۔

"نہیں...... نہیں اللہ نہ کرے۔" وہ اسے پیار کر کے سنبھال رہی تھی۔

"آپا! یہ زندگی ایسی شرمناک، نہیں موت اس سے اچھی ہے۔ مجھے تو اپنے زندہ رہنے گی ہے۔ سچ، یقین کریں میں نے وہاں مرنے کی بہت کوشش کی تھی۔ مگر میں جانے زندہ ہوں۔" وہ پھر بار بار ایک ہی بات دہرانے لگی تھی۔

تانیہ نے نوریہ کو اشارہ کیا۔ "لو یہ لے لو تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔" اس نے سکون کی گولیاں یں۔ ایسا کرنے کو ڈاکٹر حمید اللہ نے ہی کہا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ جب وہ کسی بات رنے لگے یا بار بار ایک ہی بات پر زور دے تو اسے فوراً یہ دوا دے دینا ورنہ یہی نارمل حالت کو ابنارمل کر دیتی ہے۔

"یہ یہ زہر ہے ناں؟" وہ گولیوں کو غور سے دیکھنے لگی۔ پھر تانیہ کے ہاتھ سے گلاس لے یاں پانی سے نگل گئی۔ "اچھا ہے مر جاؤں گی۔ آپا! بابا اور سمیر سے کہنا طوبیٰ بے قصور بے خطا تھی۔ مجھے معاف کر دیں۔" وہ ہاتھ باندھ باندھ کر معافی مانگنے لگی۔

"گڑیا! ایسے مت کرو کوئی تم سے خفا نہیں۔ کوئی تمہیں خطاوار نہیں سمجھتا۔" وہ اس کے ہاتھوں کو کھول کر چومنے لگی اپنی بہن کو ایسی حالت میں دیکھ کر وہ پھر سے رو پڑی تھی۔

"آؤ تم ادھر آؤ میں تمہیں سلا دیتی ہوں۔" نوریہ نے طوبیٰ کا سر چھوٹی سی بچی کی طرح میں رکھ لیا اور اس کے سر میں محبت سے اپنی انگلیاں پھیرنے لگیں یہاں تک کہ وہ ہوئی سو گئی۔

☆======☆======☆

گیتی آرا کے قتل کا معمہ حل ہونے میں ہی نہ آ رہا تھا۔ اخبارات میں ہر روز نئی سے نئی پ جاتی تھی۔ صحافی اپنے اپنے قیاس کرنے میں مصروف تھے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ احد تک بات واضح کر دی تھی اس میں بتایا گیا تھا کہ مقتولہ سے زیادتی کرنے کے بعد دھار آلے سے اس کا قتل کر دیا گیا تھا جس سے پولیس اور پریس نے یہی نتیجہ اخذ کر کے سامنے پیش کر دیا تھا کہ یہ کام کسی جنونی چاہنے والے کا ہی ہو سکتا ہے۔ اس نے لڑکی کی بے حرمتی کی اور پھر اسے ختم کر دیا مگر کس بے رحمی سے شاید وہ کوئی جنونی ہو سکتا نفسیاتی مریض اور اس نے اتفاقاً ایسا کیا ہو۔

کیس میں اب پریس اور پولیس نے انیق یزدانی کو چھوڑ کر اس کے معصوم گھر والوں لیا تھا وہ ان سے عجیب عجیب سوال کر رہے تھے۔ گیتی آراء کے بعد گھر میں باقی بھائیوں میں ثمینہ ہی بڑی تھی۔ اسے ہی لپیٹ میں لے رکھا تھا پوچھا جا رہا تھا کہ گیتی

کا کردار کیسا تھا؟ وہ اکثر شوبز کے سلسلے میں ملک سے باہر رہتی تھی خدا جانے اور کیا کرتی تھی صرف سمپل ماڈلنگ سے اتنی جلدی اتنی ترقی کرنا ممکن نہیں ہوتی جتنی گیتی آرا نے کر لی تھی پوشیدہ اسرار کیا تھے؟

بڑے بڑے طریقے سے اس پر کیچڑ اچھالا جا رہا تھا۔ ایک تو وہ بیچاری اپنی جان سے گئی تھی دوسرا یہ معاشرہ اور لوگ۔ ایک سنڈے میگزین نے تو اچھا خاصا فیچر چھاپا تھا جس میں ثابت کرنے کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ وہ کوئی اچھے کردار کی مالک نہ تھی۔

کرنل صاحب کو یہ پڑھ کر بہت دکھ ہوا انہوں نے میگزین سمیر کو دیتے ہوئے بس اتنا کہا۔

''لو پڑھو' دیکھو یہ معاشرہ کیسے نقاب اوڑھتا اور کیسے کیسے الٹتا ہے۔ دیکھا ناں؟ اس کے قاتل کے بارے میں تفتیش کرنے کی بجائے اسی کے کردار پر کہانیاں بنانے لگا' کیا تم لوگ اس پر سچ ثابت کر سکتے ہو؟''

وہ پریشان سے ہو گئے تھے۔ وہ کُڑھ رہے تھے کہ وہ طاقت رکھنے کے باوجود بے بس تھے دشمن کو پہچان لینے کے باوجود اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ ''آہ! یہ عزت اور بے عزتی کے کیسے معیار بنا لئے ہیں ہم لوگوں نے' یہ کون سا معاشرہ تشکیل دے لیا ہے ہم لوگوں نے سچ بولنے پر بھی سزا دیتا ہے اور جھوٹ کھلنے پر تو زندگی تنگ کرنے کا مجاز ہے ہی مگر یہ معاشرہ بھی الٹ ہی ہے بروں کو اچھا بنائے اور اچھوں کو برا کر دینے کا اختیار رکھتا ہے۔''

وہ سوچتے سوچتے مسجد چلے گئے کہ جانے کب ہم لوگ اتنے بہادر ہوں گے کہ سچ کو ان کے منہ پر دے ماریں گے کسی کی پروا کیے بغیر۔ میں بھی تو بزدل ہی ہوں کرنل ہو کر بھی میرے اندر ذرا دم نہیں کہ میں لوگوں کو سب بتا دوں۔ بے بسی سے ان کا دل کٹنے لگا۔ مگر نہیں بتا سکتا ہوں میں کسی کو کبھی بھی نہیں بتا سکتا کہ میری بیٹی اغوا ہو گئی تھی وہ تین راتیں چار روز گھر سے باہر رہی مگر وہ بے قصور ہے' کون مانے گا بے قصور ہے؟ کون جینے دے میری بیٹی کو؟ وہ تصور میں بھی لوگوں کے بڑے بڑے کھلے منہ دیکھ کر لرز اٹھے جو ان کی بیٹی کو زندہ چبا ڈالتے طعنے دے دے کر در گور کر دیتے۔ ''یا اللہ تُو میری عزت رکھنا۔''

وہ ان کھلے منہ کے درندہ نما انسانوں سے ڈر کر اللہ کے گھر میں داخل ہو گئے کہ ایک پناہ گاہ تھی ورنہ یہ دنیا تو زندہ جہنم کا دوسرا نام تھی۔

☆======☆======☆

کئی روز کے بعد انیق یزدانی کو خالد خان کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا تھا کیونکہ خالد تو روز منظر عام سے غائب ہو گیا تھا جب گیتی آرا دنیا کے اسٹیج سے غائب ہوئی تھی۔ وہ کل ہی سے واپس آیا تھا اور آج وہ دونوں مل کر بیٹھے تھے۔

''واہ یار! تیرا بھی جواب نہیں جیت لی تُو نے یہ بازی بھی۔'' وہ اخبارات کا پلندہ اس کے آگے پھینکتا ہوا بولا وہ یہ سارے اخبار وہاں تفصیل اور تسلسل سے پڑھتا رہا تھا۔

''شکریہ...... شکریہ ذرہ نوازی ہے آپ کی۔'' وہ ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔

''مان گئے تجھ سے بڑا ایکٹر کوئی ہے ہی نہیں۔'' اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''کہاناں کہ ذرہ نوازی ہے آپ کی۔'' اس نے دوبارہ سے دانت نکال دیئے۔

''ویسے پیٹرک بہت خوش گیا ہے۔'' اب وہ آنکھ کا کونا دبا کر اصل بات پر مسکرایا۔

''ہاں اس کی تو دلی خواہش پوری ہو گئی۔ اس کا تو بڑا دیرینہ خواب تھا گیتی آرا کے ساتھ ویڈیو بنوانے کا۔'' وہ ''ویڈیو'' لفظ کو چبا کر بولا۔ ''اور ویڈیو بھی ایسی زبردست' سنا ہے اس نے بڑی لمبی رقم ماری ہے مارکیٹ سے۔'' دونوں ڈسکس کرنے کے ساتھ ساتھ شغل بھی فرما رہے تھے۔ گلاس پر گلاس خالی ہو رہے تھے۔

''ماری ہو گی شاہکار ویڈیو بنا کر لے گیا ہے مشرق کے شاہکار پیس کے ساتھ اس بے شرم کو ذرا غیرت نہ آ رہی تھی ''مشرق'' کو یوں ذلیل کر کے فروخت کرتے۔''

''ہاں یار! پتا نہیں ان گوروں کو ہمارے مشرقی حسن میں کیا دلچسپی ہے مرتے ہیں سالے۔'' وہ گوروں کی ذہنیت پر ہنس رہا تھا۔

''اوئے پاگل! مشرق کا مطلب جانتا ہے؟'' انیق یزدانی کو بھی چڑھنا شروع ہو گئی تھی ''مشرق کا مطلب ہوتا ہے۔'' وہ اس کے انکار میں سر ہلانے پر بتانے لگا۔ ''جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے نکلتا ہے سمجھا۔''

''نہیں سمجھا۔'' وہ اسے سمجھانے لگا۔ ''مطلب ہمارے مشرق سے حسن کا جو سورج طلوع ہوتا ہے وہ بالکل نیا ہوتا ہے نکھرا نکھرا تر و تازہ اور پھر ویسے یورپ میں سورج نکلتا ہی کہاں ہے؟'' وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

''سورج...... مشرق' حُسن۔'' خالد خاں لفظ جوڑ جوڑ کر جملہ بنانے کی کوشش کرنے لگا اور پھر شاید بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ بھی ہنسنے میں اس کا ساتھ دینے لگا۔ ''مگر مشرق کا سورج تو مغرب میں غروب ہو گیا کبھی نہ نکلنے کے لئے۔'' اسے گیتی آرا کے مرنے پر افسوس ہو رہا تھا۔

''یار تُو نے اسے خواہ مخواہ ہی مروا دیا اس پری سے تو ہم بہت کما سکتے تھے۔'' وہ کہنے لگا۔

''پری...... ہاں پری وہ اُڑنے لگی تھی میں نے بالکل ہی اُڑا دیا آزاد کر دیا کیا اچھا کیا ناں؟'' وہ پھر قہقہہ لگا کر بولا۔

''ہاں شاید۔'' وہ کچھ سنجیدہ ہو گیا۔

''اچھا چلو ویڈیو تو دکھاؤ پیٹرک سے کاپی تو لائے ہو ناں؟'' انیق اصل بات کی طرف آ گیا۔

''بالکل لایا ہوں اور ویڈیو کے ساتھ اور بہت کچھ لایا ہوں۔'' اس نے کیسٹ نکال کر اس کی طرف اچھال دی۔

''مطلب۔'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

''مطلب پیٹرک نے اگر یورپ کی مارکیٹ سے کمانا ہے تو میں بھی تو مڈل ایسٹ کو ڈیل کرتا ہوں اور ایک بات بہت مزے کی ہے' یہ مڈل ایسٹ والے تو یورپ سے زیادہ مرتے ہیں ہمارے مشرق پر۔'' وہ شیطانی شکل پر لمبے لمبے دانت سجا کر بولا۔

''گڈ ویری گڈ۔'' انیق یزدانی نے اس کا کندھا تھپکا۔

''اچھا چلو ویڈیو لگاؤ۔'' وہ دیکھنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔

خالد خان نے گہری نظروں سے اسے دیکھا اور پھر وی سی آر میں کیسٹ لگانے لگا انیق یزدانی نے دوسری بوتل کا کارک اپنے مخصوص اسٹائل سے کھولا اور ٹانگیں پھیلا کر وہاں بیٹھ گیا۔ وہ بہت بڑا شیطان تھا اور اپنے کاروبار کو اپنی دن رات کی چالوں سے خوب چمکا رہا تھا۔

خالد خان نے کیسٹ ریوائنڈ کر کے ٹی وی آن کر دیا اسکرین پر گیتی آرا کی آنسوؤں سے سجی صورت آ گئی۔ اس کے چہرے پر اس سمے ایسا سحر انگیز اور دل کو چیر دینے والا حسن طاری تھا کہ وہ بالکل معصوم فرشتہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ انیق یزدانی کے پاؤں پکڑ پکڑ کر التجائیں کر چکی تھی۔

''خدا کے واسطے مجھ پر رحم کرو میں توبہ کر چکی ہوں۔ میری مجبوریوں کا فائدہ نہ اٹھاؤ میں نے تم پر اعتماد کر کے دوبارہ سخت غلطی کی مگر مجھے اس کی سزا نہ دو۔'' لیکن اس پر کسی بات کا ذرا اثر نہ ہوا تھا۔

''چلو چلو زیادہ ڈرامہ مت کرو تم کوئی پہلی بار نہیں کر رہیں۔'' اس نے اس وقت کیسی بے رحمی کا مظاہرہ کیا تھا اور اسے دھکا دے کر ان بھیڑیوں کے حوالے کر دیا تھا۔

''انیق یزدانی میں روزِ قیامت تمہارا گریبان ضرور تھاموں گی۔'' اس نے آگ میں گوندھ کر اسے بددعا دیتی نظروں سے دیکھا تھا اس کے بعد وہ بالکل پتھر ہو گئی تھی ڈمی بن گئی تھی انیق یزدانی کو بار بار اس کی وہ آخری نظر یاد آتی تھی۔ جو اس کے پار تک اتر گئی تھی۔ پہلی بار

اسے کسی کی نظر سے خوف سا آیا تھا۔

''بند کرو یار!'' اس نے اٹھ کر ٹی وی آف کر دیا۔

''یہ کیا کبھی آن کرو کبھی آف کرو۔'' خالد خان اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

''بس پھر دیکھیں گے۔ ابھی مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے۔'' وہ بہانہ بنا کر وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

''چلو ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی مجھے بھی کئی ضروری کام کرنے ہیں۔'' وہ انیق یزدانی کے ساتھ زیادہ بحث نہ کیا کرتا تھا اس لئے وہ بھی اٹھ کر چل دیا۔

انیق باہر آ گیا رات کے تقریباً دس بج رہے تھے اچھی خاصی روشنیاں چاروں طرف جگمگا رہی تھیں مگر اسے جانے کیوں ایک خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تو اسے لگا کوئی اس کے پیچھے ہے مگر کون؟ اس نے چاروں طرف دیکھا وہاں کوئی نہ تھا۔ اپنے خیال کو جھٹک کر اس نے گاڑی کو آگے بڑھا دیا۔ مگر کوئی چیز تھی جو اس کے دل سے چپک کر رہ گئی تھی۔

☆======☆======☆

''امی جان! فائزہ پھپھو کی طرف سے پھر کوئی آیا؟'' رات کو نوریہ طوبیٰ کو سلانے کے بعد ماں کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''کئی روز سے فون بھی نہیں آیا۔'' وہ فکرمندی سے بولیں۔

''آپ نے ہی فون کر لینا تھا ہو سکتا ہے وہ بیمار ہوں۔'' نوریہ نے خود ہی قیاس لگایا۔

''مجھے تو شرم آ رہی ہے جانے وہ کیا سوچیں؟'' سعدیہ خان کو تو فائزہ خان سے اب ڈر سا لگنے لگا تھا جیسے وہ چور ہوں ان کی۔

''امی جان! آپ ایسی باتیں نہ سوچا کریں پھپھو بہت اچھی ہیں۔'' وہ انہیں سمجھانے لگی۔ ''اچھا چلیں آج میں خود انہیں فون کر لوں گی۔ ویسے میں نے واپسی پر تو کراچی ہو کر جانا ہے وہیں سے میری فلائیٹ ہے۔'' وہ تفصیل سے بتانے لگی۔

''تم چلی جاؤ گی۔'' سعدیہ خان اس کے جانے کا سوچ کر ہی اداس ہو گئیں۔

''اماں جان! جانا تو ہے۔'' وہ ماں کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ ''اب تو خدا کا شکر ہے طوبیٰ بہت بہتر ہے۔''

''طوبیٰ تو بہتر ہے مگر مجھے تمہارے بابا کی فکر لگی رہتی ہے۔'' وہ کرنل صاحب کی روز بروز گرتی صحت کی طرف سے بہت پریشان تھیں۔

''وہ ٹینشن لیتے ہیں اندر ہی اندر۔'' وہ بھی باپ کی طرف سے فکر مند تھی۔

''ٹینشن لیتے نہیں روز انہیں ٹینشن ملتی رہتی ہے۔'' وہ بتانے لگیں۔

''کیا مطلب؟'' وہ پریشان ہوگئی۔

''وہ کمینے لوگ بھلا کب چین لینے دیتے ہیں کبھی خط بھیجتے ہیں کبھی تصویریں اور کل تو فون بھی آیا تھا۔'' وہ بیٹی کو بتانے لگیں۔

''فون' اچھا۔'' نویرہ کا دل ڈولنے لگا۔

''کہتے ہیں سکون سے نہیں جینے دیں گے اور جس روز طوبیٰ نے باہر قدم نکالا اسے نہیں چھوڑیں گے۔'' بتاتے بتاتے ان کی آواز بھرا گئی۔

''اللہ خیر کرے گا۔'' وہ ماں کے ہاتھوں کو تھام کر دبانے لگی۔

''تمہارے بابا بہت پریشان ہیں نویرہ' وہ کسی کو بتاتے نہیں مگر انہیں اندر ہی اندر اک گھن لگ گیا ہے۔'' وہ بے حد رنجیدہ ہو رہی تھیں۔

''ہاں میں بھی دیکھ رہی ہوں۔'' وہ بھی متفکر تھی۔

''اماں!'' وہ ماں کے اور قریب ہوگئی۔ ''کیوں نا ہم خود پھپھو سے بات کرلیں۔'' اس نے مشورہ دیا۔

''نہیں نویرہ میرا خیال ہے تمہاری پھپھو نے زمانے سے ڈرنے میں سب سے بڑھ کر پہل کی ہے وہ اب شاید یہ رشتہ نہ کریں۔''

''نہیں اماں جان میرا دل کہتا ہے وقاص ضرور طوبیٰ کو اپنالے گا وہ تو دیوانوں کی طرح چاہتا ہے طوبیٰ کو۔'' وہ ماں کو دلاسہ دینے لگی وقاص کی محبت کی شدتوں کو وہ جانتی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ تجربہ کار تھیں اور حقیقت پسندی سے کہہ رہی تھیں۔

''چلیں میں وقاص سے ہی بات کرلوں گی۔'' اس نے پھر بھی آس کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ پھر کرنل صاحب کے عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر آ جانے پر انہوں نے بات کا رخ موڑ دیا اور وہ طوبیٰ کی صحت کی باتیں کرنے لگے تاکہ کرنل صاحب کی ٹینشن کچھ کم ہو۔

''میں نے ریٹائرمنٹ کے لئے درخواست دے دی ہے۔'' وہ نویرہ کو بتانے لگے۔

''کیا بابا آپ ریٹائرمنٹ لے رہے ہیں۔'' اسے تو ایک دم دھچکا لگا تھا۔

''ہاں بیٹا! اب مجھے لگتا ہے کہ میں اپنی جاب کی ذمہ داریاں نہیں نبھا سکتا۔'' آج وہ کچھ ہارے ہوئے لگ رہے تھے۔

''بابا جان آپ۔'' وہ باپ کے پاس آ کر بیٹھ گئی مگر کہہ کچھ نہ سکی وہ ایسی ہی تھی ذرا ذرا سی بات پر دوسروں کے لئے تڑپ جانے والی۔

''بیٹی! میں ہارا نہیں تھک گیا ہوں۔'' وہ آنکھیں موند کے کرسی کی پشت سے سر ٹکا چکے تھے اور ان کے چہرے پر صدیوں کے سفر کی تھکن اور کرب کی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔ نویرہ سے یہ برداشت نہ ہوسکا اور وہ وہاں سے چائے بنا کر پینے کا بہانہ بنا کر اٹھ آئی تانیہ کو چائے بنانے کا کہہ کر وہ خود وقاص کو فون کرنے لگی دوسری طرف فون رابعہ نے اٹھایا تھا۔

''نویرہ آپا۔'' وہ اس کی آواز سن کر خوشی سے جھوم اٹھی۔

''کب آئیں امریکہ سے؟''

''پندرہ روز ہوگئے۔'' وہ بتانے لگی۔

''کراچی کب آئیں گی۔''

''جاتے ہوئے آؤں گی میری فلائیٹ کراچی ہی سے ہے پھپھو کیسی ہیں؟'' وہ فائزہ کا ان کا پوچھ رہی تھی۔

''ابو اور امی تو کسی کے ہاں ڈنر پر گئے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''اور وقاص۔'' وہ وقاص کا پوچھ رہی تھی۔

''ہاں وقاص بھائی ہیں میں بلاتی ہوں۔'' اس نے ہولڈ کروا کے وقاص کو آواز دی۔ ''بھائی تمہارا فون ہے اوپر سے اٹھالو۔'' اس نے سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر آواز دی ٹیلی فون کا ایک ایکس ٹینشن وقاص کے کمرے میں بھی تھا اس نے فون اٹھالیا نویرہ کی آواز سن کر وہ بہت خوش ہوا تھا۔ اور اسے آنے کا کہہ رہا تھا۔

''وکی! میں تم سے ایک بات پوچھوں بالکل سچ بتانا۔'' اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

''جی آپا!'' وہ مرے مرے انداز میں بولا سمجھ گیا تھا وہ کیا کہے گی۔

''وکی! طوبیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟'' وہ ایسا پوچھتے ہوئے خود کو بہت چھوٹا محسوس کر رہی تھی مگر بہن کی محبت میں مجبور ہو کر پوچھ رہی تھیں۔

''آپا! میرے دل میں طوبیٰ اسی مقام محبت پر ہے میں اسے اسی طرح چاہتا ہوں میری محبت میں اس کے لئے اور بھی شدت آ گئی ہے۔'' وہ بتانے لگا۔

''وکی! میں تم سے تمہارے دل کی بات نہیں پوچھ رہی تمہارے دل کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں' تمہاری محبت کی شدتوں کو بھی میں نے دیکھا ہے بھائی! میں تو تم سے صاف

صاف یہ پوچھ رہی ہوں کہ اب کیا تمہارے گھر میں طوبیٰ کے لئے کوئی جگہ بنتی ہے؟'' نوریہ
نے اپنے دھڑ دھڑ بولتے دل کو سنبھال کر پوچھ لیا۔
''آپا! آپا ابو جان۔'' وہ ہکلانے لگا۔
''میں نے پھوپھا جان کا نہیں تمہارا فیصلہ پوچھا ہے اور تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے۔'' وہ بہت
سنجیدہ ہو رہی تھی۔
''آپا! میں نے ابو کو ہر طرح سے منانے کی کوشش کی بہت سمجھایا انہیں مگر وہ......'' وہ
بات پوری نہ کر سکا شرمندہ تھا بہت زیادہ۔
''اور تم ہار گئے یہی کہنا چاہتے ہو ناں؟ تمہاری عمر بھر کی محبتیں بزدل ہو گئیں صرف اتنی
سی بات پر وقاص! اس میں طوبیٰ کا تو کوئی قصور نہ تھا وہ تو بے خطا ہی سزا سہہ رہی ہے۔'' وہ
بات کرتے کرتے رو پڑی۔
''آپا پلیز آپا! میں ہارا نہیں ہوں میں ابو سے پھر بات کروں گا۔'' وہ اسے منانے لگا۔
''نہیں وقاص احمد خان تم اپنے ابو سے کچھ مت کہنا بس ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے
کہ تم نے سچ کہہ دیا اچھا ہوا پھوپھا جان نے حقیقت پسندی سے ہمارا ساتھ چھوڑ کر زمانے کا
ہاتھ تھام لیا۔ ہمارے بغیر تو تم لوگ جی لو گے مگر معاشرے کے بغیر تو زندگی بے کار ہوتی ہے
نا؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رو پڑی۔
''نوریہ! بس کرو میری عزت اور عزت نفس دونوں اللہ کے کرم سے سلامت ہیں مجھے
یوں نہ جھکاؤ بیٹی میری بیٹی کوئی مجرم نہیں کہ میں کسی کی محبتوں کی بھیک لے کر اس کے دامن
میں ڈالوں۔''
کرنل صاحب جو کب سے اس کے پیچھے کھڑے ساری گفتگو سن رہے تھے انہوں نے
اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کریڈل پر رکھا اور اسے اپنے سہارے سے اندر لے گئے۔
''تمہارا باپ ابھی اتنا مضبوط ہے کہ تمہاری حفاظت کا ذمہ لے سکے۔''

☆======☆======☆

''بابا جان! آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ فکر کیوں کرتے ہیں؟'' نوریہ صبح سے دیکھ رہی
تھی کرنل صاحب سر جھکائے خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ دوپہر کے کھانے پر بھی انہوں
نے کسی سے کوئی بات نہ کی تھی اور جلد ہی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔
''بات فکر کی نہیں، دکھ کی ہے۔'' وہ واقعی بہت دکھی لگ رہے تھے۔ ''اپنوں کے رویے
اگر یوں بدل جائیں تو دل پر کیا گزرتی ہے۔ تم جان سکتی ہو بیٹی۔'' وہ اپنے چہرے پر چھائے

لی اداسیوں کو چھپا نہ سکے تھے۔
''اپنوں کی منافقت اگر وقت پر کھل جائے تو صدمات سے بچا لیا کرتی ہے۔ بابا......''
الٹا انہیں سمجھانے لگی۔
''وقاص تو ایسا نہ تھا؟'' سعدیہ خان کو جب سے پتا چلا تھا کہ وقاص نے اپنے والد احمد
ان کی بات مان لی ہے انہیں تو سکتہ ہی ہو گیا تھا۔
''وقاص شاید ایسا ہی تھا۔ ڈرپوک اور بزدل۔'' نوریہ کو آج غصہ آیا ہوا تھا۔ ''ہم نے
اسے پہچاننے میں دیر کر دی۔ ویسے بھی کسی انسان کے اچھا یا برا ہونے کا پتا تو اس وقت
تا ہے جب اسے وقت اپنی کسوٹی پر کھتا ہے تو...... آج وقت نے اسے جانچا تو وہ وہی نکلا جو
تھا۔'' وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں۔
''بابا! آپ پریشان نہ ہوں بس۔'' وہ آ کر باپ کے کندھے سے لگ گئی۔ ''اگر آپ
ے چہرے پر پریشانی کے یہ آثار طوبیٰ نے دیکھ لئے تو وہ...... وہ تو ٹوٹ جائے گی۔ بڑی
شکل سے اس نے خود کو سمیٹا ہے بابا۔'' وہ بات کرتے کرتے رو پڑی۔
''میری ہمت ابھی ہاری نہیں ہے۔ بس اعصاب ذرا دیر کو تھکن کا شکار ہو گئے تھے۔ یہ
بیاں جانے کیوں بہت پیاری ہونے کے باوجود کلیجے پر دھری رہتی ہیں پتھر کی طرح۔'' وہ
یہ کا کندھا تھپک کر اور اپنے کندھوں پر جیسے منوں بوجھ لادے باہر نکل گئے۔
''وقاص ایسا نہ کرتا اگر تمہاری پھپھو نے کوشش کی ہوتی تو؟'' سعدیہ خان کے دل پر
لہرے دکھ کا اثر تھا تب ہی وہ نند کی طرف سے بدگمان ہو گئی تھیں۔
''اماں...... اماں جان! آپ بھی ایسا سوچتی ہیں؟'' وہ ماں کو اپنی محبت سے بہلانے
لگی۔ ''پھپھو ایسی نہیں ہیں۔ حالات ہی ایسے ہیں۔ ان حالات میں بڑے بڑے دل اور
رف والے امتحان میں پڑ جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے تو بیچارے...... خیر چھوڑیں۔ وقاص
طوبیٰ کا جوڑا آسمان پر بنا ہی نہیں تھا۔ یہ تو ہم اپنی مرضی سے انہیں جوڑا بنانے کی کوشش کر
ہے تھے اور ہماری کیا مجال کہ ہم اللہ کے کاموں میں دخل دے سکیں۔ چلیں جو ہوا وہ یقیناً
بہتر ہی ہو گا۔'' وہ ماں کو تسلیاں دینے لگی۔
''خدا جانے اب آگے کیا ہو گا؟'' وہ بہر حال طوبیٰ کی جانب سے بے حد فکر مند اور
پریشان تھیں۔
''آپ خود ہی تو کہہ رہی ہیں کہ خدا جانے کیا ہو گا؟ تو بس خدا پر ہی چھوڑ دیں، وہی
سب کرے گا۔'' اس نے ماں کا ہاتھ اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ ''امی جان! اس وقت

طوبیٰ کو ہمارے چہروں پر سکون اور محبت کے رنگ نظر آنے چاہئیں۔ ذرا سا بھی تفکر یا بے چینی اگر وہ دیکھے گی تو پھر ٹوٹ جائے گی اور اگر اب وہ ٹوٹ گئی تو زندہ نہ رہے گی۔''

''اللہ نہ کرے نویرہ۔'' سعدیہ خان کے دل پر ہاتھ پڑا۔

''تو پھر اپنے ان آنسوؤں کو چھپالیں۔ پی جائیں۔'' اس نے ان کے گالوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''اور ان ہونٹوں پر پیاری سی مسکراہٹ سجالیں۔''

ان کے ہونٹوں کو پیار سے چھو کر وہ خود بھی مسکرادی۔ جس پر سعدیہ خان کے لبوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

☆======☆======☆

''طوبیٰ آپی......طوبیٰ آپی۔'' تانیہ کے ہاتھ میں اخبار تھا اور وہ خوشی سے چلاتی آرہی تھی۔

''تانیہ! کیا ہوا؟'' وہ جو کھڑکی سے لگی خلاؤں میں جانے کیا تلاش کررہی تھی۔ اسے یوں چلاتا دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

''یہ نیوز پیپر۔'' وہ اس کے ہاتھ میں اخبار دیکھ کر خوفزدہ ہوگئی۔ جب سے اس نے گیتی کے قتل کی خبر اخبار میں پڑھی تھی وہ اخبار سے خوف کھانے لگی تھی۔

''آپی! آپ کا رزلٹ۔'' اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ اس نے اخبار طوبیٰ کے ہاتھ میں دے دیا۔

''رزلٹ۔'' طوبیٰ نے اخبار اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھنا شروع کردیا۔ جیسے جیسے وہ اخبار میں چھپی طالبات کے حاصل کردہ نمبروں کی لسٹ دیکھ رہی تھی اس کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے اور پھر اس کے اداس چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تانیہ! میں......میں......'' خوشی سے الفاظ اس کے منہ سے نکل ہی نہیں رہے تھے۔

''جی آپ! جناب یہ آپ کے ہی نمبر ہیں اور آپ کا نام ہی طوبیٰ خان ہے۔ طوبیٰ خان۔'' وہ جوش سے اسے کندھوں سے تھام کر اس کے ساتھ جھول گئی۔ طوبیٰ نے بی اے کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی تھی اور اخبار میں اس کا نام اس کے اعزاز کے ساتھ چھپا تھا۔

''میں بابا جان کو دکھا کر آتی ہوں۔'' خوشی سے اس نے اخبار کو سینے سے لگایا اور تیزی سے جانے لگی مگر دروازے کے قریب جا کر پلٹ آئی۔ بے حد اداس اور غم زدہ ہو کر۔

''جائیں نا' جا کیوں نہیں رہیں۔ اچھا چلیں اکٹھے چلتے ہیں۔'' تانیہ نے اس کا ہاتھ تھام کر کھینچا۔

''نہیں' تم جاؤ۔'' وہ منہ پھیر گئی۔

''مگر کیوں؟'' تانیہ نے اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا۔ وہ رو رہی تھی۔

''طوبیٰ آپی پلیز۔'' تانیہ کا دل بھی اداس ہوگیا۔ وہ دونوں آپس میں بہت اچھی دوست بھی تھیں۔ محبت بھی تھی' احترام بھی تھا۔

''تانیہ! میں اس قابل ہی نہیں ہوں۔'' وہ پھوٹ پڑی۔

''کیوں' کیوں؟ ایسا کیوں کہتی ہو۔'' وہ اسے زبردستی کھینچتی ہوئی باہر لے جانے لگی۔ اتنے میں کرنل صاحب' نویرہ اور سعدیہ خان خود وہیں آگئے۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

''میری بیٹی۔'' کرنل صاحب نے محبت سے اسے خود سے لگا لیا۔ ''مبارک ہو' اتنا شاندار رزلٹ۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

''بابا! میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' تانیہ جلدی سے چائے بنانے چلی گئی۔ ''بھئی ساتھ میں کچھ مٹھائی وغیرہ بھی ہونی چاہیے۔ ہماری بیٹی نے ریکارڈ نمبر لئے ہیں۔'' وہ طوبیٰ کے پاس بیٹھ گئے اور اسے بہت محبت سے دیکھ رہے تھے۔ ''اچھا اب یونیورسٹی کب چلنا ہے۔'' وہ اس سے پوچھنے لگے۔

''یونیورسٹی......'' اس نے بہت حسرت سے باپ کی طرف دیکھا۔

''ہاں ہاں یونیورسٹی۔ کیوں آگے نہیں پڑھو گی؟'' اس کے حیران ہو جانے پر وہ اس سے پوچھنے لگے۔ جواب میں وہ سمجھ نہ پا رہی تھی کہ کیا کہے۔ بس بھیگی بھیگی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''لیجیے جناب' چائے تیار ہے۔'' کچھ ہی دیر میں تانیہ چائے لے کر واپس آگئی۔ چائے کی ٹرالی پر مٹھائی اور کیک بھی تھا۔ دراصل وہ چائے کا انتظام پہلے ہی کرکے آئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ طوبیٰ کو بابا جان کے کمرے میں لے جائے گی پھر سب مل کر چائے پئیں گے مگر بابا جان جو اس خبر کو اپنے آفس میں ہی اخبار میں پڑھ چکے تھے' گھر آتے ہی سیدھے اس کے کمرے میں آگئے تھے۔

''چلو طوبیٰ! آج تم چائے بناؤ۔'' وہ طوبیٰ کو اداس دیکھ کر بہلانے کے لئے بولے۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر چائے بنانے لگی۔ سعدیہ خان' نویرہ' تانیہ سب بہت خوش تھیں۔ سمیر کی پوسٹنگ تو آج کل چک لالہ میں ہی تھی مگر ان کی کوئی خاص ٹریننگ چل رہی تھی۔ اس لئے وہ شرکت نہ کرسکا تھا۔ اس کی کمی کو سب نے محسوس کیا تھا۔ ماحول اتنا اچھا بن گیا تھا۔ سب ہلکی پھلکی باتیں کررہے تھے۔ مسکرا رہے تھے۔ کچھ دیر کے لئے تو طوبیٰ کو بھی بیتے وقت کی تلخی بھول گئی تھی۔ کرنل صاحب نے کہہ دیا تھا کہ وہ طوبیٰ کو پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لے دیں گے اور وہ

وہاں ہوسٹل میں رہے گی۔ اس فیصلے پر سب ہی خوش تھے۔

''اچھا بیٹے مجھے ضروری کام سے ذرا اسلام آباد جانا ہے۔ تم لوگ بیٹھو اور فیصلہ کرو کہ کس مضمون میں داخلہ لینا ہے۔''

''کیوں؟ طوبیٰ بیٹے ٹھیک......'' انہوں نے بڑی ہی محبت سے طوبیٰ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''بابا جان۔'' وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر رو دی۔ ''میری وجہ سے آپ کو......؟'' اس کی آواز رندھ گئی اور وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ بس آنسو ہی اس کے دل کی زبان بن گئے۔ وہ باپ کے سینے سے لگ کر سسکنے لگی۔

''تمہارے بابا اتنے کمزور نہیں کہ گھٹیا قسم کی بلیک میلنگ سے ڈر جائیں گے۔ تم کبھی احساسِ کمتری کا شکار نہ ہونا۔ جو بھی کچھ ہوا اسے بھولنے کی کوشش کرو اور سر اٹھا کر زندہ رہنا سیکھو۔ کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ اسے تسلی دے کر باہر چلے گئے۔

''طوبیٰ...... میری جان۔'' نویرہ نے اٹھ کر اسے پیار سے گلے لگا لیا۔

''آپا! میں......'' وہ اپنی آپا کی طرف سہمی سہمی نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب خوفزدہ سا سوال تھا۔

''بابا نے کہا ناں کہ کچھ نہیں ہوگا۔'' اس نے اس کے سوال کا جواب بڑے اعتماد سے دے کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ جس پر وہ اطمینان محسوس کر کے مسکرا دی۔

☆======☆======☆

''سر! یہ آپ کے لئے ہے۔'' باہر سے گن مین نے ایک بڑا سا خاکی لفافہ اور اس پر رکھا ایک فریش گلدستہ لا کر کرنل عبدالصمد خان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''کون دے کر گیا ہے؟'' وہ لفافے پر موجود لکھائی دیکھتے ہی بے تابی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''جی وہ کوریئر سروس والے تھے۔'' گن مین ڈر گیا کہ جانے اس سے کیا غلطی ہوگئی جو کرنل صاحب ایک دم غصے میں آ گئے ہیں۔

''کون...... کون سی کوریئر سروس؟'' وہ لپک کر باہر نکلے مگر باہر تو کوئی بھی نہ تھا۔ آنے والا شاید موٹر سائیکل پر تھا جو یہ لفافہ تھماتے ہی چلا گیا تھا۔ انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے لفافہ دیکھا۔ گلدستے پر ایک چھوٹی سی چٹ تھی۔ ''ایک عزت دار باپ کی پیاری بیٹی کی شاندار کامیابی پر مبارکباد کے ساتھ۔'' ان کا خون کھول اٹھا۔ جی چاہا کہ ابھی جا کر اس بدبخت کو شوٹ کر دیں۔ وہ غصے سے کانپتے ہوئے لان سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئے۔ جی چاہا کہ

لفافے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں مگر جانے کیوں ان کے ہاتھ رک گئے۔ لپک کر انہوں نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا پھر کھڑکیاں چیک کیں اور پھر صوفے پر بیٹھ کر اپنی پھولتی سانسوں کو درست کیا۔ کئی بار سامنے پڑے لفافے کو میز سے اٹھایا اور کئی بار واپس رکھا۔ وہ کاغذ کے ٹکڑے سے یوں خوفزدہ لگ رہے تھے جیسے اس کے اندر کوئی بہت طاقتور بم تھا اور انہیں یقین تھا کہ وہ جیسے ہی لفافہ کھولیں گے۔ وہ پھٹ پڑے گا لیکن اگر وہ اسے نہ کھولتے تب بھی تو وہ پھٹ پڑتا۔ وہ تو ان کے مقدر میں لکھا گیا برا وقت بن چکا تھا۔ جس نے ہر حال میں ان کی زندگی میں آنا تھا۔ انہوں نے جی کڑا کر کے لفافہ کھول ہی لیا۔ لفافے میں ایک وڈیو کیسٹ تھی اور ساتھ میں ایک چھوٹی سی چٹ۔

''کرنل صاحب! آپ نے فلمیں تو بہت دیکھی ہوں گی مگر یہ فلم...... یہ تو یقین کریں آپ کی زندگی کی ناقابلِ فراموش اور یادگار فلم بن جائے گی اور آپ داد دیں گے میری اس ڈائریکشن کو اور ہاں میرا مشورہ ہے کہ اب آپ اپنی بیٹی کو زیادہ چھپا چھپا کر نہ رکھیں۔ وہ پری چہرہ تو بنی ہی فلموں میں کام کرنے کے لئے ہے۔

میں دعوے سے کہتا ہوں وہ نمبر ون بنے گی۔ بس آپ مجھ پر بھروسا کریں۔ میں اسے ... لوں گا۔ اسے یونیورسٹی میں نہیں، ہمارے انسٹیٹیوٹ میں داخلہ دلوائیں۔ آپ کی بیٹی کا سب سے بڑا چاہنے والا' آپ کا خیر خواہ۔''

''میں تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔'' کرنل صاحب کا صبر بھی جواب دے گیا۔ ان کا سارا خون کھولنے لگا۔ ''اب میں چپ نہیں بیٹھوں گا۔'' انہوں نے اس چٹ کو فولڈ کر کے اپنی جیب میں ڈالا اور اس وڈیو کیسٹ کو اپنی پرسنل الماری کی دراز میں لاک کر کے اپنا ذاتی پسٹل جیب میں رکھ کر تیزی سے باہر نکل گئے۔ وہ زیدی صاحب سے ملنے جا رہے تھے۔

☆======☆======☆

''حوصلہ کرو یار! حوصلہ کرو۔'' زیدی صاحب ان کی تمام بات سن کر بولے۔ ''یہ بہت سوچ بچار کے بعد کرنے والا کام ہے اس طرح جذباتی ہو کر ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔'' وہ ان کے کندھے پر اپنے ہاتھ کا بوجھ دیئے کھڑے تھے۔ دراصل وہ بھی ٹھیک کہہ رہے تھے اور اسے کرنل صاحب بھی جانتے تھے مگر یہ بات اب اس قدر آگے بڑھ چکی تھی کہ ان کا صبر جواب دے گیا تھا۔

''وہ...... وہ کمینہ میری عزت سے کھیل رہا ہے؟'' وہ شرمندگی اور غیرت کے مارے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

’’کمینے لوگ اس قدر کمزور اور گرے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ کوئی بھی گھٹیا سے گھٹیا کام کر سکتے ہیں۔‘‘ انہوں نے اشارے سے کرنل صاحب کو سمجھایا کہ وہ کیا کیا گھٹیا پن کر سکتا ہے۔’’ہم اس پر ایسا ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں جو اس کی گردن میں پھانسی کا پھندہ ثابت ہو۔ جلد بازی میں یہ نہیں چاہتے کہ وہ اپنی گردن بھی بچا لے اور ہماری پگڑیاں بھی اچھال دے۔‘‘

کرنل صاحب جو بہت سمجھ دار اور تجربہ کار انسان تھے اور سارے حالات کا تجزیہ کر کے اس فیصلے پر پہنچے تھے لہٰذا خاصے محتاط تھے۔

’’مگر زیدی! وہ ہر روز ایک نیا تیر پھینک رہا ہے میری غیرت کو چھلنی کرنے کے لئے۔‘‘ اب وہ بے بس لگ رہے تھے۔

’’بڑا دشمن ہمیشہ شاطر ہی ہوتا ہے۔‘‘ وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کر ذرا سا مسکرائے۔

’’مطلب......‘‘ اب وہ کچھ خود پر قابو پا چکے تھے۔

’’مطلب یہ کہ دشمن کو اس کی تمام چالوں اور تمام اسلحے سمیت ختم کرنا ہی اصل جیت ہوتی ہے۔ ہمیں اس کے خلاف سب ثبوت جمع کرنے ہوں گے۔ جب تک کوئی ثبوت ہمارے پاس نہ ہوگا تو کون ہماری بات مانے لگا۔‘‘ اب وہ ان کے سامنے بیٹھ گئے اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر وہ دونوں پروگرام بنانے لگے کہ کس طرح سے وہ اپنی یزدانی پر ہاتھ ڈالیں کہ وہ بچ نہ پائے۔

’’اس سلسلے میں ہماری مدد گیتی آراء کر سکتی تھی۔‘‘ کرنل صاحب کو گیتی آرا یاد آ گئی۔ تب ہی تو وہ ماری گئی اور ماری بھی بہت برے طریقے سے گئی۔ زیدی صاحب کو بھی گیتی کے یوں قتل ہونے پر بڑا افسوس تھا۔ وہ بھی گیتی کو جانتے تھے کہ وہ بہت اچھی لڑکی تھی، معصوم تھی۔ اس لئے اس ظالم کے پنجے میں پھنس گئی تھی۔

’’دیکھو صمد! تم کچھ اور نہ کرو۔ بس گیتی آرا کے قتل کی دوبارہ تفتیش شروع کرا دو اور یہ کیس اسپیشل کرائم برانچ کے کسی ذمہ دار ایماندار افسر کے سپرد کر دو۔‘‘ زیدی صاحب کو ایک آئیڈیا سوجھا۔’’اس طرح تم بھی سامنے نہیں آؤ گے۔ جس کی وجہ سے وہ تم پر مزید کوئی اوچھا وار کرنے سے بھی گریز کرے گا۔‘‘ وہ تفصیل سے سمجھانے لگا۔

’’ہاں، بالکل درست ہے۔‘‘ کرنل صاحب کو بھی بات سمجھ میں آنے کے ساتھ ساتھ ایک راہ بھی مل گئی۔ پھر وہ دونوں بیٹھ کر طے کرنے لگے کہ انہیں اس سلسلے میں کس کس سے کیا کام لینا ہوگا۔

رات کو جب وہ سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے لیٹ نائٹ ڈرامہ دیکھ رہے تھے تو ٹیلی

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

’’ہیلو......‘‘ ٹیلی فون اب اکثر کرنل صاحب خود ہی اٹھایا کرتے تھے۔

’’وعلیکم السلام بیٹا کیسے ہو؟‘‘ دوسری طرف سے کسی کے سلام کے جواب میں وہ بے حد خوشی سے بولے تھے۔’’یہاں سب ٹھیک ہیں وہ بات کرتے کرتے نوریہ کو اشارہ کر کے بلا رہے تھے جس پر نوریہ کی پلکیں حیا کے بوجھ سے کچھ بھاری ہو گئیں۔ اور ہونٹوں پر بے ساختہ ہی مسکراہٹ آ گئی۔

’’تنویر بھائی کا فون۔‘‘

تانیہ نے ہولے سے قریب بیٹھی طوبیٰ کے کان میں سرگوشی کی۔ آج کل طوبیٰ کچھ کچھ اپنے کمرے سے باہر نکلنے لگی تھی۔

’’لو نوریہ سے بات کرو......‘‘ کرنل صاحب نے حال احوال دریافت کرنے کے بعد فون نوریہ کی طرف بڑھا دیا اور خود اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

’’ہیلو......‘‘ نوریہ کی آواز میں بھی خوشی اور شرم کے ملے جلے سے تاثرات تھے۔’’جی اب ٹھیک ٹھاک‘‘ دوسری طرف آواز میں کچھ شوخی تھی۔ کچھ شرارت۔

’’جی آپ کیسے ہیں؟‘‘ اس کے گال سرخ پڑنے لگے۔

’’تمہارے بغیر کیسا ہو سکتا ہوں؟‘‘ الٹا سوال کر دیا گیا۔

’’دن رات تمہارا خیال، تمہاری یاد...... نیو یارک کی جگمگاتی شاموں اور کھلکھلاتی دنوں میں کچھ نہیں، سوائے تمہارے۔‘‘

وہ بہت اداس لگ رہا تھا۔’’تنویر پلیز......‘‘ نوریہ نے اپنے دھک دھک کرتے دل کو مشکل سینے میں سنبھالا اور اسے سرزنش کی۔

’’کیوں...... کیوں......؟‘‘ وہ خفا ہو گیا۔

’’نوریہ میں بہت اداس ہوں، سچ بہت زیادہ آئی مس یو۔‘‘ وہ حالِ دل کہنے سے باز نہ آ رہا تھا اور نوریہ کے ہاتھ پسینے سے شرابور ہو کر ریسیور چھوڑنے والے تھے۔

’’میں بالکل سچ کہتا ہوں کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا اس لئے میں...... میں۔‘‘ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

’’کیا...... تنویر کیا؟‘‘ وہ پریشان ہو گئی۔

’’میں اور امی جان پاکستان آ رہے ہیں؟‘‘ اس نے خوشخبری سنا دی۔

’’کیا...... کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟‘‘ اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا۔

"سو فیصدی سچ......" وہ بھی بے حد خوش تھا۔

"کب......؟" نویرہ سے خوشی دبانا اور چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔

"پرسوں صبح کی فلائٹ سے۔" اس نے سارا پروگرام بتا دیا۔

"نویرہ امی جان چاہتی ہیں کہ اب محسن کی بھی شادی ہو جائے اسی سلسلے میں ہم آ رہے ہیں محسن اگلے ہفتے تک پاکستان آ جائے گا' تم کوئی بہت اچھی بلکہ زبردست سی لڑکی تلاش کر لو جلدی سے اور سنو محسن نے کہا ہے کہ بھابی میرے لئے بھی اپنے جیسی لڑکی ہی ڈھونڈیں۔" وہ تفصیل بتا رہا تھا۔

"بھئی میں نے تو کہہ دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔"

"کیا نہیں ہو سکتا؟" وہ کچھ ڈر سی گئی۔

"یہی کہ دوسری نویرہ تو کہیں سے مل نہیں سکتی۔ یہ تو اللہ نے بس ایک ہی بنائی تھی صرف میرے لئے۔" وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

"کیوں ہے نا؟" بڑے جذب سے پوچھا گیا۔ مگر اس طرف خاموشی ہی رہی صرف سانسوں کی رفتار کچھ تیز ہو گئی تھی۔

"امی جان! کیسی ہیں؟" اس نے اپنی ساس کا پوچھا۔

"بالکل ٹھیک......اور محسن......بہت بے قرار۔"

"وہ کیوں؟" وہ مسکرا دی۔ "اسے بے قراری ہے کہ اس کی بھابی اس کے لئے کب پیاری سی دلہن تلاش کرتی ہیں۔"

"اب مجھے کیا خبر وہ کس طرح کا آئیڈیل رکھتا ہے۔" وہ کچھ الجھن کا شکار تھی۔

"سیم ٹو یو بالکل تم جیسی۔"

"مگر سنو۔" وہ کچھ کہنے لگا۔

"جی کہیے۔" اس نے پوچھا۔

"بالکل اپنے جیسی مت تلاش کرنا ورنہ مجھے جیلسی ہو گی۔"

"آپ بھی بس۔" اسے اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔

"شکر ہے تم بھی ہنسیں۔ اچھا میں یاد آتا ہوں؟" بڑا معصوم سوال تھا اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔

"کہو ناں؟" دوبارہ اصرار کیا گیا۔

"جی۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

"آہ۔"

وہی کروٹ ہے ہر شکن میں
تیری خوشبو سے بستر جاگتا ہے

اس نے بہت گہری بات بڑے جذب کے عالم میں شعر پڑھ کر کہہ دی۔

"آپ کی فلائٹ پرسوں صبح کی ہے نا؟" وہ بات ٹالنے کو پوچھنے لگی۔

"جی بالکل پرسوں دوپہر کا کھانا ہم آپ کے خوبصورت ہاتھوں کا بنا کھائیں گے اور نوں سے بھی۔" وہ پھر شرارت سے باز نہ آیا۔ نویرہ بلش ہو گئی تھی۔

"اچھا اللہ حافظ۔ پرسوں تک کے لئے۔"

"اللہ حافظ۔ امی جان اور محسن کو سلام کہیے گا۔" اس نے فون سن کر ریسیور رکھا تو تانیہ ا کے سر پر تھی۔

"آپا! بھائی جان آ رہے ہیں۔" وہ جو ذرا فاصلے پر بیٹھی تھی قریب آ کر پوچھنے لگی۔

"ہاں۔" خوشی اور ملن کا احساس ان کے چہرے پر بڑے خوبصورت رنگ بکھیر رہا تھا۔

"امی جان بھی آ رہی ہیں۔" وہ دوپٹے کے پلو سے اپنا پسینے سے تر چہرہ صاف کرنے لی جو دل کے اتھل پتھل ہونے اور حیا کے بار بار چھلکنے سے بھیگ گیا تھا۔

"چلیں اچھا ہے بہت مزہ آئے گا...... بھائی جان ہماری طرف ہی رکیں گے نا؟" وہ ت خوش ہو رہی تھی۔

"ہاں بالکل!" اس نے پیار سے بہن کے گال کو تھپتھپایا اور امی جان کو بتانے ان کے رے کی طرف چل دی کہ پرسوں تنویر اور امی جان آ رہے ہیں۔ تانیہ نے دیکھا ان کی چال ں ایک عجیب سا خمار آ گیا تھا۔ جس پر وہ مسکرا دی۔

☆======☆======☆

"سعدیہ! ماشاء اللہ آپ کی بچیاں بہت ہی پیاری اور سمجھدار ہیں۔" چائے پیتے ہوئے منصور تنویر خان کی امی جان اور نویرہ کی ساس کہنے لگیں۔

"امی جان! بچیاں نہیں بچی کہیے۔" تنویر نے شرارت سے چائے سرو کرتی نویرہ کی اف دیکھ کر کہا۔

"کیا مطلب بھائی جان؟" تانیہ نے احتجاجاً کہا۔

"مطلب صاف ہے کہ پیارا اور سمجھ دار کون ہے؟" اس نے کباب اٹھا کر اپنی پلیٹ ں رکھا اور اسے چڑانے کو اسے مزید نظر انداز کر دیا۔ "کیوں سمیر میں نے ٹھیک کہا ناں؟"

سمیر جو صرف شام تک کی اجازت لے کر اپنے ٹریننگ کیمپ میں آیا تھا اس کی حمایت کرتا
ہلانے لگا۔

''بالکل بھائی جان آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سو فیصدی۔''

''لو دیکھ لو۔'' تنویر نے تانیہ کو جوش دلایا۔

''چلیں وہ بھی تو ہماری ہی آپا ہیں۔'' وہ جیلس ہونے کی بجائے خوش ہو کر بولی۔

''لو ستیاناس یہ تو بات ہی نہ بنی۔'' تنویر نے تو اسے تپانے کو یہ سب کیا تھا مگر جب تانیہ
نے ایسا کوئی خاص تاثر نہ دیا تو وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''چلو اچھا ہوا۔'' اس کی امی مسکرائیں۔ ''تانیہ بیٹا تم آج کل کیا کر رہی ہو؟'' وہ پوچھنے
لگیں۔

''جی میں وہ۔'' اس نے بتانا چاہا مگر اس کے بتانے سے پہلے ہی سمیر بول پڑا۔

''چائے بنانا سیکھ رہی ہے۔ شاید کبھی سیکھ لے۔'' وہ جو باوجود کوشش کے اکثر اچھی
چائے نہ بنا پائی تھی۔ اس پر سمیر اسے بہت تپایا کرتا تھا۔

''بھائی آپ۔'' اس نے آنکھیں نکالیں۔

''جی میں۔'' وہ سعادت مندی سے جھک کر بولا۔

''توبہ ہے یہ سمیر بھی تنویر اور محسن جیسا ہی ہے۔'' مسز منور مسکراتے ہوئے بولیں۔
''سب بھائیوں کو بہنوں کو ستا کر خدا جانے کیا لطف ملتا ہے۔''

سعدیہ خان جو کب سے ان سب کی باتوں سے صرف محظوظ ہو رہی تھیں۔ پہلی بار
بولیں۔ ''یہ تانیہ اب سیکنڈ ایئر میں ہو گئی ہے اور طوبیٰ نے ماشاء اللہ بی اے کے امتحان میں
یونیورسٹی بھر میں اول پوزیشن حاصل کی ہے۔'' انہوں نے تفصیل سے بتایا۔

''اچھا...... ماشاء اللہ۔'' وہ جو کب سے بار بار طوبیٰ ہی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اسے
پیار کرتے ہوئے بولیں۔ وہ چپ چپ سی معصوم اور بے حد حسین سی لڑکی انہیں بے حد اچھی
لگ رہی تھی۔ کرنل صاحب دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہے تھے کہ دوبارہ سے ان کے
گھر کا ماحول خوشگوار ہو گیا تھا۔

''چلیں اب آپ لوگ کچھ دیر آرام کر لیں۔ اتنے لمبے سفر سے آ رہے ہیں۔'' سعدیہ
خان نے چائے کے بعد انہیں آرام کرنے کی آفر کر دی۔

''لمبا سفر...... اب بھلا فاصلوں کا کیا پتا چلتا ہے۔ دنیا تو لگتا ہے ایک بڑا سا شہر بن کر
رہ گئی ہے اور ملک...... ملک اس کی کالونیاں اور ٹاؤن۔ بس فرق اتنا ہے کہ ان کالونیوں میں

ٹیکسی یا کار کی بجائے جہاز پر جانا پڑتا ہے۔'' تنویر نے ماں کی ادھوری بات کو بڑی
خوبصورتی سے پورا کر دیا۔ جس پر سب ہی لطف اندوز ہوئے۔

''آیئے امی جان! میں آپ کو آپ کے کمرے تک لے چلوں۔'' نویرہ انہیں اپنے
ساتھ لے آئی۔ انہوں نے طوبیٰ اور تانیہ کا کمرا ان کے لئے سیٹ کر دیا تھا۔ طوبیٰ اور تانیہ، سمیر
کے ساتھ ہو گئی تھیں۔ ویسے بھی سمیر تو آج کل گھر بہت کم آ سکتا تھا اور نیچے کا تیسرا بیڈ روم
طوبیٰ اور تانیہ نے نویرہ اور تنویر کے لئے خاص طور پر ٹھیک کر دیا تھا۔

''ارے یہ تو بہت اچھا اور آرام دہ کمرا ہے۔'' وہ اپنے لئے اس کمرے کو دیکھ کر خوش ہو
گئیں۔ نویرہ جانتی تھی کہ وہ بے حد نفیس طبیعت کی خاتون تھیں، اس لئے اس نے ان کی پسند کا
طرح سے خیال رکھا تھا۔ وہ تکیہ لگا کر بیڈ پر نیم دراز ہو گئیں۔

''بس بیٹا! اب تم جاؤ۔ میں کچھ دیر کمر سیدھی کروں گی۔'' وہ اپنی کمر کے درد سے بے
پریشان رہا کرتی تھیں۔ ان کی ریڑھ کی ہڈی کے نچلے دو مہرے کچھ پرابلم کر رہے تھے۔
جس کی وجہ سے وہ دیر تک بیٹھ نہ سکتی تھیں۔

''جی بہتر امی جان۔'' وہ مسکراتی ہوئی کمرے کا دروازہ آہستگی سے بند کر کے پلٹی۔

''اوہ......'' وہ پلٹتے ہی کسی سے ٹکرا گئی تھی۔

''ساس کا بڑا خیال ہے اور ساس کے بیٹے کا کچھ خیال نہیں؟'' سامنے ہی وہ سینہ تانے
کھڑا تھا۔ کچھ منہ پھلائے خفا ہونے کی ایکٹنگ کے ساتھ۔

''آپ...... آپ......'' وہ بوکھلا گئی۔

''جی نہیں، نہیں......'' اس نے اسی کے انداز میں نقل اتاری۔ ''ذرا بتانے کی زحمت
گوارا کریں گی کہ بندہ ناچیز کے لئے کہاں ٹھہرنے کا انتظام کیا ہے؟'' وہ بدستور کچھ خفا تھا۔

''جی آیئے۔'' وہ اسے اپنے ساتھ لے آئی۔ ''یہ ہے آپ کا کمرا۔'' اس نے مسکراتے
ہوئے کمرے کا ہینڈل گھما کر جیسے ہی دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھا بہت سے سرخ گلابوں کی
پتیاں اوپر سے آ گریں اور کمرا گلاب کی خوشبو سے معطر ہو گیا۔

''یہ...... یہ......'' وہ حیران ہو کر دیکھ رہی تھی۔

''اوہ...... ہمارا اس قدر شاندار استقبال۔'' وہ تو خوشی سے نہال ہو گیا۔ ''اب سمجھا جدائی
کے بعد وصال کے لمحے کیسے ہوتے ہیں۔ بے قراری اور بے تابی سے بھرپور، محبت میں شدید
ہوتے۔'' اس نے کمرے کا دروازہ پلٹ کر بند کیا اور فرط مسرت سے نویرہ کو گھما ڈالا۔ یوں کہ وہ
چکرا کر اس کے چوڑے کشادہ سینے سے آ لگی۔

"تم مجھے چاہتی ہو یہ تو مجھے خبر تھی مگر اتنا شدید چاہتی ہو یہ آج معلوم ہوا ہے۔"

کمرے میں چاروں طرف تازہ پھولوں کے خوبصورت بکے رکھے دیکھ کر بہت رومان پرور ہو رہا تھا۔

"یہ...... یہ میں نے......" اس نے بتانا چاہا کہ یہ سب اس نے نہیں کیا بلکہ یہ سب طوبیٰ اور تانیہ کی شرارت ہے جس کا خود اسے علم نہ تھا مگر وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"یہ سب تم نے میرے لئے میرے انتظار میں کیا۔ میری ساری تھکن اتر گئی' ساری جدائی کی کوفت جاتی رہی۔" اس نے اس کا نازک سا وجود اپنی بانہوں میں بھینچ لیا اور وہ اپنا دھڑ دھڑ کرتا دل ہی سنبھالتی رہ گئی۔

☆======☆======☆

تنویر خان اور اس کی امی جان کے امریکہ سے آنے پر ان کے گھر میں جیسے بہت سی خوشیاں اور رونقیں آ گئی تھیں۔ تنویر اتنی اچھی اور بے تکلف طبیعت کا مالک تھا کہ ایک لمحے کو بھی انہیں یہ محسوس نہ ہو رہا تھا کہ وہ ان کا بیٹا نہیں' داماد ہے۔ وہ بہت محبت کرنے والا انسان تھا۔ تانیہ اور طوبیٰ کو بالکل اپنی بہنوں کی طرح پیار کرنے لگا تھا۔ نویرہ کی شادی تو اس قدر جلدی میں ہوئی تھی اور پھر فوراً ہی وہ لوگ امریکہ چلے گئے تھے۔ اس لئے دونوں خاندانوں کو ایک ساتھ رہنے کا موقع ہی نہ مل سکا تھا۔ لہٰذا ایک دوسرے کو جاننے کا اتنا وقت نہ ملا تھا۔ اب جب وقت ملا تو لگ رہا تھا کہ دونوں خاندان ایک ہی ہیں۔ تانیہ تو بہت ہی خوش تھی۔ طوبیٰ بھی کبھی کبھی خوش ہو جاتی اور کبھی چپ چاپ اپنے کمرے میں گھسی رہتی۔ کم ہی باہر آتی تھی۔ اب بھی اس کی آنکھیں اکثر آنسوؤں سے تر رہا کرتی تھیں۔ جسے سعدیہ خان محسوس کرتیں تو آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے منع کر دیا کرتیں اور وہ خاموشی سے انہیں پی جانے کے عذاب لمحوں سے گزر جایا کرتی تھی۔

مسز منصور کو تو طوبیٰ بے حد پسند آ گئی تھی اور جب سے انہیں یہ پتا چلا تھا کہ طوبیٰ کا نکاح اپنے کزن وقاص کے ساتھ نہیں ہو سکا' وہ اور بھی خوش تھیں۔ یہ نکاح کیوں نہیں ہوا؟ انہوں نے اس کی گہرائی میں جانے کی کوشش ہی نہ کی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ دونوں خاندانوں میں کچھ مس انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی لہٰذا رشتہ نہ ہوا۔ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ یہ تو خاص بات نہیں کہ وہ فکر کرتیں۔ وہ تو اپنی آنکھوں میں اور ہی سپنے بسا بیٹھی تھیں۔

☆======☆======☆

رات کے کھانے کے بعد انہوں نے نویرہ سے کہہ دیا تھا کہ چائے وہ اپنے کمرے میں

ہی گی اور وہ اور تنویر بھی ان کے ساتھ وہیں چائے پئیں۔

"نویرہ آپا! خیریت ہے۔ آنٹی چائے اپنے کمرے میں منگوا رہی ہیں؟" تانیہ فکرمند ہو ئی۔ اسے دھڑکا ہی لگا رہتا تھا کہ کہیں پھر ان کی خوشیوں کو نظر نہ لگ جائے۔

"ہاں ان کی کمر میں دوپہر سے زیادہ تکلیف ہے۔" نویرہ نے چائے کی ٹرے اٹھاتے ئے اسے بتایا۔

"اچھا' میں سمجھی ان کا موڈ خراب ہے۔" اس نے اطمینان پا کر لمبی سی سانس چھوڑی۔

"ارے نہیں پگلی۔" نویرہ مسکرائی اور چائے ان کے کمرے میں لے گئی۔

"نویرہ! میں تم سے ایک بات کرنا چاہتی تھی۔" چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ئے وہ بولیں۔

"جی امی جان کہیے۔" اس کا دل بھی پریشان ہونے لگا تھا۔

"پہلے تم یہ بتاؤ تنویر! تمہیں طوبیٰ کیسی لگی۔" وہ تنویر سے پوچھنے لگی۔

"جی امی جان مجھے' میں سمجھا نہیں۔" وہ ان کا مطلب نہ سمجھا تھا۔

"پگلے ہم یہاں پاکستان میں کیا کرنے آئے ہیں؟" وہ اسے اشارے سے سمجھانے لیں۔

"پاکستان میں......" وہ ذہن پر زور دینے لگا۔ "اوہ اچھا۔" سمجھ میں آ جانے پر وہ مسکرا یا۔ "سچ امی جان! یقین کریں جو آپ سوچ رہی ہیں' میں نے بھی وہی سوچا تھا۔" وہ بے حد ش ہو گیا تھا۔

"سوچا تھا تو کہا کیوں نہیں؟" وہ اس کے چپ رہ جانے پر اسے ڈانٹ رہی تھیں۔

"بس میں آپ کے دل کی بات جاننا چاہ رہا تھا۔" وہ ماں سے نظریں چرا کر بولا۔

"تو تم بھی بڑے چالاک ہو۔" وہ ہنسنے لگیں۔ نویرہ کو ماں بیٹے کی کوئی بات سمجھ نہ آ رہی ی۔ وہ بس ٹکر ٹکر انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ارے نویرہ' لو بھئی تمہیں ہم خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہیں اتنی دیر سے۔" مسز منصور یرہ کا حیرت زدہ سا منہ دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ "بیٹی! میں اور تنویر چاہتے ہیں کہ رتم ہماری مدد کرو تو ہم اپنے محسن کے لئے طوبیٰ کو پروپوز کر دیں۔" انہوں نے کھل کر اپنے ں کی بات کہہ دی۔ جس پر نویرہ کو خوشی اور حیرت کا ملا جلا کرنٹ لگا۔

"جی امی جان۔" وہ گنگ ہونے لگی۔

"کیوں' تمہارا کیا خیال ہے محسن اس قابل ہے کہ تمہاری بہن کا لائف پارٹنر بن

سکے۔'' وہ کھلے ذہن کی عورت تھیں۔ نوریہ سے پوچھ رہی تھیں کہ اس کا بیٹا اس کی بہن کے معیار پر پورا اترے گا یا نہیں۔

''امی جان! میں' میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ محسن تو بہت اچھا ہے۔'' اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ خدا اتنی جلدی اس کی بہن کے دکھ کا مداوا کرے گا اور وہ یوں ہاں کر دے گا۔ اتنا اچھا گھر اور ایسا اچھا لڑکا۔ وہ محسن کی ایک ایک عادت سے واقف تھی۔ وہ جتنا کامیاب اور ذہین ڈاکٹر تھا' اس سے بڑا اور عظیم انسان بھی تھا۔ اس میں ساری عمر یورپ میں گزارنے کے باوجود کوئی بری عادت نہ تھی۔ وہ مشرق پسند اور کچھ روایتی سا انسان تھا۔ اپنا ملک' اپنی ثقافت اور اپنے رسم و رواج اسے بہت عزیز تھے۔

''کہاں کھو گئیں بیٹا۔'' مسز منصور نے نوریہ کو یوں گم صم دیکھ کر پوچھا۔ وہ چونک گئی۔

''میں امی جان سے بات کروں گی۔'' وہ اپنی خوشی کو اندر ہی دبا گئی۔

''امی جان سے بات کرنے سے پہلے تم بتاؤ کہ تمہارا کیا خیال ہے' دونوں کی جوڑی کیسی رہے گی۔'' وہ اسے پوچھنے لگیں۔

''جی مجھے تو دونوں ہی بہت عزیز ہیں۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''مطلب تمہیں کچھ اعتراض نہیں؟'' وہ اپنا اطمینان کرنا چاہتی تھیں۔

''جی بالکل نہیں۔'' اس نے انہیں یقین دلا دیا۔

''تم کہو تنویر! تمہیں......'' وہ اس سے پوچھنے لگیں۔

''مجھے ہے۔'' وہ ذرا سنجیدگی سے بولا۔

''کیا......؟'' مسز منصور کے ساتھ ساتھ نوریہ بھی ایک دم بولی۔

''جیلسی۔'' وہ منہ کر بولا۔

''وہ کیوں؟'' مسز منصور مسکرا دیں۔ ورنہ تو وہ سمجھی تھیں کہ اسے واقعی کوئی اعتراض ہی نہ ہو۔

''میں تو چاہتا تھا کہ میری بیوی جیسا اور کوئی نہ ہو۔'' وہ بچوں کی طرح منہ پھلائے بیٹھا تھا۔ ''اور وہ تو نوریہ سے بھی زیادہ......'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ نوریہ کو تکنے لگا کہ شاید وہ اس بات کا برا منائے مگر وہاں تو برائی نام کو نہ تھی۔ بلکہ وہ تو اپنی بہن کے لئے خود سے بہتر ہونے کی خوبی سن کر خوش تھی۔

''نوریہ سے زیادہ حسین ہے۔'' اس کی امی بھی اسے چھیڑنے کو بولیں۔

''ہاں' حسین تو ہے مگر نوریہ سے زیادہ نہیں۔'' وہ فوراً ہی پلٹ گیا۔

''تنویر تو بڑا تیز ہے۔'' مسز منصور کا قہقہہ کمرے میں گونجا اور نوریہ کے دل میں ایک دم بہت زیادہ اطمینان اتر گیا۔

''محسن دو چار روز میں یہاں پہنچ رہا ہے۔ باقی وہ آ کر فیصلہ کر لے تو میں کرنل صاحب بات کر لوں گی۔ میرا تو خیال ہے محسن کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔'' وہ خود سے اندازہ لگانے ہیں۔ انہیں اپنے بیٹوں پر اعتماد تھا' اس لئے کہہ رہی تھیں۔

''اعتراض کی بجائے اسے اپنے نصیب پر نازاں ہونا چاہیے کہ اسے طوبیٰ مل رہی ہے۔'' تنویر نے دل کھول کر اپنی سالی کی تعریف کی۔

''بے شک۔'' اس پر اس کی امی نے بھی تائید کر دی۔ ''اللہ کرے خیر سے محسن آ کر دیکھ لے تو میرا خیال ہے کہ ہم نکاح کر کے چلے جائیں گے اور طوبیٰ کے ویزا کے کاغذات وہاں جلد مکمل کروا کے بھیج دیں گے پھر تو بابا میں سب کچھ ان دونوں بہنوں کے حوالے کر کے فکر ہو جاؤں گی۔ یہ جانیں اور ان کا کام۔'' وہ تو مستقبل کے پلان بھی بنانے لگیں۔

''تاکہ یہ دونوں بہنیں مل کر ہم دونوں بھائیوں پر مکمل اجارہ داری کر لیں۔'' تنویر نے انداز میں کہا کہ مسز منصور کے ساتھ ساتھ نوریہ بھی ہنسنے لگی۔ جس میں تیسرا قہقہہ خود تنویر کا شامل تھا۔

☆======☆======☆

محسن کو پاکستان میں آئے دوسرا دن تھا اور اس سارے وقت میں اسے کرنل عبدالصمد ن کا گھرانہ بے حد اچھا لگا تھا۔ خاص طور پر ان کے گھر کا اس قدر سلجھا ہوا ماحول' اتنی محبت رنے والے لوگ...... کرنل عبدالصمد خان کی رعب دار اور متاثر کر دینے والی شخصیت۔ دیہ خان کی ڈیشنگ پرسنالٹی اور محبت کرنے کا دھیما دھیما انداز۔ سمیر کی شرارتی مگر پیار والی بعت۔ ثانیہ کی ہلکی ہلکی چھیڑ چھاڑ اور خدمت کرنے والی عادتیں اور وہ...... وہ جو چپ بیٹھی تی تھی مگر اس کی آنکھیں بولا کرتی تھیں۔ جسے دیکھ کر لگتا تھا کہ ایک دم کھلکھلا کر ہنس دے گی ے ہنستے رو دے گی۔ جو اتنی مکمل اور اتنی حسین تھی کہ اسے دیکھ کر ایمان ڈولنے لگتا تھا۔ بہک نے اور کوئی شرارت کر جانے کو بے ساختہ دل کر جایا کرتا تھا۔ جس پر نظر پڑتی تو پلٹنا بھول تی تھی۔ ''کیا تھا اس لڑکی میں؟'' وہ رات کو لیٹا سوچ رہا تھا۔ ''افسانوں اور کہانیوں والی جیسی یہ لڑکی لگتا تھا خاص طور سے تراشی گئی ہے۔''

''کس کے لئے؟'' ایک خیال اس کے دل کو وسوسے میں ڈال گیا۔ ''اپنے لئے مانگ '' اندر سے دل کا چور بولا۔ جس کی نظر تو اسے دیکھتے ہی ڈول چکی تھی۔ ''اپنے لئے' میرے

لئے' کیا واقعی؟'' وہ دل میں ہونے والی گدگداہٹ پر مسکرا دیا۔ ''ایسا ہو سکتا ہے۔'' اس نے تکیہ اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور سوچنے لگا ''اس میں حرج ہی کیا ہے۔ میں صبح ہی نویرہ بھابی سے کہہ دوں گا کہ مجھے یہ لڑکی پسند ہے۔ اسے میری دلہن بنا دیں۔'' وہ خود سے باتیں کرنے لگا ''میری دلہن......'' دل میں کسی نے شرارت سے چٹکی لے لی اور پورا بدن ایک خمار سے اٹ گیا۔ ''کاش ایسا ہو جائے تو اسے آنکھوں میں چھپا کر رکھ لوں گا پھر کسی کی نظر اس پر نہ پڑنے دوں گا۔ میرے سوا اسے کوئی اور کیوں دیکھے گا۔'' اسے اپنے اندر جلن کا احساس ہوا۔

''دھت بری بات۔'' اس نے اپنے خیال کو جھٹکا اور آنکھوں میں خوبصورت سپنے سمیٹ کر لیٹ گیا۔ وہ ایسی ہی طبیعت کا تھا۔ بہت کھلے ذہن کا تھا۔ محبت کا سوداگر تھا۔ لوگوں کو محبت دیتا اور لوگوں سے محبتیں سمیٹتا تھا۔ پوری دنیا کے لئے بہت اچھے خیالات اپنے ذہن میں رکھتا تھا۔ اسے سب اچھے لگتے تھے۔ کسی میں نقص نہ نکالتا تھا مگر اپنے لئے جب سوچتا تو تنگ نظر ہو جاتا۔ سوچتا جسے میں چاہوں گا اسے بس میں ہی چاہوں گا۔ جو میری ہو گی' وہ بس میرے ہی لئے ہو گی۔ جسے میں دیکھوں گا' وہ میری آنکھوں میں بند ہو کر رہے گی۔ میں اسے محبت دوں گا اور بہت دوں گا۔ اتنی کہ مثال بنا دوں گا۔ آج تک اس نے خود بھی کسی کو اس نظر سے نہ دیکھا تھا۔ وہ کہتا تھا میرے دیکھنے سے کیا ہو گا۔ یہ نظر تو اس پر جب پڑی اسے خود ہی پہچان لے گی اور پھر کب پلٹے گی اور اب ایسا ہو گیا تھا۔ نظر نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ پلٹی تو تھی مگر اس کی نہ رہی تھی۔

''میں صبح ہوتے ہی بھابی سے بات کروں گا'' اس نے بے تابی سے سوچا۔ اس کے لئے صبح ہونی مشکل ہو رہی تھی۔ ''لیکن کیا مجھے پہلے اس سے بات کر لینی چاہیے۔ وہ بھی تو مجھے پسند کر لے۔ کیا کرے گی؟'' وہ خود سے سوال کرنے لگا۔ ''ہاں مجھ میں کیا کمی ہے؟ کر لے گی۔'' وہ...... پُراعتماد تھا۔

اس رات اسے نیند نہ آئی اور کروٹیں بدلتے بدلتے وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کس نئے احساس سے آج اسے آشنائی ہوئی ہے۔ یہ آگہی کا کون سا در اس پر کھلا ہے کہ اندر باہر کے سب موسم ہی بدل گئے ہیں۔ یہ اتنے خوبصورت خواب پلکوں تلے کہاں سے آ گئے اور دل کو گدگدا جانے والے خیال لہو میں چٹکیاں سی بھرنے لگے تھے۔ لب خود بخود مسکرا رہے تھے اور وہ خود کلامی کا اسیر ہو گیا' تب ہی تو در و دیوار سے گفتگو کر رہا تھا۔

☆======☆======☆

طوبیٰ کے لئے ایسا اچھا پروپوزل اور اتنی جلدی سعدیہ خان نے سنا تو انہیں یقین ہی نہ

آیا۔ اور یہ سب خدا کی نعمت لگا۔ ''عبدالصمد خان! ہمیں اب دیر نہیں کرنی چاہیے اور فوراً ہاں کر دینی چاہیے' محسن بہت اچھا لڑکا ہے۔'' وہ خوشی سے سرشار تھیں اور اپنے شوہر کے ساتھ مشورہ کر رہی تھیں۔

''بے شک سعدیہ یہ خدا کی نعمت ہی ہے مگر پھر بھی مجھے سوچنے کے لئے کچھ وقت چاہیے۔'' وہ کچھ پریشان سے تھے۔

''سوچنا کیا ہے؟ اپنی نویرہ کا گھر ہے اور نویرہ اپنے گھر میں بے حد خوش ہے دونوں بہنیں مل کر رہیں گی۔'' وہ شوہر کو سمجھانے لگیں۔

''سعدیہ! حالات جس نہج پر چل رہے ہیں اس میں بہت کچھ سوچنے کی ضرورت ہے اب ہمیں ہر قدم سوچ سمجھ کر رکھنا پڑے گا۔'' وہ بے حد فکرمند تھے۔

''سعدیہ! جو کچھ ہو رہا ہے ایسے میں اگر ہم فی الفور کچھ کرتے ہیں تو کہیں۔''

''کچھ نہیں ہو گا صمد...... آپ اللہ پر بھروسا رکھیں۔'' پریشان تو وہ بھی تھیں مگر انہیں تسلی دینے کے لئے اپنی پریشانی ظاہر نہ کر رہی تھیں۔

''سعدیہ! اگر تم مسز منصور کو اعتماد میں لے کر ساری بات بتا دو تو......''

''نہیں...... نہیں صمد یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ ڈر گئیں۔

''اتنی بڑی بات انہیں بتاؤں...... میری بچی بھلا کب سر اٹھا کر جی سکے گی پھر ان کے سامنے۔'' وہ آنے والے وقت کا سوچ کر خوفزدہ ہو گئیں۔

''اور اگر خدانخواستہ یہاں بھی......'' کرنل صاحب کا خدشہ لبوں پر آ گیا۔

''خدا نہ کرے۔'' انہوں نے اپنا ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیا۔

''صمد! ایسا نہ سوچیں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ ہماری بچی کے نصیب اچھے کرے اس کا یہ پردہ یہ بھرم رکھ لے۔'' وہ دعا کرنے لگی۔

''لیکن ہم چھپائیں کیوں' ہماری بچی کی اس میں کیا خطا ہے۔'' وہ پھر بھی بتا دینے کو ہی مناسب سمجھ رہے تھے۔

''صمد خان! بے شک ہماری بچی بے خطا اور بے گناہ ہے مگر لوگ...... لوگ نہیں سمجھتے اس بات کو...... لوگ تو ذرا ذرا سی بات پر تہمتیں دھر دیتے ہیں دوسروں پہ' یہ تو بہت بڑی بات ہے۔'' وہ انہیں حقیقت کا چہرہ دکھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''بڑی بات' کیا بڑی بات ہے؟'' وہ ذرا غصے سے بولے۔ اس غصے میں غم کا عنصر زیادہ شامل تھا۔

"صمد! پلیز۔" انہوں نے ان کا ہاتھ تھام کے انہیں اپنے پاس بٹھالیا۔

"یہ تو ہم کہہ رہے ہیں کیونکہ ہم والدین ہیں، ورنہ زمانہ دیکھا نہیں آپ نے، اپنے بھی کیسے پرائے ہو گئے۔" انہوں نے کرنل صاحب کی سگی بہن کے بدلتے رویئے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"پاگل تھی فائزہ کم ظرف نکلی۔" انہیں اپنی بہن پر بھی بہت غصہ تھا۔

"سگی بہن اگر کم ظرف نکل سکتی ہے تو کیا دوسرے......" وہ بات کو ادھورا چھوڑ کر ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگیں۔ جہاں اب غصے کی بجائے کچھ پریشانی آ گئی تھی۔

"ہمارے ہاں لوگوں کے دل اور ظرف دونوں ہی بہت چھوٹے ہوتے ہیں سچ کی کڑواہٹ کو حلق سے نہیں اتار سکتے لہٰذا اوروں کے چہروں پر تھوکتے پھرتے ہیں۔ جو ہمارے ساتھ ہوا یہ کسی کے بھی ساتھ ہو سکتا تھا اور ایسا نجانے کتنے اور لوگوں کے ساتھ ہو جاتا ہے مگر یہاں کسی کا دکھ کوئی نہیں بٹاتا۔" وہ بڑی سچی اور اچھی باتیں کر رہی تھیں۔

آہستہ آہستہ عبدالصمد خان کی سمجھ میں ساری بات آ گئی۔

"تم نویرہ سے بات کر لینا۔" انہوں نے پھر بھی مشورہ دے دیا۔

"نویرہ کا بھی یہی خیال ہے کہ کسی سے کوئی بات نہ کہی جائے اور خاموشی سے اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے یہ نیک کام کر دیں اور پھر ہم نے کون سا شادی کا ہنگامہ کرنا ہے نکاح اب ہو جائے گا اور وہاں سے ویزہ آتے ہی طوبیٰ رخصت ہو جائے گی۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ یہ بہت اچھا ہو رہا ہے طوبیٰ اس ملک سے ہی چلی جائے گی۔"

وہ اس بات پر مطمئن تھیں کہ طوبیٰ پاکستان سے ہی چلی جائے گی۔

"اچھا...... جیسے خدا کو منظور۔" کرنل صاحب بھی مان گئے۔

"تو پھر میں نویرہ سے کہہ دوں کہ وہ مسز منصور سے کہہ دے۔" وہ بے حد خوش ہو گئی تھیں۔

"کہہ دو۔" انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ سعدیہ خان کے کندھوں پر رکھتے ہوئے ان کی آنکھوں میں دیکھا، جہاں بہت دنوں کے بعد سکون اور خوشی کے رنگ دکھائی دے رہے تھے۔

"خوش رہا کرو سعدیہ۔" وہ بھی انہیں خوش دیکھ کر خوش تھے۔

"ہوں۔" سعدیہ خان نے ان کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹا کر آنکھوں سے لگا لئے۔

"صمد دعا کرنا، میری طوبیٰ کا گھر بس جائے۔" صمد خان نے ان کے آنسوؤں کی نمی اپنے ہاتھوں کی پشت پر محسوس کی تھی مگر یہ نمی خوشی اور اطمینان کے آنسوؤں کی تھی۔ البتہ اس میں کچھ فکرمندی بھی شامل تھی۔

☆======☆======☆

"آپا! آپ لوگ میری شادی نہ کریں۔" طوبیٰ نے سنا تو وہ پریشان ہو اٹھی۔

"کیوں، کیوں نہ کریں چندا۔" وہ محبت سے بہن کو دیکھنے لگی۔

"بس مجھے نہیں کرنی شادی۔" وہ بہت خوفزدہ لگ رہی تھی۔

"ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔" نویرہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھالیا اور پیار سے اس کے چہرے سے بال ہٹانے لگی۔ "کیا محسن تمہیں اچھا نہیں لگا؟" وہ پوچھنے لگی۔

"میری پسند یا ناپسند کی بات نہیں ہے آپا۔ میں...... میں......" اس کی آواز رندھ گئی۔ "میں اس قابل نہیں ہوں کہ کسی کی زندگی میں شامل ہوں۔" وہ رو پڑی۔

"طوبیٰ! میری جان! تم ایسا کیوں سوچتی ہو۔ تمہاری آپا ہے نا۔ میں تمہارے سب درد لے لوں گی۔ امی جان بہت اچھی ہیں۔" وہ تنویر اور محسن کی امی کا کہہ رہی تھی۔

"مگر میں تو اچھی نہیں ہوں۔" وہ بار بار خود کو برا کہہ رہی تھی۔

"طوبیٰ بری بات۔ دیکھو اگر اب تم نے خود کو ایسا کہا تو میں بھی رو دوں گی۔" نویرہ نے لپک کر اسے گلے سے لگا لیا اور پیار کرنے لگی۔

"آپا! مجھے ڈر لگتا ہے۔ خوف آتا ہے لوگوں سے۔" وہ اپنے دل کی بات بتانے لگی۔

"پاگل ہے تمہارا دل جو ڈرتا ہے اور پھر سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

"لیکن میں ابھی پڑھنا چاہتی ہوں۔" اس نے ایک اور بہانہ تراشنا چاہا۔

"پڑھ لینا۔ خوب ڈھیر سارا پڑھ لینا۔ وہاں نیویارک میں کوئی بہت زبردست سا کورس کر لینا۔" وہ مسکرا کر اس کا دل بڑا کرنا چاہ رہی تھی۔

"آپا! آپ رہنے دیں۔ کہیں میری وجہ سے آپ کا ہنستا بستا گھر بھی......" وہ آگے کہہ نہ سکی۔

"طوبیٰ! بس کرو۔" نویرہ نے اسے ڈانٹ دیا۔ "کیوں خود کو اتنا برا سمجھ رہی ہو اور مجھے شرمندہ کر رہی ہو۔ تمہاری وجہ سے، تمہاری وجہ سے۔ کیا ہو جائے گا تمہاری وجہ سے...... اول تو کسی کو کچھ بھی خبر نہیں ہو گی اور جب ہو گی تو میں سب سنبھال لوں گی۔"

"آپا! آپ میری بات......"

"بس اب تم کوئی بات نہیں کرو گی۔ چپ چاپ بیٹھی رہو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی اور دیکھ لینا تم...... تمہارے سب خدشے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے

یہاں۔'' اس نے پیار سے بہن کی پیشانی چوم لی۔

''آپا!'' وہ تڑپ اٹھی۔ سسک سسک کر بہن کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ نویرہ بھی خود پر قابو نہ رکھ سکی اور وہ رو پڑی۔

''گڑیا! گڑیا! دیکھ لینا تم' سب کچھ بہت اچھا ہو جائے گا اور تمہیں کچھ یاد بھی نہ رہے گا کہ کیا ہوا تھا۔ بھول جاؤ سب بیتی باتیں' بھول جاؤ۔ میں تنویر سے کہہ دوں گی کہ میں ابھی کچھ عرصہ پاکستان میں رہوں گی۔ ہم اکٹھے ہی چلے جائیں گے۔ جب تمہارا ویزا آ جائے گا تو......'' وہ مستقبل کے پروگرام بنانے لگی۔ ''اور ہاں میں تم پر بہت رعب جمایا کروں گی۔ تمہاری جیٹھانی جو بن جاؤں گی۔

اس نے روتی آنکھوں سے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''رعب جمانے دو گی مجھے' میرا کہنا مانا کرو گی۔'' وہ پوچھ رہی تھی۔ ''نہیں مانو گی تو میں تمہاری ساس سے تمہاری شکایتیں کروں گی اور پھر تمہیں خوب ڈانٹ پڑا کرے گی۔'' وہ بالکل بچوں کی طرح پروگرام بنا رہی تھی۔ طوبیٰ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے انداز پر مسکرانا پڑا۔

''شاباش بالکل ایسے ہی ہنستی مسکراتی رہا کرو۔'' اس نے دل سے دعا دی اور اس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ جس سے طوبیٰ کے اندر ایک اعتماد پیدا ہو گیا۔

☆======☆======☆

''اوہ شٹ...... انکوائری کرائے گا۔ یہ کرنل میرے خلاف انکوائری کرائے گا۔ گیتی آرا کے قتل کا کیس دوبارہ اوپن کرائے گا۔ باسٹرڈ...... دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا' سٹھیا گیا ہے بڈھا فوجی۔'' وہ نشے اور غصے میں جانے کیا کیا بک رہا تھا۔ دراصل کرنل عبدالصمد خان اور زیدی صاحب نے مل کر جو پلان کیا تھا اس کے لئے انہوں نے ڈی آئی جی کو اپروچ کر لیا تھا ڈی آئی جی ان کا اچھا دوست تھا۔ اس نے فوراً اپنے انڈر ایس ایس پی صنوبر یز سے بات کر کے یہ کیس دوبارہ اوپن کرانے کا حکم دے دیا تھا مگر کیا کیا جائے ہماری قوم کا جو کالی بھیڑوں سے بھری پڑی ہے۔ جس اسپیشل کرائم برانچ میں یہ کیس سیکرٹ اوپن کرایا گیا تھا اسی کے ایک افسر نے اس سیکرٹ کو انیق یزدانی کے سامنے اوپن کرتے ہوئے اسے الرٹ کر دیا تھا اور جب سے انیق کو یہ معلوم ہوا تھا اس کا سارا لہو آگ بن گیا تھا۔

''اب میں اس کرنل کو نہیں چھوڑوں گا۔ برباد کر دوں گا اور اس طرح سے کروں گا کہ زندہ رہتے ہوئے اپنے مرنے کی دعائیں خود مانگے گا۔ کس چیز پر غرور کرتا ہے یہ آدمی...... کرچی کرچی کر دوں گا اس کی خودی کو۔'' اس نے اپنے ہاتھ میں موجود کرسٹل گلاس فرش

پٹخ دیا اور زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔

''اختر...... اختر......'' پھر وہ چلا کر بولا۔ ''اختر کو بلاؤ۔''

''حوصلہ کرو خود کو سنبھالو انیق یوں جذباتی ہو جاؤ گے تو معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔'' خالد جو کب سے اس کی یہ حالت دیکھ رہا تھا اسے اٹھ کر سہارا دینے لگا۔

''اختر کو بلاؤ۔'' وہ بار بار یہی کہہ رہا تھا۔

''بلاتا ہوں صبر تو کرو۔'' خالد نے اپنی ٹیبل پر موجود انٹر کام کا بٹن دبا دیا دوسری طرف ''یس سر'' ہونے پر اس نے کہا۔

''اختر کو بھیجو۔'' پھر تھوڑی ہی دیر میں اختر وہاں موجود تھا۔

''یس سر......''

''مجھے تمہارے ہنر مند ہونے کا امتحان درکار ہے۔'' اس نے دوبارہ سے دوسرا گلاس بھر لیا تھا۔

''جی حکم کریں سرکار۔'' وہ سعادت مندی سے سر جھکا کر بولا۔

''یہ تصویریں لے جاؤ اور انہیں ان سے بدل دو۔'' اس نے اپنی دراز میں سے دو مختلف طرح کے لفافے نکال کر اختر کے ہاتھ میں دے دیئے۔

''سر آپ فکر ہی نہ کریں۔'' وہ جو اس کام کا بڑا ماہر تھا عیاری سے مسکرایا۔

''پرنٹ اتنے صاف اور واضح ہونے چاہئیں کہ ذرا برابر پتا نہ چلے کہ یہ اوریجنل نہیں ہیں۔''

''جی سر بالکل ایسا ہی ہو گا۔ بلکہ خود آپ بھی نہ پہچان پائیں گے کہ دونوں میں سے اوریجنل کون سا تھا۔'' وہ بہت اعتماد سے کہہ رہا تھا۔

''چلو کوئیک سروس۔'' اس نے چٹکی بجا کر اسے جانے کو کہا۔

''ابھی لایا سر۔'' وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

''اب پتا چلے گا کرنل خان کو کہ اس نے ٹکر کس سے لی ہے اور طوبیٰ خان تم...... تم خود یہ ثابت نہ کر سکو گی کہ یہ تصویریں تمہاری نہیں ہیں۔'' وہ مکاری سے ہنسنے لگا۔

یہ ان کی بلیک میلنگ کا وہ گھٹیا ترین انداز اور حربہ تھا جو وہ اس وقت آزمایا کرتے تھے جب گھی ٹیڑھی انگلی سے بھی نہ نکل رہا ہوتا تھا۔ کسی کی تصویر کو کسی سے بدلنا۔ یعنی چہرے کسی اور کا اور جسم کسی اور کے وہ جدید طریقوں سے کمپیوٹر کے ذریعے یہ کام بڑی مہارت سے کر لیا کرتے تھے۔ اختر اس لیب کا انچارج اور اس فن کا سب سے ماہر استاد تھا۔ دراصل کرنل

صاحب کے گھر میں بھی ایک ایسا بھیدی تھا جو ان کی لنکا ڈھا رہا تھا۔ ان کے گھر میں جو صفائی کرنے والی جمعدارنی تھی وہ ان کے گھر کی پل پل کی خبر انہیں پہنچاتی تھی جسے انیق یزدانی نے اپنی ایک ورکر کے ہاتھوں بڑی بھاری رقم دے کر خرید لیا تھا۔ اس نے انہیں یہ خبر بھی پہنچا دی تھی کہ طوبیٰ کا نکاح اس کی بہن کے دیور سے ہو رہا ہے اور بعد میں وہ امریکہ چلی جائے گی اس خبر کا غصہ ابھی انیق یزدانی پر کم نہ ہوا تھا کہ اسے یہ خبر بھی مل گئی کہ کرنل صاحب نے ایلیٹ فورٹ کے کمانڈر زیدی صاحب کے ساتھ مل کر گیتی آرا کے قتل کیس کو ری اوپن کرایا ہے اس شیطان کا انتقام اب عروج پر آ چکا تھا جس کے لئے اس نے آج یہ گھٹیا ترین حربہ اپنایا تھا کرنل صاحب کو بلیک میل اور ذلیل کرنے گا۔

☆======☆======☆

ڈاکٹر محسن اس خبر سے بے حد خوش تھا کہ اس کا نکاح طوبیٰ سے طے پا گیا ہے وہ نویرہ کا بے حد احسان مند تھا۔ ”بھابی! میں تو عمر بھر آپ کا احسان ادا کرتا رہوں گا۔“

”وہ کیوں بھلا؟“ نویرہ نے جانتے بوجھتے انجان بن کر پوچھا۔

”آپ جانتی تو ہیں۔“ وہ سر جھکا کر بولا۔

”اچھا اس بات پر چلو اچھا ہے احسان تو مانو گے‘ میرا بھی رعب بڑھ جائے گا۔“ وہ بہت خوش تھی۔ وہ خود کو اور زیادہ مضبوط اور عزت والی محسوس کر رہی تھی۔

”میں جاتے ہی پیپرز مکمل کرا کے بھیج دوں گا۔“ وہ تو ابھی سے بے تاب ہو رہا تھا۔

”ابھی خود تو جاؤ۔“ وہ ذرا اترا کر بولی۔ ”ارے ہاں جانے سے یاد آیا مجھے تو آج پرویز نے لنچ پر بلایا تھا۔“ وہ کچھ یاد آ جانے پر گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”اتنا کچھ بنا رہی ہوں۔“ وہ کھانا بنا رہی تھی محسن نے اسے پہلے نہ بتایا تھا کہ پرویز نے اسے لنچ پر بلا رکھا ہے اس لئے وہ عین وقت پر معلوم ہونے پر کچھ خفا ہو گئی۔

”سوری بھابی۔“ وہ شرمندہ ہو گیا۔ ”دراصل آج کل مجھے کچھ بھی ٹھیک سے یاد نہیں رہتا۔“ وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

”چلو چلو باتیں نہ بنایا کرو۔“ وہ مسکرائیں۔

”سچ۔“ اس نے کانوں کو ہاتھ لگا لئے۔ ”اور یہ آپ نے اسے کس چکر میں مجھ سے پردہ کروایا ہے۔“ وہ سلاد کی پلیٹ میں سے کھیرے کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھتا ہوا بولا۔

”پردہ ہی کراتے ہیں جب لڑکی کی بات طے ہو جاتی ہے تو۔“ نویرہ نے سلاد کی پلیٹ اس کے سامنے سے ہٹا کر اسے گھورتے ہوئے کہا کیونکہ وہ باتوں ہی باتوں میں سارا سلاد ختم

رہا تھا۔

”جاتا ہوں جاتا ہوں مگر یہ کہ ابھی سے رعب و دبدبہ یہ بری بات ہے۔“ وہ جاتے جاتے پلٹا۔

”اچھا شام کو دکھائیں گی ناں ایک جھلک بس ایک جھلک۔“ وہ منت کرنے لگا۔

”اچھا سوچوں گی اب تم جاؤ۔“ وہ ذرا سنجیدہ شکل بنا کر بولی۔

”اللہ ہی ہم پر رحم کرے گا۔“ وہ ٹھنڈی آہ بھرتا ہوا چلا گیا۔

پرویز اللہ اس کا بچپن کا دوست تھا میٹرک تک ان لوگوں نے ایک ہی سکول اور ایک ہی سیکشن میں پڑھا تھا پھر وہ لوگ پنڈی سے امریکہ چلے گئے فاصلے تو بہت زیادہ آ گئے تھے ان میں مگر فرق کوئی نہ آ سکا تھا دونوں کی دوستی اور محبت کے درمیان‘ اب بھی جب کبھی وہ پاکستان اور پنڈی آتے تو لگتا سکول کے دن لوٹ آئے ہوں۔ پرویز اللہ بھی ایک اب ڈاکٹر بن چکا تھا مگر تھا ویسا ہی کھلنڈرا اور بے فکرا۔

”واہ یار پرویز تم بھی کیا چیز ہو؟“ وہ پرویز کے بارے میں سوچتا ہوا جا رہا تھا۔ وہ سمیر کی بائیکل لے آیا تھا اسے گاڑی سے زیادہ موٹر سائیکل چلانا اچھا لگتا ہے۔ جیسے ہی وہ صمد خان کی گلی سے نکلا باہر موڑ پر ہی ایک شخص نے اسے روک لیا۔ یہ کوریئر سروس والا

”جی فرمایئے۔“

وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا کہ اسے اس سے کیا کام ہے؟

”ڈاکٹر محسن آپ کا نام ہے؟“ وہ پوچھنے لگا۔

”جی بے شک۔“ وہ کچھ سمجھ نہ پا رہا تھا۔

”فرام نیویارک آف امریکہ!“ وہ مسکرایا۔

”جی جی......“ اب محسن کی حیرانی دیدنی تھی۔

”یہ آپ کا پارسل ہے۔“ اس نے ایک بڑا سا لفافہ اسے تھما دیا۔

”میرا پارسل مگر کہاں سے۔“ اس پر تو حیرانی کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔

”سر یہاں سائن کر دیں پلیز۔“ اس نے اس کی بڑبڑاہٹ کو نظر انداز کر کے ایک اس کے سامنے کر دی۔ سائن کر کے جٹ اسے تھمائی اور لفافے کو ہاتھ میں لے کر وہ پٹی نظروں سے ماڈرن پوسٹ مین کو دیکھتا رہا جو اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے گلی کے پا چکا تھا۔

”مجھے کس نے پارسل بھیج دیا اور کیوں؟“ وہ الٹ پلٹ کر لفافے کو غور سے دیکھنے لگا

بالکل ہی اجنبی سی ہینڈ رائٹنگ تھی۔ مگر تھی بہت خوبصورت۔

"اینی وے۔" اس نے کندھے اچکا کر لفافے کو اپنی لیدر جیکٹ کے اندر زپ میں ڈالا اور دوبارہ بائیک اسٹارٹ کر کے ہوٹل کی طرف چلا گیا۔ اسے پہلے ہی دیر ہو چکی تھی اور وہ جانتا تھا کہ ہر گزرتے منٹ کے ساتھ پرویز اللہ اسے گالیاں دے رہا ہوگا۔

☆======☆======☆

"کیا ہوا دیور جی منہ کیوں لٹکایا ہوا ہے۔" شام کو وہ جب بہت دیر سے واپس لوٹا تو بہت پریشان تھا اور اس کا چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا۔

"بس میرے سر میں بہت درد ہے۔" وہ بغیر کسی سے کوئی بات کیے کمرے میں چلا گیا۔ نویرہ اس کے پیچھے پیچھے آگئی۔

"کیا بہت درد ہے محسن؟" وہ اپنی عادت سے مجبور ہو کر پریشان ہو چکی تھی۔

"جی اور کیا میں بہانہ بنا رہا ہوں۔" جواب بڑا روکھا سا تھا۔ نویرہ کے دل کو دھچکا لگا اس طرح تو اس نے کبھی بات نہ کی تھی۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ پھر محبت جتانے لگی۔

"بھابی پلیز! مجھے کچھ دیر کے لئے تنہا چھوڑ دیں۔ میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" وہ اسی انداز میں کھنچا کھنچا سا بولا۔ اس کا رویہ دیکھتے ہوئے مزید گنجائش ہی نہ تھی کہ نویرہ وہاں ٹھہرتی وہ دل میں شرمندگی کا احساس لئے اداس اور پریشان سی وہاں سے آگئی۔

"کیا ہوا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟" کوریڈور میں ہی تنویر اسے مل گیا اسے اداس دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"ہاں کچھ نہیں بس سر میں ذرا سا درد تھا۔" اس نے بھی فوراً ہی سر درد کا بہانہ بنایا۔ یہ سر درد کا بہانہ بھی کیا چیز ہے کسی بھی ٹینشن کو چھپانا ہو۔ کہہ دو سر میں درد ہے۔

"اچھا تو چلو پھر آرام کر لو۔" وہ اسے زبردستی بازو سے پکڑ کر اندر کمرے میں لے گیا۔

وہ لیٹنے کو تو لیٹ گئی۔ مگر جھوٹ موٹ کی آنکھیں موندے وہ یہی سوچ رہی تھی کہ آخر محسن کو کیا ہو گیا اس کے چہرے پر جو اجنبیت وہ ایک پل میں دیکھ آئی تھی وہ پچھلے پورے ڈیڑھ برس سے نہ دیکھ سکی تھی۔ اس کے دل کو دھڑکا سا لگ گیا تھا۔

"یا اللہ خیر کرنا۔" مگر خیر کہاں تھی محسن کا موڈ ایسا خراب ہوا کہ پھر اگلی شام تک درست نہ ہوا وہ پوچھ پوچھ کر تھک گئی مگر اس کا ایک ہی جواب تھا۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں اس کی طبیعت کو کیا ہو رہا تھا یہ اسے اس وقت پتا چلا جب رات کو تنویر نے اس سے بات کی۔

"نویرہ! تم لوگوں نے اتنی بڑی بات ہم سے چھپائی۔" اس کا بھی موڈ خاصا خراب تھا۔

"کیا بات تنویر؟" اس کا دل حلق میں آگیا۔

"شکر ہے ہمیں خبر ہوگئی اگر بے خبری میں یہ سب ہو جاتا تو سوچو کیا ہوتا؟" وہ جانے پہیلیاں بجھوا رہا تھا۔ نویرہ کو کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا۔

"تنویر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں کھل کر بات کریں۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"اب کھل کر بات کرنے کو بچا ہی کیا ہے تم لوگوں کے چہروں پر پڑی معصومیت کی ...یں الٹ چکی ہیں۔ اندر کے گھناؤنے اور بھیانک چہرے ہم نے دیکھ لئے ہیں۔" اب وہ ...ر رہا تھا اور ایسا طنز جو اس کے دل پر نشتر کی طرح لگ رہا تھا۔

"تنویر مجھے بتائیں تو سہی آخر ہوا کیا آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" اب تو وہ رو پڑی۔

"بند کرو یہ ایکٹنگ اور لو دیکھو یہ غلط فہمی ہے یا خوش فہمی کے منہ پر طمانچہ جو ہمیں ہو گئی ...۔" اس نے اپنی بیڈ کی دراز میں سے لفافہ نکال کر اس پر دے مارا لفافہ کھلنے کی وجہ سے ...ریں اس میں سے نکل کر کچھ بیڈ اور کچھ فرش پر بکھر گئیں۔

"یہ...... یہ میرے خدایا۔" نویرہ وہیں زمین پر اپنا چکراتا سر اور ڈوبتا دل تھام کر بیٹھ ...۔ "جی...... یہ......"

"یہ ہے تمہاری معصوم اور بھولی سی بہن کے کرتوت۔ توبہ توبہ ایسی لچر اور بے حیا ...۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

"یہ سب کیا ہے؟" وہ الٹا اس سے سوال کر رہا تھا۔

"یہ سب جھوٹ ہے تنویر۔ یہ سب خود ساختہ ہیں طوبیٰ ایسی نہیں ہے۔" وہ تنویر کے ...ں سے لپٹ کر منت کرنے لگی۔

"یہ خود ساختہ ہیں ہاؤ فنی۔" وہ ایک تصویر اٹھا کر اس کے سامنے لہراتا ہوا قہقہے لگانے لگا۔

"یہ جھوٹ ہے جنہیں دیکھتے ہوئے میری نظریں شرم سے زمین میں گڑھ رہی ہیں۔ یہ ...نٹ۔" اس نے صاف صاف ایسا لفظ کہہ دیا جو اس معاشرے میں کسی شریف کے لئے ...ب سے بڑی اور گندی گالی تھا۔

"یہ تمہاری طوبیٰ نہیں تو اور کون ہے؟" وہ تنویر جو نویرہ سے سوائے پیار کے کوئی اور ...ت کوئی اور بولی نہ بولتا تھا آج کیسا اکھڑ اور بے درد بنا کھڑا تھا وہ اس کی بات ماننے کو تیار ...تھا۔

"میں آپ کو ساری بات بتا دوں گی آپ مجھ پر یقین کریں یہ سب غلط ہے۔" وہ روتے روتے اسے منانے لگی۔

"مجھے نہیں سننی تمہاری کوئی بات اور بھروسا اور اعتبار تم پر...... ہونہہ۔" اس کے انداز میں محبت کی بجائے نفرت جانے کہاں سے آ گئی تھی۔

"تنویر! آپ آپ ہیں یہ۔" وہ اس سے خوفزدہ ہو گئی۔

"ہاں یہ میں ہوں اور غور سے دیکھ لو میں تو تنویر ہی ہوں مگر تم اور تمہارے گھر والے وہ نہیں ہو جو نظر آتے ہو میں تو یہ سوچ کر شرمندہ ہوں کہ ہم کس طرح کے لوگوں میں پھنس گئے۔" وہ زہر اگل رہا تھا۔

"تنویر آپ میری بات تو سنیں ایک بار پلیز ایک بار خدا کے واسطے حقیقت کیا ہے میں آپ کو بتا دیتی ہوں۔" وہ اس کی سماجت کرنے لگی۔

"کوئی کہانی سناؤ گی اور کیا؟" اس نے اس کا وہ نازک سا ہاتھ بری طرح پرے جھٹک دیا جسے وہ پیار سے گھنٹوں دیکھا کرتا اور ہونٹوں سے لگایا کرتا تھا۔

"خدا کی قسم میں سچ کہوں گی۔" اسے بے بسی سے اپنا اعتبار دلانے کے لئے آج خدا کی قسم اٹھانی پڑ رہی تھی ورنہ وہ بہن بھائی ایسی قسمیں نہ کھایا کرتے تھے کبھی ضرورت ہی نہ پڑی تھی تنویر منہ پھیر کے بیٹھ گیا نوریہ نے اسے ساری بات بتا دی۔

"اچھا تو محترمہ راتوں کو گھر سے غائب بھی رہتی ہیں؟" ساری بات سن کر اس نے نہایت بے دردی سے کہا تو نوریہ کی تو جان ہی نکل گئی۔

"تنویر! وہ ایسی نہیں ہے۔" اسے بھی غصہ آ گیا کہ وہ آخر اس کی بات کا یقین کیوں نہیں کر رہا۔

"ایسی نہیں اس سے بھی بڑھ کر ہو گی۔ واہ بڑے گنوں والی ہے تمہاری بہن تو...... شکل مومناں اور کرتوت......" وہ عجیب انداز سے اس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"ابھی آپ کے ذہن پر شک اور غلط فہمی کا غلبہ ہے جس کی وجہ سے آپ کو غصہ آیا ہے میں کچھ دیر بعد آپ سے بات کروں گی۔" وہ پھر بھی ضبط کر گئی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں مجھ سے اب یا پھر کوئی بات کرنے کی اور سنو ہم لوگ کل صبح یہاں سے جا رہے ہیں؟" اس نے ایک اور بم اس کے سر پر دے مارا۔

"کیا کیا مطلب کہاں جا رہے ہیں آپ لوگ۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"اب یہاں رہنے کا کوئی مقصد اور جواز نہیں ہے اور نہ ہی ہم اتنے بے غیرت ہیں

رہ کر مزید بے وقوف بنیں۔"

اس کے فیصلے میں اٹل ہونے کا ثبوت اس کے لہجے کی سختی سے معلوم ہو رہا تھا۔

"خدا جانے باقی دو نے کیا کیا گل کھلائے ہوں گے۔" اس نے اسے بھی شک کی نگاہ دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

"تنویر! بس کریں خدا کے واسطے بس کریں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہمارا اللہ ہمارا گواہ ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"اللہ کی طرف سے گواہی ملنے تک ہم کیا آنکھوں دیکھی مکھیاں نگلتے رہیں۔" وہ دوٹوک کر رہا تھا۔

"مطلب؟" وہ تڑپ کر اٹھی اور آ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"میں...... میں......؟" وہ اپنے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

"مجھے نہیں علم تم کیسی ہو۔ تم نے کیا کیا۔ کیا نہیں لیکن اب میں اور تم ایک ساتھ......" وہ کو نامکمل چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

"کیا' کیا تنویر آپ کیا کہہ رہے ہیں خدا کے واسطے کچھ تو سوچیں۔" وہ اس کے پیچھے مگر وہ تیزی سے کوریڈور کراس کر چکا تھا۔ نوریہ نے پلٹ کر کمرے کا دروازہ بند کیا اور زور سے رونے لگی۔

"میرے اللہ ہمارا امتحان ایسا کڑا اور اتنا لمبا...... بس کر دے میرے اللہ بس کر دے۔" ہ اللہ سے کہہ رہی تھی اور کہتی بھی کس سے باہر دروازے پر کوئی دستک دے رہا تھا۔

"آپا...... آپا" سمیر پکار رہا تھا۔ اس نے فٹافٹ کمرے میں بکھری تصویریں سمیٹیں اور ائیڈ کے فوم کے نیچے چھپا دیا۔

"سمیر تم چلو میں آتی ہوں۔" اس نے اپنی آواز کی لرزش کو درست کیا اور باتھ روم میں کر خوب ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر مارے اور کافی دیر کے بعد کمرے سے باہر نکلی وہ یں جھکائی ہوئی تھی اور اس کی چال میں ہزاروں درد چھپے تھے قدم سے قدم نہ مل رہے یسے برسوں کی بیماری کے بعد اٹھی ہو گھر والے اسے دیکھ کر بہت پریشان ہو گئے تھے مگر وہ س مسکرا مسکرا کر طبیعت کی خرابی کا بہانہ کرتی رہی۔

☆======☆======☆

ساری رات نوریہ تنویر کو سمجھاتی اور مناتی رہی مگر وہ تو پتھر بن چکا تھا اس کی کسی بات کا ئی اثر نہ ہوا تھا۔ "کیوں اتنی قسمیں کھا کھا کر اتنی پریشان ہو رہی ہو۔ سو جاؤ۔" آخر

میں اس نے اسے اپنے قدموں سے ہٹا کر سو جانے کی تلقین کی اور کانوں کے گرد تکیہ لپیٹ کر
سو گیا اس کا مطلب تھا کہ وہ مزید کچھ نہیں سنے گا۔

''تنویر! میرے بارے میں آپ کا کیا فیصلہ ہے؟'' وہ بھی اتنا کچھ سن اور سہہ جانے
کے بعد اپنے بارے میں بھی فیصلہ سننے کو تیار تھی۔

''تم...... تم۔'' وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ ''تم میرے فیصلے کا انتظار کرنا۔'' وہ کچھ گڑبڑا رہا
تھا شاید نوریہ کی چاہتوں کو بھلانا اس کے لئے مشکل کام تھا اس لئے کچھ مہلت لے رہا تھا۔

''کس فیصلے کا انتظار؟'' وہ بت بنی بیٹھی تھی۔

''مجھے خبر نہیں بہرحال مجھے بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔ اگر میرے فیصلے کا انتظار کر سکو تو
ٹھیک ورنہ ابھی چاہو تو ابھی بھی ہو سکتا ہے تا کہ تم اپنے کل کے بارے میں سوچ سکو۔'' اس
نے زہر میں بجھے تیر اس کے سینے میں اتار دیئے۔

''عورت جب محبت کرتی ہے تو وفاداری کے تقاضوں کو سمجھتی ہے۔ اور وفاداری کی
بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ اگر آپ میری وفا اور کردار کو آزمانا چاہتے ہیں تو جتنا چاہیں آزما
لیں چاہے عمر بھر مگر میں آپ کو اتنی پاکیزہ ہی ملوں گی کہ فرشتے میری گواہی آپ کو روزِ محشر
دیں گے اور جس موڑ پر آپ مجھے چھوڑے جا رہے ہیں یقین کریں میں ایک انچ بھی اس سے
آگے نہ جاؤں گی یہ میرا وعدہ بھی ہے اور دعویٰ بھی۔'' اس نے رگڑ کر اپنے گالوں پر بہنے
والے آنسوؤں کو صاف کیا اور کمرے سے نکل کر باہر لان میں آ گئی اور پھر کچھ دیر بعد
چھت پر چلی گئی تا کہ وہ اپنے اندر کا بوجھ ہلکا کر سکے اور اسے کوئی اور دیکھے بھی نہیں۔

اگلی صبح وہ لوگ اسی روکھے روکھے انداز میں سب کو خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو
لگے۔ تنویر بار بار نوریہ کو دیکھ تو رہا تھا مگر اس کی نگاہوں میں کیا تھا یہ نہ تنویر خود جانتا تھا اور
نہ نوریہ سمجھ پائی تھی۔

''آپ نے تو اچانک ہی پروگرام بدل لیا کچھ روز اور رہتیں ہمارے ساتھ۔'' سعدیہ
خان نے محبت بھرے انداز میں مسز منصور کو کہا تھا۔

''رہنے تو ہم بہت سے روز آئے تھے مگر ہمیں بھی اچانک ہی معلوم ہو رہا ہے کہ ہم
غلط جگہ پر اور غلط لوگوں میں آ گئے ہیں۔'' مسز منصور نے بلا جھجک طنز کر دیا سب کے سامنے اور
یہ سوچے کہ ان کے دل پر کیا بیتے گی۔

''جی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ کیا ہو گیا مسز منصور؟'' سعدیہ خان جواب تک ہر بات
سے لاعلم تھیں یہ پا کر بوکھلا سی گئیں۔

''بس سعدیہ کہاں پتا چلتا ہے آج کل کے زمانے میں لوگوں کا بعض لوگ شرفاء کی
کھال پہن کر سمجھتے ہیں ان کے اندر کا گند چھپ جائے گا۔ مگر بدبو بھلا کب دبائی جا سکتی ہے
آپ ہمیں جانے ہی دیں تو اچھا ہو گا ورنہ ہمارا تو دم ہی گھٹ جائے گا۔'' انہوں نے دوبارہ
اچھا خاصا طنز کر دیا ان پر ایسے الفاظ کے ساتھ کہ سعدیہ خان کے ساتھ ساتھ وہاں موجود ہر
ایک کو لگا زمین پھٹے گی اور وہ اس میں سما جائیں گے۔

''اچھا بھائی جان! خدا حافظ معاف کیجیے گا ہم سے کوئی خطا ہوئی ہو تو ویسے ہم اپنی پہلی
خطا پر ہی بہت پچھتا رہے ہیں۔'' انہوں نے کرنل صاحب کو خدا حافظ کہتے ہوئے نوریہ کی
طرف کچھ اس طرح دیکھ کر پہلی خطا کہا کہ کرنل صاحب کے دل پر منوں بوجھ آ گرا انہیں لگا
ان کے کمزور پڑتے دل کی دیواریں بوسیدہ ہو کر گر رہی ہوں۔

''چلو تنویر۔'' انہوں نے کشمکش و پیچ میں مبتلا کھڑے تنویر کو ذرا غصے سے دیکھا تو وہ فوراً
ہی باہر چلا گیا۔ سرسری سا خدا حافظ سب کو کہہ کر۔

وہ دونوں بھائی اپنی ماں کے حکم پر چلتے تھے وہ دن کہتیں تو دن کہتے رات کہتیں تو رات
کہتے نہ وہ ان سے کوئی بات چھپاتے تھے نہ ان کی کوئی بات ٹال سکتے تھے۔ اور مسز منصور ان
کی اس سعادت مندی اور محبت کا اکثر ناجائز استعمال بھی کر لیا کرتی تھیں۔ وہ لوگ چلے گئے
مگر جاتے جاتے کرنل صاحب کے منہ پر بڑا زوردار طمانچہ مار گئے تھے۔ جس کا درد اور لالی
چھپانے کے لئے وہ تیزی سے وہاں سے اندر چلے گئے سعدیہ خان کو لگ رہا تھا ان کا دل سینے
میں گھٹ رہا ہے وہ اسے سنبھالنے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئیں اور باقی لوگ بھی ایک
دوسرے سے نظریں چرا کر اِدھر اُدھر ہو گئے تھے مگر سب کی آنکھیں...... بڑے گہرے درد کی
وجہ سے نم تھیں۔

☆======☆======☆

اگلے روز کرنل صاحب کو کوریئر سے پھر ایک خاکی لفافہ ملا۔ جس کے ساتھ ایک چٹ
پر یہ تحریر تھا۔

''کرنل صاحب!

مزید خود کو تماشہ نہ بنائیں۔ اگر زندگی کے دن کچھ عزت سے جینا چاہتے
ہیں تو چپ چاپ یہاں سے چلے جائیں اور قانون کی باتیں چھوڑ دیں۔ ورنہ اگر
یہ تصویریں قانون کے ہاتھ میں ہم نے تھما دیں تو آپ کی بیٹی پر بھی حدود آرڈی
نینس نہ جاری ہو جائے۔ ذرا سوچیں تو پھر کس قدر قانون آپ کا ساتھ دے گا اور

ہاں دوسروں کے قتل کی فکر چھوڑ کر اپنی عزت کا خون ہونے سے بچالیں۔ میرا مشورہ ہے آپ لوگ یہاں سے کہیں دور چپ چاپ چلے جائیں۔ میں آپ کو انفارم کر رہا ہوں کہ جن لوگوں کے ساتھ آپ کا واسطہ پڑ گیا ہے وہ بہت بڑے شیطانی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں مجھے آپ سے ہمدردی ہے اس لئے سمجھا رہا ہوں۔ ورنہ حالات کے آپ خود آپ ذمہ دار ہوں گے۔

آپ کا خیر خواہ''

نیچے کسی کے بھی دستخط نہ تھے صرف ایک سرخ ڈاٹ لگا کر اسے نیلی سیاہی سے کراس کر دیا گیا تھا۔ کرنل صاحب نے وہ کاغذ فولڈ کر کے اپنی جیب میں ڈالا اور تصویروں کو بغیر نظر ڈالے اوپر چھت پر لے جا کر جلا دیا تھا اور وہ خود چھت کی دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر بے بسی سے رو رہے تھے۔

☆======☆======☆

کچھ ہی روز بعد کرنل صاحب نے ریٹائرمنٹ لے لی اور وہ لوگ پنڈی کو خدا حافظ کہہ کر کراچی چلے گئے۔ ایک برس بڑی خاموشی کے ساتھ وہاں گزرا۔ پھر لاہور آ گئے اس سارے عرصے میں وہ لوگ پل پل جیئے اور پل پل مرے تھے۔ ایک تو طوبیٰ نے بالکل ہی چپ سادھ لی تھی دوسرا نویرہ دوبارہ گھر آ بیٹھی تھی۔ تانیہ کی الگ سر پر تھی تین تین بیٹیوں کا بوجھ دل پر پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا تھا۔ مگر کرنل صاحب مضبوط اعصاب کے انسان تھے اور خدا پر صابر و شاکر رہنے والے انسان تھے۔ انہوں نے خدا پر اپنا یقین کبھی نہ ڈولنے دیا تھا۔

نویرہ سے تنویر نے کراچی میں تو دو ایک بار فون پر رابطہ کیا تھا پھر یہ بھی ختم کر دیا تھا یہ کہہ کر کہ ''خدا معلوم ہم کبھی کہیں ملیں یا نہ ملیں۔ البتہ جب تم آزاد ہونا چاہو مجھے کہہ دینا ایک لمحے کی تاخیر کے بنا یہ کام کر دوں گا۔'' لیکن نویرہ بھلا ایسا کر سکتی تھی اس نے بھی خدا کی رضا جان کر حالات کو قبول کر لیا تھا۔

طوبیٰ خود کو اس کا مجرم سمجھنے لگی تھی اور ہر وقت احساسِ کمتری کا شکار رہتی تھی۔ کسی سے بھی بات نہ کرتی تھی۔ بس ہر وقت اپنے کمرے میں بند رہتی نمازیں پڑھتی تو لمبی لمبی اور قرآن لے کر بیٹھتی تو سارا سارا دن گزار دیتی۔ اسے دیکھ دیکھ کر سعدیہ خان اور کرنل صاحب ہر لمحہ کڑھتے رہتے۔ مگر وقت جو ہر زخم کا سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے اس نے آہستہ آہستہ سب کو عادی کر لیا کہ یونہی ہے سب کچھ اور ایسا ہی ہو گا تبھی تو نویرہ نے لاہور آ کر کالج میں لیکچرر شپ اختیار کر لی تھی اور طوبیٰ کو سمجھا سمجھا کر باہر نکالا تھا اور یونیورسٹی میں داخلہ دلوا دیا تھا۔

ان دو برسوں میں انیق یزدانی کی طرف سے بہت سکون رہا تھا۔ اس نے پھر ایسی کوئی ی نہ کی تھی نہ وہ کبھی کہیں نظر آیا تھا۔ پریس کا کہنا تھا کہ خالد خان کے ساتھ کچھ بزنس کے فات ہو جانے کی وجہ سے وہ بیرون ملک جا کر سیٹ ہو گیا تھا یہ خبر پڑھ کر کرنل صاحب ل سے تو منوں بوجھ اتر گیا تھا۔ اب وہ خود کو خاصا ہشاش بشاش محسوس کرتے تھے۔ اب نے اپنی زمینداری پر خاص توجہ کر لی تھی سمیر بھی خاصا سنجیدہ ہو چکا تھا اور اپنے مشن کی یں مشغول تھا۔

یونیورسٹی میں طوبیٰ کی دوستی ارم سے ہو گئی تھی اور پھر ارم کے گھر والوں نے اسے عمیر لئے پرپوز کر دیا تھا۔ یہ امتحان دوبارہ سے کرنل صاحب کے سر پر آ گیا تھا۔ طوبیٰ نے تو انکار کر دیا تھا کہ وہ کبھی شادی نہیں کرے گی مگر ارم کی بھابی رامین اور اماں صبورہ ن کو وہ اس قدر پسند آ گئی تھی کہ انہوں نے تو اس کے گھر کے چکر پہ چکر لگانے کا عہد کر لیا ر سوچ لیا تھا کہ جب تک ہاں نہ ہو گی۔ وہ باز نہ آئیں گی اپنی اس لگن کی وجہ سے انہوں سعدیہ خان اور کرنل صاحب کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ تب انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ صبورہ ن اور ان کے بڑے بیٹے سعد خان کے سامنے ساری حقیقت رکھ دیں گے اور کچھ...... بھی پائیں گے مگر ان کے خیال کے بالکل برعکس انہیں صبورہ خاتون اور سعد خان کے رویے بے پناہ اپنائیت اور محبت ملی تھی۔ سعد خان نے کرنل صاحب کے کندھے پر اپنا مضبوط ھ کر انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ آج سے ان کے اس دکھ کو برابر بانٹ لیں گے۔ طوبیٰ ان م کی طرح رہے گی۔ رامین نے نویرہ کو صبورہ خاتون نے سعدیہ خان کو اپنی محبت سے دلایا کہ اب ان کے دکھ ختم ہو جائیں گے اب کوئی انیق یزدانی انہیں کبھی نہ بلیک میل کر ۔ طوبیٰ کو صبورہ خاتون نے اپنی محبت سے منا لیا تھا اور یوں ایک بار پھر اس گھر میں ل اُمڈ آئی تھیں۔ طوبیٰ کی عمیر سے شادی ہو گئی اور عمیر کی بے پناہ محبت نے طوبیٰ کو ایک رگی دے دی تھی۔

''آپی اٹھیں۔ بہت دیر ہو گئی۔'' تانیہ اسے آوازیں دے رہی تھی۔ ''طوبیٰ آپی اٹھیں دیکھیں بہت دیر ہو گئی۔'' اس نے اس کے اسی طرح بے سدھ پڑے رہنے پر اسے ے سے پکڑ کر ہلانا شروع کر دیا۔ وہ جو ماضی کے سیاہ و تاریک راستوں پر ڈری سہمی رہی تھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہوا' کیا ہوا۔ کون آ گیا؟'' وہ زرد زرد چہرے پر خوفزدہ آنکھیں پھیلائے اسے ہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا' کچھ نہیں ہوا۔" وہ خوفزدہ بہن کے پاس بیٹھ کر اسے پیار کرنے لگی۔

"عمیر بھائی آنے والے ہیں۔ اب آپ اٹھ جائیں اور جا کر فریش ہو جائیں۔" اس نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بستر سے اٹھا دیا تھا۔

"عمیر......" اس کے لرزتے کانپتے ہونٹوں سے نکلا۔

"جی ہاں عمیر! آپ کے شوہر نامدار اور ہمارے جیجا جی۔" وہ شوخی سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"میں...... میں کہاں ہوں۔" وہ اپنے آپ کو ٹٹولنے لگی۔ اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ ابھی ابھی وہ جس تاریک کنویں میں تھی' وہ اس کا ماضی تھا' جو گزر چکا اور "عمیر" وہ تو اس کا آج تھا۔ روشن اور معطر آج مگر وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں اس روشنی پر گزرے کل کا سایہ نہ پڑ جائے۔ تیز روشنی میں تو سایہ اور زیادہ نمایاں ہوا کرتا ہے۔

"اگر عمیر کو وہ سب پتا چل گیا تو......" اس کی روح تک کانپ اٹھی۔

"نہیں' نہیں...... اللہ نہ کرے۔" وہ لرز گئی۔ مگر اب دیر تک یہ سب چھپا رہنا ممکن تھا۔ انیق یزدانی کسی شیطانی سائے کی طرح دوبارہ اس کے پیچھے تھا۔

"میں...... میں خود عمیر کو سب کچھ بتا دوں گی۔ جو کچھ بھی ہونا ہے وہ ہو جائے۔ یہ گھٹ گھٹ کر سانس لینا اب میرے لئے محال ہو گیا ہے۔" اس نے اپنے دل کو کڑا کر کے فیصلہ کر لیا تھا۔

"آپی! آپ ابھی تک یہیں بیٹھی ہیں۔" تانیہ جو اسے بستر سے اٹھا کر گئی تھی اسے گم سا کرسی پر بیٹھا دیکھ کر ذرا خفا ہوئی۔

"عمیر بھائی کا فون آیا تھا۔ وہ بس کچھ ہی دیر میں آتے ہوں گے اور آپ ہیں کہ ابھی تک...... اُفوہ طوبیٰ آپی! آپ بھی بس......" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے باتھ روم میں دھکیل دیا۔ "اب باہر جلدی نکل آنا۔ امی جان بلا رہی ہیں۔" جاتے جاتے وہ پھر زور سے بولی۔ ہاتھ منہ دھونے جب وہ واش بیسن کے سامنے آئی تو آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر چہرے میں کھو گئی۔

"تمہاری آنکھیں بے حد گہری ہیں۔ دیکھو میں تو غوطے کھانے لگتا ہوں۔" عمیر اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر ان آنکھوں میں غور سے دیکھتا ہوا کہتا تھا۔

"میں تمہاری ان حسین آنکھوں سے خواب دیکھنے کا حق بھی چھین لوں گا۔ ان میں ستاروں جیسی چمک ہے' اسے میں آنسوؤں کی شکل دے دوں گا۔ مسکرانا بھول جائیں گی

نہیں۔" انیق یزدانی کی شیطانی آواز نے اسے دہلا کر رکھ دیا۔

"میرے اللہ تُو رحم کرنا۔" وہ جلدی جلدی وضو کرنے لگی۔

"طوبیٰ! طوبیٰ! جلدی آؤ عمیر آ گیا ہے۔" نویرہ نے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا اور باتھ روم میں سے پانی گرنے کی آواز سن کر ذرا بلند آواز میں کہنے لگی۔ وہ وضو کر کے دوپٹہ لپیٹتی آ گئی۔

"آپا بس میں مغرب کی نماز پڑھ کر آئی۔ آپ ذرا بیٹھیں عمیر کے پاس۔" وہ جائے نماز بچھاتی ہوئی بولی۔

"ٹھیک ہے مگر ذرا دھیان سے۔ دیکھو' تمہاری آنکھیں بہت سرخ ہو رہی ہیں۔" وہ فریش ہو کر آنے کا کہہ رہی تھیں۔

"جی بہتر۔" وہ نماز کی نیت باندھنے لگی اور نویرہ اس کے کمرے میں سے نکل کر کچن میں چائے کا کہنے چل دی۔ جہاں جنت بی بی پہلے سے ہی چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر فریج سے کباب نکال رہی تھیں۔

"بی بی! آپ نے چائے کے ساتھ کیا کیا بنا لیا ہے۔" وہ چائے ٹرالی پر رکھے ڈونگے جھانکنے لگی۔

"فروٹ چاٹ اور دہی بڑے۔"

"واہ! دونوں چیزیں مزے کی ہیں۔" وہ خوش ہو گئی۔

"بی بی! آپ ہمارا کتنا خیال رکھتی ہیں۔" وہ محبت سے بولی۔ دراصل جنت بی بی کو ان کے ساتھ رہتے ہوئے کئی برس بیت چکے تھے اور اس عرصے میں اس نے دکھوں کے سب لمحے ان کے ساتھ مل کر چکھے تھے۔ وہ ان کے گھر کا ایک فرد ہی بن چکی تھیں۔ سب نے محبت سے "بی بی" کہنا شروع کر دیا تھا اور اس "بی بی" نام میں وہ اپنے لئے بے حد محبت اپنائیت محسوس کیا کرتی تھی۔

"بیٹی! تم چلو میں چائے لے کر آتی ہوں۔" جنت بی بی نے چائے کو دم لگا کر ٹی کوزی ڈھانپا اور خود کباب تلنے لگیں۔

"چلیں ٹھیک ہے۔ میں عمیر سے حال احوال دریافت کرتی ہوں۔" وہ خوش ہو کر اندر گئی۔

اور جنت بی بی سوچنے لگیں کہ اس قدر اچھی اور پیاری بچیوں کے نصیب میں اللہ تعالیٰ نے کیسی آزمائشیں لکھ دی ہیں۔ طوبیٰ ہر وقت خوف کی سُولی پر چڑھی رہتی ہے اور یہ میاں

سے جدا ہو کر میکے میں بیٹھی ہے۔ تانیہ کا نصیب خدا جانے کیا ہو۔ ہائے! ایک شیطان صفت انسان نے کتنی زندگیاں خراب کر رکھی ہیں۔ ''اللہ تیرا بیڑا غرق کرے۔'' وہ دل ہی دل میں انیق یزدانی کو بددعائیں دینے لگیں۔

☆======☆======☆

طوبیٰ نے نماز سے فارغ ہو کر فٹافٹ خود کو فریش کیا۔ ہلکا سا میک اپ کر کے ڈھیر سارا پرفیوم چھڑکا۔ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان سجائی اور اپنی آنکھوں میں غور سے دیکھا کہ کہیں ماضی کی کڑواہٹ سے کوئی کونا بھیگا تو نہیں رہ گیا اور اپنے گلابی گلابی پیروں میں سیاہ نازک سی چپل پہن کر جب وہ سٹنگ روم میں آئی تو سامنے نویرہ کے ساتھ باتیں کرتا عمیر بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نگاہوں میں بے پناہ شوق کے ساتھ ساتھ ڈھیروں بے تابیاں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ جیسے برسوں کے بچھڑنے کے بعد وہ اسے دیکھ رہا ہو۔ اس کی نگاہوں کی تپش اپنے گالوں پر محسوس کر کے طوبیٰ کی نگاہیں بھی حیا سے جھک گئی تھیں۔

''تم لوگ بیٹھو' میں دیکھتی ہوں بی بی کہاں رہ گئیں۔ چائے نہیں لائیں ابھی تک۔ نویرہ بہانے سے وہاں سے اٹھ گئی۔

''امی جان کیسی ہیں؟'' وہ نظریں نیچی کیے اپنی انگلیوں سے کھیلتی پوچھنے لگی۔

''بالکل ٹھیک ہیں۔'' وہ ان ہی پُرشوق نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''اور رامین بھابی؟'' اس نے جو ذرا سی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تو فوراً گھبرا کر نظر جھکا لیں۔

''وہ بھی ٹھیک ہیں۔'' وہ اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا' اس لئے ایک ٹک دیکھے رہا تھا۔ کچھ دیر کے لئے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ بس سانسوں کی دھیمی سی آوازیں تھیں پھر اس کی پلکوں کے لرزنے کا منظر۔ وہ بہت محظوظ ہو رہا تھا۔

''سعد بھائی اور ارم کا نہیں پوچھو گی؟''

''ہاں' وہ کیسے ہیں؟'' اس نے فوراً ہی سعادت مندی سے پوچھ لیا تو وہ بے ساختہ اس کی معصومیت پر ہنس دیا۔

''تمہیں بلا رہے ہیں سب۔ اس لئے لینے آیا ہوں اور ہاں' میرا مت پوچھنا یہاں میں کیسا ہوں؟'' وہ ذرا سا سنجیدہ ہو کر بولا تو وہ ڈر گئی۔

''کیوں...... کیوں۔ کیا آپ مجھ سے خفا ہیں؟'' اس نے ایک دم سے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''بس تم گھر چل کر مجھ سے پوچھنا پھر میں تمہیں بتاؤں گا۔'' اس نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبا کر اسی سنجیدہ انداز میں کہا۔ وہ اسے تنگ کر رہا تھا مگر وہ سچ مچ ڈر گئی۔ اس کے اندر جو خوف بیٹھا ہوا تھا' وہ اسے بات بے بات دہلا دیا کرتا تھا۔ کہ جانے کب کیا ہو جائے؟

''عمیر میں...... میں......'' وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر اتنے میں نویرہ چائے کی ٹرالی لے آئی۔

''لو بھئی' گرما گرم چائے حاضر ہے۔ ویسے تو یہ وقت کھانے کا ہے' چائے مناسب نہیں لگتی۔'' وہ چائے دانی پر سے ٹی کوزی ہٹاتے ہوئے بولی۔ ''مگر ہمارے بھائی صاحب نے فون پر سختی سے منع کر دیا تھا کہ کھانے پر نہیں رکیں گے۔ بہت جلدی میں ہیں۔'' اس نے عمیر کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''جی آپا! واقعی مجھے بہت جلدی ہے۔ ورنہ میں کھانا ضرور کھاتا۔'' وہ کھانے پر نہ رکنے پر کچھ شرمندہ سا تھا۔

''خیریت تو ہے نا؟'' وہ پلیٹ میں اس کے لئے کباب نکالتی پوچھنے لگی۔

''جی بالکل خیریت ہے۔ بس وہ آج گھر پر کچھ ہلکی پھلکی سی دعوت چل رہی ہے۔'' کباب کھاتے ہوئے وہ بتانے لگا۔

''کس کی دعوت؟'' طوبیٰ نے پہلی بار ان کی گفتگو میں حصہ لیا۔

''رمشاء کل واپس کوئٹہ جا رہی ہے ناں' اس لئے آج سب اکٹھے ہوئے تھے اور رامین بھابی نے معمول سے ہٹ کر کچھ اہتمام کر لیا کھانے پر۔ بس اور تو کچھ خاص نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے تفصیل بتا دی۔

''اچھا اچھا پھر تو حشام اور سائرہ بھی آ رہے ہوں گے؟'' انہوں نے فروٹ چاٹ کا ڈونگہ عمیر کے آگے کیا۔

''جی۔'' اس نے چاٹ پیالی میں نکال لی۔

''لو ناں عمیر! تکلف کیوں کر رہے ہو؟'' اسے تھوڑی سی چاٹ لیتے دیکھ کر نویرہ نے اور چاٹ زبردستی اس کی پیالی میں ڈال دی۔

''آپا...... آپا'' وہ پیالی پرے کرتا کرتا رہ گیا۔

''کھاؤ بھئی' جوان آدمی ہو اور اتنا ذرا سا کھاتے ہو۔ طوبیٰ! تم بھی کچھ لو ناں۔'' طوبیٰ کو کچھ نہ کھاتے دیکھ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی اور زبردستی اسے بھی دینے لگی۔

''میرا جی نہیں چاہ رہا۔'' وہ بہانہ بنانے لگی۔

"کیوں خیریت۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" عمیر فوراً ہی گھبرا کر اس کے چہرے پر
دیکھنے لگا کہ کہیں بیمار تو نہیں۔ "لگتا ہے آپ نے ہماری دلہن کو بیمار کر دیا ہے۔" وہ نویرہ کو
چھیڑنے لگا۔

"جی نہیں۔ آپ کی دلہن کھاتی ہی کم ہیں۔" انہوں نے بھی "دلہن" کو ذرا کھینچ کر کہا۔

"بھئی یہ کس کی دلہن کی باتیں ہو رہی ہیں؟" سمیر جو آج کل چھٹی پر گھر آیا ہوا تھا'
مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے آتے آتے آخری لفظ "دلہن" ہی سنا تھا۔

"جناب! آپ دلہن لے آتے تو آپ کی دلہن کی باتیں ہوتیں۔ فی الحال تو ہماری دلہن
کا ذکر چل رہا ہے۔" عمیر نے اٹھ کر سمیر سے مصافحہ کیا اور گلے ملا۔

"ذکر جاری رکھیں۔ ہم بھی تو سنیں کیا ماجرہ ہے؟" اس نے کباب اٹھا کر منہ میں ڈالا
اور طوبیٰ کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گیا۔

"ماجرے تو بہت ہیں سمیر صاحب پھر فرصت میں سنائیں گے' فی الحال تو ہمیں جلدی
ہے۔ اگر برا نہ محسوس کریں تو اجازت دیں۔" وہ گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "کیوں دلہن
صاحبہ؟" وہ طوبیٰ کی طرف دیکھ کر مسکرایا' جو اس کے بار بار دلہن کہنے پر بلش ہو رہی تھی اور
اسے لطف آ رہا تھا۔

"جی میں ابھی آتی ہوں۔" وہ جلدی سے باہر نکل گئی اور عمیر سمیر کے ساتھ باتیں کرنے
لگا۔

"آپا! میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔" اپنے کمرے میں آ کر وہ نویرہ سے کہنے لگی جو اس کے
پیچھے ہی آ گئی تھی۔

"کیا فیصلہ کر لیا ہے؟" وہ کچھ پریشان سی تھی۔

"اس طرح ڈر ڈر کر اور گھٹ گھٹ کر اب مجھ سے نہیں جیا جاتا۔" آج پہلی بار وہ
باتیں کرتے ہوئے روئی نہیں تھی' بلکہ اس نے اپنی آواز کی کپکپاہٹ اور آنسوؤں کی روانی پر
کچھ کنٹرول کر لیا تھا۔ "میں عمیر کو سچ سچ سب کچھ بتاؤں گی۔" اس کے انداز میں واقعی فیصلے کی
گواہی تھی۔

"میرا خیال ہے' یہ وقت اس بات کے لئے مناسب نہیں۔" وہ اسے سمجھانے لگی۔

"یہی وقت مناسب ہے آپا! کہ میں خود عمیر کو بتا دوں۔ آج وہ میری بات پر بھروسا کر
سکتا ہے لیکن اگر میرے بتانے سے پہلے اسے کہیں اور کچھ معلوم ہو گیا تو خرابی زیادہ ہو گی۔"
نویرہ حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی' جس پر اعتماد جھلک رہا تھا اور ہر وقت

بار ہنے والا خوف کہیں گم ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"طوبیٰ کہیں......" وہ پھر بھی خوفزدہ تھی۔

"اب جو بھی ہو آپا! میں اس برزخ میں سے نکلنا چاہتی ہوں۔ میرے پاؤں بری طرح
نا ہو گئے ہیں۔ میں زیادہ دیر زندگی اور موت کے اس کھیل کا مہرہ نہ بن سکوں گی۔" نہ
تے ہوئے بھی اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"طوبیٰ آپی کہاں رہ گئیں۔" سمیر آوازیں دیتا آ رہا تھا۔

"آپا! میرے لئے دعا کرنا۔" اس نے جلدی سے اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالا
نویرہ سے گلے ملنے لگی۔

وہ باہر آئی تو اس کے بابا بھی مسجد سے واپس آ چکے تھے اور امی بھی نماز سے فارغ ہو کر آ
ی تھیں۔ کرنل صاحب نے عمیر کو کھانے پر نہ رکنے کا ہلکا سا گلہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"بیٹا اب ایک ڈنر تم ہم پر ادھار چھوڑے جا رہے ہو۔"

"جی میں بہت جلد آ کر یہ ادھار اتار جاؤں گا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"اچھا چلو جیسے تمہاری مرضی۔ سعد خان اور رامین بیٹی سے کہنا چکر لگائیں۔" وہ بھی فوراً
ٹ گئے۔

"جی بہتر کہہ دوں گا۔"

"تانیہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔" وہ گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"بس میں اسے لینے ہی جا رہا ہوں۔ وہ بھی میرا انتظار کر رہی ہو گی۔" سمیر نے بھی
لدی سے گھڑی کی طرف دیکھا۔ دراصل اس کی کچھ اسائینمینٹس رہی تھیں اور فائنل
ٹرامز سر پر تھے۔ وہ اسی سلسلے میں اپنی دوست آصفہ کی طرف گئی ہوئی تھی۔

"چلیں میں اور تانیہ خود چکر لگا لیں گے۔" سمیر نے اس کی طرف مصافحے کے لئے
تھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اب ہم انتظار کریں گے۔" وہ خوش ہو گیا۔

"جناب! ہم جلدی آئیں گے۔" سمیر نے سینے پر ہاتھ باندھ کر مؤدبانہ انداز میں کہا
ب ہنس دیئے۔

"اچھا آنٹی جی اب اجازت۔" عمیر نے اپنا سر سعدیہ خان کے سامنے ذرا سا جھکا دیا
پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ دعا دینے لگیں۔

"خدا تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔" دوسری طرف انہوں نے پاس کھڑی طوبیٰ کو گلے

لگا کر پیار کیا۔ سب سے رخصت لے کر جب وہ نویرہ سے مل رہی تھی تو وہ دھیرے سے اس کے کان میں کہہ رہی تھی۔

"طوبیٰ! ذرا دھیان سے اور آرام سے بات کرنا۔" اس کا دل مارے خوف و پریشانی کے بیٹھا جا رہا تھا۔ جسے طوبیٰ کی آنکھوں میں لہراتے اعتماد سے کچھ ڈھارس بندھی تو تھی۔

"اللہ حافظ۔" عمیر نے گاڑی اسٹارٹ کر کے سب کو ہاتھ ہلا کر کہا۔

"اللہ کی امان میں۔" سعدیہ خان اور نویرہ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

☆======☆======☆

غم ہے یا خوشی ہے تُو
میری زندگی ہے تُو

نصرت فتح علی کی آواز گاڑی میں دونوں کے دلوں کی ترجمان بنی ہوئی تھی۔ لب دونوں کے خاموش تھے۔ یا تو اٹھتی جھکتی نظریں باتیں کر رہی تھیں، یا پھر نصرت فتح علی کی آواز کا جادو تھا۔ عمیر بار بار اسے گہری گہری نظروں سے دیکھ ضرور رہا تھا مگر بات نہ کر رہا تھا۔ "یہ اتنا چپ کیوں ہے؟" طوبیٰ کے دل کو پریشانی لگی ہوئی تھی اور اسے بے کل اور پریشان سی طوبیٰ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس بات کو محسوس کر رہی ہے مگر وہ تو ستانے پر تلا ہوا تھا۔ "مجھے اس نے اتنے دن اداس رکھا ہے۔ ایک ایک پل کا حساب لوں گا۔"

"یا اللہ! عمیر کو کیا ہو گیا۔ کیا یہ مجھ سے خفا ہے؟"

"آج تو جی بھر کے اسے ستاؤں گا۔"

"میں معافی مانگ لوں گی، منا لوں گی۔"

دونوں اپنی اپنی جگہ خود کلامی میں مصروف تھے۔ سارا راستہ اسی طرح بند ہونٹوں سے باتیں کرتے گزر گیا۔ گھر آ گیا۔ وہ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے بغیر کچھ بولے اندر چل پڑا اور وہ ششدر سی کھڑی رہ گئی۔ "عمیر کا یہ رویہ ابھی سے۔ نہیں، اسے پتا تو نہیں چل گیا۔" وہ ڈوبتے دل کو سنبھالنے لگی۔

"بھابی! اندر آئیں ناں۔" رمشاء جو بھاگ کر اس کے استقبال کے لئے آئی تھی، اسے یوں گم صم کھڑا دیکھ کر کہنے لگی۔

"ہاں، ہاں چلو۔" وہ مسکرا کر اسے گلے ملنے کے بعد اندر چل پڑی۔ "آپ دو روز کہہ کر گئی تھیں اور پورا ہفتہ لگا دیا میکے میں۔" وہ محبت سے بھرپور شکوہ کر رہی تھی جس میں اس کے لئے اہمیت کا عنصر شامل تھا۔

"بس امی جان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔" وہ اپنی حالت کے بگڑ جانے کی بات چھپا گئی تھی۔

"ارے طوبیٰ بھابی۔" ارم نے اسے برآمدے میں ہی گھیر لیا اور گلے لگا کر پیار کرنے لگی۔ "ہمیں تو اداس کر دیا آپ نے۔ آئندہ نہیں جانے دیں گے، اتنے روز کے لئے آپ کو۔" اس کی وارننگ میں بھی پیار تھا۔

"اب ہم جائیں گے ہی نہیں اتنے روز کے لئے۔" اس نے بھی اسی کے انداز میں کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"شکر ہے، آپ کو شرمانے کے علاوہ بولنا بھی آ گیا۔" اسے جواب دیتا دیکھ کر وہ چھیڑنے لگی۔

"بھابی جان۔" رامین کو دیکھتے ہی وہ لپٹ گئی۔

"جاؤ جی ہٹو، ہم سے مت بات کرو۔" وہ کچھ خفا تھیں۔

"کیوں، کیوں؟" وہ پریشان ہو گئی۔

"اچھی دیورانی ہو، میکے جا کر بیٹھ گئیں۔ اب مجھ سے نہیں ہوتا اتنا گھر کا کام۔" وہ جھوٹ موٹ لڑنے لگیں۔

"میں تو دیورانی ہوں ہی نہیں۔ میں تو اپنی رامین آپا کی بہن ہوں۔" اس نے جھٹ رشتہ ہی بدل لیا۔

"ارے واہ، بھابی! تو بہت کچھ سیکھ کر آئی ہیں۔" رمشاء نے بھی اسے مذاق سے چھیڑا۔

"اچھا چلو پہلے تو امی جان کے حضور پیش ہو۔" رامین اس کا ہاتھ تھام کے صبورہ خاتون کے کمرے کی طرف لے گئیں۔

"آپا! کیا امی جان خفا ہیں؟" وہ رک کر پوچھنے لگی۔

"کیوں؟" وہ مسکرا دی۔

"کیا کوئی تم سے خفا ہو سکتا ہے؟" اس نے الٹا اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھ لیا۔

"امی جان تو بلکہ بہت اداس رہی ہیں تمہارے بغیر۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کے اندر لے گئیں۔

"السلام علیکم امی جان۔" وہ سر پر دوپٹہ درست کرتی جھک کر بولی۔

"وعلیکم السلام۔ سدا خوش رہو، سہاگ سلامت رہے۔" انہوں نے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے گلے سے لگا لیا۔ "اب کیسی ہیں سعدیہ خان؟" وہ اس کی امی کی طبیعت پوچھنے لگیں۔

"جی بہت بہتر ہیں۔" وہ نہایت احترام سے بولی۔ "امی جان! مجھے آنے میں کچھ روز لگ گئے۔ آپ خفا تو نہیں؟" وہ ان کے پاس بیٹھ کر ہولے سے پوچھنے لگی۔

"ماں باپ کے گھر کیا دن گن کر رہا جاتا ہے؟" انہوں نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ "والدین کے حقوق ختم نہیں ہو جایا کرتے سسرال بن جانے کے بعد۔" وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ "جاؤ جا کر تیار ہو جاؤ۔ مہمان آنے والے ہیں۔" انہوں نے پیار سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی بہتر امی جان۔" رامین اسے صبورہ خاتون کے پاس چھوڑ کر کچن میں چلی گئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔

آج اپنے کمرے میں جاتے ہوئے پھر اسے کچھ جھجک سی محسوس ہو رہی تھی۔ دراصل وہ اپنی امی جان کی طرف دو روز کے لئے گئی تھی اور سعد خان خود اسے چھوڑ کر آئے تھے مگر وہاں جا کر جو وہ اپنے خوفناک ماضی میں گم ہوئی تو اپنے حواس ہی کھو بیٹھی۔ وہ خود ذہنی طور پر کچھ ٹھیک نہ رہی تھی ان دنوں میں، اس لئے نویرہ نے اسے روک لیا تھا۔ انیق یزدانی دوبارہ سے منظرِ عام پر آ چکا تھا اور اس کی کمینگی سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔ اسی خوف نے اس کے سب گھر والوں کو دوبارہ سُولی پر چڑھا دیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے ہی وہ آنکھوں پر بازو دھرے لیٹا ہوا تھا۔ اس کے پاؤں بیڈ پر سے نیچے تھے۔ اس نے جوتے تک نہ اتارے تھے۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ ڈرتے ڈرتے وہ اس کے قریب گئی۔

"عمیر...... عمیر" اس نے ہولے سے پکارا مگر وہ بدستور اسی حالت میں لیٹا رہا۔

"عمیر" وہ بستر کے ایک کنارے پر بیٹھ گئی اور اپنا کانپتا ہوا ہاتھ اس کی آنکھوں پر دھرے ہاتھوں پر رکھ دیا۔ "مجھ سے خفا ہیں آپ؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"میرے سر میں درد ہے۔" اس نے اپنے ہاتھ پرے کر لئے۔

"میں چائے بنا کر لاؤں آپ کے لئے؟" وہ چائے بنانے کے لئے جانے لگی۔

"نہیں، میں نے ابھی پی ہے۔" اس نے آواز دے کر روک لیا۔ "تم تیار ہو جاؤ۔ سب لوگ کھانے پر انتظار کر رہے ہیں۔" وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔ طوبیٰ یہ سوچتے ہوئے کہ اس کے ناراض ہونے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے وارڈروب سے اپنے لئے کپڑے نکالنے لگی۔

"میں یہ پہن لیتی ہوں۔" اس نے جامنی رنگ کا خوبصورت کڑھائی والا سوٹ لیا اور تیار ہونے لگی۔

☆======☆======☆

رمشاء کے چلے جانے کا سن کر سب سے زیادہ اداس حشام تھا۔ مائرہ اسے بار بار چھیڑ رہی تھی اور وہ چڑ رہا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی تھی کہ کسی طرح اپنی امی جان کو منا لے مگر وہ نہ مان رہی تھیں۔ آج اس نے بھی اپنی امی کو حتمی بات سنا دی تھی کہ اگر وہ رمشاء کے ساتھ اس کی شادی پر راضی نہیں ہوئیں تو وہ عمر بھر شادی نہ کرے گا اور جلد ہی ملک سے باہر چلا جائے گا۔ آج عمیر کی طرف آنے سے پہلے اس کے گھر میں خاصی تلخی پھیل گئی تھی مگر یہاں آ کر وہ کچھ کچھ فریش ہو گیا تھا۔ سامنے ہی وہ سفید اور گلابی پھولوں والے لون کے کُرتا شلوار میں اپنے لمبے بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی بنائے کسی بھی میک اَپ سے بے نیاز نکھرا نکھرا روپ لئے بہت ہی اچھی لگ رہی تھی۔

"اوں...... ہوں...... ہوں۔" مائرہ نے گلا کھنکار کر اسے متوجہ کیا۔ "اب بس کریں بھائی، نظر لگا دیں گے۔" وہ جو میز پر کھانا لگاتی ارم کے ساتھ رمشاء کو گہری گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا، پکڑا گیا۔

"اب کیا دیکھنے پر بھی پابندی ہے۔" وہ ویسا ہی سنجیدہ تھا۔ گھر سے چلتے ہوئے جو بحث ہوئی تھی اس کا اثر ابھی تک اس کے دل و دماغ پر طاری تھا۔

"نہیں...... نہیں۔ پابندی کیوں، جی بھر کے دیکھیں۔" مائرہ اس کی ذہنی کیفیت کو محسوس کر کے اسے مزید چڑانے کے بجائے وہاں سے اٹھ گئی۔

"بس کرو یار! مجنوں لگ رہے ہو پورے۔" عمیر بھی بہت دیر سے نوٹ کر رہا تھا۔ چھیڑنے لگا۔

"مجنوں نہیں، پاگل ہو جاؤں گا کچھ روز تک۔" وہ سنجیدہ سی شکل کو مزید روتی ہوئی بنا کر بولا۔

"اللہ خیر کرے۔ وہ کیوں؟" عمیر نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی۔

"یار! امی جان نہیں مان رہیں۔" وہ جو کب سے اپنے دل پر بوجھ لئے بیٹھا تھا، پھٹ پڑا۔ ویسے بھی وہ زیادہ دیر تک عمیر کے سامنے کچھ چھپا نہ سکتا تھا۔

"تم نے کوشش ہی نہیں کی ہوگی۔" عمیر کو بھی کچھ فکر ہونے لگی۔

"کوشش۔" وہ گھور کر اسے دیکھنے لگا۔ "اس روز سے تو منانے لگا ہوں انہیں، گھٹنے دبائے بیٹھا ہوں ان کے مگر وہ...... وہ تو مانتی ہی نہیں۔ خاندان خاندان، ایک ہی رٹ لگائے بیٹھی ہیں۔" اب اس کے لہجے میں کچھ غصہ بھی تھا۔

"اگر وہ نہیں مانتیں تو تم ہی مان جاؤ۔" اس نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا...... کیا بکواس کر رہے ہو؟" وہ عمیر کی طرف کھانے کو دوڑا۔

"تو حرج ہی کیا ہے۔ بھئی بڑوں کی باتیں ماننی تو پڑتی ہیں۔" وہ لاپرواہی سے کندھے اچکاتا کہہ رہا تھا۔

"بکواس نہ کر۔ میں تیرا گلا دبا دوں گا۔" وہ اس کے گلے کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا جب کھانے کے لئے بلاتی آتی رامین نے دیکھ لیا۔

"ارے ارے کیا ہوا۔ دست وگریباں کیوں ہو رہے ہو؟" وہ مسکرا دیں۔

"نہیں...... نہیں کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔

"کچھ کیوں نہیں۔ صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے؟" عمیر نے دھمکی دی۔

"بکو مت۔" اس نے آگے بڑھ کر اسے ہاتھ پکڑ کر وہاں سے اٹھا لیا۔

"اچھا چلو یہ سب بعد میں۔ پہلے کھانے کی طرف چلو وہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" وہ انہیں بچوں کی طرح الجھتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولیں اور انہیں کھانے کی میز پر لے گئیں۔ وہاں صبورہ خاتون بھی موجود تھیں جس کی وجہ سے انہیں چپ چاپ بیٹھنا پڑا ورنہ تو یہ دونوں کم ہی چپ رہتے تھے۔ البتہ ہلکی پھلکی گفتگو جاری تھی۔

"بھئی آج کی سب ڈشز بہت مزے کی ہیں۔" سعد خان نے دل سے تعریف کی۔

"بھائی جان! چکن تکہ اور یہ سویٹ ڈش میں نے بنائی ہے۔" ارم نے خوشی سے بتایا۔ آج کل وہ رامین سے کھانا بنانا سیکھ رہی تھی۔

"ویری گڈ۔" سعد خان نے بہن کو شاباش دی۔

"اور یہ مٹن کڑاہی اور بریانی رمشاء نے بنائی ہیں۔" ارم نے چپ چپ سی رمشاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ خود کبھی نہ بولے گی۔ ویسے بھی اس کی اداسی کی وجہ ارم کو معلوم تھی۔ وہ اسے بہلانے کو کہہ رہی تھی۔

"اوہ تب ہی میں کہوں کہ یہ دونوں چیزیں کچھ......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر رمشاء کو دیکھنے لگے۔

"کیا بھائی جان! ٹھیک نہیں بنیں؟" وہ فوراً ہی پریشان ہو گئی۔

"ٹھیک......" وہ ذرا رکے۔ تھوڑی بریانی اور اپنی پلیٹ میں نکالی اور پھر بولے۔

"بھئی یہ دونوں چیزیں تو سب سے نمبر لے گئی ہیں۔ انتہائی لذیذ بنی ہیں۔ مزہ آ گیا۔" انہوں نے دل کھول کر تعریف کی۔

"شکریہ بھائی جان۔" پریشان ہوتی رمشاء کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یار! تم صرف بریانی ہی کھائے جا رہے ہو کچھ اور بھی تو لو ناں۔" عمیر نے شرارت چکن تکہ کی ڈش اٹھا کر حشام کے سامنے رکھ دی۔

"لگتا ہے آج صرف بریانی اچھی بنی ہے۔" وہ پھر بھی باز نہ آیا تو حشام نے نیچے سے پاؤں زور سے ساتھ بیٹھے عمیر کے پاؤں پر مار دیا۔

"اُف۔" بے ساختہ وہ کچھ اچھل پڑا۔

"کیا ہوا۔ کیا ہوا؟" سب ہی پوچھنے لگے۔

"شاید اسے چکن تکہ کی مرچیں لگ رہی ہیں؟" حشام نے بھی حساب برابر کر لیا۔

"کیا کیا حشام بھائی! مرچیں کب تیز ہیں؟" ارم فوراً بول پڑی۔ اس کی بنائی ڈش پر آ رہا تھا۔

"نہیں نہیں تیز کب ہیں۔ بہت تیز ہیں۔ میرے تو معدے میں جلن شروع ہو گئی۔ توبہ۔" حشام اسے چھیڑنے لگا۔

"تو مت کھائیں رہنے دیں۔" ارم نے غصے سے ڈش اس کے سامنے سے ہٹا لی۔ وہ ہو گئی۔

"اب بنایا ہے تو کھانا ہی پڑے گا۔" حشام نے دوبارہ ڈش اپنے آگے کر لی۔

"رہنے دیں احسان مت کریں۔" ارم نے برا منہ بنا لیا تھا۔

"واہ! میں اتنے مزے کے تکے کھانے سے محروم رہوں۔" حشام نے اپنی پلیٹ تے ہوئے کہا۔

"یہ مزے کے تکے اور لوگوں نے بھی کھانے ہیں۔" مائرہ نے ڈش اس کے ہاتھ سے نا کر رمشاء کے آگے کر دی جو اپنی پلیٹ میں ذرا سی بریانی نکالے بیٹھی پلیٹ کو گھور رہی تھی۔

"آپ کیا آنکھوں سے کھایا کرتی ہیں؟" عمیر نے اسے گم صم بیٹھا دیکھ کر کہا تو وہ ندہ ہو گئی اور جلدی جلدی کھانے لگی جس پر سب ہنسنے لگے۔

☆======☆======☆

کھانے کے بعد طوبیٰ چائے بنا لائی۔ وہ بھی اب اچھی چائے بنانے لگی تھی۔ سب لوگ ئیں آ گئے تھے۔ آج ہوا خاصی خوشگوار تھی اور چاند بھی اپنے جوبن پر تھا۔ اس لئے لان بیٹھنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ چنبیلی کی بھینی بھینی خوشبو اور نرم نرم چاندی کا جادو پورے ٹا پر چھایا ہوا تھا۔ ایسے میں دو دل بہت بے تاب اور بے چین تھے۔ ایک حشام رمشاء

کے جانے پر اور دوسرا عمیر' طوبیٰ سے اتنے دنوں کے بعد ملنے پر۔ دونوں کے احساسات الگ الگ تھے۔ حشام چاہ رہا تھا کہ لمحے یہیں ٹھہر جائیں اور کبھی نہ بیتیں۔ نہ صبح ہو اور نہ رمشاء جائے۔

جبکہ عمیر کا دل چاہ رہا تھا کہ یہ وقت جلدی جلدی گزرے اور طوبیٰ اپنے کمرے میں چلے۔ طوبیٰ نے ٹرے باری باری سب کے آگے کی۔ سب نے اپنا اپنا کپ اٹھالیا۔ عمیر کے پاس جب وہ آئی تو ذرا سا جھکنے پر اس کے لمبے بالوں کی چوٹی کمر سے پھسل کر سامنے آگری اور اس میں سجے گجرے مہک اٹھے۔ اس کے پسندیدہ رنگ کے لباس میں وہ موتیا کے گجرے لگائے' بے ایمان کر دینے کی حد تک اچھی لگ رہی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ سب لوگوں سے کہہ دے۔ جاؤ اپنے اپنے گھروں کو اور وہ طوبیٰ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے میں لے جائے۔

''چائے لے لیں۔'' وہ ہولے سے بولی۔

''ہاں' ہاں۔'' اس نے گھبرا کر سب کی طرف دیکھا اور چائے کا کپ جلدی سے اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ ''سی۔'' چائے بہت گرم تھی۔ اس کے یوں ایک دم سے سپ لینے پر ہونٹ جل گئے۔

''اسی لئے کہتے ہیں' ٹھنڈا کر کے کھانا چاہیے۔'' حشام جو اس کی آنکھوں کی بے تابیاں پڑھ رہا تھا۔ اس نے اپنا حساب برابر کر لیا۔

''اپنے کام سے کام رکھو۔'' وہ چڑ گیا۔

''کام سے کام تو رکھ رہا ہوں۔ بس موقع ہی نہیں مل رہا۔'' وہ رمشاء کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''صرف موقع تلاش نہ کرو' وقت کو ہاتھ میں کرو۔ یہ ہاتھ سے نکل گیا تو عمر بھر پچھتاؤ گے۔'' عمیر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ان شاء اللہ تعالیٰ وقت میرا ہی ہو گا۔'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔

''اللہ تمہاری مدد کرے۔'' اس نے بزرگوں کی طرح دعا کی۔

''بندوں کو بھی تو چاہیے کہ ایک مجبور آدمی کی مدد کریں۔'' وہ اسے کہہ رہا تھا کہ وہ اس کی مدد کرے۔

''نہ بابا نہ' تمہاری امی جان کے سامنے کس کی چلتی ہے۔'' وہ ڈر کر کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔ ''ویسے بھی یہ تمہارا اپنا کیس ہے خود لڑو۔'' وہ صاف دامن بچا گیا۔

''وہ تو میں لڑوں گا ہی اور جیت بھی لوں گا مگر افسوس کہ......

اس بہانے دوستوں کا پیار پہچانا گیا۔'' وہ گنگنانے لگا۔

''اچھی بات ہے۔'' وہ بھی بہت ڈھیٹ تھا۔ ہنس کر ٹال گیا۔ وقت کا پتا ہی نہ چلا۔ بھی یہ کب رکا یا ٹھہرا ہے سو گزر گیا۔

''بیٹا! اب رات کافی ہو گئی ہے' تم لوگوں کو گھر جانا چاہیے۔'' صبورہ خاتون جو چائے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں' دوبارہ آ کر حشام کو کہہ رہی تھیں۔

''جی آنٹی! اب ہم نکل ہی رہے تھے۔'' دل نہ چاہتے ہوئے بھی حشام کو اٹھنا پڑا۔

''تمہاری امی انتظار کر رہی ہوں گی اور کوئی بات نہیں۔'' انہوں نے حشام کے چہرے ہت کچھ دیکھ لیا تھا' اس لئے مسکراتے ہوئے بولیں۔

''جی بہتر۔'' وہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ صبورہ خاتون تو واپس اپنے کمرے میں چلی یں۔ وہ اداس سا چہرہ لئے رامین کے قریب آ گیا۔ جہاں رمشاء بہن کے کندھے سے لگی ی تھی۔

''شکریہ بھابی جان! کھانا بہت اچھا تھا۔ بہت مزہ آیا۔'' وہ رمشاء کو دیکھتا ہوا بولا۔

''جسے کہہ رہے ہو' اسی کا نام لو۔'' وہ رمشاء کو آگے کرتی ہوئی شرارت سے ہنس پڑیں۔

''آپی پلیز۔'' وہ شرما کر دوبارہ ان کے پیچھے ہو گئی۔

''بھابی! مجھے اس سے کچھ کہنا ہے اجازت ہو تو......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر ان کی دیکھنے لگا۔

''ہاں' ہاں کہہ دو۔ مگر دھیان رہے۔ بات دل دکھانے والی نہ ہو۔'' وہ وہاں سے ہٹ ئیں۔

''جن کے درد مشترک ہوں وہ دل دکھا کیسے سکتے ہیں۔'' وہ رمشاء کے چہرے پر اپنی ہوں کو جما کر بولا۔

''رمشاء! مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔ بس تم میرا انتظار کرنا۔'' وہ بہت سنجیدہ لگ رہا تھا۔ نے ایک لمحے کو اداس آنکھیں اٹھائیں۔

''میں جلد آؤں گا۔'' یہ اس کی نظروں میں چھپے سوال کا جواب تھا۔ ''پھر بھی اگر مجھے ی دیر ہو گئی تو کیا تم......'' وہ ادھوری بات کا جواب اس سے پوچھ رہا تھا۔

''میں دیر ہو جانے پر نہیں گھبراؤں گی لیکن تم راستہ نہ بھول جانا۔'' اس نے بہت گہری کہہ دی' جس پر وہ کھل اٹھا۔ اسے توقع ہی نہ تھی کہ رمشاء ایسا جواب دے گی۔

''میرا راستہ' میری منزل' میری زندگی کا حصول ہو تم۔'' وہ کچھ جذباتی ہونے لگا۔

''اپنے حصول میں سچائی رکھنا۔ منزل ضرور ملے گی۔'' وہ اتنا کہہ کر جلدی سے اندر کی

طرف بھاگ گئی اور اس کا دل خوشی سے بھنگڑے ڈالنے لگا۔

''باچھیں تو بند کرو۔ کٹ جائیں گی۔'' اسے خود بخود ہنستے دیکھ کر عمیر نے فقرہ کسا۔

''بڑے ذلیل آدمی ہو تم۔'' وہ مکا تان کر اس کی طرف بڑھا۔

''سیم ٹو یو۔'' وہ ہنستا ہوا اس کے ہاتھ تھام کے کھڑا ہو گیا اور اس کا مکا کھل کر مصافحہ بن گیا۔ دونوں پیار سے گلے ملے۔

''مجھے رمشاء ضرور ملے گی۔ اللہ کے بندے ایک مجبور آدمی کی مدد ضرور کریں گے؟'' اس نے اس کے کان میں کچھ اس انداز میں کہا کہ پھر دونوں کا مشترکہ قہقہہ فضا میں گونجا۔

☆======☆======☆

''بس کرو طوبیٰ! اب تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' وہ کچن میں ان کے ساتھ برتن وغیرہ سمیٹنے لگی تھی۔

''آپا! آپ صبح سے لگی ہوئی ہیں، تھک گئی ہوں گی۔'' وہ پیار سے بولی۔

''اتنی محبت سے کوئی بات کرے تو ساری تھکن منٹوں میں ہوا ہو جایا کرتی ہے۔'' وہ اس کے یوں پیار سے بولنے پر خوش ہو گئیں۔ ''اب میں بالکل فریش ہوں۔ جاؤ اب تم آرام کرو۔'' اس نے تولیہ اس کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے کہا جس سے وہ گیلے برتن خشک کر رہی تھی۔

''میں تب آرام کروں گی جب آپ اپنے کمرے میں جائیں گی۔'' اس نے دوبارہ تولیہ اٹھا لیا۔

''پگلی! سمجھا کرو۔ اتنے روز بعد آئی ہو عمیر انتظار کر رہا ہوگا۔'' وہ پیار کے ساتھ ساتھ شرارت بھرے لہجے میں سمجھانے لگیں، جس پر وہ بلش ہو گئی۔

''جاؤ، زیادہ نہیں ستایا کرتے۔'' اس نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

''ایسا کریں آپ بھی جائیں، اب کام ختم ہی سمجھیں۔'' ارم نے اپنی بڑی بھابی کو کمرے میں جانے کا کہہ دیا۔

''تو کیا تم لوگ آرام نہیں کرو گی۔'' رامین نے رمشاء اور ارم کی طرف دیکھا۔

''آج تو ہم ساری رات باتیں کریں گی۔'' ارم نے پیار سے رمشاء کے گلے میں بازو ڈال دیئے۔

''پھر بھی سو جانا تھوڑی دیر باتیں کرتے کرتے صبح نہ کر دینا۔'' رامین نے آخری ڈونگا بھی کیبنٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''جی اچھا۔'' ارم مسکرا دی۔ رامین نے طوبیٰ کو اس کے کمرے کی طرف دھکیلا اور خود اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

☆======☆======☆

وہ کمرے میں آئی تو عمیر بیڈ پر لیٹا کسی میگزین کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ اس نے کوئی نوٹس نہ لیا کہ طوبیٰ کمرے میں آ گئی ہے۔ نہ ہی کوئی بات کی۔ کافی دیر کمرے میں اک بے نام سی خاموشی چھائی رہی۔ طوبیٰ کو سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ کیا کہے اور وہ سوچ رہا تھا آخر یہ کوئی بات کیوں نہیں کرتی۔ جب کافی دیر گزر گئی تو عمیر کو غصہ آنے لگا۔

''اتنے روز وہاں رہ کر آئی ہے اور اب پھر مجھے تڑپا رہی ہے۔'' وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ ''اسے میری پروا ہی نہیں۔''

''لائٹ آف کر دو مجھے نیند آ رہی ہے۔'' آخر غصے میں آ کر اس نے میگزین ایک طرف پٹخا اور تکیہ سر کے نیچے سے نکال کر آنکھوں پر رکھ لیا۔

''میں نے کہا لائٹ آف کر دو۔'' جب اس کے کہنے پر بھی طوبیٰ نے لائٹ آف نہ کی تو اس نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

''جی۔'' اس کی مری مری سی آواز آئی۔

''بے وقوف پاگل۔'' وہ دل ہی دل میں اسے کوس رہا تھا۔ ''ہر بات پر جی، جی کرتی رہے گی۔'' جبکہ اس نے لائٹ آف کر دی تو عمیر کو اور بھی آگ لگ گئی۔ وہ دھیرے سے آ کر بستر کے ایک کونے پر ٹک گئی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کا جسم ہچکولے کھا رہا ہو۔ ہلکی ہلکی سسکیاں فضا میں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ رو رہی تھی۔

''طوبیٰ! کیا ہوا؟'' فوراً ہی وہ اپنا غصہ بھول کر سیدھا ہو گیا۔ سائیڈ ٹیبل پر لیمپ جلا کر بیٹھ گیا۔ ''کیا ہوا، کیوں رو رہی ہو؟'' وہ اس کے چہرے پر سے اس کے ہاتھ ہٹانے لگا۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' اس نے ہچکیوں کے دوران پوچھا۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' وجہ جان کر اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔ وہ جو سوچ رہا تھا کہ اسے خوب ستائے گا اور ہجر کے سب لمحوں کے بدلے گن گن کر لے گا۔ اس کا سارا پلان خاک ہو گیا۔

''اب میں کبھی اتنے روز امی کے گھر نہیں رہوں گی۔'' اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ باندھے۔ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لئے وہ بالکل ایک چھوٹی سی معصوم بچی لگ رہی تھی۔

''خفا تو میں تم سے بہت ہوں مگر اس بات پر نہیں۔'' اس نے جھوٹ موٹ کا منہ پھلا لیا۔

''پھر کس بات پر؟'' وہ فق ہو گئی۔

''اس بات پر جس کی توقع مجھے تم سے رکھنی ہی نہیں چاہیے تھی۔'' وہ بتانے لگا اور وہ ڈر گئی کہ ایسی کون سی بات ہے۔

''عمیر میں...... میں نے کچھ نہیں کیا۔'' آنسو پھر ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

''یہی تو مصیبت ہے کہ سب کچھ کر کے بھی تم نے کچھ نہیں کیا۔'' اسے اس کی حالت پر پیار آ گیا اور اس نے اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

''پگلی ہو' بات بے بات رو پڑتی ہو۔'' اس نے دو آنسو اپنے ہونٹوں سے چن لئے۔ وہ روتے روتے مسکرا دی۔ عورت بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ پیا کے ایک ہی لمس سے گلاب ہو جاتی ہے۔

''تم نے مجھے بہت ستایا ہے۔ پتا ہے کتنا تڑپا ہوں میں پورا ہفتہ۔'' وہ اسے ہجر کہانی سنانے لگا۔ ''پتا ہے میں نے تمہیں کس قدر مس (Miss) کیا تھا۔ بہت یاد آئی ہو تم۔ پتا ہے طوبیٰ جب تم نہیں تھیں تو اتنا احساس نہیں ہوتا تھا تنہائی کا مگر جب سے تم ملی ہو تو اب......'' وہ اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لئے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ ''اب ایک پل بھی نہیں رہا جاتا تمہارے بغیر۔ یہ دن اور رات ادھورے لگتے ہیں تمہارے بغیر۔ یہ دل' یہ جان اور یہ جسم آدھے ہیں تمہارے بنا۔'' وہ محبتوں کے گہرے پانیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس کی آواز میں پیار کا جادو گھل رہا تھا۔ انداز میں بے خودی اور برتاؤ میں بے اختیاری آتی جا رہی تھی۔

''طوبیٰ! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔ شاید دنیا کے سب مردوں سے زیادہ۔'' اس کی آنکھوں کا خمار طوبیٰ کی آنکھوں سے اتر کر اس کے سارے لہو میں پھیلنے لگا۔ ''مجھے کبھی تنہا نہ کرنا۔ آئی لو یو طوبیٰ۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے کسی اور ہی جادو نگری میں جا اترا تھا۔ جہاں پیار' خمار اور جادو تھا۔ جہاں پھول' رنگ' اور خوشبوئیں تھیں۔ جہاں کے لوگوں کے ہونٹ نہیں' دھڑکنیں اور سانسیں باتیں کرتی تھیں۔ وصال اور خمار کی باتیں۔ پیار اور بس پیار کی باتیں۔

☆======☆======☆

اگلی صبح وہ اس کے کنگنوں سے کھیلتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''طوبیٰ! اب کبھی مجھے اتنا مت ستانا۔''

''اور آپ بھی مجھ سے کبھی خفا مت ہونا۔'' وہ اتنی ڈھیر محبتیں اپنے دامن میں سمیٹے کچھ مغرور سی تھی۔

''تم خفا کرنے والی باتیں کرنا ہی مت۔'' وہ اس کی چوٹی کو کھینچ کر کہنے لگا۔

''اب مجھے کیا خبر آپ کس بات پر خفا ہوتے ہیں اور کس پر خوش۔'' وہ لاڈ اٹھوانے کے موڈ میں تھی۔

''ایک عورت کو بے خبر نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے مرد کی آنکھ کے رنگ اور سانس کے اتار چڑھاؤ سے جان لینا چاہیے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟'' وہ اپنے مرد ہونے پر بڑا نازاں تھا' اس لئے اپنا حق جتانا اسے پسند تھا۔

''جی بہتر جناب۔'' وہ اپنی چوٹی کو اس کے ہاتھ سے چھڑواتی اٹھ بیٹھی۔

''عمیر۔'' وہ اس کے ہاتھوں کی پشت پر موجود گھنے سیاہ بالوں سے کھیلنے لگی' جو اس کی مردانہ وجاہت کا ایک خاص حصہ تھا۔ اس کے گورے اور مضبوط ہاتھوں پر یہ بال بہت بھلے معلوم ہوتے تھے۔

''ہوں۔'' کی آواز میں کسی گہرے نشے کا اثر تھا۔

''کیا آپ مجھے ہمیشہ اسی طرح چاہیں گے۔'' اسے ڈر تھا کہیں یہ متاعِ حیات اس کے ہاتھ سے لٹ نہ جائے۔

''تمہیں کوئی شک ہے۔'' اس نے پھر اس کی چوٹی کو بل دے کر اس کا چہرہ اپنی طرف کر لیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''بولو مجھ پر بھروسا نہیں۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''نہیں' آپ پر تو بھروسا ہے مگر......'' وہ بات مکمل نہ کر پا رہی تھی۔

''مگر کیا؟ خود پر بے اعتباری ہے؟'' وہ الٹا اس سے پوچھنے لگا۔ ''محبت اور وفا صاف شفاف آئینے ہوتے ہیں۔ ان میں بال آنے کا مطلب ہوتا ہے دلوں میں دراڑ آنا۔'' وہ اسی لہجے میں بات کر رہا تھا مگر طوبیٰ کو لگا کہ اس کے لہجے میں پتھر آ گئے تھے۔ اس کا دل لرزنے لگا۔

''میرے اللہ جب اس شخص کو پتا چلے گا تو......'' آگے اس کے لئے سوچنا بھی عذاب تھا۔ ''کیا یہ محبت کی سب شدتیں مجھ سے چھن جائیں گی۔'' وہ کانپ اٹھی۔

''اب میں جاؤں۔'' وہ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔

''کہاں؟'' انداز میں پھر شرارت آ گئی۔

''کچن کی طرف۔ رامین آپا ناشتہ بنا رہی ہوں گی۔ مجھے ان کی مدد کرنی چاہیے۔'' وہ اس کی آنکھوں کی گہرائی کو نظر انداز کرتی بولی۔

"ایک تو تم نے یہ "آپا" والا رشتہ بنا کر بڑی خرابی پیدا کر لی ہے۔" اس نے ناچار اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"کیوں' کیوں۔ آپ کیا چاہتے تھے کہ ہم روایتی دیورانی جیٹھانی ہوتیں۔" وہ برا منا گئی۔

"اور کیا' مزہ تو تب ہی تھا۔ لڑائی جھگڑے ہوتے اور شام کو یہ سننے کو ملتا۔ اس نے یہ کر دیا اس نے یہ کہہ کر دیا۔" وہ لڑاکا عورتوں کی نقل اتارتا ہوا بولا۔

"یعنی غیبتیں۔" وہ حیران ہو کر عمیر کو دیکھنے لگی۔

"عورتیں اور غیبتیں مترادف الفاظ ہیں' متضاد تو نہیں۔" وہ اٹھ کر اخبار کھولتا ہوا بولا۔

"آپ کا بڑا مشاہدہ ہے عورتوں کے بارے میں۔" وہ اسے چھیڑنے لگی۔

"سارا دن عدالتوں میں ایک ہی موضوع ڈسکس ہوتا ہے۔ عورت اور مرد سارے کیس' سب جھگڑے' سارے فساد ان ہی کے وجود سے' ان ہی کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔" وہ اپنے وکیل ہونے کی وجہ سے اپنا دن بھر کا مشاہدہ بیان کر رہا تھا۔

"بیرسٹر صاحب! آپ کے ساتھ بحث کون کرے۔" وہ ناشتے کو دیر ہوتی دیکھ کر ہار مان گئی۔ "آپ کے موزے اور رومال الماری کی فرسٹ دراز میں ہیں۔" جاتے جاتے اس نے مڑ کر بتایا۔ وہ بڑی سگھڑ اور وفادار بیوی بن چکی تھی۔ شوہر کی ہر چیز کا خیال رکھنے والی۔

"اور سنو تو' وہ کہاں ہے؟" جاتی ہوئی طوبیٰ کو اس نے پھر آواز دے کر روک لیا۔

"کیا؟" وہ حیران ہو کر مڑی۔

"میرا دل۔" اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"رکھ دیا ہے بہت محفوظ جگہ پر۔" وہ بلش ہو کر مڑی اور تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں عمیر پھر کوئی شرارت نہ کر دے۔ جاتے جاتے اس نے عمیر کا جاندار قہقہہ سن لیا تھا۔ جس پر اس کا دل بھی خوش ہو کر جھول رہا تھا۔ "کہیں میری خوشیوں کو نظر نہ لگ جائے؟" وہ جلدی سے اپنے سہاگ کی خوشیوں کے لئے دعائیں مانگنے لگی۔

"خدایا! یہ دھڑکا کب جائے گا کہ کہیں کچھ ہو نہ جائے' کہیں کچھ ہو نہ جائے۔ بے فکر' بے خطر زندگی کب گزاروں گی؟" وہ اندر ہی اندر ڈر کر الجھتی کچن میں آ کر رائین کے ساتھ ناشتہ بنانے لگی۔

☆======☆======☆

صبورہ خاتون' سعد خان اور رامین' رمشاء کو چھوڑنے کوئٹہ چلے گئے تھے۔ سعد خان کچھ روز کی چھٹیاں لے کر گئے تھے۔ وہ یہ روز رامین کے ساتھ آؤٹنگ پر گزارنا چاہتے تھے۔ صبورہ

ون کو کچھ زمینوں کے مسئلے سلجھانے تھے' وہاں سے اپنے آبائی گاؤں چلی گئی تھیں۔ رامین بعد یہ خان نے دو تین روز کوئٹہ گزارنے کے بعد ملک کے شمالی علاقہ جات میں جانے کا رام بنایا تھا۔ وہ لمبے سفر پر نکلے تھے انہیں پندرہ روز لگ جانے تھے۔

اور عمیر کا کہنا تھا کہ وہ یہ پندرہ روز یہاں اپنے گھر میں ہی ہنی مون مناتے ہوئے زاریں گے۔ ہنی مون پر وہ لوگ یوں نہ جا سکے تھے کہ عمیر کے پاس ایک دو بہت ہی اہم س تھے جن کے فیصلے ہونے تک وہ کہیں نہ جا سکتا تھا اور اب اس کا ارادہ تھا کہ وہ جو ہائر لڈیز کے لئے یورپ جا رہا تھا تو طوبیٰ کو بھی ساتھ لے کر جائے گا اور وہ اس کے لئے بہت شش کر رہا تھا۔

ان لوگوں کو گئے ہوئے آج چوتھا روز تھا۔ ارم جس نے ایک بہت اچھے اخبار میں بطور ڑی رپورٹر سروس کر لی تھی' وہ اپنے آفس گئی ہوئی تھی۔ عمیر کورٹ میں تھا۔ گھر میں ان کے رائیور چچا عبداللہ کی بیوی تھیں۔ جو سارا دن اس کے پاس رہا کرتی تھیں۔

طوبیٰ ابھی ابھی نہا کر آئی تھی۔ اس کے گیلے لمبے بال کمر پر کھلے ہوئے تھے۔ وہ کچن ا کر دوپہر کے کھانے کے لئے کچھ سوچ رہی تھی کہ آج کیا بنایا جائے؟

"بی بی! ایسا کریں ایک کپ اچھی سی چائے تو بنائیں۔"

وہ عبداللہ چچا کی بیوی کو بڑی محبت سے "بی بی" کہنے لگی تھی۔ اپنے گھر میں جنت بی بی "بی بی" کہتے ایک عرصہ گزر جانے کی وجہ سے اسے عادت بھی پڑ گئی تھی اور اس کے یوں "بی بی" کہنے پر وہ نیک دل عورت خوش بھی بہت ہوتی تھی۔ وہ فریج کھول کر دیکھ رہی تھی کہ ان ہی سبزی گھر پڑی ہے۔ اس کے بال جھکنے کی وجہ سے آگے آ گئے تھے۔ وہ بیٹھ کر فریج کے نچلے خانے سے ٹماٹر نکالنے لگی تھی۔ اس کے بال فرش پر پڑے تھے۔

"بیٹی! آپ کے بال بہت پیارے ہیں۔ ذرا چھپا کر رکھا کریں۔" بی بی نے اس کے بالوں کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کیسے چھپایا کروں؟" وہ ٹماٹر نکال کر مسکرانے لگی۔

"نظر لگ جاتی ہے بیٹی۔" وہ کہنے لگیں۔

"بی بی! کیا واقعی نظر لگ جاتی ہے؟" اسے کچھ یقین نہ آتا تھا کہ نظر کس طرح کس چیز لگ سکتی ہے۔

"تو اور کیا' کسی کی کسی کو ایسی پتھر پھاڑ نظر ہوتی ہے کہ اللہ میری توبہ۔ ہنستی بستی ندگیاں برباد کر ڈالتی ہے۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر بتانے لگیں۔

"کن لوگوں کی نظر لگتی ہے بی بی؟" وہ ذرا دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"حسد تو ویسے ہی بہت بری چیز ہے بی بی۔" وہ استغفار پڑھنے لگی۔

"حسد تو آگ ہے۔"

"آگ ہے، تب ہی تو حسد کی آگ گھروں کو جلا ڈالتی ہے۔" وہ اس کی ادھوری بات کو پورا کرتی کہنے لگی۔ "آپ بھی اپنی نظر اتارتی رہا کرو۔ ماشاء اللہ خدا نے فرصت میں بنایا ہے آپ کو۔" وہ محبت سے اسے دیکھتی ہوئی کہنے لگیں۔

"بی بی! یہ تو آپ کا پیار ہے۔" وہ اپنی تعریف پر شرما جاتی تھی۔

"نہیں بیٹی! آپ واقعی بہت حسین ہو۔"

"اچھا، آپ کہتی ہیں تو مان لیتی ہوں۔" وہ مسکرا کر چائے کا کپ لے کر باہر آ گئی۔ کیونکہ باہر ٹیلی فون کی گھنٹی کب سے بج رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ عمیر کا فون ہو گا۔ وہی آفس جا کر تین بار فون کیا کرتا تھا۔ ہر بار ایسے بات کرتا تھا جیسے پہلی بار کر رہا ہو۔

بے تابیاں، اس کے لہجے سے لگتا تھا پھوٹ کر باہر آ نکلیں گی۔

وہ کہتی۔ "یوں دیوانے بنے رہتے ہیں آپ؟"

جواب ملتا۔ "دیوانے سے کوئی پوچھے کہ دیوانگی کیوں دکھاتے ہو۔ ہے نا۔"

"پاگل پن۔" اور وہ لاجواب ہو جایا کرتی تھی۔

☆======☆======☆

"ہیلو" اس نے بڑے نرم لہجے میں کہا تھا۔ وہ عمیر ہی کا فون سمجھ رہی تھی مگر دوسری طرف کوئی نہ بول رہا تھا۔

"ہیلو" وہ بار بار کہتی رہی۔ "کون، کس سے بات کرنی ہے؟" اس نے فون کو بار با ٹپ بھی کیا کہ شاید دوسری طرف اس کی آواز نہیں جا رہی مگر دوسری طرف کوئی آواز سننے کے باوجود نہ بول رہا تھا۔ اس نے فون بند کر دیا۔ رانگ نمبر پر بھی لوگ اس طرح تنگ کیا کرتے تھے۔ وہ پریشان سی واپس کچن میں آ گئی اور وہیں بیٹھ کر چائے پینے لگی۔ اتنے میں فون کی گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔

"بی بی ذرا دیکھیں تو کس کا فون ہے۔" اس نے خود جانے کے بجائے بی بی کو بھیج دیا۔ وہ فوراً ہی واپس آ گئیں۔

"خدا جانے کون تھا، بولا ہی نہیں۔ ہم تو پوچھ پوچھ ہار گئے۔" وہ اپنی سوتی ساڑھی کے پلو سے اپنے چہرے کا پسینہ صاف کرتی ہوئی بولیں۔

"کون ہو سکتا ہے بی بی! بس آج کے لوگوں میں ایک دوسرے کا احساس نہیں رہا۔ تنگ کرتے رہتے ہیں خواہ مخواہ۔" وہ انہیں یوں بڑبڑاتے دیکھ کر سمجھانے لگی۔

"وقت اور پیسہ بہت زیادہ ہو گیا ہے لوگوں کے پاس، اسی لئے انہیں سمجھ نہیں آتی کہ کیا کریں؟" وہ شامی کبابوں کا مسالا پریشر ککر سے نکال کر چاپر میں ڈالتی جا رہی تھیں اور بولتی جا رہی تھیں۔

"اچھا جانے دیں۔ جو لوگ بگڑ جائیں ان کا سدھرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔"

چائے ختم کر کے اس نے چولہا سنبھال لیا۔ آج کل سالن وہ خود بنایا کرتی تھی۔ جبکہ روٹیاں بی بی پکا دیتی تھیں۔ عمیر کو چکن کڑاہی بہت پسند تھی۔ وہ چکن نکال کر کڑاہی بنانے لگی۔ بی بی شامی کبابوں کے لئے تیار دال اور قیمہ پیس چکی تھیں۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ باتیں کر رہی تھیں اور کام بھی...... تب ہی تو وہ جلدی فارغ ہو جاتی اور تھکن بھی نہ ہوتی تھی۔

☆======☆======☆

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ لوگ ذرا آرام کے لئے لیٹے تھے، جب ٹیلی فون کی گھنٹی مسلسل بجنے لگی۔

"دیکھیں ناں، کس کا فون ہے؟" طوبیٰ نے اٹھتے ہوئے عمیر سے کہا۔

"کیا مصیبت ہے اس سخت دوپہر میں۔" وہ چڑ گیا۔ فون اٹھایا۔

"ہیلو...... ہیلو۔" مگر دوسری طرف کسی نے آواز سن کر فون بند کر دیا تھا۔

"اسٹوپڈ۔" عمیر کو غصہ آ گیا۔ طوبیٰ کو کچھ پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔ صبح سے ایسا کئی بار ہو چکا تھا۔ فون کی بیل بجتی تھی مگر بولتا کوئی نہ تھا۔ دوبارہ پھر بیل بجی۔ عمیر غصے سے بولا۔

"بکو کون ہے۔ بکتے کیوں نہیں۔ شرم کرو۔" وہ خود ہی بول رہا تھا۔ دوسری طرف کسی نے ہنس کر فون بند کر دیا۔

"سارا موڈ خراب کر دیا بدبخت نے۔" وہ پہلے ہی آج بہت تھکا ہوا تھا۔ آرام کرنے کے موڈ سے لیٹا تھا۔ ڈسٹرب ہو کر اس کا سارا موڈ خراب ہو گیا۔ وہ اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ گرمی بھی بہت تھی، وہ ٹھنڈے پانی سے نہانے لگا۔

ٹرن...... ٹرن۔ گھنٹی بجی۔ طوبیٰ نے فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا تاکہ عمیر کا موڈ مزید خراب نہ ہو۔

"ہیلو" وہ ذرا آہستہ آواز میں بولی۔

"ہیلو طوبیٰ!" دوسری طرف بڑی بھاری مردانہ آواز تھی۔ "پہچانا مجھے یا تعارف کرا

دوں۔'' آواز کی کرختگی اور کمینگی نے اپنا تعارف خود کرا دیا تھا۔ طوبیٰ ایک لمحے میں پہچان گئی مگر اس کی آواز حلق میں ہی چبھ گئی تھی اور سارا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ جسم کا سارا خون اکٹھا ہو کر آنکھوں میں آ رُکا تھا۔

''لگتا ہے پہچان گئی ہو۔'' دوسری طرف سے کوئی بہت گھٹیا پن سے بولا تھا۔

''طوبیٰ! کس کا فون ہے؟'' عمیر نے باتھ روم سے نکل کر اپنے گیلے بال اس کے اوپر جھاڑتے ہوئے پوچھا۔ طوبیٰ کو پتا ہی نہ چل سکا تھا کہ کب عمیر نہا کر باہر آ گیا تھا۔

''اِدھر دو' میں دیکھوں کون ہے؟'' اس نے ریسیور طوبیٰ کے ہاتھ سے لے لیا اور وہ مٹی کے بت کی طرح وہیں زمین پر ڈھے گئی۔

☆======☆======☆

طوبیٰ کو ہوش آیا تو وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی اور سامنے ہی عمیر صوفے پر
ئی میگزین دیکھ رہا تھا۔ اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر وہ اس کے قریب آ گیا۔

''جی جناب! کیا حال ہیں اب آپ کے۔'' وہ اس کے پاس بیٹھتا ہوا بہت گہری
ں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

''اتنے بڑے بڑے کام ہو گئے اور ہمیں خبر بھی نہیں۔'' وہ کچھ خفا سا ہوا۔ طوبیٰ ایک دم
ہ ہو گئی کہ کہیں عمیر کو کچھ علم تو نہیں ہو گیا۔

''اتنی بڑی خبر تم نے مجھ سے کیوں چھپائی......؟''
وہ پوچھ رہا تھا۔

''میں نے' میں نے کچھ نہیں چھپایا میں آپ کو بتانے ہی والی تھی۔'' وہ گھبرا کر رونے
لگی۔

''اچھا تو واقعی تمہیں خبر تھی؟'' وہ غیر یقینی کی حالت میں تھا۔

''عمیر مجھے معاف کر دیں پلیز۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''معافی۔'' اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور اس کے چہرے پر جھک گیا۔

''معافی تو تمہیں نہیں ملے گی تمہیں تو۔'' وہ شرارت کے موڈ میں تھا۔ ''انعام ملے گا اور
ڑا انعام۔'' اس نے ہولے سے اس کے گالوں کو چھوا۔ اس نے پریشان ہو کر آنکھیں
دیں۔

''عمیر میں۔'' اسے کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ عمیر اس پر طنز کر رہا ہے یا اس نے واقعی اسے
کر دیا ہے۔

''جی آپ' آرام سے لیٹی رہیے اور خبردار اگر اب آپ نے بستر سے ایک قدم بھی نیچے

اتارا تو؟'' وہ بہت پیار سے اسے ڈانٹ رہا تھا۔

''مگر کیوں......؟'' وہ عمیر کی ذہنی حالت پر شک کر رہی تھی کہ کہیں غم اور غصے سے اسے کچھ ہو تو نہیں گیا۔

''ڈاکٹر عالیہ نے سختی سے منع کیا ہے اور میں اپنی اس پہلی خوشی کو کسی بھی بے احتیاطی کی نذر نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ بہت ہی محبت سے پیش آ رہا تھا۔ اتنے میں بی بی جوس کا گلاس لے آ گئیں۔

''لو بیٹی اسے پی لو اور اب میں تمہیں کچھ نہیں کرنے دوں گی سارا کام خود کر لیا کروں گی۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ کر ہولے ہولے اس کے کندھے دبانے لگیں۔

''بی بی میں بالکل ٹھیک ہوں مجھے کچھ نہیں ہوا بس ہلکا سا چکر آ گیا تھا۔'' اس نے انہیں دبانے سے منع کر دیا۔

''چکر آنا تو خوشخبری ہے بیٹی اب آپ کو اپنا زیادہ خیال رکھنا پڑے گا۔'' وہ مسکراتی ہوئی طوبیٰ کو جانے نظروں ہی نظروں میں کیا پیغام دے گئی تھیں جسے طوبیٰ نے جب سمجھا تو وہ شرم سے پسینے پسینے ہو گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کی پلکوں پر کوئی منوں بوجھ آ گیا ہو۔ دل بے تحاشا زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''اچھا تو اس لئے عمیر......'' آگے وہ کچھ سوچ ہی نہ سکی اور بری طرح جھینپ گئی۔

پچھلے چار پانچ روز سے اس کی طبیعت بوجھل اور سست سی تھی اور وہ محسوس کر رہی تھی جیسے ایک دم اس کا سر چکرا جاتا ہو۔ ایسا کیوں ہو رہا تھا اس کا جواب اب اسے مل گیا تھا۔ ایک تو وہ سامنے بیٹھا تھا اور اس کی نظروں کی تپش سے وہ گھبرا رہی تھی اور دوسرا یہ سب اس لئے تو پلکیں جھپکنا بھی محال ہو رہا تھا۔

''پگلی ہو تم تو۔'' عمیر کو اس کی حالت کا اندازہ ہو رہا تھا اس لئے اس نے اسے مز... ستانا مناسب نہ سمجھا اور پیار سے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر کہتا ہوا باہر نکل گیا کہ ''اب آرام کرو اور دیکھو بالکل بھی مت اٹھنا مجھے ذرا ضروری کام سے کہیں جانا ہے بس میں تھوڑا کام کر کے واپس آ جاؤں گا۔'' اس نے جلدی جلدی کئی میگزین اٹھا کر اس کے پاس رکھے ٹی وی آن کر کے ریموٹ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

''اچھا اب میں چلوں۔'' وہ شرارت سے اسے دیکھتا ہوا اجازت مانگ رہا تھا۔ ... نے نظریں جھکائے جھکائے ہی اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ جانے لگا مگر دروازے پر جا کر ... مڑ آیا قریب آ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا

''طوبیٰ! میں بہت خوش ہوں بہت زیادہ۔'' اور پھر تیزی سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

☆======☆======☆

وہ فیصلہ کر لینے کے باوجود پچھلے چار روز سے اسی کشمکش کا شکار تھی کہ عمیر کو کس طرح سے ... اور اب جب سے خدا نے اسے خوشی کی اس خبر سے نوازا تھا اب تو عمیر اور بھی زیادہ خیال رکھنے لگا تھا۔ ایک طرف عمیر کی بے تحاشا محبتیں تھیں جن کو ایک پل بھی اب وہ نہیں چاہتی تھی اور دوسری طرف اس کا سیاہ ماضی تھا جس کے اندھیرے سائے ہر وقت منڈلاتے رہتے تھے اور اگر عمیر پر ان کا ذرا بھی عکس پڑ جاتا تو......'' آگے وہ سن ہو ...

''اللہ نہ کرے اگر عمیر نے بھی میرے ساتھ وہی سلوک کیا جو ماضی میں وقاص کے لئے رویے نے کیا تھا تو'' تو میں تو جیتے جی مر جاؤں گی۔ میں خودکشی کر لوں گی۔ خودکشی لیکن تو میرے وجود میں اور کوئی بھی سانس لے رہا ہے۔ ننھی اور معصوم سی جان۔''

وہ لرز گئی۔

''میں عمیر کو سب کچھ سچ سچ بتاؤں گی۔ چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو۔ مجھ سے اب لمحہ لمحہ جینا اور مرا نہیں جاتا......'' اس نے اپنے دل میں مضبوط فیصلہ کر لیا۔

''طوبیٰ بیٹی! آپ کے گھر سے فون ہے۔''

عبداللہ چچا کی بیوی اسے بلانے آئیں تو وہ اپنی بھیگی آنکھوں کو جلدی سے صاف کر کے مسکرا دی۔

''جی بی بی میں سنتی ہوں۔'' اس نے اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ فون کی گھنٹی تو کافی دیر سے بج رہی تھی مگر وہ جان بوجھ کر لاپروا بنی بیٹھی تھی ویسے بھی وہ کم ہی فون اٹھاتی تھی۔ ٹیلی فون کی گھنٹی نے اسے ایک بار پھر ڈرا کر رکھ دیا تھا۔

''ہیلو امی جان السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام کیسی ہو طوبیٰ۔'' وہ بہت پیار سے بولیں۔

''جی بالکل ٹھیک آپ سنائیں آپ کا کیا حال ہے؟'' وہ لہجے میں بشاشت بھرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''میرا حال بالکل ٹھیک ہے تم اپنا خیال رکھا کرو۔'' وہ اسے نصیحت کرنے لگیں۔ طوبیٰ تو اس خوشخبری کو مارے شرم کے چھپا ہی جاتی مگر بی بی نے اس کی ساری تفصیل اس کے گھر اس کی امی اور نوریہ آپا کو بتا دی تھی۔ اس لئے وہ ہر روز اس کی خیریت معلوم کرتیں تو

ساتھ میں بہت بہت نصیحتیں بھی کرتیں جن پر وہ مارے شرم کے سرخ ہوئی جاتی۔

''کہو تو جنت کو تمہارے پاس بھیج دوں جب تک صبورہ نہیں آ جاتیں۔'' وہ پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں' نہیں امی میرے پاس بھی یہاں بہت ہی محبت کرنیوالی جنت بی بی ہیں۔'' اس نے پاس کھڑی بی بی کی طرف محبت سے دیکھا۔

''کون وہ عبداللہ کی بیوی؟'' وہ پوچھنے لگیں۔

''جی امی جان وہی۔''

''اچھا ٹھیک ہے لیکن تم اب زیادہ کام وام مت کرنا زیادہ سوچنے سے گریز کرنا۔'' وہ بڑے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔

''جی بہتر امی جی۔'' وہ نگاہیں نیچی کیے شرمائے جا رہی تھی۔

''آپا! کالج سے آ گئیں۔'' وہ نوریہ کا پوچھنے لگی۔

''نہیں آج کل کوئی امتحان وغیرہ ہو رہے ہیں وہ ذرا دیر سے آتی ہے۔''

''اچھا آئیں تو میری بات کروائیے گا۔'' وہ کہنے لگی۔

''کرواؤں گی لیکن یہ بتاؤ کہ خیریت تو ہے۔'' وہ ماں تھیں ان کے دل کو فوراً پریشانی ہو گئی۔

''ہاں ہاں خیریت ہی ہے بس آپ میری ان سے بات کرا دیجئے گا۔'' وہ صاف چھپا گئی کہ کیا بات ہے۔

''اچھا اب تم آرام کرو۔'' انہوں نے پھر نصیحت کی۔

''جی اچھا؟''

''اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' وہ ریسیور رکھ کر اپنے لمبے بالوں کو ہاتھ پر بل دے کے جُوڑا بناتی اٹھی۔

''بی بی آج آپ نے کیا پکایا ہے؟'' وہ کچن کی طرف چل دی۔

''آج ہم نے پلاؤ بنایا ہے بیٹی! مچھلی والا جیسا آپ کو پسند ہے ساتھ میں چٹنی بنائی ہے سبز دھنیے اور پودینے کی۔'' وہ بتانے لگیں جسے سن کر طوبیٰ کے منہ میں ڈھیر سارا پانی آ گیا۔ اسے یہ سبز چٹنی اور پلاؤ پہلے بھی بہت پسند تھا مگر آج کل تو اس کا دل ایسی چیزیں کھانے کو بہت ہی چاہتا تھا۔ وہ کچن میں آ کر پتیلیوں کے ڈھکن اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''واہ کیا خوشبو ہے بی بی۔'' اس کا جی للچایا۔

''بھوک لگ رہی ہے تو کچھ کھا لو بیٹی۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''نہیں ابھی عمیر آ جائیں گے پھر کھانا کھائیں گے۔'' وہ جب سے شادی ہوئی تھی عمیر کے بغیر ہرگز کھانا نہ کھاتی تھی چاہے جتنی بھی بھوک لگی ہو۔

''عمیر میاں کے لئے ہم نے یہ تھوڑا چکن بنا لیا ہے اور ساتھ میں لوبیے کی پھلیوں کی بُجیا......'' وہ پریشر ککر کا ڈھکنا اٹھا کر دکھانے لگی۔

''لوبیے کی پھلیاں...... آہا تو یہ یہاں بھی کھائی جاتی ہیں۔'' وہ ایک دم خوش ہو گئی۔

''بی بی! ہمارے ہاں یہ پھلیاں بہت بنائی جاتی ہیں ہمارے بابا کو بہت زیادہ پسند ہیں ہم سب کو بھی۔'' وہ بی بی کو بتانے لگی۔ اتنے میں عبداللہ کی بیٹی حنا گھبرائی ہوئی کچن میں داخل ہوئی۔

''آپی! آپ سے مجھے کچھ کام تھا۔'' وہ گھبرانے کے ساتھ ساتھ جلدی میں بھی تھی۔

''ہاں ہاں آؤ۔'' وہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔

''کیا بات ہے۔'' بی بی اسے یوں پریشان دیکھ کر ان کے پیچھے آئی تھیں۔

''اماں! آپ تو بس یونہی پیچھے پڑ جاتی ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے ذرا تیز انداز میں ماں کو ڈانٹ دیا تو بیچاری چپ ہو کر پلٹ گئیں۔ طوبیٰ کو اس کا یہ انداز اچھا تو نہ لگا لیکن اس وقت وہ اسے نصیحت کرنے کی بجائے اس کی بات سننے کے حق میں تھی۔

''آپی! میں بہت پریشان ہوں۔'' ماں کے جاتے ہی وہ روہانسی سی ہو کر اپنے ہاتھوں کو مروڑنے لگی۔

''اچھا تم اِدھر آؤ یہاں بیٹھو۔'' اس نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

''اب بولو کیا بات ہے؟''

''آپی! وہ میں کیسے کہوں؟'' وہ رو پڑی۔

''دیکھو مجھے آپی کہہ رہی ہو تو آپی ہی سمجھو اور کہہ دو کیا بات ہے۔'' وہ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

عبداللہ کی تین بیٹیاں ہی تھیں بیٹا کوئی نہ تھا مگر وہ اپنی بیٹیوں کو بھی اپنا بیٹا ہی سمجھتا تھا انہیں تعلیم دلوا رہا تھا یہ حنا جو سب سے بڑی تھی اور بہت پیاری شکل کی مالک تھی بہت لائق تھی۔ اس نے ایف ایس سی میں بہت اچھے نمبر حاصل کیے تھے اس لئے میڈیکل میں اس کا داخلہ ہو گیا تھا۔ اب یہ میڈیکل کے دوسرے سال میں تھی۔ زیادہ تر پڑھائی میں مصروف رہتی تھی اس لئے کم ہی نظر آیا کرتی تھی۔ مگر دو روز بعد ایک آدھ چکر ضرور لگا لیتی تھی۔ ملنسار اور

محبت کرنے والی لڑکی تھی۔ عبداللہ بہت شوق سے اتنا روپیہ لگا کر اسے پڑھا رہا تھا۔ صبورہ خاتون بھی بہت مدد کرتی تھیں۔ تبھی یہ سارا گھرانہ صبورہ خاتون کے گھر کے ایک ایک فرد سے محبت کرتا تھا۔

"کہو ناں حنا کیا بات ہے؟" طوبیٰ جو اس کے متعلق سوچنے لگی تھی اس سے پوچھنے لگی۔ وہ اب باقاعدہ آنسو بہا رہی تھی۔

"حنا کیا ہوا؟ پلیز ایسا نہیں کرو۔ دیکھو رومت۔" وہ اس کے رونے پر پریشان ہوگئی تھی۔

"آپی یہ۔" اس نے روتے روتے اپنی چادر میں چھپایا ہوا ایک سفید لفافہ اس کے آگے کر دیا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ لفافہ دیکھ کر ڈر گئی کہ کہیں...... وہ سمجھی تھی کہ انیق یزدانی نے اسے بلیک میل کرنے کے لئے کہیں حنا کو تو راستہ نہیں بنایا۔

"کیا ہے اس میں۔" وہ لفافہ تھامنے سے کترا رہی تھی۔

"وہ سب جو جھوٹ ہے غلط ہے۔" اس نے روتے روتے لفافے میں سے فوٹو گرافس نکال کر اس کے سامنے کر دیئے۔

"اف میرے اللہ۔" طوبیٰ نے ایک نظر پڑتے ہی منہ پھیر لیا۔

"حنا یہ سب۔" وہ اندر تک لرز گئی تھی۔ ایسے ہی فوٹو گرافس اور وڈیو فلم تو تھے جنہوں نے اس کی زندگی کو برباد کر رکھا تھا اب یہ حنا بھی' اسے لگا یہ گھناؤنا جال کسی بہت بڑی سازش سے بُنا جا رہا ہے۔

"مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے اور کس طرح سے یہ تصویریں تم تم کہیں......؟" وہ اسے شک کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔

"آپی! خدا کی قسم میں بالکل بے گناہ ہوں۔ مجھے بلیک میل کرنے کے لئے کسی نے۔" وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"تم مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ آخر بات کیا ہے؟"

وہ اسے حوصلہ دینے لگی کہ شاید اس طرح سے کوئی کلیو اسے انیق یزدانی کے خلاف مل جائے۔

"آپی! صرف میں ہی نہیں مجھ جیسی اور نجانے کتنی لڑکیاں اس دلدل میں پھنس گئی ہیں۔" اس نے بتانا شروع کیا۔

"ہمارے کالج کے ہاسٹل میں کچھ خواتین آتی ہیں......؟ طوبیٰ چونکی ہو کر بیٹھ گئی۔

"آپ کو تو پتا ہے آج کل لڑکیاں فیشن پرستی میں مبتلا ہیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے چکر میں رہتی ہیں......

ہمارے ہاسٹل میں بھی ایک خاتون آئی تھیں جو کم پیسوں میں وہیں پر لڑکیوں کی ویکسنگ کر دیتی تھیں اور اب تو گرلز ہاسٹلوں میں یہ چیز ایک وبا کی طرح پھیل گئی ہے۔ ان Waxing کرنے والی خواتین میں سے اکثر اچھے کردار کی عورتیں نہیں ہوتیں۔" وہ اپنے آنسو صاف کرتی ہوئی بتا رہی تھی۔

"مگر حنا ان ویکسنگ والی عورتوں کا ان تصویروں سے کیا تعلق۔" طوبیٰ کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اس لئے وہ الجھ رہی تھی۔

"یہی تو سارا معاملہ ہے جو میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ دراصل آپی یہ عورتیں بہت چالاک اور بدفطرت ہوتی ہیں' ویکسنگ کرتے کرتے لڑکیوں کو ورغلانے اور بہکانے کا کام بھی کرنے لگتی ہیں۔

شروع شروع میں تو لڑکیاں شرماتی ہیں جھجکتی ہیں مگر پھر نہ صرف آمادہ ہو جاتی ہیں بلکہ شوق سے کروانے لگتی ہیں۔ مجھے بھی میری ایک دوست ردا نے ہی آہستہ آہستہ منا کر راضی کیا تھا اور پھر میں نے بھی۔" شرم اور ندامت سے اس کی گردن جھک گئی۔

طوبیٰ کو تو سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ کیا کہے اور کیا پوچھے اس کے تو ہاتھ پاؤں سن ہو رہے تھے یہ سوچ کر کہ بے راہ روی اور بے حیائی کیا اس قدر پھیل چکی ہے۔ حالانکہ یہ تو بہت ناپسندیدہ حرکت ہے اور بلاوجہ ایسا کرنے پر عورتوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ وہ کانپ ہی تو گئی۔

"کیا ردا ہاسٹل میں رہتی ہے؟" طوبیٰ نے بہت دیر بعد سوال کیا تھا۔

"جی وہ لاہور کی نہیں ہے۔" حنا نے درمیان میں بات روک کر اسے بتایا اور پھر دوبارہ چپ ہو گئی۔

"اچھا پھر؟" طوبیٰ نے سامنے دیوار پر لگے کلاک کو ایک نظر دیکھا۔ عمیر کے آنے کا وقت ہو رہا تھا وہ اس سے قبل حنا کی پوری بات سن لینا چاہتی تھی۔

"پہلے پہلے تو وہ ہاسٹل میں ہی ویکسنگ کرتی رہی پھر کہنے لگی کہ سوفٹ ویکس کا رزلٹ اتنا دیرپا نہیں جتنا ہاٹ ویکس کا ہے؟ ہاٹ ویکس ہم نے پہلی بار سنا تھا۔

وہ ہمیں اس کے فوائد بتانے لگی آخر اس نے ہمیں قائل کر ہی لیا۔ وہ کسی بہت بڑے

بیوٹی پارلر پر بھی ویکسنگ کا کام کرتی ہے۔''

''کس بیوٹی پارلر پر......؟'' طوبیٰ نے پوچھا۔

''جی وہ ملک کی مشہور بیوٹیشن سطوت طاہرہ ہیں ناں......؟''

''اسلام آباد والی سطوت۔'' وہ بے تابی سے پوچھنے لگی۔

''جی وہی کیا آپ انہیں جانتی ہیں؟'' حنا کی روئی ہوئی سرخ آنکھوں میں امید کی ایک کرن جاگی۔

''نہیں ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' فوراً ہی اس نے خود پر قابو پالیا۔

''جی ان کے بیوٹی پارلر کو تو انٹرنیشنل حیثیت حاصل ہے ملک کے بہت سے شہروں میں ان کی شاخیں کھلی ہوئی ہیں۔ یہاں بھی ہے۔ ہماری والی عورت اسی پارلر پر کام کرتی ہے۔ وہ ہمیں اس پارلر پر لے کر جانے لگی۔ وہ پارلر بہت خوب صورت اور بڑا ہے اور اس میں ویکسنگ کے لئے الگ روم بنے ہوئے ہیں۔ فیشل اور میک اپ کے لئے الگ الگ کمرے ہیں۔''

''اچھا تو یہ ان الگ کمروں ہی کی بدولت ہے۔''

طوبیٰ کو ساری بات سمجھ آ گئی تھی کہ یہ فوٹوگرافس کس طرح بنے ہوں گے۔

''اچھا اب وہ عورت تمہیں بلیک میل کر رہی ہے؟''

وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی تھی۔

''تو اب وہ کہتی کیا ہے؟'' طوبیٰ بہت پریشان اور خوفزدہ ہو چکی تھی۔

''فی الحال تو ہمیں یہ تصویریں ہی ملی ہیں۔'' حنا کے چہرے پر صدیوں کی زردیاں چھا رہی تھیں۔

''یہ کس نے پہنچائی ہیں؟'' طوبیٰ نے پوچھا۔

''ڈاک کے ذریعے ملی ہیں اور ساتھ میں یہ پیغام بھی۔'' اس نے ایک سفید کاغذ کھول کر اس کے سامنے کر دیا۔ جس پر صرف اتنا لکھا تھا کہ۔

''اگلے لفافے کا انتظار کرو خبردار! اگر کسی اور کو کچھ معلوم ہوا تو یہ تصویریں تمہارے کالج کی دیواروں پر نظر آئیں گی۔''

''آپی! اگر ابا کو معلوم ہو گیا تو......'' وہ خوف سے پیلی پڑ رہی تھی۔ ''میں تو مر جاؤں گی ایسی بدنامی، میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میرے ساتھ یہ ہوگا۔'' وہ پھر رونے لگی۔

''میں، میں تو خودکشی کرلوں گی۔'' اس کی ہچکی بندھ گئی۔

''حنا، حنا نہیں روؤ، دیکھو اللہ رحم کرے گا۔'' وہ اسے چپ کراتے کراتے خود بھی رو پڑی۔ اس کا اپنا دل اندر سے بہت دکھی ہو رہا تھا۔ اپنا درد اسے پہلے ہی بے چین کیے ہوئے تھا اور اب دونوں کے درد مشترک ہوئے تو سمندر بہہ نکلے۔ دونوں بہت دیر تک روتی رہیں۔

''مجھ سے غلطی ہوئی سارا قصور میرا ہے مجھے اس کی سزا مل رہی ہے۔'' وہ اس لمحے کو کوس رہی تھی جب اس نے ردا کی باتوں میں آ کر یہ کام شروع کیا تھا۔

''مجھے بھلا ضرورت کیا تھی ویکسنگ کروانے کی۔'' وہ اپنے آپ کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔

''ارے رے بھئی یہ کیا مشترکہ پروگرام چل رہا ہے وہ بھی رونے دھونے کا۔'' عمیر جو ابھی بھی کورٹ سے آیا تھا اور دروازے میں ہی رک کر ان کے رونے کا منظر دیکھ رہا تھا چھیڑتا ہوا بولا۔

''کچھ نہیں کچھ بھی تو نہیں۔'' طوبیٰ نے جلدی سے اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

''السلام وعلیکم عمیر بھائی۔'' حنا نے جلدی اور گھبراہٹ میں اسے سلام جھاڑا اور باہر نکل گئی۔

''کیا ہوا طوبیٰ'' وہ اپنا بیگ صوفے پر پھینک کر اس کے قریب آ گیا اسے روتا دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''مجھے بتاؤ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' وہ اس کی پیشانی کو چھوتا ہوا بولا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں آپ فریش ہو لیں پھر کھانا کھاتے ہیں۔'' وہ مسکرا کے بات کو چھپا رہی تھی۔

''نہیں پہلے تم ادھر بیٹھو'' اس نے اس کا ہاتھ تھام کے اسے روک لیا اور اپنے قریب بٹھاتا ہوا پوچھنے لگا۔

''بتاؤ حنا کیوں آئی تھی اور کس بات پر تم دونوں روئی ہو؟'' وہ خالص وکیلوں والے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''کچھ نہیں عمیر بس ایسے معمولی سی بات تھی۔'' اس نے اسے ٹالنا چاہا۔

''معمولی سی بات پر میری طوبیٰ کی آنکھیں اتنا روئیں کہ سرخ ہو گئیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا اب شک کر رہا تھا۔

''طوبیٰ! دیکھو مجھے بہانوں اور جھوٹ سے سخت نفرت ہے جو بھی کوئی بات ہے تم مجھے ٹھیک ٹھیک بتا دو۔'' وہ ایک دم ہی سنجیدہ ہو گیا۔

"وہ اس کے کالج میں کوئی واقعہ ہو گیا تھا۔ وہ مجھے بتا رہی تھی۔" وہ اسے سنجیدہ ہوتا دیکھ کر ڈر گئی تھی۔

"طوبیٰ۔" وہ قدرے بلند آواز میں بولا۔

"میں کوئی بیوقوف شخص نہیں ہوں۔ تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔" اب اسے غصہ بھی آ رہا تھا۔ اس نے مناسب سمجھا کہ عمیر کو اس وقت ٹھنڈا کر دے اور بعد میں ساری بات بتا دے۔

"عمیر! میں بھلا آپ سے کوئی بات کیوں چھپاؤں گی۔ سب بتا دوں گی پہلے آپ کھانا تو کھا لیں۔" وہ اس کے گالوں کو چھو کر بہت پیار سے بولی۔ عمیر کو جب غصہ آتا تو وہ غصے سے بوکھلا جاتا تھا اور اصل بات جانے بغیر ٹھنڈا بھی نہ ہوتا تھا لیکن جیسے ہی طوبیٰ اسے پیار سے چھوتی وہ غصہ بھول جایا کرتا تھا اور اس بات پر وہ اکثر کہا کرتا۔

"طوبیٰ تمہارے لمس میں عجیب سی ٹھنڈک ہے میرے اندر کی ساری آگ یخ کر دیتی ہے۔"

"پہلے وعدہ کرو کہ سب کچھ سچ سچ بتاؤ گی؟"

اس نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے گالوں سے رگڑتے ہوئے وعدہ لیا۔

"وعدہ پکا وعدہ۔" طوبیٰ نے محبت سے اس کے سارے بال بکھیر دیئے۔

"چلیں آپ جلدی سے فریش ہو کر آئیں میں کھانا لگواتی ہوں۔"

"سنو! میں بالکل فریش ہو گیا ہوں۔" اس نے شرارت سے اس کی طرف گہری نظروں سے دیکھا تو وہ شرما کر مسکرا دی۔

"بہت سخت بھوک لگ رہی ہے عمیر پلیز جلدی کریں۔" وہ اس سے درخواست کر کے کھانا لگوانے کچن میں آ گئی یہ سوچتی ہوئی کہ عمیر کی تو محبت میں بھی بہت شدت ہے اور غصے میں انتہائی تپش۔ میں بیچ میں لٹک رہی ہوں۔ خدایا! مجھے ہمت دے کہ میں آزمائش کا یہ دریا پار کر لوں۔

☆======☆======☆

کھانا کھانے کے بعد وہ چائے کی ٹرے لے کر اپنے کمرے میں آ گئی عمیر ظہر کی نماز سے فارغ ہو چکا تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرا دیا اور کچھ پڑھ کر اس پر پھونک ماری۔ سر پر سفید ٹوپی رکھے اور لون کی سفید شلوار قمیص میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"بھئی مجھے کیوں گھور گھور کر دیکھ رہی ہو۔ کیا نظر لگانی ہے؟"

وہ اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتا ہوا بولا۔

"میری نظر آپ کو نہیں لگ سکتی۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"اچھا وہ بھلا کیوں؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔

"اس لئے کہ میں تو آپ کو بہت محبت سے دیکھتی ہوں اتنی محبت سے کہ......" بات کرتے کرتے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"محبت تو ٹھیک ہے مگر یہ بات بے بات برسات ٹھیک نہیں۔" اس نے کپ ایک طرف رکھ کر اس کی بھیگی آنکھوں کو اپنی ہتھیلیوں سے صاف کر دیا۔

"عمیر! میں آپ کے بغیر مر جاؤں گی۔" وہ اس کے سینے سے لگ کر سسک پڑی۔

"پاگل ہوئی ہو میرے بغیر میں کہاں جا رہا ہوں۔ تمہارے بغیر۔" وہ اسے چپ کرانے لگا۔

"مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"کس بات سے ڈر لگتا ہے؟" وہ اس کی پیاری سی ناک کو مروڑتا ہوا ہنس پڑا۔

"آپ سے بچھڑ جانے کا خوف مجھے مار دے گا۔"

"لیکن میں تم سے بچھڑوں گا کیوں؟" وہ اسے حیران نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ آخر وہ بار بار ایک ہی بات کیوں کر رہی ہے۔

"بس اب دوبارہ یہ بات مت کرنا۔" اس نے پیار سے اسے ڈانٹ دیا۔

"اچھا تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ کھانا کھانے کے بعد بتاؤ گی۔ اب بتاؤ کیا بات تھی حنا کیوں آئی تھی؟"

وہ بات کو بھولا نہ تھا چائے ختم کر کے کپ ٹرے میں واپس رکھتا دوبارہ پوچھنے لگا۔

"حنا......وہ......وہ......" اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کس طرح بتائے۔

"عمیر وہ بہت برے طریقے سے ٹریپ ہو گئی ہے۔" ہمت کر کے اس نے بات شروع کر ہی ڈالی۔

"ٹریپ ہو گئی ہے کیا مطلب......؟" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا...... پھر آہستہ آہستہ طوبیٰ نے اسے ساری بات بتا دی۔ جس پر عمیر کو اس قدر طیش آ گیا کہ وہ بے قابو ہونے لگا۔

"میں شوٹ کر دوں گا اس عورت کو ان سب لوگوں کو جیل نہ بھجواؤں تو دیکھ لینا۔ بلاؤ حنا کو وہ مجھے بتائے وہ کون سی عورت ہے اور کون سا بیوٹی پارلر ہے۔" وہ غصے میں کانپ رہا تھا۔

"عمیر، عمیر پلیز۔" وہ اسے بازو سے تھام کر سمجھانے لگی۔

''کول ڈاون (Cool Down)۔''

''کول ڈاؤن کی کیا بات ہے۔ یہ کوئی چھوٹی بات ہے۔'' وہ پاگل ہوا جا رہا تھا۔

''یہ بات جذباتی ہونے کی بھی نہیں بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچنے کی ہے۔'' وہ اسے سمجھانے لگی۔

''غیرت مندی پر حرف آ جائے تو معاملہ جذبات کا نہیں رہتا۔ فیصلے سے ہوتا ہے۔ آر یا پار'' اس وقت وہ ایک بالکل روایتی پٹھان لگ رہا تھا' غصے سے اس کا رنگ لہو ہو رہا تھا۔

''حنا کا بھی قصور ہے۔'' عمیر کو حنا پر بھی بہت غصہ آ رہا تھا۔

''بند کرو اس کا کالج جانا۔'' وہ اسے اپنی بہن ہی سمجھتا تھا۔ اس لئے حق جما رہا تھا۔

''عمیر اس میں اس کا کیا قصور وہ تو......''

''قصور کیوں نہیں کیا وہ بالکل معصوم ہے۔ تم اس کی بے جا حمایت مت کرنا۔'' اس نے اس کی ادھوری بات کو مکمل کرتے ہوئے ساتھ ہی اسے بھی ڈانٹ دیا۔ وہ تو سہم ہی گئی۔

''عمیر! آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں۔ اس کی جگہ کوئی بھی لڑکی ہو سکتی تھی۔ میں بھی تو ہو سکتی تھی۔'' وہ تو اسے سمجھانے کو کہہ رہی تھی مگر اسے کیا خبر تھی کہ یہ بات اسے بہت مہنگی پڑے گی۔

''تم کیوں ہو سکتی تھیں اس کی جگہ اور اگر تم ہوتیں۔'' اس نے اسے کندھوں سے پکڑ کر غصے میں جھنجھوڑ ڈالا۔

''تو میں تمہیں سب سے پہلے شوٹ کرتا اور پھر باقی سب کو دیکھتا۔'' اس کی آنکھوں میں خون چھلک رہا تھا...... طوبیٰ تو ایک جھٹکا کھا کر بیڈ پر گری اور تھر تھر کانپنے لگی وہ غصے میں منہ سے جھاگ اُڑاتا باہر نکل گیا اور زور سے دروازہ بند کر گیا۔

''عمیر' عمیر۔'' وہ اس کے پیچھے دوڑی کہ کہیں وہ غصے میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا لے۔

''تم واپس جاؤ کمرے میں اور چپ کر کے بیٹھو؟''

اس نے پلٹ کر اسے بازو سے پکڑا اور واپس کمرے میں دھکیل کر چلا گیا یہ بہت زیادہ نثار ہونے والے اور بے حد چاہنے والے عمیر کے غصے کا ایک روپ تھا۔ ''اور ابھی تو اسے صرف حنا کے بارے میں معلوم ہوا تھا اگر وہ میرے بارے میں جان گیا تو......''

خوف کی ایک لہر اس کے پورے بدن کو سنسنا گئی۔

''میرے بارے میں وہ سب کچھ جو بہت زیادہ ہے۔''

وہ اپنے گھومتے سر کو تھام کر زمین پر بیٹھ گئی۔ اسے لگا جیسے اس کے سارے بدن سے

جان نکل رہی ہو۔

''امی جان آپ نے اچھا نہیں کیا عمیر کو ساری بات نہ بتا کر۔'' وہ اپنی ماں سے شکوہ کرنے لگی۔

اگلے روز یہ ہوا کہ عمیر حنا کو لے کر خود کالج گیا۔ وہاں ہاسٹل کی وارڈن سے ملا پرنسپل سے ملاقات کی اور جانے ان سے کیا کہا کہ فوری طور پر گرلز ہاسٹل میں باہر سے آنے والی غیر متعلقہ خواتین اِدھر اُدھر کی سہیلیوں پر سخت پابندی لگوا دی۔ ہاسٹل کی سخت نگرانی کے احکامات جاری کروائے پرنسپل اور وارڈن خود بہت پریشان ہو گئے تھے یہ بات پورے کالج کے لئے سخت فکر مندی اور بدنامی والی تھی۔ پرنسپل صاحب تو بہت ہی اصول پسند اور سخت طبیعت کے مالک تھے انہوں نے عمیر سے نہ صرف تعاون کا وعدہ بھی کر لیا بلکہ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر کالج کے گیٹ اور گرلز ہاسٹل کے گیٹ پر بھی گارڈ بٹھانے کا حکم دے دیا۔

''عمیر صاحب یہ صرف حنا یا ردا کا معاملہ نہیں کالج کی ہر بچی کی عزت کا معاملہ ہے۔'' وہ بہت متفکر نظر آ رہے تھے۔

''حیرت ہے میڈم آپ کو علم نہیں کہ آپ کے ہاسٹل میں کیا کچھ ہو رہا ہے؟'' انہوں نے وارڈن کو سختی سے ڈانٹا۔

''سر! لڑکیاں مانتی کب ہیں۔ کہتی ہیں فیشن کرنا ہمارا حق ہے۔'' اس نے اپنا دفاع کرنے کے لئے لڑکیوں کی ہٹ دھرمی کا ذکر سہارے کے طور پر لیا۔

''فیشن فیشن' آخر یہ فیشن ہے کیا چیز عریانی اور بے حیائی کا دوسرا نام۔'' وہ غصے میں بولے۔

''سر! اس میں میرا کیا قصور۔'' وارڈن ڈرتے ڈرتے بولی۔

''آپ کا قصور ہے آپ پر ذمہ داری ہے پورے ہاسٹل کی اور ایک ایک بچی کے بارے میں پوری خبر رکھنا ہاسٹل میں کون آ رہا ہے اور کیا ہو رہا ہے؟ یہ سب کس کی ذمہ داری ہے؟'' انہیں وارڈن پر سخت طیش تھا اس لئے وہ بغیر کسی لحاظ کے اسے ڈانٹ رہے تھے۔

''اور تم لوگوں کو بھی شرم آنی چاہیے ایسے کام کرتے ہوئے۔ تعلیم گاہوں کو بھی تم لوگوں نے فیشن ہاؤس بنا رکھا ہے۔'' انہوں نے سر جھکا کر بیٹھی ردا اور حنا کو بھی بری طرح ڈانٹ دیا کہ وہ مارے شرم کے زمین میں گڑ گئیں۔

''بہر حال عمیر صاحب کوشش کیجئے گا کہ یہ معاملہ پریس اور پولیس سے دور ہی رہے اللہ جانے اور کتنے گھروں کی عزتیں نیلام ہوں گی۔'' انہوں نے ایک کڑی نظر حنا اور ردا پر

ڈالتے ہوئے کہا ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کالج کی ان تمام لڑکیوں کو سخت سزا دے ڈالتے جو فیشن کے نام پر حیا کی حد بھی پھلانگ جاتی تھیں۔ معاشرے میں دن بدن جس تیزی سے لڑکیاں فیشن پرستی میں آگے نکل رہی تھیں اتنی تیزی سے ہی حیا سوزی کے واقعات زیادہ جنم لے رہے تھے۔ آج کل کی نوجوان نسل اس قدر ترقی پسند ہوتی جا رہی تھی کہ وہ اپنے مذہب اور تہذیب کی سب حدود پھلانگتی جا رہی تھی۔ میک اپ کا یہ عالم تھا کہ پورے کالج میں کوئی ایک آدھ چہرہ بھی ایسا نہ ملتا تھا جس پر یہ موجود نہ ہو۔ فیشن کے نام پر مغربی طرز کے مہین اور چست لباس پہننا دوپٹے اور چادروں سے بے نیاز اپنے جسم کے نشیب و فراز کو اور نمایاں کرنا تو بہت عام سی بات تھی۔ چار لڑکیاں جدھر سے گزر جایا کرتیں لگتا تھا رنگ و بو کا سیلاب گزرا ہو۔ ایسے میں جب حیا مر رہی ہو اور بے حیائی اپنے شباب کو پہنچ جائے تو کرپشن نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا؟

پرنسپل صاحب نے کسی کی بھی پروا کیے بغیر اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا۔

''سر! اب آپ نے ارادہ کر لیا ہے کہ یہ سب ختم کریں گے تو ایسا ہو کر رہے گا۔'' وارڈن نے ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کو مسکا لگایا۔

''میرا ارادہ تب تک بیکار ہوگا جب تک آپ اور آپ جیسی ہستیاں تعاون نہ کریں گی۔'' انہوں نے بڑے طنز سے وارڈن صاحبہ کے ساتھ ساتھ حنا اور ردا کو بھی گھور کر دیکھا۔

''بہر حال اب آپ جا سکتی ہیں۔'' انہوں نے عمیر کے اشارے پر ان تینوں کو کمرے سے جانے کو کہا۔

''سر! اب فی الحال ہم نے بہت احتیاط سے کام لینا ہے۔ کسی کو بھی شبہ نہ ہو کہ کالج یا یہاں ہاسٹل میں کچھ خاص نگرانی ہو رہی ہے۔'' ان کے جانے کے بعد عمیر انہیں تفصیل سے بتانے لگا۔

''مطلب وہ خواتین آتی رہیں گی؟'' انہوں نے لفظ خواتین کو چبا چبا کر کہا۔

''فی الحال سر نگران کے ساتھ کوئی لڑکی باہر نہیں جائے گی۔'' عمیر نے کہا۔

''لیکن اس سے کیا ہوگا؟'' وہ خاصے الجھے ہوئے تھے دراصل یہ معاملہ سن کر وہ تو بیچارے چکرا رہے تھے۔

''ہمیں کیا حکمت عملی اختیار کرنی ہوگی۔ یہ میں آپ کو تفصیل کے ساتھ کل بتاؤں گا۔ دراصل میرا ایک بہت اچھا دوست بہت منجھا ہوا وکیل ہے وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے آج رات تک آجائے گا میں اس سے مشورہ کر کے بلکہ اس کے ساتھ کل آپ کی خدمت میں حاضر

ہوں گا۔'' وہ اجازت لینے کے لئے اٹھتا ہوا بولا۔

''میں آپ کا بے حد مشکور رہوں گا عمیر صاحب!'' پرنسپل صاحب بہت زیادہ شکر گزار ہو رہے تھے۔

''یہ تو میرا فرض تھا سر بس اب ہم مجرم کو سزا تک لے جائیں یہی ہماری کامیابی ہوگی۔'' وہ ذرا سا مسکراتا ہوا بولا۔ اس سارے وقت میں اس کے چہرے پر کچھ سنجیدگی اور کرختگی ہی رہی تھی۔ اب جا کر وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔

''ضرور اللہ ہمارا ساتھ دے گا۔'' انہوں نے بڑی گرمجوشی سے عمیر کے ساتھ ہاتھ ملایا۔

وہ باہر آیا تو کوریڈور میں ہی حنا اور ردا کھڑی تھیں خوف اور شرمندگی سے زرد ہوتی زمین میں گڑی ہوئیں۔

''بھائی صاحب! میرے ابو اور بھائی تو بہت سخت اور ظالم ہیں مجھے زندہ گاڑ دیں گے۔'' ردا خوف سے کانپ رہی تھی۔

''اپنی عزت کی حفاظت کے لئے جو سختیاں کی جاتی ہیں تم انہیں ظلم کہتی ہو تبھی تو آج.....'' عمیر نے بڑے کرخت انداز میں بات ادھوری چھوڑ کر ردا کی طرف دیکھا وہ بیچاری اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھی۔

''ذرا احتیاط سے رہیے گا اور اس عورت کو بالکل شبہ نہ ہو کہ کسی اور کو بھی کچھ معلوم ہے۔'' اس نے رک کر اسے نصیحت کی اور پھر تیز قدموں سے چل دیا۔ حنا بھی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔

''سنو!'' گیٹ سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے حنا کو مخاطب کیا۔

''جی بھائی جان۔'' وہ سہم کر رک گئی۔

''تم رکشہ سے گھر چلو۔'' اس نے اپنے پرس سے رکشہ کا کرایہ نکال کر اسے دیا۔ ''میں گاڑی پر تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔''

''تم میرے ساتھ جاؤ گی کسی نے دیکھ لیا تو شک کرے گا۔'' وہ بہت سمجھدار اور کامیاب وکیل اتنی چھوٹی عمر میں اسی لئے بن گیا تھا کہ اس کا دماغ بہت تیز چلتا تھا۔

وہ چپ چاپ باہر نکلی اور گیٹ کے باہر کھڑے بہت سے رکشاؤں میں سے ایک رکشہ میں بیٹھ گئی عمیر بھی کچھ ہی دیر بعد باہر نکلا اور اپنی گاڑی کو ذرا احتیاط اور فاصلے سے رکشہ کے پیچھے چلانے لگا۔

☆======☆======☆

وہ گھر واپس آئے تو گھر میں بہت رونق لگی ہوئی تھی۔

''ارے یہ لوگ آ گئے۔'' عمیر تیز قدموں سے لیونگ روم میں داخل ہوا۔

''ہیلو برادر۔'' اسے دیکھتے ہی سعد خان نے اپنے بازو پھیلا دیئے۔

''بھائی جان......'' وہ ان کے گلے لگ گیا۔

''السلام علیکم بھابی جان......'' بھائی سے مل کر وہ بھابی کی طرف متوجہ ہوا رامین کی صحت ان دس بارہ روز میں بہت اچھی ہو گئی تھی اور وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ پیاری ہو گئی تھیں۔

''کیسے ہو عمیر۔'' انہوں نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔

''جی بالکل ٹھیک اور آپ تو لگتا ہے ماشاء اللہ بہت خوش رہیں وہاں۔'' وہ ان کی اچھی صحت کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

''ہاں بھئی خوش نہ ہوتیں ہم جو ساتھ تھے۔ کھلی فضائیں بے فکری اور تنہائیاں......'' سعد خان نے رامین کی طرف شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ شرما گئیں۔

''سعد آپ بھی بس۔''

''بھئی بس کیا۔ بولو بولو کیا۔'' وہ تنگ کر رہے تھے۔

''اچھا تم سناؤ کہ کیسے رہے۔ خیریت تو ہے۔ طوبیٰ بھی مجھے زرد زرد لگ رہی ہے اور تمہارا منہ الگ سوجا ہوا ہے۔ کیا' کیا بات ہے کہیں کوئی جھگڑا وغیرہ تو نہیں ہو گیا۔'' سعد خان نے آتے ہی نوٹ کر لیا تھا کہ طوبیٰ بہت ٹینشن میں ہے۔

''نہیں بھائی جان! بس کچھ مصروفیت ایسی ہے۔ آج کل ایک بڑا پیچیدہ کیس لے بیٹھا ہوں۔'' اس نے طوبیٰ کو کڑی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا کہ وہ کچھ بتا نہ دے۔

''کیس تو پیچیدہ ہی ہو تو مزہ آتا ہے۔'' وہ ہنسنے لگے اتنے میں کھانا لگ چکا تھا وہ لوگ کھانے کی میز پر آ گئے اور پھر کھانے کے دوران ہلکی پھلکی باتیں ہونے لگیں۔

''بھائی جان! امی جان کب آ رہی ہیں؟'' عمیر صبورہ خاتون کے بارے میں پوچھنے لگا۔

''کل صبح دس بجے کی فلائیٹ سے پہنچیں گی۔'' سعد خان نے بتایا۔

''ان کی صحت تو ٹھیک رہی وہاں؟'' اسے اپنی ماں سے بہت پیار تھا اس لئے ہر وقت ان کی صحت کی طرف سے فکر مند رہتا تھا۔

''گاؤں میں تو تمہیں پتا ہے وہ کس قدر ہشاش بشاش رہتی ہیں۔'' وہ بتا رہے تھے اور

ساتھ کھانے کی بھی بہت تعریف کر رہے تھے۔

''بھئی طوبیٰ تو بہت مزے کا کھانا بنانے لگی ہے۔''

''جی شکریہ بھائی جان۔'' وہ مسکرا دی حالانکہ کل سے وہ بے حد پریشان تھی اور اس کا اِں لمحہ سخت اذیت میں گزر رہا تھا۔ کل سے عمیر نے اس کے ساتھ بالکل بھی بات نہ کی جس پر وہ یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہوئی جا رہی تھی کہ ''حنا کے معاملے میں بولنے پر عمیر کا ل ہے اور جب وہ میرے بارے میں جان لے گا تو پھر کیا کرے گا؟''

''یار! وہاں گاؤں میں سب لوگ تمہارا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔'' سعد نے اسے بتایا۔

''جاؤ اب تم بھی کچھ روز کے لئے گاؤں چلے جاؤ وہاں سے آگے آزاد کشمیر کی طرف جانا۔'' وہ مشورہ دینے لگے۔

''جی بھائی جان! ذرا میں اس کیس سے فارغ ہو لوں پھر جائیں گے۔'' اس نے ری سے کہا تو سعد خان کو غصہ آ گیا۔

''کیس' کیس' یار ایسا کیا کیس ہے تمہارے پاس۔''

''میں آپ کو شام کو تفصیلات بتاؤں گا اس کی اور بہت سے امور پر آپ سے مشورہ بھی گا۔'' بھائی کو ذرا غصے میں آتے دیکھ کر وہ فوراً نرم لہجے میں بولا اور مسکرا دیا۔

''اور سنائیں بھابی کوئٹہ کا موسم کیسا تھا؟'' وہ چائے کا کپ لے کر وہیں زمین پر رکھے شن پر بیٹھ گیا۔

''کوئٹہ میں اب تو گرمی پڑ رہی ہے۔ البتہ شام ذرا بہتر ہو جاتی ہے۔'' وہ ہنستی ہوئی کے ساتھ جا کر بیٹھ گئیں۔

''ہاں عمیر امی جان ایک فیصلہ کر آئی ہیں وہاں۔'' سعد خان کچھ بتانے لگا۔

''کیا' کیا فیصلہ۔'' وہ کچھ چونکا تھا۔

''ارم کی بات پکی کر دی ہے انہوں نے۔''

''کہاں؟'' اب وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''طفیل چچا کے منجھلے بیٹے سے......''

''قاسم خان سے......'' وہ تفصیل پوچھنے لگا۔

قاسم خان اس کے چچا (ان کے والد کے فرسٹ کزن) کا بڑا فرمانبردار اور نیک لڑکا تھا۔ انگلینڈ سے کارڈیالوجی میں اسپشلائزیشن کر کے ابھی لوٹا تھا اور کوئٹہ میں اپنا

ذاتی ہسپتال بنا رہا تھا۔

''چلیں اچھا ہوا۔ ویسے بھی امی جان بہتر سمجھتی ہیں۔'' وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ کبھی بھی اپنی ماں کے فیصلوں میں دخل اندازی نہ کرتے تھے اور ان کی ہر بات کو بہتر جان کر قبول کر لیا کرتے تھے۔

''ارم مطمئن ہے؟'' وہ بہن کا اطمینان چاہتا تھا۔

''پہلے وہ بھلا کب منحرف ہوئی ہے امی جان کے فیصلوں سے۔'' سعد خان نے بڑے فخر سے اپنی بہن کی خوبی کا ذکر کیا۔

''ویسے وہ خوش بھی ہے۔'' رامین نے مسکراتے ہوئے بتایا کیونکہ وہ ارم سے اس کی مرضی پوچھ چکی تھیں جس پر اس نے جب رضا مندی دی تھی تو اس کی آنکھیں ستارہ ہو رہی تھیں اور گالوں پر دھنک اتر آئی تھی...... ارم کے لئے قاسم خان نے خود رامین کے ذریعے انگلینڈ جانے سے پہلے پیغام دیا تھا وہ ارم کو بچپن سے پسند کرتا تھا اور شاید اسی وجہ سے ار کے دل میں بھی اس کے لئے کچھ تھا ضرور۔ بڑوں کی خوشی اور رضا مندی سے اب یہ با طے ہو گئی تھی۔

''وہ لوگ شادی کے لئے بھی جلدی کریں گے۔'' رامین کہنے لگیں۔

''اچھا ہے بیٹیاں اپنے گھروں سے جتنی جلدی رخصت ہو جائیں۔'' وہ پھر سنجیدہ گیا۔

''اچھا بھائی جان مجھے ذرا ایک دو ضروری ٹیلی فون کرنے ہیں پھر شام کو ملاقات گی۔''

کچھ ہی دیر کے بعد وہ اپنے کمرے میں جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں یار ہم لوگ بھی ذرا آرام کریں گے...... بہت تھک گئے ہیں سفر کر کر کے۔'' سعد خان بھی سونا چاہ رہے تھے اس لئے اٹھ کھڑے ہوئے طوبیٰ کا جی تو چاہ رہا تھا کہ راحم کو روک لے اور ساری بات ابھی بتا دے لیکن وہ انہیں آتے ہی پریشان نہ کرنا چاہتی تھی۔

''ادھر تو آؤ بنو۔'' رامین نے طوبیٰ کی طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بلایا۔

''جی آپا۔'' وہ نظریں نیچی کیے آ گئی۔

''اچھا تو یہ خبریں ہیں۔ یعنی میرے پیچھے سے۔'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر شرارت اس کا سرتاپا جائزہ لینے لگیں۔

''جی ... جی۔'' وہ ہکلانے لگی۔

''وہ وہ کیا سیدھی طرح بات کرو۔'' انہوں نے اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر اپنی آنکھیں اس کھوں میں ڈال دیں فوراً ہی اس کی پلکیں دوبارہ جھک گئیں اور رخسار تپنے لگے۔ رامین اس لمحے دنیا کی خوب صورت اور خوش قسمت ترین عورت دکھائی دی۔ عورت جب ماں نی ہے تو پہلے روز سے کیسا نور کا ہالہ کھینچ جاتا ہے اس کے گرد وہ سوچنے لگیں۔

''مبارک ہو۔'' بہت پیار سے انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''اب تم بالکل کوئی کام نہیں کیا کرو گی۔ میں سارے کام خود کر لوں گی۔'' وہ اتنے پیار ہہ رہی تھیں کہ طوبیٰ کا دل پسیجنے لگا مگر اس نے اپنی آنکھیں نم نہ ہونے دیں اب وہ خود پر قابو پانا سیکھ رہی تھی۔

''جاؤ اب جا کر آرام کرو۔ شام کو کریں گے بہت ڈھیر ساری باتیں۔'' رامین نے کہا۔

''آپا! میں تو اتنی محبتوں کا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتی۔'' اس نے رامین کا ہاتھ تھام کر اپنے دل سے لگا لیا۔

''تو کہا کس نے ہے کہ شکریہ ادا کرو۔'' وہ مسکرا دیں۔

''محبتیں کوئی ادھار مانگے کی چیز ہیں کہ جب لوٹاؤ تو شکریہ ادا کر دو۔'' انہوں نے ی پیاری بات کہہ دی۔

''چلو جا کر آرام کرو۔'' رامین نے اسے اس کے کمرے کی طرف دھکیلا۔ دراصل یہ خوشخبری عبداللہ چچا کی گھر والی نے آتے ہی سنا دی تھی وہ جانے کب سے بے قرار یہ خبر سب کو سنانے کے لئے۔ رامین کو اب موقع ملا تھا کہ وہ طوبیٰ کو مبارکباد دے۔ وہ جاتا دیکھ کر مسکراتی ہوئی سوچ رہی تھیں کہ یہ محبت بھی عورت کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے اور کی یہ رحمت جو اسے جنت کے قدموں تلے آ جانے کی بشارت دے دیتی ہے کس قدر بلند تبے کی بات ہے وہ اس کی چال میں آ جانے والے خمار کو اور قدموں کے زمین پر پڑنے لے بدلتے انداز کو دیکھتی مسکرا دیں۔

☆======☆======☆

حشام کو جب عمیر نے ساری بات بتائی تو وہ تو سُن ہو کر رہ گیا کچھ دیر دونوں کے ن خاموشی رہی اور پھر حشام کہنے لگا۔

''یہ تو بہت فکر مندی اور نوٹس لینے کی بات ہے۔''

''ہاں تبھی تو میں تم سے بات کر رہا ہوں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔'' عمیر کی تو پچھلے دو روز نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔

''یار! یہ کام صرف ان عورتوں کا نہیں لگتا۔ بلکہ یہ عورتیں تو محض ایک چھوٹی اور تنگ گلی کا کردار ادا کرتی ہیں جو بھولی بھالی معصوم لڑکیوں کو ایک ایسے بند قلعے میں دھکیل دیتی ہیں جہاں سے پھر وہ پلٹ سکتی نہ نکل سکتی ہیں۔ جس کے اندر سوائے اندھیروں کے اور کچھ نہیں ہے۔ جہاں جا کر ہر چہرہ سیاہ اور بھیانک ہو جاتا ہے۔''

حشام اپنے معاشرے میں پلنے والے ان ناسوروں سے اچھی طرح واقف تھا جو اس کے اندر کہیں نہ کہیں موجود تھے اور اندر ہی اندر گل سڑ رہے تھے۔

''عمیر تمہیں یاد ہے پچھلے سال میرے پاس ایک ایسی ہی نوعیت کا کیس آیا تھا۔'' حشام اسے یاد کرانے لگا۔

''کون سا......؟'' عمیر کو کچھ اچھی طرح یاد نہ تھا۔

''وہی بیوٹی پارلر والا۔'' اس نے یاد کرایا۔

''ہاں ہاں مگر افسوس کہ ہمارے ہاں ہر جگہ کا غلط استعمال شروع ہو جاتا ہے۔ اب دیکھو ناں، بیوٹی پارلر ویسے تو خواتین کی ضرورت کی جگہ ہیں اور وہ اپنی اسکن وغیرہ اور میک اپ گائیڈنس کے لئے وہاں جاتی ہیں۔ مگر ان جگہوں پر بھی اب غلط کام ہونے لگے ہیں۔''

عمیر کو ساری بات اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی۔

پچھلے برس ان کے پاس ایک بہت خوب صورت لڑکی ایسی ہی شکایت لے کر آئی تھی کہ جس بیوٹی پارلر پر وہ جاتی ہے اس نے وہاں خاصی مشکوک حرکتیں دیکھتی ہیں۔ اس بیوٹی پارلر کی مالکہ ایک طلاق یافتہ عورت تھی اور پچھلے کچھ عرصے سے اس نے عجیب حرکتیں شروع کر دی تھیں۔ اس نے شہر کے امراء اور سیاست دانوں سے روابط بڑھا لئے تھے اور اس لئے اس نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ بہت گندا اور گھناؤنا تھا۔ اب اس کے پارلر پر بڑی شہرت کی خواتین اکثر دیکھتی جاتیں جنہیں بڑی بڑی گاڑیاں رات کے اندھیرے میں پک اینڈ ڈراپ کیا کرتی تھیں۔

''یار! اس سلسلے میں بھی تو عمران نے ہماری مدد کی تھی۔''

حشام نے اسے اپنے دوست ایس پی عمران ہاشمی کا یاد دلایا۔

''ارے ہاں عمران' اب تو مسئلہ کافی آسان ہو جائے گا۔'' وہ بھی کچھ مطمئن ہوا......

''اچھا پھر اٹھو۔''

''صبر یار صبر...... چائے آ رہی ہے وہ تو پی لیں......'' حشام نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بٹھا لیا۔

''رامین بھابی! کوئٹہ سے واپس آ گئیں......؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''ہاں آج دوپہر کو ہی آئے ہیں وہ لوگ......'' وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔

''ارم کی بات طے ہو گئی ہے۔'' اس نے ایک اور اطلاع دی۔

''ارم کی بات...... سچ...... کہاں......؟'' وہ ایک دم بہت خوش ہو گیا۔

''قاسم خان کے ساتھ۔'' عمیر نے بتایا۔ حشام ان کے سب رشتے داروں کو جانتا تھا قاسم خان سے تو وہ کئی بار مل چکا تھا۔

''یہ تو بہت اچھا ہوا تمہیں مبارک ہو بہت بہت......'' وہ بہت خوش تھا۔

''اور تم سناؤ تمہاری مہم کہاں تک پہنچی؟'' عمیر اس سے پوچھنے لگا۔

''بس یار! دعا کرو۔'' وہ کچھ اداس سا ہو گیا۔

''تمہیں تو پتا ہے میری امی جان کس قدر ضدی ہیں۔ جس بات پر اڑ جائیں پھر اڑ جاتی ہیں۔'' وہ دکھی دل سے کہہ رہا تھا۔

''تو آنٹی کو منانے میں تم ناکام ہو گئے۔ ٹھیک ہے میں آج ہی رمشاء کو فون کر کے بتا دوں گا کہ تمہارا انتظار نہ کرے۔'' وہ کچھ دیر پہلے کی ٹینشن بھول کر کچھ فریش ہو گیا تھا۔

''بکواس نہیں کرنا ورنہ میرے ہاتھوں مارے جاؤ گے۔'' وہ اس کے گلے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''توبہ ہے بھائی جب آؤ لڑائی جھگڑا بحث مباحثہ اور اب تو لگتا ہے کہ خون خرابہ بھی ہوا کرے گا۔'' مائرہ جو چائے لے کر آئی تھی ان دونوں کو اس طرح دیکھ کر منہ بنا کر بولی۔

''لگتا ہے آپ دونوں وکیل نہیں۔''

''تو' تو پھر کیا ہیں؟'' حشام اسے کھانے کو دوڑا۔

''یہ' یہ دیکھیں بھلا کیا لگ رہے ہیں۔'' اس نے کمر پر ہاتھ باندھ کر لڑنے کو تیار کھڑے حشام کی طرف اشارہ کیا۔ عمیر کی ایک دم ہی ہنسی نکل گئی۔

''دیکھ لیں عمیر بھائی نے بھی تصدیق کر دی؟'' وہ دونوں بہن بھائی آپس میں جتنا لڑتے رہتے تھے اتنی ہی دونوں کی آپس میں محبت تھی۔

''مائرہ! ایک اچھی خبر سناؤں......'' عمیر نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

''اچھی خبر ہاں جلدی سنائیں۔'' وہ بے تاب ہو گئی۔

''تمہاری دوست ارم کو رخصت کر رہے ہیں ہم۔'' وہ مسکراتا ہوا مائرہ کو دیکھنے لگا۔

''ہیں' کہاں؟'' اسے کچھ سمجھ نہ آئی۔

''بھئی اب تو شہنائیاں بجیں گی بارات آئے گی......'' وہ جان بوجھ کر اسے تھوڑی تھوڑی بات بتا کر اس کے شوق کو ہوا دے رہا تھا۔

''کیا مطلب......یعنی۔'' وہ خوشی سے دیوانی ہوگئی۔

''جی' جی......'' اس کے چہرے پر مسرت کے رنگ بکھرتے دیکھ کر اس نے ہلکے سے اس کے سر پر چپت لگادی۔

''کس کے ساتھ کب؟'' بے چینی سے اس کا برا حال تھا۔

''قاسم خان کے ساتھ اور کب یہ امی جان کل آ کر بتائیں گی......'' اس نے امی کے انداز میں نقل اتارتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ گئی۔

''عمیر بھائی آپ بھی بس......'' وہ اندر جانے کو مڑی۔

''اور تم بھی بس......'' حشام نے اسے جاتے جاتے منہ چڑایا۔ وہ اندر بھاگ گئی تو دونوں ہنسنے لگے۔

''یار! یہ بہنیں بھی اللہ نے کتنی پیاری چیز دی ہیں......'' عمیر نے جب سے ارم کی شادی کا سنا تھا اس کا دل اداس ہو رہا تھا۔

''ہاں یار! بس اللہ ان کے نصیب اچھے کرے۔'' حشام نے بھی اس کے جذبات کی تائید کی۔

''اچھا تم باقی سب باتیں تو چھوڑو میں تمہارے چہرے پر آج اور بھی بہت کچھ دیکھ رہا ہوں۔'' حشام جو کب سے اس کی اداس آنکھوں میں تیرنے والی پریشانی کو دیکھ رہا تھا پوچھنے لگا۔

''کیا اور کچھ...... کچھ بھی نہیں۔'' وہ گھبرا کر سیدھا ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ حشام کے سامنے کچھ چھپانا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن بات ہے۔

''ادھر دیکھو میری طرف۔'' وہ زبردستی سامنے آ کر آنکھوں میں گھسنے لگا۔

''کیا' کیا ہے؟ جلدی کرو عمران کے پاس جانا ہے دیر ہو رہی ہے اگر وہ کلب کے لئے نکل گیا تو پھر اس کا انتظار کرنا۔''

وہ بہانہ بنانے لگا۔ کیونکہ عمران ہاشمی روزانہ شام کو اسکواش کھیلنے کلب جاتا تھا اور گھنٹوں بعد برآمد ہوا کرتا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے لیکن تم مجھے راستے میں ساری بات بتاؤ گے۔''

''کون سی ساری بات؟'' وہ مسکرانے لگا تھا۔

''وہی ساری بات جو مجھ سے تم نے چھپا رکھی ہے......'' اور پھر واقعی راستے میں عمیر کو ری بات حشام کو بتانی پڑی۔

''شرم کر کچھ غیرت کھا......'' گاڑی کو ایک سائیڈ پر روک کر وہ اسے جھاڑنے لگا۔

''بڑا بدتمیز انسان ہے تُو اور تجھے شرم نہیں آئی بھابی کو اس طرح کہتے ہوئے اور دو دن ے تُو نے ان کو ستا رکھا ہے...... میں' میں تجھے کیا کہوں؟'' وہ دانت کچکچا کر اس کی طرف دیکھ ا تھا۔

''میں نے کیا کر دیا۔ اگر میں دو روز سے اسے نہیں بلا رہا تھا تو وہ خود مجھے بلا لیتی۔ لیتی۔'' وہ ڈھیٹ بنا ہنس رہا تھا۔

''او خبیث انسان ایک تو تُو نے ان کا اتنا دل دکھایا اوپر سے تڑی بھی لگا رہا ہے۔ جا ہ میں نے نہیں جانا تیرے ساتھ کہیں......'' وہ اسے دھمکانے کے لئے گاڑی کا دروازہ ول کر اترنے لگا۔

''چل زیادہ ہیرو مت بن ٹک کر بیٹھ......'' عمیر نے ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔

''ہیرو کی کیا بات ہے تُو جو ولن بن رہا ہے وہ؟'' وہ اس سے خفا ہو رہا تھا۔

''اچھا بابا آج منالوں گا اسے جا کر سوری کرلوں گا۔'' اس نے ہاتھ باندھ کر ہار مان

''اور سن آئندہ ایسا مت کرنا۔'' وہ اسے تنبیہہ کرنے لگا۔

''نہیں کرتا۔ میری توبہ نہیں کرتا۔ تو کیا سمجھتا ہے کہ میں بہت سکون میں ہوں اسے خفا کے۔'' وہ اپنے دل کا حال بتانے لگا۔

''لگ تو یہی رہا ہے۔'' حشام اسے چڑانے کو بولا۔

''نہیں حشام! میرے تو دل کا سکون وہی ہے قرار وہی ہے اور اب تو زندگی کی وجہ اور ث کا سبب بھی وہی ہوگی۔'' وہ ایک دم ہی مجنوں بن گیا۔

''اچھا' اچھا اتنے ڈائیلاگ نہیں۔'' حشام کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔ جس پر اسے ہ آ گیا۔

''حشام! اب تُو میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔'' وہ اسے مارنے کو لپکا۔ قریب سے ایک ی میں ایک خوب صورت لڑکی انہیں یوں لڑتا دیکھ کر مسکرائی تو دونوں ہی جھینپ گئے۔ م نے تو جھٹ اسے سلام جھاڑ دیا۔ جس پر اس کی مسکراہٹ ایک کھنکتا ہوا قہقہہ چھوڑ کر

آگے بڑھ گئی۔

☆======☆======☆

وہ ایس پی عمران ہاشمی کے گھر پہنچے تو وہ کلب کے لئے نکل ہی رہا تھا۔

''ارے تم لوگ یہاں یوں اچانک اتنے دنوں بعد''۔ اس نے ایک دم ہی بہت سارے سوالات کر ڈالے۔

''یار! صبر تو کر کیا سب کچھ یہیں پوچھو گے؟'' دونوں باری باری عمران ہاشمی سے بڑی گرمجوشی سے گلے ملے۔

''آؤ آؤ اندر آؤ......'' وہ ذرا شرمندہ ہو گیا۔

''لو رحیم اسے رکھو'' اس نے اپنا اسکواش کا ریکٹ پاس کھڑے اپنے ملازم لڑکے رحیم کی طرف پھینکا جو اس کا تولیہ لئے کھڑا تھا۔ ''اور کلب فون کر دینا کہ میں آج نہیں آؤں گا اب یہ آئے ہیں تو جلدی جان تھوڑا ہی چھوڑیں گے۔'' وہ ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''تم آؤ تو سہی......'' حشام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈرائنگ روم کی طرف دھکیلا تو رحیم ہونٹ دبا کر منہ دوسری طرف پھیر کر ہنسنے لگا۔ دراصل تینوں دوستوں میں اچھی خاصی بے تکلفی تھی۔ اگرچہ زیادہ کلوز اور بیسٹ فرینڈز تو حشام اور عمیر ہی تھے مگر ان کے باقی بھی جو دوست تھے سب کے سب اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے یا کامیاب بزنس مین تھے۔ اور جب بھی یہ لوگ ایک دوسرے سے ملتے چاہے برسوں بعد ملتے اسی محبت اور گرمجوشی سے ملتے تھے۔

چائے وغیرہ سے فارغ ہونے تک وہ لوگ آپس میں ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے۔ پھر عمران ہاشمی نے خود ہی پوچھ لیا۔

''اب کہو اصل میں تم لوگ کس کام سے آئے ہو؟'' وہ جانتا تھا کہ وہ لوگ جب کبھی بھی آئے کسی نہ کسی کیس کے سلسلے میں اس سے مدد مانگنے ہی آتے تھے۔

''یار! تو واقعی جینیئس (Genius) ہے۔ ایس پی بننے کا اہل تھا۔'' حشام نے اس کی ذہانت کی داد بھی مذاق کے موڈ میں دی۔

''ذرہ نوازی ہے سرکار کی۔'' وہ کورنش بجا لاتے ہوئے مسکرا دیا پھر انہوں نے سنجیدگی سے ساری بات عمران ہاشمی کو بتا دی۔ جسے سن کر اس کی سٹی یوں گم ہو گئی کہ اس کی تو اپنی بہنیں اور بیوی باقاعدگی سے ہر ماہ بیوٹی پارلر پر جایا کرتی تھیں۔

''یار! یہ گھٹیا کام ہوتے ہیں بیوٹی پارلرز پر۔'' اسے غصہ آ گیا۔

''ارے ارے بھائی سب بیوٹی پارلر ایسے نہیں ہیں۔ کچھ گھٹیا ذہن کی خراب عورتوں نے اگر انہیں اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کے لئے اڈہ بنا لیا ہے تو تم سب کو مت ایسا سمجھو۔'' حشام نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے یہ شیطان صفت لوگ البتہ ہر شعبے پر اپنا تسلط قائم کر رہے ہیں اور ان کے ذہن دیکھو کس طرح ہر جگہ اپنے گندے دماغ کے مطابق اس غلیظ کام کے راستے نکال لیتے ہیں۔'' عمیر نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''اس وقت صورتِ حال بہت تشویشناک ہے اور یہ لوگ نوجوان لڑکیوں کو بڑے پلان سے غلط راہوں پر لے کر جا رہے ہیں۔'' عمیر نے اصل مسئلے کی طرف ان کی توجہ دلائی۔

''اب یہ سوچو کہ ہمیں کرنا کیا چاہیے؟''

حشام نے انہیں پلان بنانے کو کہا۔

''مجھے کچھ سوچنے کا وقت دیں ایسا کرتے ہیں کہ کل دوپہر میں تم لوگ میرے آفس جاؤ'' وہ بہت پریشان ہو گیا تھا اور چاہتا تھا کہ بہت سوچ سمجھ کر اس معاملے پر ہاتھ ڈالا جائے۔ ''چلو یہ ٹھیک ہے۔'' وہ تینوں کل دوپہر میں ملنے کا طے کر کے وہاں سے اٹھ گئے۔

حشام کو واپس گھر ڈراپ کر کے اس نے راستے میں سے موتیے کے گجرے خریدے اور کچھ چاکلیٹس لیں اسے سوئیٹس میں چاکلیٹ بہت پسند تھیں اکثر وہ بچوں کی طرح ضد کر کے فرمائش کیا کرتی تھی۔

''عمیر! آج مجھے چاکلیٹ لا دیں گے؟'' اور وہ مسکرا کر کہتا۔

''چاکلیٹ تو لا دوں گا مگر یہ گڑیا بڑی کب ہو گی۔'' وہ پیار سے اس کے سر پر ایک چپت لگاتا۔

''میں اسے چاکلیٹ دوں گا تو وہ فوراً مان جائے گی۔'' وہ دل ہی دل میں پروگرام بنا رہا تھا اسی لئے وہ خاصی فاسٹ ڈرائیو کر رہا تھا۔

''میں اب اسے کبھی خفا نہیں کروں گا۔''

''میں بھی بڑا فضول آدمی ہوں بات بات پر مجھے غصہ آ جاتا ہے۔'' وہ خود اپنی اس غصے کی عادت سے بڑا تنگ تھا...... ''چلو آج سے میں کوشش کروں گا کہ مجھے غصہ کم آئے۔'' اس نے اپنے آپ سے وعدہ کیا۔

وہ بہت کچھ سوچتا ہوا گھر آیا تھا لیکن گھر آ کر بھی اسے بہت انتظار کرنا پڑا طوبیٰ کچن میں مصروف تھی وہ بہانے بہانے سے کچن میں گیا بھی لیکن رامین کو دیکھ کر کوئی بات طوبیٰ سے

نہ کر سکا۔ جب وہ تیسری مرتبہ کچن میں آیا تو رامین مسکرانے لگیں۔

''کیا بات ہے عمیر! آج کچن کے بہت چکر لگا رہے ہو کس چکر میں ہو؟''

''چکر...... چکر کیا کسی چکر میں نہیں میں تو' میرے تو سر میں آج بہت درد ہے میں چائے کا کہنے آیا تھا۔'' وہ کچھ کھسیانا ہو گیا۔

''چائے کے ساتھ کیا لو گے؟'' رامین نے شرارت سے طوبیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو بظاہر بڑی لاپرواہی سے اپنا کام کر رہی تھی۔

''سر درد کی گولی ہے میرے پاس۔'' وہ رامین کا مطلب سمجھ کر اور بھی شرما رہا تھا۔

''اور سر کو دبانے والی؟'' اس نے پانی کا گلاس اور گولی ہاتھ میں لئے کھڑے عمیر کی طرف بڑھاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ جھینپ کر مسکرایا۔

''اگر وہ بھی اس وقت مل جائے تو بڑا احسان ہوگا۔'' فوراً ہی وہ شرارت پر اتر آیا اور پھر رامین کی موجودگی میں ہی طوبیٰ کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''چلو چلو اب بس کرو ناراضگی ختم۔'' وہ اسے پیار سے دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ وہ جو اس صورتِ حال کے لئے ہرگز تیار نہ تھی ایک دم گھبرا گئی۔

''میں' میں کب ناراض ہوں۔''

''ناراض نہیں ہو تو اور کیا ہے یہ' دو روز سے جو منہ پھلا رکھا ہے۔'' وہ الٹا اسے ہی الزام دے رہا تھا حالانکہ منہ تو اس نے خود پھلا رکھا تھا۔

''ہیں' ہیں یہ ابھی سے لڑائیاں اور ناراضگیاں'' رامین کو تو خبر ہی نہ تھی کہ ان کی آپس میں بات چیت بند ہے۔

''طوبیٰ...... عمیر بری بات۔'' اس نے دونوں کو ڈانٹا۔

''آپا میں کب خفا ہوں ان سے؟'' وہ بیچاری تو رونے والی ہو گئی۔

''تو اور کیا میں خفا ہوں؟'' وہ شرارت سے اپنی ہنسی ہونٹوں میں دبائے اس کی سرخ ہوتی ناک کو دیکھ رہا تھا جس وقت وہ اپنے آنسو ضبط کرتی تو اس کی خوب صورت ناک سرخ ہو جایا کرتی تھی اب اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔

''تو پھر میرے لئے ایک کپ نہیں دو کپ گرم گرم چائے لے کر فوراً کمرے میں آؤ مجھے آج بہت کام کرنا ہے۔'' وہ اتنا کہہ کر تیزی سے کچن میں سے نکل گیا اور اس کے ضبط کیے ہوئے آنسو بھی اتنی ہی تیزی سے آنکھوں سے نکل کر گالوں پر پھسلنے لگے۔

''ارے...... رے رے یہ کیا۔'' رامین نے فوراً اسے گلے سے لگا لیا وہ اور زور سے رو

ی

''آپا۔''

''ہاں کیا ہوا مجھے بتاؤ کیا جھگڑا ہوا گیا عمیر سے؟'' وہ اسے پیار کرتی ہوئی پوچھ رہی ہیں۔ جواب میں طوبیٰ نے روتے روتے ساری بات بتا دی جیسے سن کر رامین کے تو پیروں یلے سے زمین نکل گئی۔

''ہیں اپنی حنا کے ساتھ یہ سب کیسے۔'' وہ تو وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''آپا حنا کے بارے میں سن کر عمیر کا یہ ردِ عمل ہے۔ میرے بارے میں تو......'' وہ بارہ ہچکیاں لینے لگی۔

''تم' تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔ تمہارا کیا قصور تھا اس میں تم تو خود اذیتوں سے گزری ۔'' وہ حنا کو ایک لمحے کے لئے بھول گئیں اور پھر اسے پیار کرنے لگیں۔

''آپا! وہ انیق دوبارہ آ گیا ہے۔''

''کیا' انیق آ گیا اس نے تم سے رابطہ کیا۔'' وہ تو انیق یزدانی کا نام سنتے ہی کانپ یں۔'' اب' اب تو کچھ کرنا پڑے گا۔ میں آج ہی سعد سے بات کروں گی۔'' وہ بے حد یشان ہو گئی تھیں۔

''مجھ سے بھی اب اور برداشت نہیں ہوتا...... میں بھی عمیر کو سب کچھ بتاؤں گی۔'' اس ئے اپنے آنسو رگڑ کر صاف کیے۔

''ہاں اب عمیر کو سب کچھ بتانا ہوگا مگر تم یہ سب نہیں بتاؤ گی...... بلکہ سعد اور امی جان ئیں گے اور طریقے سے بتائیں گے دیکھو اگر تم خود عمیر کو بتاؤ گی تو معاملہ بہت زیادہ بگڑ بھی تا ہے اس لئے بہتر ہے کہ بڑے ہی بات کریں۔'' وہ اسے سمجھانے لگیں۔

''تم ایسا کرو خود کو بالکل نارمل رکھو اور دیکھو ذرا سی بھی پریشانی تمہارے لئے ٹھیک نہیں ۔ اپنا خیال رکھا کرو اللہ اپنی رحمت سے اس گھر میں رونقیں دینا چاہتا ہے ہمیں اس کا شکر تے ہوئے اس کے استقبال کی تیاریاں کرنی چاہئیں نہ کہ یوں پریشان ہو ہو کر اس کو اض کریں۔''

رامین بہت حوصلے والی خاتون تھیں فوراً ہی سنبھل جایا کرتی تھیں حالانکہ اس وقت وہ بھی بے حد پریشان ہو گئی تھیں لیکن انہوں نے اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔

''چلو اب تم یہ چائے لے کر جاؤ ورنہ عمیر کا موڈ دوبارہ خراب ہو جائے گا۔'' اس نے ئے کے کپ ٹرے میں رکھ کر اس کے ہاتھ میں تھمائی۔

"دو کپ کس کے لئے؟" وہ دوسرا کپ دیکھ کر حیران تھی۔

"ایک کپ جس کے سر میں درد ہے اس کے لئے اور دوسرا کپ سر کو دبانے والی کے لئے۔ بدھو ہو تم بھی جاؤ جلدی۔" انہوں نے اس کے سر پر ایک چپت لگا کر کہا۔

"آپا! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ بہت زیادہ پریشان تھی۔

"کیا تم نے اللہ کی ذات پر بھروسا کرنا چھوڑ دیا ہے۔" رامین نے کچھ اس انداز میں کہا کہ اس کا جواب طوبیٰ کے پاس سوائے سر جھکا دینے کے کچھ نہ تھا۔ وہ ٹرے لے کر عمیر کی طرف چل دی۔

☆======☆======☆

رات کے کھانے کے بعد وہ اسے زبردستی آئس کریم کھلانے کے لئے باہر لے گیا۔

"کیا ابھی تک خفا ہو؟" اسے خاموش خاموش سا دیکھ کر عمیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔

"نہیں تو۔" وہ جو کچھ اور ہی سوچ رہی تھی ایک دم گھبرا گئی۔

"تو پھر ہنسی کہاں ہے؟" وہ اس کی آنکھوں میں گھس رہا تھا۔ سفید لٹھے کے کلف لگے کُرتا شلوار میں شیو بنائے اور اس کا فیورٹ پرفیوم لگائے وہ بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

"کیا نظر لگاؤ گی۔ مجھے تو ویسے بھی بہت جلد نظر لگتی ہے۔" اس نے اسے یوں ایک ٹک دیکھتے پا کر کہا تو وہ جھینپ گئی۔

"دیکھو بھئی دیکھو تمہاری چیز ہوں خالص تمہاری۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھک کر جھانکنے لگا۔ اس پر اسے اور شرم آ گئی۔

"آں ہاں۔ ایسے نہیں چلے گا ادھر دیکھو میری طرف اور بتاؤ میں کیسا لگ رہا ہوں۔" وہ زبردستی کر رہا تھا۔

"دیکھو ادھر۔" اس کے نہ دیکھنے پر وہ ذرا سخت لہجے میں بولا تو اس کی جھکی نظریں فوراً اوپر کو اٹھ گئیں۔

"چلو اب بتاؤ کیسا لگ رہا ہوں۔" اسی غصے میں پوچھا گیا وہ تو ڈر ہی گئی تھی بے ساختہ بولی۔

"بہت اچھے بہت اسمارٹ لگ رہے ہیں۔" عمیر کو اس کے انداز پر ہنسی تو بہت آئی مگر وہ ضبط کر گیا۔

"اور میں ہوں کس کا۔" دوبارہ پوچھا گیا۔ سوال ذرا مشکل تھا وہ کچھ چپ ہو گئی۔

"بولو۔" ذرا تیز آواز آئی تو فوراً جواب ملا۔

"میرے صرف میرے۔"

"اچھا۔" اب اس کی ہنسی نکل ہی گئی۔ "اتنا اعتبار ہے کہ صرف تمہارا ہوں۔" اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبا لیا۔

"بولو بہت اچھا لگتا ہوں میں۔" اس بار بہت نرم آواز میں محبت سے پوچھا گیا تھا۔ جواب میں اس کے مسکراتے لبوں سے دھیمی سی آواز آئی۔

"جی......"

"ہُرّے یہ ہوئی ناں بات۔" وہ خوش دلی سے بچوں کی طرح چلا کر بولا۔

"چلو تم یہاں بیٹھو میں آئس کریم کا کہہ کر آتا ہوں۔" وہ گاڑی سے اتر کر سامنے آئس کریم پارلر میں چلا گیا اور وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

اسے لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی مسلسل اسے گھور رہا ہے۔ کسی اور کی موجودگی کے احساس سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مگر بہت قریب تو کوئی بھی نہ تھا۔ نہ کوئی ایسی گاڑی تھی جو مشکوک لگ رہی ہو پھر بھی اسے بہت ڈر لگا تو اس نے جلدی سے گاڑی کے سب شیشے چڑھا کر دروازے لاک کر لئے اور درود شریف پڑھنے لگی۔ اس کا دل لگتا تھا کہ باہر آجائے گا۔ جلد ہی عمیر آئس کریم لے کر آ گیا۔ تو اس کی جان میں جان آئی۔

"کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" وہ اسے گھبرایا دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

"ہاں بس مجھے بہت متلی ہو رہی ہے۔" اسے واقعی متلی ہو رہی تھی۔

"اچھا تو پھر چلو گھر چلتے ہیں۔" عمیر کو فکر ہو گئی اس نے فوراً ہی گاڑی کو اسٹارٹ کیا اور اسے ڈرائیو کرنے لگا۔

☆======☆======☆

رامین نے سعد خان سے بات کرنے سے پہلے حنا کو بلایا اور اس سے ساری بات پوچھی وہ اس قدر پریشان اور شرمندہ تھی کہ مارے ندامت کے اس سے بات ہی نہ ہو رہی تھی اور مسلسل روئے جا رہی تھی۔

"دیکھو حنا اب رونے سے کچھ حاصل نہیں لہٰذا رونا بند کرو اور مجھے بتاؤ۔" رامین کو چونکہ اب کچھ غصہ بھی تھا اس لئے وہ ذرا سختی سے بات کر رہی تھیں۔

"بھابی! وہ بس اس فیشن کے چکر میں......" اس کی زبان بھی ساتھ نہ دے رہی تھی۔

"فیشن...... کیسا فیشن اور لڑکیاں بھی تو بیوٹی پارلر پر جاتی ہیں۔ پھر یہ کیا چکر ہے؟" وہ

اسے اچھا خاصا ڈانٹ رہی تھیں۔

اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا۔

رامین اس سمجھانے لگیں وہ سر جھکا کر روتی رہی۔

''میرا مقصد تمہیں لعن طعن کرنا یا تمہاری دل آزاری نہیں۔'' انہوں نے پیار سے اس کے آنسو صاف کیے۔

''بھابی! میں بہت شرمندہ ہوں مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔'' وہ ہاتھ باندھ کر معافی مانگنے لگی۔

''جو کام بھی ہم اللہ کی حدود سے نکل کر کریں گے۔ اس کی سزا ہمیں ضرور ملے گی۔ یہ اللہ کا فرمان ہے اور پھر عورت' عورت تو نام ہی حیا کا ہے' محبت اور وفاداری کا مطلب ہے عورت' عورت تو اس پوشیدہ راز کی طرح ہوتی ہے جو اگر سب کے سامنے کھل جائے تو پھر سراسر فساد ہی اٹھتا ہے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہوناں؟'' انہوں نے پھر محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''ہمارے دین نے تو ہر ہر بات کے بارے میں واضح احکام دے دیئے ہیں کہ کیا کھانا ہے' کیا پینا ہے' کہاں جانا ہے؟ کس سے ملنا ہے' کون اپنا ہے' کون پرایا' کون محرم ہے' کون نامحرم اور کیا پہننا ہے' کس طرح سے پہننا ہے۔ کوئی بات بھی تو ایسی نہیں جس کے بارے میں کہیں کہ ہم بے خبر تھے اور غلطی یا ناسمجھی لاعلمی میں کر بیٹھے ہم سب کچھ جان بوجھ کر کرتے ہیں۔

اسلام نے عورت کو سنگھار اور زیبائش سے منع نہیں فرمایا بلکہ کہا ہے کہ عورتیں بن سنور کر رہیں اپنے آپ پر توجہ دیں خود کو سنواریں اور نکھاریں لیکن کس کے لئے اور کس طرح یہ تم آج کل کی لڑکیاں بھول جاتی ہو۔''

''بھابی! اب تو زمانہ بہت ایڈوانس ہوگیا ہے سبھی لڑکیاں یہ سب کرتی ہیں۔'' اس نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

''زمانہ ایڈوانس نہیں بے حیا ہوگیا ہے'' رامین کی آواز میں پھر غصہ شامل ہوگیا۔

''جب اسلام نے عورت کو پردے کا حکم دیا ہے اور سختی سے کہہ دیا ہے کہ اپنے ستر سوائے اپنے مردوں کے کسی کے سامنے نہ کھولیں تو پھر یہ سب؟'' بات کو ادھورا چھوڑ کر وہ اسے دیکھنے لگیں۔

''وہ بے حیا عورتیں جو جوان اور بھولی لڑکیوں کو اس طرف لگاتی ہیں وہ خود اچھی کہاں

[illegible]ں گی یہ سب پلان ہے۔ جال ہے اسلام کے دشمنوں کا پھیلایا ہوا۔ مگر افسوس کہ ہماری یہ آزاد خیال عورت سمجھ ہی نہیں رہی کہ وہ اپنی دنیا بھی برباد کر رہی ہے اور آخرت میں بھی سخت نقصان اٹھانے والی ہوگی۔ بہرحال وہ فوٹو گرافس کہاں ہیں؟'' وہ پوچھنے لگیں۔

''جی وہ تو طوبیٰ بھابی کے پاس ہیں۔'' اس کی آواز جیسے کنویں سے آرہی تھی۔

''اچھا اب میں آج سعد سے بات کروں گی۔ تمہیں عمیر نے جس طرح سمجھایا ہے تمہیں اسی طرح کرنا ہے۔''

''بھابی! بس میں شیطان کے جال میں آگئی تھی۔ مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی۔'' وہ دوبارہ رونے لگی۔ وہ واقعی بے حد پریشان اور نادم تھی۔

''اگر ابا جان کو معلوم ہوگیا تو وہ تو مجھے......'' روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔

''بس' بس کرو اللہ سے مدد مانگو اور اسی سے توبہ کے لئے رجوع کرو بے شک وہ معاف کرنے والا رحیم و غفور ہے۔''

رامین نے اسے گلے سے لگا کر پیار کیا اور تسلی دی۔

''بھابی! میرا تو دل کرتا ہے کہ میں خودکشی کرلوں......اتنی ذلت ہو رہی ہے میں تو کسی کے سامنے آنے کے قابل بھی نہیں رہی'' وہ بے حد پرسڈ ہو رہی تھی۔

''ایک غلطی کے بعد یہ دوسرا کبیرہ گناہ مت کرنا۔ جانتی ہوناں کہ خودکشی کرنے والے کی بخشش نہیں ہوگی۔'' وہ اسے سمجھانے لگیں۔

''اب دنیا بھی تو جہنم بن جائے گی۔'' اس کا دماغ اس وقت پھٹ رہا تھا اسے کچھ سمجھ نہ آرہی تھی۔

''بس یہی۔ یہی بغاوت کا انداز تو شیطان کا راستہ ہے۔ چلو اب الٹی سیدھی باتیں نہ سوچنا اور اللہ سے مدد اور توبہ طلب کرو۔'' انہوں نے بڑی مشکل سے اسے سمجھا بجھا کر بھیجا۔ اور پھر خود وضو کرنے چلی گئیں۔ آج ان کی عشاء کی نماز کافی لیٹ ہوگئی تھی۔ سعد خان رات کے کھانے کے بعد کسی خاص کام سے کہیں گئے ہوئے تھے اور دیر سے آنے کا کہہ کر گئے تھے اس لئے انہوں نے حنا کو اس وقت بلا کر بات کی تھی۔

☆======☆======☆

اگلے روز صبورہ خاتون اور ارم اپنے آبائی گاؤں سے واپس آگئی تھیں دونوں ہی بہت خوش تھیں۔ صبورہ خاتون کے چہرے پر بیٹی کے اچھے مستقبل کا سکون تھا جبکہ ارم کے چہرے پر دھنک کے رنگ دکھائی دے رہے تھے۔ ''واہ بہت خوش ہو۔'' طوبیٰ نے موقع ملتے ہی ارم کو

چھیڑا۔

''خوش۔ ہاں۔ گھر واپس جو آ گئی ہوں۔ سچ میں تو وہاں بہت اداس ہو گئی تھی۔'' اس نے بات ٹالنے کے لئے بہانہ بنایا۔

''بس بس بنو مت۔ میں کسی اور خوشی کی بات کر رہی ہوں۔'' طوبیٰ بھلا کب اس کی باتوں میں آنے والی تھی۔ ''مجھے آپا نے سب کچھ بتا دیا ہے۔'' وہ رامین سے سب کچھ جان چکی تھی اس لئے کچھ خفا بھی تھی۔

''بڑا افسوس ہے۔ جاؤ میں تم سے خفا ہوں۔''

وہ جھوٹ موٹ ارم سے خفا ہو گئی۔

''وہ کیوں بھلا؟'' وہ پریشان ہو گئی۔

''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ معنی خیز انداز میں بولی تو ارم کی سمجھ میں آ گیا۔

''کیا بتاتی؟'' اس کی آنکھوں میں شرم اترنے لگی جس سے وہ خود بخود جھک گئیں۔

''یہی جواب چھپا رہی ہو؟''

وہ اس کے حال سے محظوظ ہو رہی تھی۔

''اب کیا؟'' اس نے نظریں اٹھا کر پوچھا۔

''محبت اور کیا؟'' طوبیٰ نے اس کی چوری پکڑ لی تھی۔

''محبت اور مجھے نہیں، نہیں۔'' اس نے مسکرانا چاہا۔

''محبت میں انسان جھوٹ بولے تو وہ بھی خوبصورت لگتا ہے۔ مگر افسوس......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''افسوس کیا؟'' وہ فکر مند ہو گئی۔

''پکڑا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی آنکھوں کا رنگ اور چہرے کی لالی چھپ نہیں سکتی سمجھیں۔'' اب کوئی چارہ نہ تھا کہ ارم آرام سے مان لیتی۔

''بس وہ ایسی کوئی بات ہی نہ تھی۔ نہ کوئی موقع آیا کہ میں بتاتی۔'' کچھ اپنا بچاؤ کرنے کا انداز اب بھی تھا۔

''اچھا تو محبت کے بارے میں کب بتایا جاتا ہے؟'' وہ بہت دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھی اسے ارم کی پل پل بدلتی حالت پر مزہ آ رہا تھا۔

''محبت دو ہی صورتوں میں کھل کر سامنے آتی ہے۔'' اب ارم نے بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا تو وہ سب کچھ بتا رہی تھی۔

''اچھا کن صورتوں میں؟'' وہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔

''ایک جب محبت کرنے والا اقرار کرے اور دوسرا جب انکار۔'' وہ کھل کر مسکرائی تھی۔

''مطلب؟'' طوبیٰ نے غور سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''محبت کے ملنے کا جب یقین ہو جائے تو انسان ترنگ میں آ کر ہر ایک سے اقرار کرتا پھرتا ہے ہر ایک کو بتاتا پھرتا ہے کہ مجھے اس سے محبت ہے۔ پھر اسے خوف نہیں رہتا۔''

''اور دوسرا؟''

''دوسرا جب وہ تمام کوششوں کے باوجود محبوب کو نہ پا سکے تو لوگوں کو صفائیاں اور دلیلیں پیش کرتا پھرتا ہے کہ سنو مجھے اس سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ مجھے اس سے محبت نہیں تھی اور اس کا یہ انکار چیخ چیخ کر کہہ رہا ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔ آئی بات سمجھ میں۔'' آخر میں اس کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھ کر وہ جانے کو مڑی تو طوبیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کے روک لیا۔

''تم کس صورت سے دوچار ہو؟'' وہ شرارت سے پوچھ رہی تھی۔

''میں۔'' وہ ایک لمحے کو رکی۔

''اقرار کی۔'' پھر کھل کے ہنسی اور باہر نکل گئی۔ اور وہ مسکراتی ہوئی سوچ رہی تھی کہ واقعی محبت بھی انسان کو کس قدر بدل دیتی ہے۔ انتہا پسند بنا دیتی ہے اس نے اپنے دل میں جھانکا۔ جہاں عمیر کی محبت اس قدر شدید تھی کہ اس کی کوئی دھڑکن کوئی سانس اس کے نام سے خالی نہ تھی۔ اندر باہر سے بس یہی صدا آ رہی تھی۔ عمیر۔ عمیر۔

تبھی تو وہ زیادہ پریشان تھی کہ وہ جو اب عمیر کے بغیر ایک پل بھی نہیں جی سکتی تھی۔

☆======☆======☆

دو دن کے بعد صبورہ خاتون نے اسے اپنے کمرے میں بلایا۔ انہیں جب یہ پتا چلا تھا کہ طوبیٰ ماں بننے والی ہے وہ بے حد خوش تھیں۔ اور وہ چاہتی تھیں کہ آنے والا بچہ صحت مندی کے ساتھ دنیا میں آئے ماں اور بچہ دونوں ہی خیریت سے رہیں۔ ویسے بھی کچھ باتیں تھیں جو طوبیٰ کو معلوم ہی نہ تھیں۔ دراصل جب ڈاکٹر نیلم اس کا چیک اپ کرنے آئی تھیں اور انہوں نے کچھ ٹیسٹ بعد میں اس کے کروائے تھے تو اس نے طوبیٰ یا عمیر کو تو کچھ نہیں بتایا تھا لیکن چونکہ اس کی رامین کے ساتھ بہت گہری دوستی تھی اس لئے اس نے سب کو صاف صاف بتا دیا تاکہ اس سارے عرصے میں طوبیٰ کو بالکل کوئی پریشانی نہ ہو ورنہ ماں اور بچہ دونوں کو کچھ ہو سکتا ہے۔ اور کچھ ایسی کمپلیکیشنز بھی تھیں جن کا دوران ڈلیوری ان کو سامنا کرنا تھا۔ یہ سب سن

کر صبورہ خاتون کے تو ہوش اُڑ گئے تھے ایک بیٹا پہلے اولاد کو ترس رہا تھا اور اب دوسرے کی یہ پریشانی۔ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھیں کہ طوبیٰ کو کوئی پریشانی ملے لیکن حالات جو صورتِ حال اختیار کر گئے تھے ان میں ضروری ہو گیا تھا کہ عمیر کو ساری بات کے بارے میں بتا دیا جائے ورنہ بنا بنایا گھر اُجڑ سکتا تھا۔

دراصل انیق یزدانی دوبارہ اپنی کمینگی پر اتر آیا تھا اس نے پچھلے دن سعد خان کے آفس میں فون کر کے کچھ نازیبا باتیں دھمکی کے طور پر کہی تھیں اور وہ عمیر کو کسی بھی وقت بلیک میل کر سکتا تھا۔ عمیر چونکہ ہر بات سے لاعلم تھا اور غصے کا بہت تیز تھا۔ صبورہ خاتون کو یہ ڈر تھا کہ کہیں وہ غصے میں کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا لے۔ اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کچھ دنوں کے لئے طوبیٰ کو اس کے میکے بھیج دیں اور عمیر کا غصہ ٹھنڈا ہونے اور اسے بات کو سمجھ لینے کے بعد وہ واپس لے آئیں گے۔

طوبیٰ کو پریشان ہوتا دیکھ کر وہ اسے بہت پیار کر رہی تھیں۔ بار بار اس کا ماتھا چومتیں۔

''میری بچی کو کچھ نہیں ہو گا۔ میری بیٹی مجھ پر بھروسا کرو۔ بس ذرا عمیر کو سمجھا لیں تو تمہیں لے آئیں گے۔ تم نے پریشان نہیں ہونا۔''

سعد خان نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا تھا۔

''میں نے تمہیں بہن بنایا ہے۔ تم خود کو تنہا نہ سمجھنا۔ میں ہر روز چکر لگاؤں گا۔ بس دو چار روز بعد آ کر عمیر خود تمہیں لے آئے گا۔ اور تم دیکھنا ان ظالموں کا تو وہ حشر کریں گے ہم کہ لوگ عبرت حاصل کریں گے آئندہ کے لئے۔''

سب نے بڑی مشکل سے اسے سمجھایا اور بہت ساری محبتوں کے یقین دلائے۔ ورنہ وہ مان ہی نہ رہی تھی۔ یہی کہہ رہی تھی کہ جو بھی ہو گا میں یہیں فیس (Face) کر لوں گی۔ مگر یہ گھر چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔'' اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ گھر اس سے ہمیشہ کے لئے نہ چھن جائے۔ میں عمیر کو سمجھا لوں گی۔ منا لوں گی۔ معافی مانگ لوں گی۔'' وہ رو رو کر رامین سے کہہ رہی تھی۔

''پاگل ہو تم کیوں معافی مانگو گی تمہارا کیا قصور ہے۔؟ یہ تمہارا گھر ہے طوبیٰ۔ ہم سب تمہارے اپنے ہیں۔ تمہیں پیار سے لے آئیں گے۔ اچھا سمجھو تم انہیں مِلنے جا رہی ہو۔'' صبورہ خاتون بولیں۔

''چلو میرا وعدہ ہے میں تمہیں چار دن بعد آ کر لے آؤں گی۔ ٹھیک۔'' وہ جوان کے سینے سے لگی سسک رہی تھی انہوں نے اسے بہت پیار سے کہا۔

''جاؤ سعد تم اسے چھوڑ آؤ۔ ورنہ عمیر آ گیا تو ہرگز اسے نہیں جانے دے گا۔'' انہوں

نے گھڑی کی طرف دیکھا عمیر آنے ہی والا تھا۔

''چلیں۔'' انہوں نے مسکرا کر طوبیٰ کو دیکھا جو مسلسل روئے جا رہی تھی۔

''بھائی جان کہیں......'' وہ کچھ کہہ بھی نہ پا رہی تھی۔

''کچھ بھی نہیں ہو گا۔ اپنے بھائی پر بھروسا رکھو۔''

انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہ مجبوراً سب کی طرف روتی نظروں سے دیکھتی رخصت ہو گئی۔

☆======☆======☆

خالد خان اور انیق یزدانی کے آپس میں اس قدر اختلافات ہو چکے ہیں کہ ان دونوں نے اپنی اپنی پروڈکشن بھی الگ کر لی تھی اور کمپنیاں بھی بلکہ ایک ہی فیلڈ میں رہتے ہوئے دونوں کے طریقے بھی الگ الگ ہو گئے تھے۔ خالد خان کے ساتھ چونکہ سطوت تھی۔ بلکہ لوگوں کا تو یہ تک کہنا تھا کہ دونوں نے خفیہ شادی بھی کر رکھی ہے۔ دونوں ہی اپنے گھناؤنے کاروبار کو بہت آگے تک بڑھا چکے تھے۔

اسلام نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اتنا ہی یہ عیاش طبقہ ان چیزوں سے رغبت رکھتا ہے۔ اور گھناؤنا کاروبار بڑے وسیع پیمانے پر اور بڑے منظم طریقے سے کرتا ہے۔ ان میں سے دو بڑے نام ہیں۔ ''خان ایڈورٹائزرز۔'' اور ''یزدانی پروڈکشنز۔''

پہلے یہ ایک ہی نام سے کام کرتے تھے جب یک جان دو قالب تھے اور اب یہ دو قالب دو دشمن ہیں۔ یہ ساری کی ساری معلومات ایس پی عمران نے اپنی سی' آئی' ڈی' کے ذریعے صرف دو روز میں حاصل کی تھیں۔ عمران نیازی کے ساتھ اے' ایس' پی شاہد بٹ بھی تھا۔ جو یہ ساری معلومات فائل کر کے لایا تھا۔

''یہ سطوت تو بیوٹیشن ہے ناں۔ جس کا بڑا نام ہے شوبز میں......'' عمران نیازی نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

''جی سر! وہی سطوت اس کے بہت بڑے بڑے بیوٹی پارلر اور سیلون ہیں۔ ملک کے بہت سے شہروں میں لیکن سر اندر ہی اندر یہ عورت بھی انڈر ورلڈ کی بڑی رکن ہے۔''

''انڈر ورلڈ کی رکن۔'' عمران نیازی کو حیرت ہوئی۔

''جی سر یہ خالد خان کے ساتھ مل کر لڑکیوں کو ادھر سے اُدھر کرنے کا وسیع کاروبار کر رہی ہے۔''

''اِدھر سے اُدھر۔'' حسام جو پچھلے آدھ گھنٹے سے ساری باتیں بغور سن رہا تھا پہلی

بار بولا۔

''مطلب ہمارے ملک کی لڑکیاں باہر اور باہر کی اندر۔'' شاہد بٹ ذرا معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولا۔

''اوہ......وہ......'' مطلب سمجھ میں آنے پر حشام کی تو سیٹی ہی نکل گئی۔

''سنا ہے سر اس کے بیوٹی پارلرز اور سیلون پر بھی بہت سے معاملات طے پاتے ہیں۔ اور بہت کچھ ہوتا ہے۔'' وہ بڑی مستعدی سے بتا رہا تھا۔

''کیا کچھ ہوتا ہے۔؟ تفصیل جمع کرو۔ مگر جلدی۔'' عمران نیازی نے حکم دیا۔

''رائٹ سر۔''

''یہ انیق یزدانی۔'' عمیر نے اپنے ذہن پر زور دینا شروع کیا۔ ''یہ تو بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ اس کے مرحوم والد تو سیاست میں بڑا نام رکھتے تھے۔'' اسے یاد آ گیا۔

اور ان کے سپوت سیاست میں بڑا کام کر رہے ہیں۔ یہ سیاست تو ان کی وراثت ہے سر!'' شاہد بٹ بڑا جولی آدمی تھا ہر بات کو دلچسپ بنا دیتا تھا اس کی اس تشبیہہ پر سب ہنسنے لگے۔

''ویل ڈن شاہد!'' عمران نے اسے شاباش دی۔

''تھینک یو سر۔''

''اب تمہیں یہ پتا لگانا ہے کہ ان پارلرز پر کیا کیا ہو رہا ہے اور ان عورتوں کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اور وہ عورتیں کیا کام کر رہی ہیں اس کے لئے جو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ہاسٹلوں میں تھریڈنگ اور ویکسنگ کرنے کے بہانے جاتی ہیں۔'' عمران نیازی نے اسے مزید ہدایات جاری کیں۔

''اور سنو۔ بی کیئر فل (B Care Full)۔''

''رائٹ سر۔ تھینک یو۔'' شاہد بٹ نے اسے سیلوٹ کیا اور اپنی فائل اٹھا کر باہر چلا گیا۔

''یار! یہ تو بہت فکر مندی اور پریشانی کی بات ہے۔'' عمیر یہ سب سن کر بے حد متفکر تھا۔

''اور ہاں یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ اس میں بڑے بڑے لوگ ملوث ہیں جن کے نام منظرِ عام پر آگر آئے تو کیا قیامت ہو گی؟'' حشام نے ایک تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کیا۔

''اب تو چاہے کچھ بھی ہو یہ قیامت تو ہم اٹھا کر ہی رہیں گے۔'' عمیر خاصے غصے اور جوش میں تھا۔ ''ہماری عزتیں نیلام کی جاتی ہیں۔ اب بھی اگر ہم چپ رہے تو لعنت ہے ہم

پر۔'' عمیر جذباتی ہو رہا تھا۔

''کم ڈاؤن یار۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی اور آسانی سے نہیں ہو گا۔ بہت پلان سے سوچ سمجھ کر ہمیں ایک ایک قدم اٹھانا پڑے گا۔ ہمارا واسطہ جن بھیڑیوں سے ہے وہ بڑے بڑے گروہوں کے ساتھ ہیں۔ عالمی منڈیوں کے تاجر ہیں۔'' عمران نیازی جس کا ہر روز کا واسطہ تھا ایسے لوگوں سے وہ ان کے بارے میں سب جانتا تھا۔ وہ سمجھا رہا تھا۔

''یہ لوگ اس قدر خطرناک اور شاطر ہوتے ہیں کہ انہیں پکڑنا بہت مشکل بلکہ ناممکن کام ہوتا ہے۔''

''لیکن ہم کوشش تو کریں۔'' حشام نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''ہاں میں اور میری ساری فورس تمہارے ساتھ ہے یہ مشن ہم سب پر فرض ہے۔ مگر ہم ذرا صبر سے کام کریں تو بہتر ہو گا۔'' پھر وہ انہیں آئندہ کا لائحہ عمل سمجھانے لگا۔ طے یہ پایا کہ عمران نیازی اپنی لیڈی پولیس میں سے ایک نہایت ذہین اور ٹرینڈ لیڈی آفیسر کو یہ کام سپرد کرے گا اور کل یا پرسوں اس سے مشورہ لے کر بتائے گا۔

☆======☆======☆

''بھابی!...... بھابی جان!'' وہ آوازیں دیتا ہوا۔ کچن میں آ گیا۔

''بھابی! وہ طوبیٰ کہاں ہے؟'' کچن میں کھانا پکاتیں رامین نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''کیوں کیا بات ہے؟'' وہ اسی مسکراہٹ کو معنی خیز کر کے پوچھنے لگیں۔

''میں ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔ کہیں نظر نہیں آ رہی ناں؟'' وہ اپنی بے تابی کو چھپانے لگا جو اس کے نظر نہ آنے پر اسے ہونے لگی تھی۔

''چائے پیو گے۔'' وہ اس کی بات کو نظر انداز کر کے بولیں۔

''جی ضرور پیوں گا۔'' وہ اب بھی کچن کی کھڑکی سے باہر نظریں دوڑا رہا تھا کہ شاید وہ باہر لان میں کہیں ہو گی مگر وہ تو اس کی گاڑی کا ہارن سنتے ہی بھاگ کر پورچ میں آ جایا کرتی تھی۔ رامین نے خاموشی سے چائے کا کپ بنا کر اسے پیش کر دیا۔

''آپ اکیلی ہی کچن میں کام کر رہی ہیں؟'' وہ پھر پوچھ رہا تھا۔

''پہلے کیا میرے ساتھ پوری آرمی فورس ہوا کرتی تھی؟'' وہ اپنی مسکراہٹ کو دبا کر بولیں اور سالن بھوننے لگیں۔

''تم کہاں تھے اب تک؟ آج دیر سے آئے ہو؟'' وہ اس کی حالت کا اندازہ کر رہی

تھیں۔

''وہ میں اور حشام عمران نیازی کی طرف گئے ہوئے تھے۔'' اس نے بتایا۔

''عمران نیازی وہ تمہارا دوست جو ایس پی ہے؟'' انہوں نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

''جی، جی وہی۔'' اب اس کا موڈ کچھ کچھ خراب ہو رہا تھا۔ رامین نے اس کے چہرے پہ غصے کے تیور دیکھے تو مناسب سمجھا کہ وہ اسے بتا دیں کہ طوبیٰ کہاں ہے ورنہ وہ زیادہ غصے میں آ جاتا۔

''طوبیٰ اپنی امی جان کی طرف گئی ہے۔''

''امی کی طرف گئی ہے؟'' وہ چائے پیتے پیتے ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیوں کس لئے گئی ہے؟''

''عمیر! اس کی امی کی طبیعت خراب ہے۔ اس لئے گئی ہے۔'' رامین اسے آرام سے سمجھانے لگیں۔

''تو میرا انتظار کر لیتی۔ میں لے جاتا۔'' اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

''عمیر! تم بات کو سمجھنے سے پہلے ہی غصہ کر لیتے ہو۔ یہیں سے خرابی ہو جاتی ہے۔ آنٹی کی طبیعت زیادہ خراب تھی آج کل انکل صمد کا فون آیا تو سعد گھر میں تھے جا کر طوبیٰ کو چھوڑ آئے۔'' رامین نے بڑی تفصیل کے ساتھ اسے سمجھایا تو اس کا موڈ کچھ بہتر ہوا۔ پھر بھی وہ کہنے لگا۔

''کم از کم مجھے فون تو کر دیتی۔''

''میں نے ہی اسے منع کیا تھا؟'' رامین نے بات اپنے سر لے لی۔

''بھئی جیسے تم اب شاؤٹ ہو رہے ہو فون پر اور زیادہ ہو جاتے پھر وہ بھی پریشان ہو کر جاتی۔ میں نے اسے کہا تھا کہ وہ چلی جائے میں تمہیں سمجھا دوں گی اور تم ہو کہ سمجھ ہی نہیں رہے۔'' اب کی بار رامین نے بھی کچھ موڈ خراب کر لیا۔

''ٹھیک ہے میں آئندہ سے تمہارے معاملے میں نہیں پڑا کروں گی۔ میں خواہ مخواہ سمجھتی رہتی ہوں کہ تم میری بات مانتے ہو؟''

''ہاں مانتا تو ہوں اور کیسے مانتے ہیں۔'' وہ بھابی کو خفا ہوتا دیکھ کر نرم پڑ گیا۔ ''ٹھیک ہے چلی گئی ہے تو۔'' وہ روٹھے بچوں کی طرح بات تو مان گیا لیکن منہ سُو جائے ہوئے چلا گیا۔

دراصل اسے اب طوبیٰ کی اس قدر عادت ہو گئی تھی کہ وہ اس کے بغیر ایک دن بھی نہ رہتا تھا۔ آج وہ جب گھر آ کر اپنے کمرے میں گیا اور طوبیٰ کو وہاں نہ پایا تو اس کا جی گھبرانے

لگا۔ اب جب معلوم ہوا کہ وہ گھر میں ہی نہیں ہے تو اس کا موڈ مزید خراب ہو گیا تھا بھابی کی بات پر وہ چپ تو ہو گیا تھا لیکن دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا کہ آخر وہ مجھے بتائے بغیر کیوں گئی۔ وہ بہت محبت کرنے والا تھا لیکن کچھ روایتی بھی تھا چاہتا تھا کہ اس کی اہمیت ہو بیوی اس کی ہر بات کو بغیر کہے جان لے اور مانے بھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ طوبیٰ کو فون نہیں کرے گا وہ خود اسے فون کرے اور سوری بھی کرے۔ ابھی وہ یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ اسی وقت ارم نے کمرے میں جھانک کر کہا۔

''بھائی! آپ کا فون ہے۔'' عمیر نے فوراً اپنے کمرے میں پڑے ٹیلی فون سیٹ کو قریب کھسکا کر ریسیور اٹھا لیا۔

''عمیر! سوری مجھے آپ سے پوچھے بغیر آنا پڑا۔'' دوسری طرف اس نے پہلی بات ہی کی۔ جس کے ساتھ ہی اس کا غصہ کچھ کم ہو گیا مگر مرد تھا اور حاکمیت کو بہر حال برقرار رکھنا چاہتا تھا اس لئے ذرا کھنچا کھنچا ہی بولا۔

''آنٹی اب کیسی ہیں؟'' وہ سعدیہ خان کی طبیعت پوچھ رہا تھا۔

''جی امی جی اب بہت بہتر ہیں۔ آپ بہت خفا ہیں مجھ سے......؟''

اس کے چپ ہو جانے پر وہ پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔

''نہیں۔'' اس نے بمشکل کہا۔

''سوری رئیلی ویری سوری۔'' وہ بار بار سوری کر رہی تھی۔

''بہر حال تمہیں میرا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ دونوں اکٹھے آ جاتے انہیں پوچھنے۔'' اس نے اپنے اندر کی بات کہہ ہی دی۔

''تو آپ اب آ جائیں ناں؟'' وہ تھوڑا سا فریش ہو گئی۔

''ابھی شام کو تو مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔'' اس نے واقعی شام کو حشام کے ساتھ ان کی طرف جانا تھا۔

''اچھا......'' وہ تھوڑا بجھ گئی۔

''کل شام کو آؤں گا۔'' اس نے کہا

''کل شام کو۔'' طوبیٰ کو خود اب عمیر کے بغیر رہنے کی عادت نہ تھی۔

''کل دوپہر کو آفس سے واپسی پر آ جائیں کھانا ادھر ہی کھا لیں۔'' وہ پیار سے کہنے لگی۔

''اچھا کوشش کروں گا۔'' دل تو اس کا بھی یہی چاہ رہا تھا۔ مگر وہ تھوڑا نخرہ دکھا رہا تھا۔

بھا آنٹی کہاں ہیں؟'' وہ اپنی ساس کا پوچھنے لگا۔

"امی جان اس وقت سو رہی ہیں۔" اس نے بتایا۔

"چلو میں پھر شام میں فون کر کے ان کی طبیعت کا پوچھوں گا۔" اب وہ خاصا نارمل ہو چکا تھا۔

"اب تم ذرا احتیاط سے رہنا اور اپنا خیال رکھنا۔" اس نے ہدایت کی تو وہ سرخ پڑ گئی۔

"جی......" ہولے سے کہا گیا۔

"اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔"

دونوں طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

☆======☆======☆

شام کو وہ دونوں عمران نیازی کی طرف پہنچے تو شاہد بٹ اور انیلا وہاں پر پہلے سے موجود تھے۔ وہ لوگ باہر لان میں ہی بیٹھے تھے۔ ایس پی عمران نیازی شاید ابھی اندر ہی تھا۔ حشام اور عمیر نے باری باری شاہد بٹ سے ہاتھ ملایا اور انیلا کو سلام کر کے وہ بھی وہیں بیٹھ گئے۔ فوراً ہی ملازم ان کے لئے بھی ٹھنڈا لے آیا۔

"ان تکلفات کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ تمہارے صاحب کہاں ہیں؟" حشام نے پیپسی کا گلاس اٹھا بھی لیا اور ساتھ ہی یہ الفاظ بھی کہہ دیئے تو شاہد بٹ کے ساتھ ساتھ انیلا کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ مگر وہ کہاں چوکنے والا تھا مسکرا کر کہنے لگا۔

"اسے تکلف نہیں پیپسی کہتے ہیں جس کے بارے میں تو مشہور ہے کہ "یہ دل مانگے اور۔""

اس نے باقاعدہ لَے میں جنگل گایا تو ان کے لبوں کی ہلکی مسکراہٹ گہری ہو کر ہنسی میں بدل گئی۔

"ویسے مس انیلا آپ کب سے پولیس میں ہیں؟" وہ ایک دم ہی سنجیدہ ہو گیا۔ انیلا نے جو دیکھنے میں حسین ہونے کے ساتھ ساتھ خاصی ذہین بھی نظر آ رہی تھی فوراً ہی سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے چھ برس ہو گئے پولیس ڈیپارٹمنٹ جوائن کیے ہوئے۔"

"اچھا آپ پولیس میں ہی کیوں آئیں۔" اس نے باقاعدہ انٹرویو شروع کر دیا تھا۔

"اس لئے کہ پولیس میں اکثر خواتین آنے سے کتراتی ہیں۔" اس نے اب کی بار مسکرا کر جواب دیا۔ جس میں کچھ شرارت بھی تھی اس کا مطلب تھا وہ حسین اور ذہین ہونے کے

ساتھ فطین بھی ہے۔ اس سے پہلے کہ حشام صاحب اس جواب میں سے ایک اور سوال (نکا)لے عمران نیازی مسکراتا ہوا اندر سے برآمد ہوا۔

"السلام علیکم۔" اس نے ذرا قدرے بلند آواز سے کہا۔

"وعلیکم السلام جناب بہت دیر لگا دی۔" حشام اٹھ کر عمران سے ملنے لگا وہ آپس میں بڑی گرمجوشی سے ملا کرتے تھے۔

"بس سرکار باہر ہم صاحب ہیں تو اندر ہماری بھی ایک صاحبہ ہیں اس لئے بس۔" عمران نے اپنی بیگم کو صاحبہ کہہ کر بڑی شوخی سے جواب دیا تو سبھی محظوظ ہوئے۔ یہ عمران نیازی جتنا ذمہ دار اور قابل افسر تھا اتنا ہی دلچسپ اور خوش مزاج انسان بھی تھا بلکہ بہت اچھا شاعر بھی اور اکثر مشاعروں میں بھی شریک ہوتا تھا۔

"اس سے پہلے کہ یہ آپ کا جناب اور سرکار والا سلسلہ کچھ طول پکڑے بہتر یہ ہے کہ ہم اندر چل کر کام کی بات کریں۔" عمیر نے دخل اندازی کر کے ان کی توجہ اصل مقصد کی طرف لگائی جس کے لئے وہ لوگ جمع ہوئے تھے۔

"جی حضور والا چلئے اندر چلئے۔"

حشام پھر بھی باز نہ آیا اور کورنش بجالاتے ہوئے اندر کی طرف سب کو چلنے کا اشارہ کرنے لگا۔ انیلا ان دوستوں کی اس نوک جھونک سے خاصی لطف اندوز ہو رہی تھی اس کے ہونٹوں پر بدستور گہری مسکراہٹ موجود تھی۔

"مس انیلا یہ دونوں میرے بہت اچھے دوست ہیں اور بہت قریبی بھی۔" عمران نیازی نے انیلا کو مسکراتے دیکھ کر ان کا تعارف کرایا۔

"بلکہ ہم تینوں لنگوٹیے یار ہیں۔" حشام نے پھر لقمہ دیا۔

"جی مجھے کچھ دیر پہلے اندازہ تھا مگر اب یقین ہے۔" انیلا نے بھی اسی انداز میں جواب دیا تو عمران نیازی اپنے قہقہے کو روک نہ سکا اور اس کا قہقہہ کوریڈور سے ڈرائنگ روم تک گونجا۔

☆======☆======☆

کچھ ہی دیر میں وہ لوگ پلان کر رہے تھے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

"میرے لئے یہ باتیں حیرت کا باعث ہونے کے ساتھ ساتھ باعثِ شرم بھی ہیں۔" ساری بات معلوم ہونے پر لیڈی انسپکٹر انیلا نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"یہ عورت عورت ہوتے ہوئے بھی کس کس گھٹیا پن سے عورت ہی کو رسوا کر رہی

ہے۔'' وہ بہت افسوس کا اظہار کر رہی تھی۔

''مگر سطوت کا تو بہت نام ہے پورے ملک میں اور ملک سے باہر بھی۔'' اسے ابھی تک حیرت تھی کہ مشہور و معروف بیوٹیشن سطوت کا ایک گھناؤنا روپ یہ بھی ہے۔

''جی ایسے لوگ ہی تو ایسے کاروبار کرتے ہیں جو ملک اور بیرون ملک دونوں جگہ شہرت اور رسائی رکھتے ہوں۔'' اے ایس پی شاہد بٹ نے کہا۔

''بہر حال آج کے دور میں کسی سے کوئی بھی توقع رکھی جا سکتی ہے۔'' ایس پی عمران نیازی اب خاصا سنجیدہ ہو چکا تھا۔

''سطوت کے ساتھ تو میرے پرسنلی بہت اچھے تعلقات ہیں مگر حیرت ہے کہ مجھ آج تک کوئی بھی ایسی بات وہاں پر فیل نہیں ہوئی۔'' انیلا بتانے لگی۔

''تب آپ نے ایسا کچھ فیل (Feel) کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی ہو گی.....'' حشام نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''کیا مطلب؟'' وہ ذرا سا چونکی۔

''بھئی ظاہر ہے بیوٹی پارلر پر تو خواتین صرف یہ فیل کرنے جاتی ہیں کہ وہ پہلے سے کتنی زیادہ حسین ہوتی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا تو وہ ذرا جھینپ گئی جس پر وہ دوبارہ بولا۔

''بہر حال اب آپ یہ فیل کرنے جایئے گا کہ وہاں پر اور بہت کچھ ہوتا ہے۔''

''میڈم یہ تو گڑ بڑ ہو گئی کہ سطوت آپ کو پہلے سے جانتی ہے۔'' شاہد بٹ فکر مند تھا۔

''سو وٹ؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''ہمارا پلان یہ تھا کہ آپ وہاں اس کی کلائنٹ بن کر جائیں گی۔''

''مگر یہ تو ان کی پرانی کلائنٹ ہیں۔''

حشام نے پھر شاہد بٹ کی بات درمیان سے ہی اچک لی۔ جس پر عمیر نے اسے کہنی مار کر احساس دلا کہ وہ چپ بیٹھے۔

''میں اسی بات کا فائدہ اٹھاؤں گی کہ میں اس کی پرانی کلائنٹ ہوں۔'' انیلا کے ذہن میں شاید کوئی بات آ گئی تھی۔

''سر وہ مجھ سے کافی فرینک ہے۔'' اس نے بات شروع کی۔

''مگر وہ یہ بھی تو جانتی ہے کہ آپ ایک پولیس افسر ہیں لہٰذا اس کی بے تکلفی میں احتیاط زیادہ شامل ہو گی۔''

حشام جو بولنے سے تو باز نہ آتا تھا مگر اس بار وہ بھی عقل کی بات کر رہا تھا۔

''میں خود اس سے صرف دوستی بڑھاؤں گی' تا کہ وہ مجھ پر شک نہ کرے۔ میں وہاں پر رانی اور رپورٹنگ کے لئے' تو عدیلہ کو بھیجوں گی۔''

''عدیلہ...... ویری گڈ۔'' عدیلہ کا نام سن کر عمران خوش ہو گیا تھا کیونکہ وہ سیکرٹ پولیس تھی اور نہایت ہوشیار اور ایماندار آفیسر تھی۔ عام طور پر کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ پولیس میں ہے۔

''جی وہ اس کام کے لئے بہت موزوں رہے گی۔'' شاہد بٹ کی مسکراہٹ اور کھنچ گئی اصل وہ دل ہی دل میں عدیلہ کو پسند کرتا تھا لیکن اس کی شخصیت کے سحر اور رعب و داب ے ڈرتا تھا اس لئے کبھی کہہ نہ پایا تھا۔

پھر ملازم چائے لے آیا۔ چائے کے دوران ہی طے یہ پایا کہ عدیلہ وہاں پر ماڈلنگ ے شوق میں جائے گی۔ اسے ماڈل بنا کر تیار ہونے کے لئے بھیج دیا جائے گا۔ اکثر بارات کے سنڈے میگزین میں نو آموز ماڈل گرلز اور اداکاراؤں کے فوٹو سیشن اور انٹرویوز پتے رہتے تھے۔ بس اسی سلسلے میں عدیلہ کو ''سطوت کے بیوٹی اِن'' سے تیار کروالیا جائے اور ردست سا فوٹو سیشن دے دیا جائے اور ساتھ میں ایسی ماڈل کا انٹرویو جو راتوں رات شہرت ر روپیہ حاصل کرنا چاہتی ہو۔ اس کا فائدہ انہیں یہ ہونا تھا کہ خالد خان تک یہ بات پہنچتی۔ وت عدیلہ کی خوب صورتی دیکھ لیتی اور اس طرح عدیلہ بہت جلد ان کے بیوٹی اِن سے ان اصل جگہ تک جا پہنچتی۔

دوسری بات یہ طے پائی کہ لیڈی پولیس میں سے ایک لڑکی کسی طرح ان پارلرز میں ے کسی ایک پر بطور اسسٹنٹ کے کام کرے اور کچھ لڑکیوں کو اسٹوڈنٹ شو کر کے گرلز ہاسٹلوں یں پہنچا دیا جائے۔ جہاں پر جا کر یہ ان خواتین کو انڈر ابزرویشن کریں جو ویکسنگ کے بہانے ہاں جا کر لڑکیوں کو بہکاتی تھیں۔ انہیں کھینچ کھانچ کر باہر لاتیں اور پھر پھنسا کر بلیک میل رتی تھیں۔ کرپشن اور ایڈکشن کو بڑے منظم طریقے سے گرلز ہاسٹلوں میں پھیلا جا رہا تھا۔ طرح سے انہوں کرپشن کے اس کام کو پورے پلان سے معاشرے میں پھیلا دیا تھا بلکہ طرح سے ان لوگوں نے ان کے اڈوں تک اپنے لوگ پہنچانے کا پلان تیار کر لیا تھا۔

''ٹھیک ہے اب سب کو ساری بات سمجھ میں آ گئی ہے؟'' سب اہم باتیں ڈسکس کر ے کے بعد ایس پی عمران نیازی نے سب سے پوچھا۔

''یس سر......'' شاہد بٹ اور انیلا نے فوراً سے جواب دیا۔

''تو یار سارا کام تو تم لوگ کر لو گے۔ ہم کیا کریں گے۔'' بڑی دیر سے ماحول پر جو گی طاری تھی حشام نے پھر ذرا اُلوؤں والی شکل بنا کر اس میں کہا کہ اس کا سب اثر زائل

ہو گیا۔

''تم ہمیں اسی طرح اُلو کی طرح دیدے گھما گھما کر دیکھتے رہنا۔'' عمران نیازی کی رگ شرارت دوبارہ پھڑک اٹھی۔

''بڑا افسوس ہے میرے دیدے اُلو جیسے ہیں......؟'' اس نے برا ماننے کی ایکٹنگ کی۔

''نہ صرف دیدے بلکہ تم تو مکمل اُلو ہو۔'' اس بار عمیر نے بھی مسکرا کر اس کی تائید کر دی اور اُلو پر کچھ اس طرح زور دیا کہ انیلا کی تو باقاعدہ ہنسی کھنک اٹھی۔

''یہ لو ثابت ہو گیا۔'' وہ باقاعدہ آستین کے کف چڑھاتا عمیر پر غرایا۔

''اوں' ہوں' ہوں۔'' عمران نیازی نے فوراً گلا کھنکار کر اپنے پولیس افسر ہونے کا ثبوت دے کر احساس دلایا کہ وہاں پر ایک خاتون بھی موجود ہے۔ انیلا جو دوسری طرف منہ کر کے ہنس رہی تھی ''ایکسکیوزمی سر'' کہہ کر باہر نکل گئی اور وہ کھسیانا سا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''تم لوگ پورے وقت میں ہمارے ساتھ رہو گے اور ہماری مدد کرو گے۔ جیسے مجرم اور قانون کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔''

''اسی طرح مجرم اور عدالت بھی لازم و ملزوم ہیں۔'' شاہد بٹ نے عمران نیازی کی بات کو مکمل کر دیا۔ تو عمران نے اس کی حاضر جوابی پر اسے شاباش دیتی نظروں سے دیکھا۔

''جیسے جیسے حالات بنتے جائیں گے ہم آگے کے لئے مل کر پلان کرتے جائیں گے۔'' عمران نے دوبارہ سے سنجیدہ ہو کر عمیر اور حشام کو شاملِ گفتگو کر لیا۔

''یار! اس سلسلے میں وہ تمہاری بہن حنا وہ ہماری بہت مدد کر سکتی ہے۔'' عمران نیازی نے ذہن پر زور دے کر حنا کا نام یاد کیا اور عمیر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''میری بہن نہیں ہے وہ۔'' عمیر کا لہو پھر ایک دم گرم ہو گیا۔ اس کے تن بدن میں تو یہ سوچ کر ہی آگ لگ گئی تھی کہ ارزم کے ساتھ اگر یہ ہوا ہوتا تو۔

اس کے یوں بیچ پا ہونے پر عمران اور شاہد کے ساتھ ساتھ حشام کو بھی اچھا نہ لگا۔

''ملک کی عزتیں حوا کی بیٹیاں اور ہماری دینی بہنیں سب ہمارے لئے اپنے لہو کی حدت جیسی ہیں عمیر سب قابل احترام اور قابل عزت ہیں۔'' حشام نے اسے سمجھایا۔ وہ چپ تو ہو گیا لیکن اس کے چہرے پر ابھی آگ کی تپش موجود تھی۔

''یہ سب جو ہم یہاں بیٹھ کر پلان کر رہے ہیں۔ کس کے لئے کر رہے ہیں۔ اپنے گھر

کی عزت بچانے کے لئے تو کر رہے ہیں۔'' عمران نیازی بھی اس کے غصے سے واقف تھا اس لئے آرام سے اسے ٹھنڈا کر رہا تھا۔

''اس میں ان لڑکیوں کا بھی تو قصور ہے۔ وہ جو کرتی ہیں اسی کا نتیجہ سامنے دیکھتی ہیں۔'' اب وہ بالکل ایک عام سوچ کا فرد لگ رہا تھا۔

''کچھ اگر اپنی مرضی سے کرتی ہیں تو ہزاروں بے گناہی میں بھی تو ماری جاتی ہیں۔'' عمران نے بڑی محبت سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

''مطلب سر! مچھلی تو ایک ہی گندی ہوتی ہے مگر اس کی سڑن سے پورا تالاب گندا ہو جاتا ہے اور لاتعداد مچھلیاں اس تعفن کی وجہ سے اس میں ماری جاتی ہیں۔'' شاہد بٹ نے پھر بڑا سیریس سا منہ بنا کر کچھ اس انداز میں مثال کی وضاحت کی کہ عمران اور حشام کے ساتھ ساتھ عمیر کے لبوں پر بھی بے اختیار مسکراہٹ رینگ ہی گئی۔

''اچھا اب اٹھو دیر ہو رہی ہے۔'' وہ اپنی جھینپ مٹانے کو اٹھ کھڑا ہوا اور حشام سے بھی اٹھنے کو کہنے لگا۔

''ہاں تم لوگ اب چلو اور حنا کو کل تم نے انیلا سے ملا دینا ہے۔ انیلا اس سے کچھ ضروری تفصیلات لے لے گی۔'' عمران نیازی نے فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں ہم جا رہے ہیں ہمارے سرکار کیونکہ آپ کی ہوم منسٹر آپ کا انتظار کر رہی ہوں گی۔''

حشام نے جاتے جاتے بھی اسے چھیڑا۔

''اللہ کا کرم ہے وہ ہمارے ہوم کو سنبھالنے والی منسٹر ہے۔ جناب آپ بھی جلدی کیجئے اور منسٹر لے آیئے آپ کا ہوم لونلی ہے۔'' اس نے بھی حاضر جوابی اور خوشدلی سے کہا۔

''آپ کی دعا رہی تو جلدی ایسا ہونے والا ہے'' یہ کہتے ہوئے حشام کے چہرے پر محبت کا رنگ خود بخود آیا۔

☆======☆======☆

رات کو وہ لوگ کھانے کے بعد باہر لان میں بیٹھے تھے۔ عمیر اور سعد خان ارم کو تنگ کر رہے تھے۔

''اچھا ہے بھائی اس کے جانے کے بعد اچھی چائے تو ملا کرے گی پینے کو۔'' ارم چائے کی ٹرے لے کر آئی تو چائے کا کپ اٹھائے ہوئے عمیر نے اس کی بنائی ہوئی چائے کو برا سا منہ بنا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا...... کیا کہا۔'' وہ چائے کا کپ عمیر سے واپس لے کر آنکھیں نکالنے لگی۔ ''میں بری چائے بناتی ہوں؟'' وہ لڑنے کو تیار تھی۔

''تو اور کیا تمہارا خیال ہے تم اچھی چائے بناتی ہو۔'' عمیر نے کپ دوبارہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''تو مت پئیں ناں یہ بری سی چائے۔'' وہ پھر سے کپ واپس لینے لگی۔

''مجبوری ہے آج اچھی چائے بنانے والے گئے ہوئے ہیں۔'' اس نے کپ دوسری طرف گھما کر ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

''نہ صرف اچھی چائے ملے گی بلکہ گھر میں سکون بھی ہو جائے گا۔'' اس نے چائے کا سپ لے کر ایک اور بات کہہ دی۔

''کیا' کیا؟'' وہ غراتی ہوئی اس پر لپکی مگر وہ چائے پکڑے اٹھ کر دوسری طرف ہو گیا۔

''بھائی جان! آپ دیکھ رہے ہیں بھائی کو؟'' وہ شکایت لے کر سامنے بیٹھے سعد خان کے پاس گئی جو پہلے ہی دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہے تھے۔

''ہاں دیکھ رہا ہوں کیا ہوا؟'' وہ یوں انجان بن گئے جیسے کچھ جانتے ہی نہ ہوں جس پر وہ اور چڑ گئی۔

''بھائی جان آپ بھی۔'' اب وہ رونے والی تھی۔

''ہاں ہاں بھئی میں بھی تمہارا بھائی ہوں۔ آج تمہیں کیا ہوا تم کیسی باتیں کر رہی ہو......؟''

وہ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے مگر دراصل وہ بھی اسے تنگ کرنے میں عمیر کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔

''بس رہنے دیں آپ لوگ مجھے پتا ہے مجھ سے تنگ آئے ہوئے ہیں آپ سب۔'' وہ بچوں کی طرح رونے لگی۔

''ارے...... ارے۔'' رامین اسے روتا دیکھ کر پیچھے لپکی مگر وہ غصے میں اندر بھاگ گئی۔

''آپ لوگ بھی بہت زیادتی کرتے ہیں۔'' رامین نے سعد اور عمیر کو گھرکا۔ آج کل یہی سلسلہ چل رہا تھا۔ وہ بات بات پر ارم کو چھیڑتے تھے اور وہ بات بے بات رو پڑتی تھی۔ دراصل دونوں صرف اس لئے چھیڑتے تھے کہ جب وہ سامنے آتی تھی اس کی جدائی کا خیال ساتھ ہی دل دکھا دیتا تھا اور اسے چھپانے کے لئے اسے تنگ کرنا شروع کر دیتے تھے۔

ری طرف وہ بھائیوں کے مذاق سے نہیں چڑتی تھی بلکہ یہ خیال اس کی آنکھیں بھر دیتا تھا بھائیوں کی یہ محبتیں اس سے دور ہو جائیں گی۔

''پگلی ہے یہ تو بھلا کبھی بھائی بھی تنگ آئے ہیں بہنوں سے۔'' سعد خان محبت سے لے۔

''امی جان بلا رہی ہیں آپ دونوں کو۔'' ارم نے برآمدے میں کھڑے ہو کر آواز لگائی کے انداز میں ابھی بھی خفگی تھی۔

''تم نے ضرور شکایت لگا دی ہو گی ان سے۔'' عمیر نے ارم سے پوچھا۔

''میں نے ان سے کچھ نہیں کہا۔'' وہ پھر ناراض ہو کر اندر چلی گئی۔

''چلو یار بس کرو ورنہ پھر رو پڑے گی۔'' سعد خان نے اپنا خالی کپ میز پر رکھا اور صبورہ ون کے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیئے انہیں تو خبر تھی کہ انہوں نے کس لئے بلایا ہے۔

☆======☆======☆

صبورہ خاتون نے اصل بات شروع کرنے سے پہلے بہت سی مثالیں دیں۔ وہ جانتی ں کہ سعد اور عمیر سگے بھائی ضرور ہیں مگر ان دونوں کے مزاج میں ایک چیز کا فرق بالکل ن اور آسمان جیسا تھا۔ سعد جتنا نرم مزاج اور درگزر کرنے والا تھا عمیر اسی قدر تیز غصے کا ل تھا اس میں تحمل اور صبر غصے کے معاملے میں نام کو بھی نہ تھا لیکن اب حالات ایسے ہو چکے کہ عمیر کو ہر بات بتانی ضروری تھی۔ انہوں نے بڑے طریقے سے اور ساتھ سمجھا سمجھا کر رکو بتانا شروع کیا۔ مگر وہ دیکھ رہی تھیں کہ عمیر کے چہرے کا رنگ بالکل فق ہو چکا تھا اور وہ چینی اور غصے سے پہلو بدل رہا تھا وہ اپنے ہاتھوں کے مکے بنا کر انہیں کستا اور ایک رے پر مارتا۔ یہ اس کے اندر کے اس غصے کا رد عمل تھا جسے وہ اب تک تو پی رہا تھا لیکن رہ خاتون دیکھ رہی تھیں کہ اس کی آنکھیں اس کے دل کی کیفیت کی تصویر بن چکی تھیں۔ رب اور ضبط کی شدت سے دوچار تھا۔ اور جو کچھ انہوں نے بتایا تھا اسے سن اور جان کر اور ا بھی مرد ہوتا اس کی یہی کیفیت ہوتی۔ عمیر تو پہلے ہی سے ایک بہت غصے والا مرد تھا اور اہ طوبیٰ کو بہت شدت سے چاہنے لگا تھا۔

''امی جان! آپ لوگوں نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ یہ سب چھپا کر۔'' آخر میں وہ ماں گھٹنے پر سر رکھ کر ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرح بکھر گیا۔ اذیت کی شدت سے رو پڑا۔

''عمیر میری جان عمیر۔'' صبورہ خاتون تڑپ اٹھیں۔ وہ اپنے بچے کے درد کو اس وقت دل میں محسوس کر رہی تھیں۔

"امی جان امی یہ آپ لوگوں نے کیا کر دیا۔" وہ ننھے بچے کی طرح ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا ایسا بچہ جس کا بے حد پسندیدہ کھلونا ٹوٹ گیا ہو۔ جس کے معصوم دل پر بڑی گہری چوٹ پڑی ہو اور وہ بلک اٹھے۔

"مرد بنو یار......" سعد خان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے حوصلہ دیا۔

"بھائی جان! یہ دھوکا ہے میرے ساتھ بہت بڑا دھوکا۔" وہ اپنی لال لال آنکھوں سے سعد خان کو دیکھنے لگا۔

"نہیں یار! یہ دھوکا نہیں مصلحت تھی کہ ہم نے تم سے یہ سب چھپایا۔" وہ پھر بھی مسکرا کر ماحول کو بہتر رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"طوبیٰ نے طوبیٰ کے گھر والوں نے فراڈ کیا ہے مجھ سے۔" وہ غصے میں بولنے لگا۔

"بیٹا طوبیٰ کے گھر والوں نے ہم سے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا پہلے روز ہی میر اور کرنل صاحب نے ہمیں ہر بات سے آگاہ کر دیا تھا۔" صبورہ خاتون نے بیٹے کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں محبت سے تھام لیا۔

"امی جان! آپ نے پھر بھی جان بوجھ کر......" اسے اب حیرت ہوئی کہ اس کی ماں نے اتنا بڑا اور ایسا کڑوا سچ جان لینے کے باوجود بھی طوبیٰ سے اس کی شادی کر دی۔

"ہاں میں نے یہ سب جاننے کے باوجود...... بڑی رضا مندی اور خوشی سے یہ رشتہ کیا تھا۔" وہ متانت سے مسکراتے ہوئے بولیں۔

"کیوں...... کیوں امی جان، کیا میرے لئے اور لڑکیاں نہیں تھیں؟" وہ ماں کو اس وقت سمجھنے سے قاصر ہو رہا تھا کیونکہ اس کے دل و دماغ پر اس وقت شدید غصہ چھایا ہوا تھا۔

"لڑکیاں تو بہت تھیں مگر طوبیٰ جیسی لڑکی تمہیں ہرگز نہیں ملتی۔" وہ پیار سے اس کے گال سہلانے لگیں۔

"ہاں واقعی طوبیٰ جیسی...... کہاں ملتی......؟" وہ بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اس میں طوبیٰ کا کوئی قصور نہیں بیٹا۔" وہ اس کی بات کو نظر انداز کر کے اپنی بات کرتی رہیں۔ "یہ تو کسی بھی لڑکی کے ساتھ ہو سکتا تھا، اللہ کسی کی بچی پر یہ قیامت نہ گزرے تم یہ سوچو کہ اس بچی پر کیا گزری ہے وہ کن قیامتوں سے گزری ہے۔"

"قیامت تو مجھ پر ٹوٹی ہے۔ یہ سب تو میرے ساتھ ہونا تھا۔ پھر کسی اور کے ساتھ کیسے ہوتا؟" وہ اپنی آنکھیں رگڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"عمیر...... عمیر......" سعد خان نے اسے کندھوں سے تھاما۔

"ہوش کرو، اور ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو......"

"میں کیا سوچوں گا جب سب کچھ تو آپ لوگوں نے سوچ کر کیا ہے۔" اس نے آہستگی سے بھائی کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹائے اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

"امی جان!" سعد خان نے تڑپ کر ماں کی طرف دیکھا۔

"امی کیا کرے بیٹا، یہ تو ہونا ہی تھا۔ اس وقت وہ جس کیفیت سے دوچار ہے اس میں نہ تو اسے سمجھایا جا سکتا ہے نہ کوئی تسلی دی جا سکتی ہے۔ یہ درد تو اب آہستہ آہستہ کم ہو گا۔"

وہ بہت سمجھدار خاتون تھیں بالکل درست کہہ رہی تھیں۔ سعد خان بہت پریشان ہو گئے۔ انہیں اپنے بھائی سے بے انتہا محبت تھی اسے تو وہ ذرا سی تکلیف میں نہ دیکھ سکتے تھے آج تو وہ بڑی سخت اذیت سے گزر رہا تھا۔

"تم جاؤ اپنے کمرے میں رامین پریشان ہو رہی ہو گی۔"

صبورہ خاتون نے اپنا سنہری فریم والا چشمہ اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور بیڈ سے نیچے اتر کر سلیپر پہن لئے۔ سعد سمجھ گئے کہ اب وہ وضو کرنے جائیں گی اور عمیر کے لئے بیٹھ کر کچھ پڑھیں گی۔ لہٰذا وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چل دیئے۔ جاتے جاتے رک کر انہوں نے عمیر کے کمرے کی طرف دیکھا۔

☆======☆======☆

اگلی صبح جب عمیر بہت دیر تک ناشتے کی میز پر نہ آیا تو سعد خان کو بہت تشویش ہونے لگی۔ صبورہ خاتون کا بھی دل گھبرانے لگا۔

"خدا خیر کرے عمیر ناشتے کے لئے نہیں آیا۔" وہ بھی کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔

"میں دیکھتی ہوں۔" وہ جانتی تھیں وہ منہ سر لپیٹ کر پڑا ہو گا۔ وہ تو ذرا سی بات کا غصہ دیر تک رکھتا تھا یہ تو بات ہی بہت بڑی تھی۔

"عمیر، عمیر۔" وہ آوازیں دیتی ہوئی اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"عمیر۔" اسے سامنے نہ پا کر وہ ذرا بلند آواز میں پکارنے لگیں۔ پھر باتھ روم میں جھانکا لیکن وہ کہیں بھی نہیں تھا۔

"یا اللہ خیر یہ میرا بچہ کہاں نکل گیا؟" وہ پریشان ہو کر واپس پلٹیں۔

"سعد۔" اب وہ سعد کو آوازیں دے رہی تھیں۔

"جی امی جان۔" سعد خان فوراً آ گئے۔

"بیٹا! عمیر اپنے کمرے میں نہیں ہے۔" وہ پریشان تھیں۔

"کمرے میں نہیں ہے۔ پھر کہاں گیا ہوگا؟" سعد خان کو بھی فکر ہوگئی۔

"آپ آئیں پریشان نہ ہوں۔ آجائے گا کہیں نکل گیا ہوگا۔" انہوں نے اپنی پریشانی کو چھپا کر ماں کی ڈھارس بندھائی۔ صبورہ خاتون خود بہت ہمت والی خاتون تھیں جلدی پریشان نہیں ہوتی تھیں مگر یہ اولاد چیز ہی ایسی ہوتی ہے کہ بڑے بڑے جگر پانی کر دیتی ہے۔

"کہیں واک کے لئے نکل گیا ہوگا۔" سعد خان نے سوچتے ہوئے کہا۔

"واک پر تو وہ ہر روز جاتا ہے مگر اس وقت تک پلٹ آتا ہے۔" صبورہ خاتون نے جواب دیا۔

"ہوسکتا ہے حشام کے ساتھ چلا گیا ہو۔" سعد خان کے ذہن میں ایک اور بات آئی۔

"ہاں شاید ایسا ہی ہو بہر حال وہ ذہنی طور پر اپ سیٹ ہے ہمیں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔" انہوں نے خود کو تسلی دے کر سعد خان کو پھر بھی سمجھا دیا۔

"جی امی جان میں ابھی ادھر فون کر کے اس کا پتا کرتا ہوں اور جا کر اسے خود لاتا ہوں۔" وہ ماں کی بات کا کچھ مطلب سمجھ گئے اور حشام کے گھر فون کرنے چلے گئے۔

"امی جان! آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ آجائے گا۔ آئیں آپ تھوڑا سا ناشتا کر لیں۔" رامین انہیں اس طرح فکر مند دیکھ کر خود بھی فکر مند تھیں لیکن ظاہر نہ کر رہی تھیں۔

"مجھے کچھ بھوک نہیں ہے میں ناشتہ نہیں کروں گی۔" انہوں نے انکار کر دیا وہ بیٹے کو بھوکا اور برے حال میں سوچ کر کیسے کھا سکتی تھیں۔

"اچھا چلیں صرف چائے لے لیں۔" رامین نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھا دیا وہ جانتی تھیں کہ جب تک عمیر نہیں آئے گا وہ اسی طرح پریشان رہیں گی۔ انہوں نے خاموشی سے چائے کا کپ رامین کے ہاتھ سے لیا اور چائے پینے لگیں۔

"امی جان! وہ حشام کی طرف نہیں ہے۔" سعد خان فون کر کے آگئے تھے، سر جھکائے ہوئے بولے۔

"حشام کی طرف نہیں ہے پھر کہاں گیا ہوگا؟" انہوں نے فوراً ہی چائے کا کپ واپس میز پر رکھ دیا۔

"میں گارڈن جاتا ہوں اور جا کر دیکھتا ہوں۔ وہ وہیں ہوگا۔" سعد خان نے پھر ماں کو تسلی دی اور گاڑی کی چابی اٹھا کر چلے گئے۔

"سعد!" انہوں نے پیچھے سے آواز دی۔

"جی امی جان۔" وہ فوراً پلٹ آئے۔

"میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔ وہ ضدی تمہارے ساتھ اگر نہ آیا تو......" وہ بھی ساتھ چل پڑیں۔

"نہیں امی جان! وہ اتنا بدتمیز تو کبھی نہیں رہا۔ اس وقت وہ بہت دکھی ہے اور بس۔" انہوں نے بھائی کی طرفداری کی۔

"پھر بھی میں چلتی ہوں۔" دراصل ان کی ممتا کو تسلی نہ ہو رہی تھی۔

"چلیں ضرور۔" سعد خان نے ماں کو ہاتھ تھام کر اپنی مضبوط بانہوں کے سہارے میں لے لیا اور پورچ میں لے آئے۔ یہ ان کی محبت اور ماں کے احترام کا ایک انداز تھا ورنہ صبورہ خاتون ابھی تو انا اور تندرست ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد ایکٹو بھی تھیں۔ انہوں نے ابھی گاڑی کو اسٹارٹ ہی کیا تھا کہ عمیر کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔

"لیں وہ خود ہی آ گیا۔" سعد خان اسے دیکھ کر کھل اٹھے۔

"شکر الحمدللہ۔" صبورہ خاتون کے لبوں سے بھی بے ساختہ نکلا۔

"کہاں رہ گئے تھے یار۔" سعد خان نے گاڑی سے اترتے ہی پوچھا۔

"بس ایک دوراہے پر پھنس گیا تھا۔" اس نے بڑی زخمی نگاہوں سے سعد خان کی طرف دیکھا کہ ان کا دل کٹ کر رہ گیا پھر وہ ماں کو سلام کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ آج اس کی چال میں رعب داب کی بجائے لڑکھڑاہٹ تھی جو اس کے اندر سے ٹوٹ جانے کی گواہ تھی۔

"امی جان! ہم نے اس کے ساتھ واقعی زیادتی کی ہے۔" ایک بھائی کی حالت پر دوسرے بھائی کا دل بری طرح دکھ گیا تھا۔

"سعد خان۔" صبورہ خاتون نے ذرا بلند اور سخت لہجے میں کہا جس میں خاصی تنبیہہ تھی۔

"جی...... وہ...... وہ میرا مطلب تھا ہمیں اسے پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔" انہیں فوراً ہی غلطی کا احساس ہو گیا جس پر وہ شرمندہ ہو گئے تھے۔

"یہ معقول اور مناسب وقت تھا۔ جب اسے بتانا ضروری ہو گیا تھا ورنہ شاید میں ابھی بھی اسے کچھ نہ بتاتی۔" وہ کچھ خفا سی ہوگئیں اور اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

"سوری امی جان۔" انہوں نے معافی مانگ لی۔

"آئندہ خیال رکھنا۔" سعد تم ایک سمجھدار انسان ہو اور ذمہ دار بھی تمہیں یاد رہنا چاہیے ہم نے کوئی ایسی غلطی یا زیادتی عمیر کے ساتھ نہیں کی جس پر ہمیں کبھی کوئی ندامت ہو۔ وہ بے عقل سا ہے۔ غصہ اترے گا تو سمجھ جائے گا۔" انہوں نے ذرا سختی سے سمجھایا اور اپنے کمرے

میں چلی گئیں۔

وہ بہت اصول پسند خاتون تھیں فیصلہ کرنے سے پہلے بہت زیادہ سوچتی تھیں مگر فیصلہ کر لینے کے بعد پچھتایا نہیں کرتی تھیں اور پھر وہ اپنی جگہ بالکل سچی تھیں انہوں نے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا تھا جس پر وہ اب نظر ثانی کرتیں۔

☆======☆======☆

طوبیٰ نے بڑے شوق سے کھانا بنایا عمیر کی پسند کی چیزیں بنائیں اب وہ ایگ پڈنگ بنا رہی تھی اور ساتھ ساتھ گنگنا بھی رہی تھی...... وہ جانے کن خیالوں میں گم تھی۔ تانیہ کالج سے واپس آ کر کچن کے دروازے میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی اس پر وہ بہت خوش تھی کہ اس کی بہن خوش ہے۔

''واہ بھئی واہ آج تو بہت لے میں ہیں۔'' اس نے طوبیٰ کو گنگناتے دیکھ کر چھیڑا وہ اپنی چوری پکڑے جانے پر شرما گئی۔

''اوہو تو عمیر صاحب کی پسند کا کھانا بن رہا ہے؟'' اس نے اندر آ کر کھانے کی دیگچیوں کو ڈھکن اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا۔

''لگتا ہے انہیں مچھلی بہت پسند ہے؟'' اس نے ''انہیں'' پر ذرا زور دے کر کہا۔

''ہاں وہ مچھلی بہت شوق سے کھاتے ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اقرار کر لیا۔

''کون شوق سے کھاتے ہیں مچھلی؟'' سمیر جس نے آتے آتے آخری جملہ سنا تھا آ کر پوچھنے لگا۔

''وہ......وہ......'' طوبیٰ بوکھلا گئی...... بھائی سے ہزار بے تکلفی اور دوستی سہی مگر حیا بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔

''ہاں تو کون مچھلی شوق سے کھاتا ہے؟'' وہ تھوڑا سا سالن پلیٹ میں نکال کر چکھنے لگا۔

''وہ کھاتے ہیں۔'' تانیہ نے سرخ پڑتی طوبیٰ کو گہری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''اچھا......اچھا وہ کھاتے ہیں۔'' مچھلی بہت لذیذ بنی ہوئی تھی اس نے دوبارا ایک بڑا سا ٹکڑا پلیٹ میں نکال لیا جس پر طوبیٰ نے آنکھیں نکال کر اسے دیکھا تو وہ جلدی جلدی کھاتے ہوئے کہنے لگا۔

''بھئی اگر وہ شوق سے کھاتے ہیں تو ہم بھی تو شوق سے کھاتے ہیں۔'' ڈھٹائی سے کچھ اس انداز میں کہا گیا کہ تانیہ کے ساتھ ساتھ طوبیٰ کو مسکرانا پڑا۔

''گڈ۔'' وہ تھوڑا اور فری ہو گیا۔

''اچھا تو پڈنگ بنی ہے۔ ایگ پڈنگ......'' اس کی باچھیں اور آنکھیں دونوں ہی نگ کو دیکھ کر کھل گئیں۔

''سوئٹ......طوبیٰ پہلے والی طوبیٰ بن کر کھڑی ہو گئی۔'' وہ ہرگز اسے اس میں بے ائی نہ کرنے دینا چاہ رہی تھی۔

''نہیں، نہیں میں تو بس یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ یہ باقی کھانے تو آپ بہت لذیذ بنانے ہیں کہیں پڈنگ بنانا بھول تو نہیں گئیں۔'' اس نے پڈنگ تک اپنی رسائی حاصل کرنے لئے جتن کرنے شروع کر دیئے۔ مگر وہ تو فریج میں پڈنگ رکھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو تھی۔

''بڑا افسوس ہے، ان کا کس قدر خیال ہے اور ہمارا کچھ خیال نہیں۔'' اس نے منہ بسور لیا آرمی میں **کیپٹن** ہو جانے کے باوجود بچہ ہی تھا۔

''**لوگ ٹھیک** ہی کہتے ہا۔''

''کیا کہتے ہیں لوگ؟'' وہ اسے پرے دھکیلتی ہوئی بولی۔

''یہی کہ شادیوں کے بعد بہنیں بہت بدل جاتی ہیں انہیں بھائیوں کا نہیں شوہروں کا ال زیادہ رہتا ہے۔'' وہ خفا ہو گیا تھا۔

''ہاں بالکل سو فیصد ٹھیک کہتے ہیں لوگ اور سنو جب تک عمیر نہیں آتے کھانا نہیں لگے ۔'' وہ بھائی کی بلیک میلنگ کو سمجھ گئی تھی اور اب خود بھی اسے ستانے کے موڈ میں تھی۔

''لیکن مسز عمیر دیکھیں ناں آپ کا اس قدر لذیذ اور محبت سے بنایا ہوا کھانا ٹھنڈا ہو کر ی لذت کھو دے گا۔ آپ ذرا عمیر صاحب کو فون پر یاد دہانی کرائیے کہ انہیں بہت دیر ہو گئی ہے اور گھر کے باقی افرادِ خانہ کا بھوک سے برا حال ہے۔''

اس نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی ایکٹنگ سے اسے ٹریپ کر لیا۔ اس نے کچن ں لگے وال کلاک کی طرف دیکھا واقعی عمیر کو بہت دیر ہو گئی تھی۔ وہ جلدی سے فون کرنے کو ئی اور موقع پاتے ہی سمیر نے فریج پر حملہ کر دیا اور پڈنگ کی ڈش نکال کر اسے چکھنے لگا۔

''واہ...... یہ تو پہلے سے بھی مزیدار ہے۔'' وہ ٹھنڈی ٹھنڈی پڈنگ سے لطف اندوز نے لگا اور پاس کھڑی تانیہ اسے منع کرتی رہ گئی۔

''بھائی بری بات ہے۔ سب کے ساتھ کھانا دیکھو طوبیٰ نے بڑی محنت سے بنائی ہے۔ یر بھائی کیا سوچیں گے۔'' مگر وہ کان بند کیے اپنے کام میں لگا رہا۔

طوبیٰ نے عمیر کے آفس میں فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ آج آفس آیا ہی نہیں۔

"آفس نہیں گئے۔" اس کے دل کو کھٹک گئی جلدی سے اس کا موبائل نمبر ملایا مگر موبائل بند کیا ہوا تھا اور اسے کوئی اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔

اب اس کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔

وہ فون کے پاس بیٹھی اسی شش و پنج کا شکار تھی کہ گھر فون کرے نوریہ بھی کالج سے آ گئی تھیں اور ابھی ابھی باتھ روم سے نہا کر فریش ہو کر نکلی تھی۔

"کیا ہوا؟ تم کیوں پریشان بیٹھی ہو۔" وہ طوبیٰ کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

"آں...... ہاں...... کچھ نہیں، بس کچن میں سے آئی ہوں ناں؟۔" اس نے فوراً بہانہ کیا اب اسے بھی اپنے اندر کی کیفیت کو چھپانا آ گیا تھا۔ اس نے یہ تحمل اور بردباری رامین سے سیکھی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب اپنے گھر والوں کو کسی بھی بات کی خبر نہ ہونے دے گی۔ چاہے اس پر کچھ بھی بیت جائے۔

"عمیر نہیں آیا ابھی تک۔" وہ پوچھنے لگیں۔

"جی وہ ذرا ان کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ آج آفس نہیں آئے۔" وہ جھوٹ بول گئی۔ "میں گھر فون کرتی ہوں۔" وہ گھر کا نمبر ملانے لگی۔ رامین نے فون اٹھایا تھا۔

"آپا عمیر آج آفس نہیں گئے۔" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

"وہ آج ذرا اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" رامین نے بتایا۔

"جی کیا ہوا؟" وہ ایک دم ہی پریشان ہو گئی۔

"بس ذرا گرمی کا بخار ہے۔" وہ کچھ چھپانا چاہ رہی تھیں اب اسے کیا بتاتیں کہ رات سے اس کا کیا حال ہے وہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کیے پڑا ہے۔

"امی جان نے ان سے کچھ کہا۔" ڈرتے ڈرتے اس نے پوچھ ہی لیا۔

"ہاں رات سعد اور امی جان نے اس سے بات کر لی تھی۔" انہوں نے بتایا۔

"اوہ...... اچھا......" اسے لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر کس دیا ہو۔

"وہ...... وہ......" وہ جو پوچھنا چاہ رہی تھی زبان اس کے لئے تیار نہ تھی اس لئے ساتھ نہ دے رہی تھی۔

"طوبیٰ! یہ تو ہونا ہی تھا اسے سمجھنے اور سنبھلنے میں تھوڑا سا وقت تو لگے گا مگر تم پریشان نہ ہونا اللہ خیر کرے گا۔" وہ اسے تسلی دے رہی تھیں۔

"اچھا پھر تو وہ آج نہیں آئیں گے۔" اس کا دل جیسے ٹوٹ سا گیا۔

"کیا اس نے آنا تھا؟۔" وہ پوچھنے لگیں۔

"جی انہوں نے آج دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھانا تھا یہاں سب انتظار کر رہے ہیں۔" وہ رونے کو تھی۔

"طوبیٰ...... میں نے تمہیں کیا سمجھایا تھا۔" وہ اسے ڈھیلا پڑتا دیکھ کر سمجھانے لگیں۔

"اچھا تم ایسا کرو کہ تم فون بند کرو میں ابھی فون کرتی ہوں کہتی ہوں کہ عمیر کو بخار ہے ں لئے وہ کھانے پر نہ آ سکے گا۔" وہ بہت سمجھدار تھیں معاملے کو سلجھانا جانتی تھیں اور جانتی تھیں کہ گھروں کے اندر کے مسائل کو کس طرح حل کرنا پڑتا ہے۔ وہ فون بند کر کے باتھ روم ں چلی گئی، وہ اپنی آنکھوں میں رکنے والے ضبط کو بہا دینا چاہتی تھی کہ آنے والے بہت ے طوفان کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو سکے۔

تھوڑی دیر کے بعد رامین اس کی نوریہ آپا سے بات کر رہی تھیں مگر رامین نے عمیر کے ئار کا بہانہ کرنے کی بجائے مناسب سمجھا کہ یہ کہہ دیں کہ اسے ایک ایمرجنسی میٹنگ میں سلام آباد جانا پڑ گیا۔ کیونکہ اگر وہ یہ کہہ دیتیں کہ عمیر کو بخار ہے تو لازم تھا کہ سعدیہ خان طوبیٰ کو فوراً گھر واپس بھیج دیتیں۔ اور کوئی نہ کوئی عمیر کی طبیعت کا بھی پوچھنے ضرور آتا، اس لئے ہی درست تھا جو انہوں نے کہا اور اس طرح سے وضاحت کر کے نوریہ کو بتایا کہ وہ بالکل بھی امنائے بغیر بات سمجھ گئیں۔

"رامین! خیر ہے ضروری کاموں کے لئے جانا ہی پڑتا ہے۔" وہ رامین کے بار بار عذرت کرنے پر کہہ رہی تھیں۔

"اچھا تم طوبیٰ کو سمجھا دینا وہ فیل کرے گی۔" رامین نے نوریہ کو اس طرح کہہ کر اور طمئن کر دیا کہ بات اور کچھ ہرگز نہیں ہے۔

"رامین ہاں ہاں میں اسے ابھی سمجھا دوں گی وہ بات کو ماننا سیکھ گئی ہے۔ یہ سب تمہاری ہت ہے رامین جو طوبیٰ اس قدر بدل گئی ہے۔" وہ رامین کی تعریف کر رہی تھیں۔

پھر کچھ دیر گھر والوں کی خیریت وغیرہ معلوم کر کے انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

☆======☆======☆

انیلا اور عدیلہ نے مل کر اس کیس کو بہت مضبوطی سے پلان کر لیا تھا یہ دونوں بہنیں یس میں تھیں۔ انیلا انسپکٹر لیڈی پولیس تھی اور عدیلہ سیکرٹ سروس کے پروجیکٹس پر کام کرتی ی۔ یہ کام اس نے اپنے شوق سے ایک چیلنج سمجھ کر لے لیا تھا۔ انہوں نے چن کر کچھ لڑکیاں ری پولیس اور سیکروٹ سروس میں لیں۔ پہلے انہیں سارے معاملے کو سمجھا کر اس کے لئے

ٹرینڈ کیا کہ انہیں کیا کام کرنا ہے اور وہاں جا کر کس طرح ایکٹ کرنا ہے۔ پھر انہیں مختلف کالجز اور ایک دو یونیورسٹیوں کے گرلز ہاسٹلوں میں ایسی اسٹوڈنٹس بنا کر پہنچا دیا جو مائیگریٹ ہو کر آئی ہوں۔ انیلا نے سطوت کے پاس خود زیادہ جانا شروع کر دیا اور اس کے سب سے مین بیوٹی پارلر کو انڈر آبزرویشن کر لیا۔ اور جب سے اس نے ایسا کیا تھا بہت سی غیر معمولی باتیں اس کے نوٹس میں آ رہی تھیں۔ ادھر عدیلہ نے ایک فیشن میگزین کے لئے ماڈلنگ شروع کر دی اور میک اَپ کے لئے سطوت کے پاس پہنچ گئی جہاں اس نے سطوت سے بہت متاثر ہونے کا بڑا زبردست ڈرامہ کیا اور سطوت کی بہت تعریفیں کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی اس کے کانوں میں ڈال دی کہ وہ بہت بڑی ماڈل بننا چاہتی ہے، بہت روپے اور شہرت کی متمنی ہے۔ اس کی یہ خواہش ہے کہ وہ سطوت کی ایڈورٹائزنگ کمپنی کے لئے کام کرے جس پر سطوت نے بڑا اترا کر نخوت سے کہا۔ ''ٹیلنٹ تو تم میں ہے اور تم خاصی حسین ہونے کے ساتھ فوٹو جینک بھی ہو۔ لہٰذا میں ایک فوٹو سیشن تمہارا کر کے دیکھ لوں گی۔'' جس کا مطلب تھا کہ عدیلہ کی بات بن گئی ہے۔

شاہد بٹ نے ان ہاسٹلز کے باہر نگرانی کا کام شروع کرا دیا تھا اور جس کی رپورٹ ایک حیران کن اور پریشان کن حد تک فکر مند کرنے والی تھی۔ ان ہاسٹلز کے اندر کرپشن اور ایڈکشن بہت تیزی سے پھیل رہی تھی۔ حوا کی بیٹیاں گلیمر کے چکر میں اپنی حیا کو بہت آرام سے اتار رہی تھیں اور یہ بات بھی سامنے آ چکی تھی واقعی بہانے سے ان ہاسٹلوں میں گھسنے والی خواتین میں سے اکثر اچھے کردار کی عورتیں نہ تھیں اور وہ بھولی بھالی لڑکیوں کو ورغلا رہی تھیں۔ جس عورت نے ردا اور حنا کو پھنسایا تھا وہ ان کے تقریباً نرغے میں تھی کیونکہ حنا نے اس پر یہ تاثر ڈالا تھا کہ وہ خود وہی کچھ کرنے کے لئے راضی ہے جو وہ عورت چاہتی ہے۔ جس پر وہ سکینہ نامی عورت بہت خوش تھی۔ اور اس نے ایک روز میں حنا کو اپنے ساتھ کہیں لے کر جانا تھا اور یہی وہ وقت تھا جب شاہد بٹ رنگے ہاتھوں اس منحوس عورت کو گرفتار کرتا۔ یہ عورت ان کے اس مشن کے لئے بہت مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔ بہت سے کلیو اس سے انہیں حاصل ہو سکتے تھے۔

☆======☆======☆

''میں...... اور میرے ساتھ یہ کچھ ہو گیا۔'' عمیر پچھلے تین چار روز سے یہی سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اس نے آفس جانا بند کیا ہوا تھا۔ حشام کے بھی کئی بار فون آئے مگر اس نے بات نہیں کی۔ کئی بار طوبیٰ نے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس نے اس کی آواز سنتے ہی

فون بند کر دیا۔ بلکہ اب تو وہ فون اٹھا ہی نہ رہا تھا۔ اس کے اندر تو جیسے آگ لگی رہتی تھی۔

''طوبیٰ...... جس سے میں نے اتنی محبت کی۔ جسے میں نے ٹوٹ کر چاہا اور دن رات چاہا۔ جسے میں یہ سمجھتا رہا کہ وہ محض میرے لئے بنی ہے۔ جسے اگر ہوا بھی چھو جائے تو وہ مجھے برداشت نہیں...... وہ...... وہ اسے......'' اس سے آگے وہ سوچ ہی نہ سکتا۔ اس کا دماغ چٹخنے لگتا۔ سارا خون لاوا بن کر ابلنے لگتا۔ جی چاہتا کہ ان سب کو قتل کر دے جنہوں نے طوبیٰ کو......

وہ دیوانوں کی طرح میز پر مکے مارنے لگتا اور کبھی دیواروں پر...... اس کی وہ ساری محبت جو طوبیٰ کے نام وقف تھی نفرت میں بدلنے لگتی۔

''میں کیسے مان لوں کہ طوبیٰ......'' وہ کبھی اٹھ کر کھڑا ہو جاتا۔

''کیسے بھول جاؤں کہ اسے کسی اور نے بھی چاہا اور چھوا ہے......'' پھر وہ اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک دیتا۔ ڈھے جاتا۔

اس کا دماغ جل اٹھتا۔ اس وقت وہ پورا روایتی سا مرد تھا۔ بڑا وہمی اور شکی۔ بہت چھوٹے دل والا۔ مرد ہوتا ہی چھوٹے دل والا اور چھوٹے ظرف والا ہے۔ خود ہزار بار گناہ کر لے۔ خود کو پاک اور بے خطا ہی سمجھتا ہے بلکہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ تو مرد کا حق ہے' شان ہے اس کی۔ معاشرہ اسے کچھ بھی نہیں کہتا اور عورت...... عورت کو اگر زبردستی بھی کسی کا میلا ہاتھ چُھو لے تو وہ بے عزت ٹھہرتی ہے۔ اس پر معاشرہ اور کیچڑ اچھالتا ہے۔ اسے آوارہ اور بدچلن کہہ کر اس پر ''دفعہ'' لگائی جاتی ہے۔ اسے زمانے میں رسوا کرنے اور سنگسار کرنے کے لئے تحریکیں چلاتا ہے۔ عورت مظلوم ہو کر بھی انصاف حاصل نہیں کر پاتی اور نفرتوں کی حقدار ٹھہرتی ہے۔ پھر مرد اس قدر ظالم اور سفاک ہو جاتا ہے کہ برسوں کی محبتوں کو لمحوں میں نفرتیں بنا کر اس عورت کے منہ پر تھوکنے کو جاتا ہے۔

بس ایسی ہی مردانگی اور مردوں والی غیرت کا دورہ عمیر پر پڑا ہوا تھا وہ اس معاشرے کا ہی مرد تھا۔ ویسا ہی نکلا تھا۔ اس کے رویے میں بھلا کمی کیسے رہتی۔ اسی معاشرے کی سوچ نے اس کی شخصیت کی تعمیر کی تھی۔ ماں کی لاکھ تربیت سہی مگر اس کی رگوں میں لہو تو ایک عام انسان کا ہی تھا۔ شیطان کب کسی مرد اور عورت کو محبت کے ساتھ جائز تعلق میں بندھا دیکھ کر برداشت کرتا ہے۔ وہ تو چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح انہیں ورغلا دے۔ توڑ دے...... الگ کر دے...... اب عمیر کی رگوں میں بہنے والا شیطان اس پر حاوی ہو چکا تھا اور اس کے خون کو تحمل سے ٹھنڈا ہونے کے بجائے غصے سے گرم کر رہا تھا۔

طوبیٰ کی ساری محبتیں اس آگ میں جل رہی تھیں اور وہ عمیر جو پل پل اس پر فدا ہوتا تھا یہ سوچ رہا تھا کہ وہ طوبیٰ کو طلاق دے دے گا' اسے آزاد کر دے گا۔ آخر وہ ایک غیرت مند مرد تھا۔ ایک اغوا شدہ عورت کو کس طرح قبول کرتا۔

☆======☆======☆

طوبیٰ کے گھر والوں کو یہی پتا تھا کہ عمیر اسلام آباد میں کسی ضروری کام کے لئے رک گیا ہے اور رامین ہر روز طوبیٰ کو فون ایک خاص وقت پر کر دیا کرتی تھیں۔ طوبیٰ یہ ظاہر کرتی تھی کہ عمیر کا فون ہے اور وہ فون پر عمیر ہی سے باتیں کرنے کا ڈھونگ کیا کرتی تھی۔ مگر اس پر جو بیت رہی تھی یہ وہی جانتی تھی۔ وہ پھر سے تلوار پر چل رہی تھی اور جانتی تھی کہ کسی بھی لمحے وہ نیچے گر جائے گی۔ نیچے جہاں ایک طرف آگ ہی آگ اور کانٹے ہی کانٹے تھے اور دوسری طرف پھول اور ستارے تھے' لیکن اس کا سہا ہوا دل ہر لمحے ڈرتا تھا۔ اسے ڈراتا کہ وہ آگ اور کانٹوں میں نہ گر جائے۔ وہ ساری ساری رات عبادت گزار رہی تھی۔ سجدوں میں گڑگڑا رہی تھی۔ اس کا محبوب اس سے روٹھ چکا تھا۔ وہ حقیقی معبود کو منا رہی تھی جو جانے کیوں اس کی طرف سے رخ موڑے بیٹھا تھا۔ جانے کیوں اس کی آہیں وہ نہ سن رہا تھا۔ اس کے آنسو نہ دیکھ رہا تھا۔ وہ اسی کو منا رہی تھی۔ اپنے گناہوں کی معافیاں مانگ رہی تھی۔ منتیں سماجتیں کر رہی تھی۔

''خدایا! مجھے بخش دے معاف کر دے۔ اللہ تُو جانتا ہے میں بے خطا بے قصور ہوں تُو ہی جانتا ہے صرف تُو ہے۔ بس تُو مجھے سُرخرو کر دے۔ میری پاکیزگی کو ثابت کر دے۔ مجھ سے میرے شوہر کو جدا نہ کرنا۔ مجھ سے اس کی محبت نہ چھیننا۔ مجھے اور نہ آزمانا۔ میرے رب مجھ پر کرم کر دے جیسا کہ تُو نے حضرت مریم علیہ السلام پر کیا تھا۔ مجھے بھی بے گناہ ثابت کر دے۔ تجھے حضرت مریم علیہ السلام کی پاکیزگی کا واسطہ۔ میری عزت کے داغ دھو دے اللہ۔''

وہ فجر کی نماز کے بعد سجدے میں گری ہچکیاں لے رہی تھی' رو رہی تھی۔ دیر تک سجدے میں گڑگڑانے کے بعد اس نے قرآن پاک پڑھا...... پھر باتھ روم جا کر دیر تک ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر' آنکھوں پر مارتی رہی تا کہ وہ سرخ نہ رہیں۔ آج اس کا دل بہت زیادہ گھبرا رہا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھی۔ گھبرا کر باہر لان میں چہل قدمی کے لئے آ گئی۔ گیٹ پر صبح کا اخبار پڑا تھا۔ اس نے دل کو بہلانے کے لئے اخبار اٹھا لیا۔ اور لان میں بچھی کرسیوں پر آ گئی۔ اندرونی صفحات کھولے تو سامنے ہی اس منحوس کی تصویر تھی جس نے

اس کی زندگی کو جہنم کدہ بنا کر رکھ دیا تھا۔

''ملک کے معروف بزنس مین اور سماجی شخصیت انیق احمد یزدانی نے بھی اپنا گھر بسا لیا......'' اب وہ بزنس مین اور سماجی شخصیت کے روپ میں معاشرے کے سامنے تھا کیونکہ ایڈورٹائزنگ کمپنی کو خالد خان نے سنبھال لیا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تفصیل پڑھنے لگی۔ ماضی کی مشہور اداکارہ اور ماڈل گرل گیتی آراء کی چھوٹی بہن ثمینہ احمد ان کی شریک حیات بن گئیں۔''

آگے کیا تفصیلات تھیں وہ نہ پڑھ سکی اس کی آنکھوں کے سامنے الفاظ دُھندلا گئے تھے۔

صبورہ خاتون دو تین روز سے دیکھ رہی تھیں کہ عمیر بالکل لاپرواہ ہو کر رہ گیا تھا نہ وقت پر سو کر اٹھتا تھا اور نہ ہی ناشتے یا کھانے کی میز پر سب کے ساتھ موجود ہوتا۔ رات کو بھی وہ بہت دیر سے گھر آ رہا تھا۔ یہ سب علامات ہرگز درست نہ تھیں بلکہ بے حد پریشان کن تھیں۔ ان کے بنائے ہوئے برسوں کے اصول اور محبت سے کی ہوئی تربیت سب بے کار ہوتی نظر آ رہی تھی

آج وہ عمیر سے سنجیدگی کے ساتھ بات کرنا چاہتی تھیں اس لئے وہ اس کے کمرے میں آ گئی تھیں جس کا حلیہ ہی بدلا پڑا تھا۔ کوئی چیز ٹھکانے پر نہ تھی۔ بے حد نفیس طبیعت کے مالک عمیر کو تو خود ہر چیز ترتیب سے رکھنے کی عادت تھی۔ وہ بستر پر بکھری ہوئی کتابیں اٹھا کر ترتیب سے بک شلف میں رکھنے لگیں۔ کتابوں کے ساتھ ہی ایک فوٹو فریم بھی تکیے کے نیچے الٹا رکھا ہوا تھا۔ یہ وہ فوٹو فریم تھا جو بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر سجا رہتا تھا جس میں طوبیٰ کی ایک بہت خوبصورت تصویر لگی تھی جو عمیر نے ہی اتاری تھی۔ وہ تصویر کو غور سے دیکھنے لگیں۔ طوبیٰ بہت زور سے ہنس رہی تھی اور اتنی خوبصورت دکھائی دے رہی تھی کہ اس کی آنکھوں میں ہنسنے کی وجہ سے تیر آنے والا پانی تک تصور میں عکس دے رہا تھا۔ وہ مسکرا کر کچھ دیر تو تصویر کو دیکھتی رہیں پھر اسے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ کمرے کو ذرا درست کر کے وہ بک شیلف سے ایک کتاب نکال کر بیٹھ گئیں اور اس کا مطالعہ کرنے لگیں۔

رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے عمیر گھر واپس پلٹا۔ پہلے تو اپنے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھ کر وہ تھوڑا ٹھٹکا اور پھر اندر اپنی امی جان کو موجود پا کر تو بے حد شرمندہ ہو گیا۔

''امی جان! آپ...... یہاں......'' وہ بہت گھبرا گیا تھا۔

''جی میں......'' وہ ہلکا سا مسکرائیں۔

"کیوں کیا میں تمہارے کمرے میں نہیں آ سکتی؟"

اسے خاموش پا کر وہ دوبارہ بولیں۔

"کیوں...... کیوں نہیں امی جان......" وہ بے حد شرمندہ ہو رہا تھا۔ نظریں زمین میں گڑتی جا رہی تھیں...... زبان ہکلا رہی تھی۔

"کھانا کھایا تم نے؟" وہ اس کی حالت کو مسلسل نظر انداز کر رہی تھیں۔

"ج...... جی...... جی ہاں۔" لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ مگر تمہارا چہرہ سچ کہہ رہا ہے۔" انہوں نے قریب آ کر ذرا مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ اور شرمندہ ہو گیا۔

"میں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔" وہ بتانے لگیں۔

"کیا! آپ نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا؟" وہ "کیا" کو لمبا کرتا ہوا حیران ہو کر بولا۔

"جب بچے بھوکے ہوں تو ماں کا پیٹ کس طرح بھر سکتا ہے؟" ان کے جواب میں بھی اک سوال تھا۔

جس پر اس کی نگاہیں اور جھک گئیں۔ اتنے میں رامین ٹرالی میں کھانا لے آئیں۔ وہ بھی صبورہ خاتون کے ساتھ جاگ رہی تھیں۔ انہوں نے بغیر کچھ بات کئے کھانے کی ٹرالی ان کے سامنے کر دی۔

"آپ لوگ کھانا کھائیں میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

انہوں نے دونوں کے ہاتھوں میں باری باری پلیٹیں پکڑا کر سالن کا ڈونگہ آگے کرتے ہوئے کہا۔ صبورہ خاتون نے خود عمیر کی پلیٹ میں سالن نکال کر دیا اور گرم چپاتی اس کے ہاتھ میں دی۔ وہ چپ چاپ کھانا کھانے لگا۔ اسے واقعی بھوک تو لگ رہی تھی مگر وہ خود کو سزا دے رہا تھا' اس لئے جبر کر رہا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھیں وہ بالکل وہی چھوٹا سا عمیر دکھائی دے رہا تھا جو اکثر روٹھ جاتا تو کھانا نہیں کھاتا تھا اور جب وہ اسے ڈانٹ کر کھانا کھلاتیں تب وہ بغیر حیل و حجت کے پیٹ بھر کے کھا لیتا تھا۔ اس کی ناراضگی بس نخرہ ہی ہوا کرتی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی خود بھی کھانا کھانے لگیں۔ کھانے کے دوران دونوں میں کوئی بات نہ ہوئی۔

جب رامین ٹرے میں گرم گرم چائے لے کر آئیں وہ کھانا کھا چکے تھے۔ صبورہ خاتون نے تو محض اس کا ساتھ دینے کے لئے چند نوالے ہی کھائے تھے ورنہ تو وہ اتنی رات کو کبھی کھانا نہ کھاتی تھیں۔

رامین نے چائے کے کپ دونوں کو پیش کئے اور خاموشی سے کھانے کی ٹرالی واپس لے گئیں۔ صبورہ خاتون نے اس کے چہرے پر ذرا سی بشاشت دیکھ کر بات شروع کی۔

"عمیر! آج طوبیٰ کو گھر سے گئے ہوئے کتنے روز ہو گئے؟" جواب میں وہ بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔

"میری بات کا جواب دو۔" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"جی...... جی ایک ہفتہ۔" وہ بمشکل بولا۔

"پہلے کبھی وہ ایک ہفتہ اپنی ماں کی طرف تمہارے بغیر رہی ہے؟" ان کی نظریں اس کے چہرے سے اس کے دل تک دیکھ رہی تھیں جہاں بے تابی اور بے چینی نمایاں تھی۔

"جو کچھ تم کر رہے ہو یہ ایک فطری اور جذباتی عمل تھا جو کچھ تمہیں معلوم ہوا ہے اس کے معلوم ہونے پر کسی بھی شوہر کا رویہ بالکل ایسا ہی ہو سکتا تھا۔ ایک روایتی فرد جیسا۔ مگر جو کچھ تم سوچ رہے ہو وہ سراسر غلط ہے۔" وہ بہت وقار کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھیں۔ "جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو وہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ تم کوئی عام مرد نہیں ہو۔ میرے بیٹے ہو۔" وہ بہت فخر اور اعتماد سے کہہ رہی تھیں۔

"میری تربیت بہت بہترین رہی ہے اس لئے تم جو سوچ رہے ہو وہ کرو گے نہیں۔" انہوں نے گویا اپنا حکم' بغیر اس کا ارادہ جانے صادر کر دیا۔

"مگر امی جان......" اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"مگر...... کیا...... ہاں......؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگیں۔ "مگر وہ استعمال کرتے ہیں جنہیں خود پر بھروسا نہ ہو۔ جو سچے نہ ہوں۔ تم جا کر صبح طوبیٰ کو لے کر آؤ گے اور ل......" ان کے لہجے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ عمیر کی کوئی بات نہیں سنیں گی۔

"امی جان! آگ کے جس دریا میں اس وقت میں ڈوب اور ابھر رہا ہوں اس کا کچھ اندازہ تو کریں آپ!" اس کی آنکھوں میں اندر کی جلن کی سبب سرخیاں نمایاں تھیں۔

"یہ آگ محض تمہاری خودساختہ انا کی وجہ سے ہے۔ اپنا دماغ درست کرو سب کچھ نارمل اور ٹھنڈا ہو جائے گا۔" انہوں نے بڑی محبت سے اسے دیکھا اور پیار سے اس کے گال تھپتھپا کر چلی گئیں۔

"اوہ...... او...... اتنا آسان نہیں ہے۔" اس نے شدتِ کرب سے چلا کر کہا اور قریب کی میز پر زور سے اپنا مکا دے مارا۔

"میں کیا کروں...... میرا دماغ کیسے ٹھنڈا ہو؟" وہ بے چینی سے کمرے میں چکر لگانے

لگا۔ ''طوبیٰ...... طوبیٰ جسے میں سمجھتا تھا وہ صرف میری ہے' جو میرے ہی لمس سے مہکی ہے' جسے میری ہی نظروں نے روپ دیا ہے...... وہ...... وہ مجھ سے پہلے کسی اور سے......'' آگے اس کا دماغ جل اٹھا۔ سارے بدن میں جیسے کسی نے چنگاریاں بھر دیں۔ ''نہیں...... نہیں۔'' وہ بے بسی سے رو پڑا۔ ''میرا دماغ نہیں مانے گا۔ کیا اب وہ دوبارہ کورا کاغذ بن سکے گی؟''

وہ اپنی فطرت کے سامنے بے بس تھا۔ وہ تو آج تک کسی اور کو پسند آ جانے والی چیز خود استعمال نہ کرتا تھا۔ بہت چھوٹا تھا تب سے وہ کسی کا جوٹھا پانی' جوٹھا برتن استعمال نہ کرتا تھا حتیٰ کہ ایک برتن میں کسی اور کے ساتھ کھاتا نہ تھا۔ اتنا وہمی تھا کہ جب تک اسے یقین نہ ہو جاتا تھا کہ جس گلاس میں وہ پانی پی رہا ہے وہ کسی اور کا چھوا ہوا نہیں بلکہ بالکل شفاف ہے' وہ اس میں پانی نہ پیتا تھا۔ ارم کو اپنے بھائی کی اس عادت کا علم تھا اس لئے اگر کسی کے ہاں وہ ڈنر وغیرہ پر جاتے تو وہ اپنے بھائی کا گلاس پہلے سے ہی پانی سے بھر کے اس کے سامنے رکھ دیتی اور مسکرا کر اسے دیکھا کرتی تھی۔

''میں اتنا وہمی آدمی...... اور میرے ساتھ زندگی کی سب سے پیاری چیز کے بارے میں اتنی بڑی آزمائش...... میرے اللہ یہ سب کیا ہے؟'' اسے کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ وہ جانتا تھا کہ اب وہ طوبیٰ کے ساتھ ویسی محبت نہ کر پائے گا جیسی کرتا تھا۔ پھر ایک سمجھوتے اور ایک بے ایمانی کا کیا فائدہ؟

''امی جان! آپ کی تربیت میں کمی نہیں رہی۔ مجھ میں پیدائشی طور پر یہ وہم اور انتہا پسندی تھی۔ اس لئے میں وہ کر نہ پاؤں گا جو آپ چاہتی ہیں۔ کیونکہ ایمانداری اور جذبوں میں سچائی کا درس بھی تو آپ کا ہی دیا ہوا ہے۔''

اس نے اپنے سائیں سائیں کرتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھاما اور شدتِ غم سے نڈھال سا ہو کر بستر پر گر گیا۔

☆======☆======☆

''اوہ میڈم! آپ نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا۔ اتنا چینج' ایسا زبردست اسٹائل اب تو ضرور میں بہت بڑی ماڈل بن جاؤں گی۔'' انیلا میڈم سطوت کو ایک شوبز میگزین میں کسی بوتیک کے لئے دیئے جانے والے اپنے فوٹو سیشن کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھی۔ (یہ انیلا وہی لیڈی پولیس آفیسر تھی جسے ایس پی عمران نیازی نے یہاں ایک مشن کے ساتھ بھیجا تھا)

وہ واقعی بے حد حسین اور اچھی لگ رہی تھی۔ وہ تھی بھی بہت خوبصورت۔ سطوت نے ایک ترچھی نگاہ سے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا۔

''لگتا ہے تمہیں بہت شوق ہے ماڈلنگ کا۔ شہرت کا......'' وہ پوچھنے لگی۔

''شوق...... شوق نہیں مجھے تو کریز ہے۔ پاگل پن کی حد تک...... میں تو ماڈلنگ کی دنیا میں راتوں رات ستارہ بننا چاہتی ہوں بلکہ کہہ لیں کہ چاند۔'' وہ دیوانوں کی طرح بانہیں پھیلاتی آسمان کو بازوؤں میں سمیٹتی ہوتی اوپر ہی اوپر پرواز کرنے لگی۔

''اچھا......!'' وہ اچھا کو لمبا کرتے ہوئے معنی خیزی سے مسکرا دی۔

''میڈم...... میڈم میں نے دیکھا ہے آپ کی تو بہت پہنچ ہے۔ آپ تو سب تک پہنچ سکتی ہیں۔ کسی کو بھی اسٹار بنا سکتی ہیں۔'' وہ قریب آ کر سطوت کا گھٹنا پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''ہر کسی کو نہیں۔ اسٹار وہی بنتا ہے جس میں کچھ چمک دمک ہو۔'' اس نے بڑی ادا سے اس کی ٹھوڑی کو چھو کر کہا۔

''میرا خیال ہے کہ چمک دمک تو مجھ میں بہت ہے۔'' وہ بہت اعتماد سے بولی۔

''اچھا غرور بھی ہے۔'' وہ ذرا بن گئی۔

''غرور نہیں اعتماد ہے میڈم۔'' وہ فوراً نرم پڑ گئی۔

''خیر! میں کیا کر سکتی ہوں؟'' اس نے ذرا نخرے سے بننے کی کوشش کی۔

''آپ...... آپ بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ آپ کے تو بہت کنٹریکٹس ہیں شوبز میں۔ ٹی وی اور فلم کے لوگ تو آپ کے ہنر کے محتا ۔ یہ بڑی بڑی ماڈلز' اداکارائیں سب کو حسن اور اسٹائل دینے والے ہاتھ۔ نیچے سے اوپر لے جانے والے ہاتھ۔ یہی تو ہیں۔'' وہ اس کے ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگاتی مسکہ لگانے لگی۔

''اتنا کچھ جانتی ہو۔'' وہ ذرا محتاط ہونے لگی۔

''آپ کی شہرت کو بھلا کون پا سکتا ہے۔ بس آپ مجھ پر نظرِ عنایت کریں۔ مجھے ذرے سے آفتاب بننا ہے۔'' اب وہ منت کرنے لگی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ میں بات کروں گی۔'' اس نے اپنی رضامندی کچھ ہی دیر کی ہچکچاہٹ کے بعد ظاہر کر دی جس پر انیلا نے ایک لمبی اور ٹھنڈی سانس چھوڑ کر اپنے اندر تازہ ہوا بھر لی۔ اب اسے یقین تھا کہ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اسے بہت سے سہارے مل جائیں گے۔

☆======☆======☆

''سمیر! میں ثمینہ سے ملنا چاہتی ہوں۔'' طوبیٰ جو پچھلے دو روز سے سوچ رہی تھی اور ماضی کے سانحے کے واقعات کی کڑی سے کڑی ملا رہی تھی۔ اس کا دل بار بار کہہ رہا تھا کہ ثمینہ

نے اگر انیق یزدانی سے شادی کی ہے تو اس میں بھی کچھ راز ہوگا ورنہ ثمینہ جیسی دبو اور اپنے
آپ میں سمٹی رہنے والی لڑکی کا یوں اچانک خبروں کا حصہ بن جانا...... اپنے خول سے باہر نکل
آنا' ضرور کوئی بات ہے۔ یا تو یہ انیق اس معصوم کو بھی پھنسا کر مارے گا یا پھر ثمینہ اپنی بہن کے
کسی راز سے واقف ہو چکی ہے۔ اس کی چھٹی حِس بے حد تیز تھی اور بار بار اسے محسوس کروا
رہی تھی کہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے۔

''آپی! یہ بہت بڑا رسک ہے۔'' سمیر اسے سمجھا رہا تھا۔

''میری تو ایک ایک سانس رسک پر چل رہی ہے۔ میں بھی تو گھڑی گھڑی کی موت
سے تنگ آ گئی ہوں۔'' آج وہ بہت بہادر دکھائی دے رہی تھی۔

''مگر ثمینہ آپی سے کہاں اور کیسے رابطہ کیا جا سکتا ہے؟''

وہ طوبیٰ کی باتوں سے متفق تو تھا مگر ڈر رہا تھا کہ جس کو انہوں نے تنکا تنکا کر کے سمیٹا
ہے پھر سے نہ بکھر جائے۔

''کچھ بھی نہیں ہوگا...... اسی طرح ڈر ڈر کر مجھ جیسی لڑکیاں اپنی مظلومیت اور ظالم کے
مکروہ چہرے کے سب نقاب اپنے ساتھ لے کر منوں مٹی تلے دب جاتی ہیں۔ یہ ظلم اور
زیادتی تب تک جاری رہے گی جب تک عزتیں لٹ جانے پر بھی کوئی عزتیں لوٹنے والوں پر
انگلی نہ اٹھائے گا۔'' بات کرتے کرتے وہ رو پڑی۔

''میں اس سلسلے کو توڑنا چاہتی ہوں۔ میری مدد کرو بھائی۔'' وہ بھائی کے کندھے سے جا
لگی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ میں کسی طرح سے کوشش کرتا ہوں ثمینہ تک پہنچنے کی۔'' وہ کچھ سوچنے
لگا کہ کس طرح سے اس تک پہنچا جائے۔

''اگر ثمینہ کا انٹرویو کرنے کے لئے اس سے رابطہ کیا جائے تو؟'' تانیہ نے چٹکی بجاتے
ہوئے ترکیب پیش کی۔

''انٹرویو......'' سمیر کو اچانک کچھ کلک کیا۔ ''ہاں یہ سوچا جا سکتا ہے۔''

''بھائی میری ایک فرینڈ کی بہن جرنلسٹ ہے اس سے بات کروں۔'' اس نے پیشکش
بھی کر دی۔

''نہیں اس کا انتظام میں کر لوں گا۔'' وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

''اینی وے۔ فی الحال یہ بات بابا جان تک نہ پہنچے۔'' سمیر نے کچھ ہدایت کی اور طوبیٰ
کو تسلی دیتا ہوا کسی سے ملنے کا کہہ کر چلا گیا۔

☆======☆======☆

اگلے روز وہ اسلام آباد پہنچ گیا تھا۔ اس نے اس جرنلسٹ کا پتا لگایا جس نے گیتی آراء
قتل پر اس کے کیس میں خاصی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ وہ بہت کچھ منظر عام پر لا سکتا تھا مگر
جانے کیوں ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔ اس کی دو ہی وجوہات ہو سکتی تھیں یا تو لالچ یا پھر
ں۔ وہ اس کے فلیٹ کے باہر کھڑا سوچ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اندر سے ایک جھنجلاتی
ئی آواز آئی۔

''کون ہے؟ وقت بے وقت تنگ کرنے چلے آتے ہیں۔'' ساتھ ہی کھٹ سے دروازہ
ول دیا گیا۔

''جی فرمائیے۔'' وہ سر سے پاؤں تک سمیر کو دیکھ رہا تھا۔

''سوری! میں نے واقعی آپ کو بے وقت تنگ کیا۔'' سمیر نے شرمندہ ہوتے ہوئے
ا۔

''خیر اندر آئیے۔'' وہ اسے اندر آنے کو کہہ رہا تھا۔ سمیر دیکھ رہا تھا کہ یہ شخص وہ تین چار
پہلے والا جاوید احمد تو ہرگز نہ لگ رہا تھا جس کے چہرے سے اس کے عزائم اور حوصلے
ا کرتے تھے۔ یہ تو بہت ستا ہوا جاوید احمد تھا۔ لگتا تھا ان چار برسوں میں حالات نے اس
ساتھ بہت کچھ کر ڈالا تھا۔

''آپ کو میں نے شاید پہلے کبھی دیکھا ہے۔'' وہ اپنے ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ اس کا
لب تھا اس کی یادداشت ابھی اچھی تھی۔

''جی بالکل! ہم پہلے بھی مل چکے ہیں۔'' سمیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اب آپ کس سلسلے میں آئے ہیں میرے پاس؟'' وہ فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا۔

''جس زمانے میں آپ نے مجھے دیکھا تھا اس وقت میں آپ کا بہت بڑا مداح ہوا کرتا
۔'' وہ بات کو آگے بڑھانے کے لئے اس کی تعریف کر رہا تھا۔

''کب...... کب......؟'' وہ کچھ ہچکچا گیا۔ ''آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟'' وہ کچھ خوفزدہ
لگ رہا تھا۔

''مجھے آپ سے کوئی کام نہیں۔ میں تو محض آپ سے ملنے آیا ہوں۔ کیا آپ مجھ سے
باتیں کرنا پسند کریں گے؟''

وہ سمجھ گیا کہ شاید وہ جلدی اس کے آنے کا مقصد سن کر اس سے متنفر ہو جائے گا اس
وہ فی الحال اصل مقصد سے ہٹ گیا۔

''مجھ سے کیا باتیں کریں گے آپ؟'' وہ کچھ اداس سا ہو گیا۔

''جاوید احمد صاحب! اس وقت آپ بہت بڑے اور بولڈ جرنلسٹ تھے۔ میں بہت متاثر تھا آپ سے۔'' وہ خوشگوار موڈ میں اس کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

''ہاں! تب میں واقعی بہت بولڈ تھا۔'' وہ کہیں کھو سا گیا۔

''تھے......! کیا مطلب؟'' سمیر کو حیرانی ہوئی۔

''کیا اب آپ جرنلزم میں نہیں رہے؟''

''جرنلزم......!'' اس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔ ''جب سے جرنلزم ییلو ہو گیا تب سے ہم جیسوں کی زندگیوں پر بھی زردیاں چھا گئیں۔'' وہ بہت زیادہ اداس اور غمزدہ لگ رہا تھا۔

''اوہ! وری سیڈ۔ میرا خیال ہے میں نے آپ کا دل دکھا دیا۔'' اس نے معذرت کی۔

''آپ اپنا تعارف تو کروائیے۔ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ مجھے ماضی کے حوالے سے ابھی تک یاد رکھا ہوا ہے۔'' وہ اپنے ماضی میں کھونے لگا۔

''جن دنوں آپ مشہور ماڈل گیتی آراء کے قتل کی انویسٹی گیشن رپورٹنگ کر رہے تھے انہیں دنوں میں میری اور آپ کی ملاقات کئی بار ہوئی تھی۔'' وہ اسے یاد دلاتا ہوا بولا۔

''گیتی آرا کا قتل!'' اسے جیسے کرنٹ سا لگا۔ ''مم......مم......میں تو کسی گیتی آراء کو نہیں جانتا۔'' وہ صاف مکر گیا۔ اس نے ایسا کیوں کہا تھا یہ تو سمیر نہ سمجھ سکا لیکن اس کی آنکھوں سے جھانکنے والا خوف بہت کچھ کہہ رہا تھا۔

''اچھا......اچھا' آپ نہیں جانتے ہوں گے' مجھے ہی کچھ غلط فہمی ہو گئی ہوگی۔'' سمیر فوراً ہی مسکراتے ہوئے بات بدل دی۔

''بہر حال آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ میں آپ کا مداح تھا اور رہوں گا۔''

''شکریہ......لیکن میں جرنلزم چھوڑ چکا ہوں۔'' اس نے اپنا انداز دوبارہ سے سنجیدہ لیا۔

''مجھے افسوس ہوا۔ آپ کو ایسا کرنا نہیں چاہیے تھا۔'' اس نے افسوس کا اظہار کیا۔

دونوں بہت محتاط اور نارمل سی گفتگو کر رہے تھے۔ اچانک وہ اٹھ کر کہیں اندر چلا گیا۔ سمیر شاید اسے اس کا یوں چلے آنا اور یہ سب باتیں کرنا اچھا نہیں لگ رہا۔ وہ سوچ رہا تھا معذرت کر کے چلا جائے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی ٹرے تھی جس میں دو مگ دھرے تھے۔

''سوری! میں باتوں میں لگ گیا تھا۔'' اس نے چائے کا مگ اسے پیش کرتے ہوئے ندگی کا اظہار کیا۔

''ارے اس تکلف کی ہرگز بھی ضرورت نہ تھی۔ مگر آپ کی مسکراہٹ کی ضرورت ضرور ا۔'' سمیر نے چائے لیتے ہوئے اس کے پہلی بار مسکرا دینے پر مذاق سے کہا۔

''بس یار! یہ گردشِ دوراں بھی انسان کو عجیب بے تکا بنا دیتی ہے۔'' وہ کچھ خوشگوار موڈ آ گیا۔

''ہاں یہ تو ہے۔ آپ واقعی پہلے جیسے نہیں رہے۔'' سمیر جو اس کے اندر کو کریدنا چاہ رہا کہنے لگا۔

''آپ بار بار مجھ سے ماضی کے حوالے سے کیوں بات کر رہے ہیں۔'' وہ ایک دم ہی ری سے اترنے لگا۔

''اس لئے کہ میں تو آپ کو اسی ماضی کے حوالے سے جانتا ہوں۔'' اس نے اس کی کھوں میں غور سے جھانکتے ہوئے کہا۔ وہ نظریں چرانے لگا۔

''آپ پلیز مجھے مزید پریشان نہ کریں اور سچ سچ بتا دیں کہ آپ کون ہیں اور مجھ سے سلسلے میں ملنے آئے ہیں؟'' اس نے آخر تنگ آ کر کہا۔

''سچ سچ بتا دوں......مگر آپ وعدہ کریں کہ کم از کم آپ بھی سچ ہی بتائیں گے۔'' وہ تو لا اس کی آنکھوں میں گھس کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''اچھا چلیں ٹھیک ہے۔'' وہ ہار مان گیا کیونکہ سمیر کے دیکھنے کے انداز سے لگ رہا تھا ہ وہ اس کے اندر کو پڑھ لے گا۔

پھر سمیر نے اپنا تعارف کرا کے اسے ساری بات بتا دی۔ کچھ بھی نہ چھپایا کہ وہ اس کے کس غرض سے آیا ہے۔ اسے سن کر جاوید احمد کا رنگ پہلے زرد پڑ گیا اور پھر سیاہ ہو گیا جیسے کے اندر تکلیف دہ عمل ہو رہا ہے۔

''آہ......گیتی آرا کا قتل......'' اس کے لفظوں سے آنسو جھڑنے لگے۔

وہ کھو سا گیا۔ اس کی آنکھیں کہیں اور دیکھنے لگیں۔ ماضی کے دھندلکوں میں۔ جب وہ یا جرنلزم میں آیا تھا۔ شروع شروع میں اسے شوبز رپورٹنگ دی گئی تھی اور وہ اسی سلسلے میں ثر ایسے فیشن شوز اور پروگراموں کی رپورٹنگ کے لئے وہاں جاتا تھا۔ گیتی آراء جو بہت ین تھی اور اس میں بلا کا اسٹائل تھا۔ وہ اس کے ساتھ بات کرتا تو دیکھا کرتا تھا کہ اس ین لڑکی کی حسین آنکھوں میں بڑی گہری اداسی ہوا کرتی تھی۔ دو چار ملاقاتوں میں ہی وہ

اس کا گرویدہ ہو گیا تھا اس نے اس کے کئی انٹرویو کئے تھے۔ میگزین فوٹو سیشن کی اکثر اور بچی تصویریں وہ چپ چاپ کر کے میگزین انچارج کی میز سے اٹھا کر لے جاتا تھا۔ وہ گیتی آراء جس نے شوبز کی دنیا کو چکا چوند کر رکھا تھا۔ وہ گیتی آراء تو خواب ہو گئی۔ اس کی آنکھیں سچ مچ چھلک گئیں۔

''آپ کو گیتی سے اتنی انسیت تھی؟'' سمیر جو اس نئے انکشاف پر حیران بیٹھا تھا اس کے ہاتھ تھام کے پیار سے بولا۔

''کہیں زیادہ...... بے انتہا۔'' وہ ایک جذبے کے عالم میں بولا۔

''پھر آپ نے ان کے لئے کیا کیا...... محبت میں انسان اپنی جان تک لٹا دیتا ہے۔'' سمیر کو حیرت ہوئی اس کے گمنام اور یوں چپ ہو جانے پر۔

''بس ایک جان ہی تو رہ گئی ہے۔'' اس نے چائے کے خالی برتن اٹھائے اور تھکے تھکے قدموں سے واپس اندر چلا گیا۔ جہاں شاید کچن تھا۔ سمیرؔ نے دیکھا کہ وہ ذرا لنگڑا کر چل رہا تھا اور تیزی سے چلنے کے بجائے ذرا پاؤں کو گھسیٹ کر چلتا تھا۔ شاید یہ پہلے بھی ایسا ہی چلتا ہو۔ اس نے اپنے دماغ کو دوسری طرف جانے سے روکا۔

''میری یہ ٹانگ...... نقلی ہے۔'' وہ جو سمیر کی آنکھوں کا سوال پڑھ چکا تھا اس نے اپنی ٹانگ پر سے شلوار کا پائنچہ اوپر کرتے ہوئے اسے کلپ ہولڈر سے نکال کر باہر الگ کر لیا۔ سمیر ایک دم شاکڈ ہو گیا۔

''یہ پہلے ایسے نہ تھی...... یہ...... یہ گیتی آراء کی محبت میں دیا ہوا چھوٹا سا نذرانہ ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ایسی مسکراہٹ جس میں بے شمار گہرے گھاؤ تھے۔ سمیر کو لگا اس کا دل حلق میں آ جائے گا۔

''سمیر صاحب! محبت میں انسان واقعی زندگی تیاگ دیتا ہے' زندگی لٹا دیتا ہے۔ مگر کبھی کبھی عزت' محبت پر بھی غالب آ جاتی ہے جسے لٹانا موت سے زیادہ بدتر اور اذیت ناک ہوتا ہے۔''

وہ اس کی ''جان لٹا دینے'' والی بات کا جواب ہاتھ میں پکڑی نقلی ٹانگ کے ثبوت سے دے رہا تھا۔

''آپ پھر کبھی آیئے گا۔ میں تفصیل سے بتاؤں گا۔ اس وقت میرے زخم کچے ہو گئے ہیں کچھ کہہ نہ سکوں گا۔'' وہ شدت کرب سے نڈھال سا ہوتا ہوا بولا۔ اس نے اپنی آنکھیں موند کر سر کو کرسی کی پشت سے ٹکا دیا تھا۔ سمیر نے دیکھا وہ جاوید احمد نہیں بلکہ اس کی لاش دکھائی

ے رہا تھا۔ ایسی لاش جس پر کوئی روحانی عمل کر کے اس سے باتیں کرنے کے لئے قبر سے ٹھا لیا گیا ہو۔ وہ رنجیدہ اور غمزدہ سا ہو گیا اور اٹھ کر چلنے کو کھڑا ہو گیا۔

''ٹھیک ہے میں دو چار روز بعد چکر لگا لوں گا۔ مگر جاوید صاحب......'' وہ جاتے جاتے ل کر بولا۔

''جن کی عزتیں لوٹ لی جائیں ان کے کرب کا اندازہ ضرور کیجئے گا۔ میں پھر آؤں گا۔'' اس نے بہت گہری بات کہہ دی۔ جاوید احمد نے آنکھیں کھول کر اس جاتے ہوئے شخص کو دیکھا جو ایک ایسی لاش تھا جو جان کنی کے عذاب میں ہو جس کی سانسیں پورے بدن سے لل کر حلق میں آ پھنسی ہوں اور جو آخری ہچکی کے انتظار میں مسلسل موت کے ذائقے چکھ رہا د۔ وہ اس کے فلیٹ کی سیڑھیاں اتر رہا تھا اور اس کے قدموں کی چاپ جاوید احمد کے زخموں کو چھیل چھیل کے ہرا کر رہی تھی۔

☆======☆======☆

''خالد...... خالد...... میری بات تو سنو۔'' سطوت نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ہوش کرو...... بات سنو میری......'' وہ سخت غصے میں تھی۔

''تمہارے ساتھ رہ کر تمہارے قریب آ کر کون بے وقوف ہوش کر سکتا ہے۔'' وہ نشے ں تھا اور دوبارہ جھول کر اس کی آغوش سے لگ گیا۔

''یہ ہر وقت کا پینا...... ہر وقت ایسی بے ہودہ باتیں' میں تنگ آ گئی ہوں اس روٹین ے۔'' اس نے اسے قدرے بے زاری سے پرے دھکیلتے ہوئے کہا۔

''بے ہودہ!'' وہ لڑکھڑاتی زبان میں بولا۔ ''یہ سب بے ہودہ ہے۔'' اس نے گلاس کو ں کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

''ہٹاؤ اسے۔'' اس نے گلاس خالد خان کے ہاتھ سے لے کر پرے رکھ دیا۔

''اچھا ہٹا دیا۔'' وہ عجیب سے انداز میں ہنسا اور اس کے قریب آ کر غور سے اسے دیکھنے ٹا۔

''کیا یہ بھی بے ہودہ ہے۔'' وہ اس کے گالوں کو ایک انگلی کے ناخن سے کھروچتا لے لیا۔

''اُف...... ف...... ف' ال میزڈ' یو چیپ۔'' وہ چلا اٹھی اور اسے زور سے دھکا دے کر ے ہٹاتی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اپنے گال کو سہلانے لگی جس پر خراش گئی تھی۔

''تم انسان نہیں درندے ہو۔ پرلے درجے کے گھٹیا جانور ہو۔'' وہ سخت طیش میں تھی۔
''میں درندہ ہوں اور تم!'' وہ طنز کرتا ہوا ہنسا۔
''تم کیا ہو...... ہاں...... ہاں بولو تم کیا ہو؟'' وہ ایک پل میں سیدھا ہو گیا۔ اسے بھی غصہ آ گیا تھا اور وہ غصے میں سارا نشہ بھول گیا تھا۔
''میں انتہائی احمق ہوں۔ پاگل ہوں تبھی تو تم جیسے......'' اسے کوئی برے سے برا لفظ نہ مل رہا تھا جو وہ اس کے لئے استعمال کرتی۔
''کیا مجھ جیسے...... ہاں بولو...... کیا؟''
وہ ایک دم سے درندگی پر اتر آیا اور اس کے بال اپنی مٹھی میں کستا ہوا اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔
''چھوڑو...... چھوڑو مجھے...... پاگل...... بدتمیز۔'' وہ بھی جنگلی بلی تھی' غرا کر اس پر جھپٹ پڑی اور اس کا منہ نوچتی ہوئی خود کو اس سے چھڑا لے گئی۔
''تم سے شادی کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ میں نے تو خود اپنے گلے میں عذاب ڈال لیا ہے۔'' وہ زور زور سے سانسیں لیتی ہوئی بول رہی تھی۔
''بکواس بند کرو۔'' وہ اس پر جھپٹ کر آگے بڑھا مگر وہ اپنا بچاؤ کر چکی تھی۔
''مجھے پتا ہے تم آج کل کیوں اتنا اکڑ رہے ہو۔'' وہ بڑے تیکھے انداز میں بولی۔
''کیا پتا ہے تمہیں؟'' وہ گرنے کے بجائے تن کر کھڑا ہو گیا۔
''جب سے وہ انیلا کی بچی ماڈل بنی ہے تم اسی کے چکر میں ہو۔'' اس کے دل کی بات آخر زبان پر آ ہی گئی۔
''انیلا کا کیا مطلب ہے؟'' وہ عجیب سے انداز میں اسے دیکھتا ہوا بولا۔ ''انیلا جیسی جانے کتنی آئیں اور کتنی گئیں۔ کیا انیلا میرے لئے کوئی پہلی اور انوکھی لڑکی ہے۔''
''پہلی اور انوکھی تو نہیں البتہ فی الحال نئی تو ہے۔'' وہ بڑے طنز سے بولی۔
''تو پھر......؟'' وہ بدستور ڈھیٹ بنا رہا۔
''تم جیسوں کے لئے کبھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عورت تو کھلونا ہے تمہارے لئے' کھیلا اور توڑ دیا۔'' وہ حقارت سے بولی۔
''بکو مت۔'' دوبارہ وہ بھی غصے میں آ گیا۔
''میں خود تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔ بس تم میرا حصہ میرے حوالے کرو۔ میں تمہارے ساتھ رہنا تو کیا تمہیں دیکھنا بھی پسند نہ کروں گی۔'' وہ سدا کی صاف گو تو تھی ہی' جو

دل میں تھا کہتی چلی گئی۔
''حصہ! کون سا حصہ؟'' وہ ایسے بولا جیسے کچھ بھی نہ جانتا ہو۔
''دیکھو...... دیکھو خالد! تم اتنی آسانی سے میرا حصہ ہضم نہیں کر سکتے۔'' وہ اس کا گریبان پکڑ کر کھڑی ہو گئی اب اس کے لہجے میں حقارت نہیں منت تھی۔
''دیکھو ہم دونوں پارٹنر ہیں۔ برابر کے حصے دار......'' وہ اسے سمجھانے لگی۔
''تو ڈارلنگ میں بھی تو تمہیں سمجھاتا ہوں کہ ہم دونوں برابر کے حصے دار ہیں۔ پارٹنر ہیں اور لائف پارٹنر بھی۔ پھر تم کیوں ہر وقت میرا حصہ' میرا حصہ کرتی رہتی ہو؟'' وہ بھی نرم پڑ گیا۔
''وہ تو ٹھیک ہے لیکن بزنس اپنی جگہ ہے۔ آخر تم حساب کیوں نہیں کر لیتے۔'' وہ اس انداز سے واقف تھی اس لئے زچ ہو گئی۔
''حساب......'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ ''کیا کبھی کسی میاں بیوی کے درمیان حساب ہوا ہے اور پھر کس بات کا حساب کرو گی...... بولو۔'' وہ اسے اپنے قریب کرتا ہوا پھر ہتھے سے اکھڑنے لگا۔ پہلے پہلے سطوت کو اس کی یہ باتیں اچھی لگتی تھیں وہ سمجھتی تھی کہ خالد خان اس پر واقعی جان چھڑکتا ہے لیکن جب سے اسے احساس ہو گیا تھا کہ جس پروفیشن سے وہ وابستہ ہے اس میں واقعی ہر چیز ''شو'' کی جاتی ہے اور ہر بات پر ''بزنس'' کیا جاتا ہے تب سے اسے خالد خان کی محبت سے بھی اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ جسموں کا بیوپاری دلوں کی حالتیں سمجھ ہی نہ سکتا تھا۔
''کیا تم اس محبت کا حساب کر سکتی ہو جو مجھے تم سے ہے۔'' اس پر پھر نشہ طاری ہو رہا تھا۔
''یہ بات تو تم آئے دن کسی نہ کسی لڑکی سے کہتے ہو۔ آج کل انیلا سے کہنا چاہ رہے ہو۔'' اس کے اندر کا حسد پھر جاگ اٹھا۔
''اوہو! انیلا...... انیلا یہ کیوں تمہارے دماغ میں گھس گئی ہے۔'' اس نے جھنجلا کر کہا۔
''میرے دماغ میں نہیں گھسی تمہارے دل میں گھس رہی ہے۔'' وہ بھی ہر بات کا جواب دینا اپنا فرض سمجھتی تھی۔
''تنگ آ گیا ہوں میں ہر وقت کی چخ چخ سے۔'' اس نے گلاس اٹھا کر دیوار پر دے مارا اور غصے میں بکتا جھکتا کمرے سے نکل گیا۔
''میں بھی اس عذاب خانے میں ایک پل نہیں رہنا چاہتی۔ جہنم بنا کر رکھ دی ہے تم نے

میری زندگی۔'' اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی خالد خان کی تصویر پٹخ کے نیچے دے ماری۔
''واقعی بہت منحوس گھڑی تھی جب میں نے تم سے شادی کر لی۔''

سطوت اور خالد خان اس بزنس میں ایک عرصے سے اکٹھے تھے تب تو انیق یزدانی بھی ان کا پارٹنر ہوا کرتا تھا۔ سطوت ایک آزاد خیال بلکہ ہر طرح سے آزاد گھرانے کی لاڈلی تھی۔ وہ گھرانے جو کسی زمانے میں خاص جگہوں پر ہی ناچ گانے اور جسم فروشی سے اپنا گزر بسر کرتے تھے۔ جن پر نواب اور عیاش گھرانوں کے بگڑے پتر مہربان ہوتے تو ان کے وارے نیارے ہو جاتے تھے لیکن تب یہ لوگ اپنے مخصوص ناموں اور پیشے سے پہچانے جاتے تھے اور آج وہی لوگ تعلیم یافتہ اور ماڈرن ہو کر ہائی سوسائٹی میں عزت دار کہلاتے تھے۔ اپنے خاص کاروبار کو انہوں نے بدلا نہیں تھا بس اس کے نام بدل لئے تھے اور معاشرے میں مختلف انداز سے داخل ہو کر اس کا بڑا حساس حصہ بن چکے تھے۔ سطوت کی ماں اپنے دور کی بڑی مشہور اداکارہ تھی اور نہ صرف فلموں میں اداکاری کر کے اس نے بے شمار روپیہ کمایا تھا بلکہ آئے دن کسی نہ کسی صنعت کار، سیاست دان اور نواب زادے کی نظرِ عنایت سے بھی اسے بہت کچھ ملتا رہتا تھا۔ وہ نہ صرف ایک کاروباری شاطر عورت تھی بلکہ عقل مند بھی تھی۔ اس نے اپنی جوانی میں ہی ایک بڑے صنعت کار سے شادی کر لی تھی اور فلموں سے کنارہ کشی اختیار کر کے گھر بسا لیا تھا۔ سطوت جب پیدا ہوئی وہ لندن جا کر آباد ہو چکے تھے۔ وہیں پلی بڑھی، تعلیم حاصل کی اور بیوٹیشن کورس کرتے کرتے جب سطوت کی ماں کو لگا کہ لڑکی کافی گل کھلا چکی ہے اور مزید اگر اس نے کسی انگریز سے شادی کر لی تو اس کی آخری عمر کا واحد سہارا بھی جاتا رہے گا۔ یوں وہ وطن واپس لوٹ آئی۔ وہ صنعت کار تو کچھ عرصہ بعد دل بھر جانے کے بعد اسے چھوڑ کر جانے کس دیس چلا گیا تھا۔ پاکستان واپس آ کر سطوت نے ایک بہت بڑا بیوٹی پارلر کھولا اور پھر شہرت حاصل کرنے میں اسے زیادہ عرصہ نہ لگا۔ اس میں اپنی ماں کی تربیت کے سارے گُن بھی تھے اور ماں کے دودھ کا اثر بھی تھا۔ ٹی وی اور فلم کی اداکاراؤں کے میک اوورز کے کنٹریکٹس کرتے کرتے وہ جلد ہی ''خان ایڈورٹائزنگ'' سے متعارف ہوئی اور پھر وہ سارے کام سطوت ان لوگوں کے ساتھ مل کر کرنے لگی جو خالد خان اور انیق یزدانی کے انڈر گراؤنڈ بزنس کا ایک بڑا حصہ تھے۔ اس کے بیوٹی پارلرز اور اس کی ٹرینڈ کی ہوئی عورتیں نوجوان نسل کی رگوں میں زہر میں بجھے تیروں کی طرح اتر چکی تھیں۔ گرلز کالجز، یونیورسٹیاں، ہاسٹلز اور بڑے بڑے گھروں کی بگڑی آزاد خیال لڑکیاں، سب ان کے جال میں آ رہی تھیں۔ اور یہ سب بڑے منظّم طریقے سے ہو رہا تھا۔ ایسے ایسے طریقوں سے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔

تین بڑے شیطانوں کے دماغ مل کر یہ گھناؤنے پلان بناتے تھے۔ وہ مڈل ایسٹ سے بہت دولت سمیٹ رہے تھے۔ یورپ سے بہت کما رہے تھے۔ ہانگ کانگ اور سنگاپور ان کے سب منصوبوں کا سینٹر ہوا کرتا تھا۔

انیق یزدانی اور خالد خان میں ایک عرصہ بہت دوستی رہی مگر بعض معاملات پر اختلافات بڑھ گئے تو دونوں الگ الگ ہو گئے۔ انیق اپنا حصہ لے کر پہلے یورپ چلا گیا اور اب پھر واپس پاکستان آ چکا تھا جب کہ خالد خان نے اپنی پارٹنر شپ کو مضبوط بنانے کے لئے شادی کر لی تھی، مگر یہ شادی خفیہ ہی رکھی گئی تھی۔ صرف آٹھ نو ماہ کے عرصے کے بعد ہی سطوت اور خالد میں جھگڑے شروع ہو گئے تھے۔ خالد اس کی سب دولت ہڑپ کرنے کے چکر میں تھا جب کہ سطوت کی ماں کی پڑھائی ہوئی پٹی یہ تھی کہ وہ خالد کے اثاثے اپنے نام منتقل کرا لے مگر خالد خان تو سطوت کو اب اس کا حصہ بھی نہ دیتا تھا۔ جتنی بھی بزنس ڈیلنگس (Buisness Dealings) ہوتیں وہ سب فوراً اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کرا لیتا تھا۔ سطوت پوچھتی تو وہ میٹھی میٹھی باتوں سے اسے بہلا دیتا۔ مگر وہ ایسی عورت نہ تھی جو شوہر پرست ہوتی یا محبت میں جاں نثاری کرتی وہ تو بالکل ایک کاروباری عورت تھی۔ کاروبار میں گھاٹا ہوتا نظر آیا تو وہ چیخنے لگی تھی۔ شروع شروع کی بحث اب باقاعدہ جھگڑوں کی صورت اختیار کر گئی تھی اور جب انیلا کو اس نے خالد خان سے ملوایا تھا یہ جھگڑے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر رہے تھے۔

☆======☆======☆

تین چار روز کے بعد سمیر دوبارہ جاوید احمد کے فلیٹ پر موجود تھا۔ جاوید احمد اسے دیکھ کر آج نہ تو بے چین ہوا تھا اور نہ ہی اس نے بیزاری کا اظہار کیا تھا بلکہ اس کے استقبال سے لگ رہا تھا کہ وہ اس کا منتظر ہی تھا۔ حال احوال کے بعد وہ اٹھ کر چائے بنانے کے لئے جانے لگا تو سمیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں! میں آپ کے ہاتھ کی چائے ضرور پیوں گا، آپ واقعی بہت اچھی چائے بناتے ہیں، لیکن ایسا ہے جاوید بھائی! مجھے آج بھوک بھی لگ رہی ہے اس لئے میں نیچے بیکری سے کچھ کھانے کے لئے لاتا ہوں آپ اتنی دیر میں چائے بنائیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' اس نے خوشدلی سے اجازت دے دی کیونکہ کچن میں کوئی ایسی چیز واقعی موجود نہ تھی جو وہ چائے کے ساتھ پیش کرتا۔ جتنی دیر میں سمیر نیچے سے پیٹز وغیرہ لے کر آیا جاوید چائے بنا چکا تھا۔ دونوں چائے پینے کے دوران اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے

رہے۔ سمیر بعد میں چائے کے خالی برتن کچن میں جا کر دھو کر رکھ آیا۔

"جاوید بھائی! آپ نے کہا تھا کہ آپ......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"میں بڑی اذیتوں سے گزرتا رہا ہوں۔ ان چار روز کے ایک ایک پل میں۔" وہ بے چین سا ہو اٹھا۔

"اگر آپ اس کام کو ایک بہت بڑا نیک مقصد سمجھ کر میری مدد کریں گے تو یقین جانیں آپ کو ذرا برابر پریشانی کا سامنا نہ ہوگا۔" وہ اس کی ہمت بندھانے لگا۔

"سمیر! وہ لوگ بے حد منظم اور خطرناک ہیں۔" اس کے لہجے میں کوئی گزرنے والا سانحہ بول رہا تھا۔

"آپ ان لوگوں کے بارے میں جانتے ہیں تو انہیں بے نقاب کیوں نہیں کرتے؟"

"بے نقاب ہی تو کرنے چلا تھا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ضبط سے اس کے جسم میں کپکپاہٹ طاری تھی۔

"یہ معذوری اسی کا نتیجہ ہے۔" وہ بے بسی سے اپنی کٹی ہوئی ٹانگ کو دیکھنے لگا۔

"آپ اتنی جلدی ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہیں' جاوید بھائی!" سمیر نے اسے سہارا دے کر بٹھا دیا۔

"میں نے ہمت نہیں ہاری تھی تب بھی میں مضبوط ہی تھا۔" اس کے لفظوں میں لرزش آ گئی۔ "میں ان کی دھمکیوں سے نہیں ڈرا تھا سمیر لیکن جب انہوں نے میری بہن کو اٹھا لینے کی دھمکی دی......" بات کرتے کرتے اس کی آنکھوں میں لہو اترنے لگا۔ "دھمکی کو میں پھر بھی دھمکی ہی سمجھا تھا......لیکن جب ان کمینوں نے رعنا کو واقعی اغوا کرنے کی کوشش کی......وہ تو اس کی قسمت اچھی تھی جو عین وقت پر کچھ اچھے لوگ وہاں موجود تھے جن کے شور مچانے پر ان کی کوشش ناکام ہو گئی......ورنہ......" بتاتے بتاتے اس کی آنکھوں سے خون ابلنے لگا۔

"آپ کی رعنا ان کا شکار ہونے سے بچ گئی پھر بھی آپ کی یہ حالت ہے......مگر میری بہن تو ان کے چنگل سے نکل کر آئی ہے۔ ہمارے ساتھ تو وہ سب ہو چکا ہے جو آپ کے ساتھ نہیں ہوا۔" سمیر کی آواز رُندھ گئی۔ "جانے طوبیٰ اور گیتی آراء جیسی کتنی اور ہزاروں لڑکیاں ان کی درندگی کا شکار ہو چکی ہیں اور کتنی ہوتی رہیں گی اگر ہم میں سے کسی نے بھی آواز نہ اٹھائی......اگر ہم سارے اپنے بھرم سلامت رکھنے کے لئے خاموش رہے تو اور بے شمار گھروں کی عزتیں نیلام ہوتی جائیں گی۔"

"مگر اب میں خاموش نہیں رہوں گا۔ میں واقعی اپنی عزت کو بچانے کے لئے ان کی بلیک میلنگ کا شکار ہوتا رہا۔ مگر اب......اب تو رعنا اپنے گھر میں آباد ہے۔ وہ ان کی پہنچ سے بہت دور نکل گئی ہے۔ اب میں آزاد ہوں۔" اس کے انداز میں عزم عود آیا تھا۔

"دراصل کل اس کی لندن کے لئے فلائٹ تھی وہ اپنے شوہر کے پاس چلی گئی ہے۔ میں اسی انتظار میں تھا۔ سمیر میں چپ ضرور تھا مگر میں ان سے ڈرا نہیں تھا۔ میں نے خود ڈھونڈ کر اپنی بہن کا رشتہ ایسے لڑکے سے کیا جو بیرون ملک میں سیٹ ہے تاکہ رعنا پاکستان میں رہے ہی نہیں۔ اسی لئے میں نے تم سے دو چار روز بعد آنے کا کہا تھا۔" اب وہ خاصا مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ گیتی آرا کا قتل انہی لوگوں نے کیا تھا۔"

"اچھا! کیا آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے؟" سمیر ایک دم پُرامید ہوتا ہوا بولا۔

"ثبوت بھی سب مل جائیں گے۔" وہ جوش سے اپنا مکا ہوا میں لہراتا ہوا بولا۔

"سمیر! یہ لوگ میرے پیچھے پتا ہے کیوں پڑے تھے؟" وہ بتانے لگا۔ "میرے پاس ایک ایسی رپورٹ تھی جو بہت جلد باقی کے ثبوت مہیا کر سکتی تھی۔"

"کیا مطلب؟ تھی!!!"......وہ پریشان ہو گیا۔

"گیتی آرا کی پوسٹ مارٹم رپورٹ۔ رئیل رپورٹ۔"

"وہ......وہ کہاں ہے؟" سمیر بے تاب ہو گیا۔

"وہی رپورٹ مجھ سے حاصل کرنے کے لئے تو انہوں نے یہ ساری چال چلی تھی۔" وہ پھر اداس ہو کر اپنی معذور ٹانگ کو دیکھنے لگا۔

"اوہ شٹ۔" سمیر نے اپنا مکا زور سے دیوار کے ساتھ مارا۔

"لیکن میرے پاس اس کی فوٹو اسٹیٹ اب بھی محفوظ ہے۔" جاوید نے مسکرا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کہاں ہے' کدھر ہے؟" وہ خوشی سے بے تاب ہوا جا رہا تھا۔

"ہے بہت محفوظ ہے۔ فکر نہ کرو۔" اس نے اسے تسلی دی۔

"میں نے آج وہ فائل نکالی ہے جسے میں نے اپنی جان کے ساتھ لگا کر رکھا تھا۔ آؤ اندر آ جاؤ۔" وہ اسے اپنے بیڈروم میں لے گیا۔ "یہ دو بیڈروم کا فلیٹ کبھی بہت آباد ہوا کرتا تھا۔ یہاں رعنا کے قہقہے گونجا کرتے تھے۔" وہ کہیں کھویا سا اسے بتانے لگا۔ "ان بدمعاشوں نے جب یہاں آ کر غنڈہ گردی کی' توڑ پھوڑ کی' رعنا کے ساتھ بدتمیزی کی......" کہتے کہتے اس

کی کنپٹیاں کس گئیں۔ "تب میں نے ماں جی کو اور رعنا کو چپکے سے اپنے ماموں کے پاس کاغان بھجوا دیا تھا۔" وہ اسے اپنی رائٹنگ ٹیبل کے پاس بٹھا کر سامنے الماری کھول کر کچھ تلاش کرنے لگا۔ ان لمحوں میں سمیر کا دل جیسے بند ہو رہا۔ اور جب وہ فائل ہاتھ میں لئے مسکراتا ہوا پلٹا تو اس کی جان میں جان آئی۔

☆======☆======☆

"عمیر تم نے کہا تھا کہ تم جلد ہی جا کر طوبیٰ کو لے آؤ گے مگر آج پورے پندرہ روز گزر چکے ہیں اور تم......" صبورہ خاتون سخت غصے میں تھیں۔ دراصل جس روز انہوں نے عمیر کو اچھا خاصا جھاڑا تھا اور کہا تھا کہ وہ صبح جا کر طوبیٰ کو لے کر آئے اگلی صبح عمیر نے ماں کی منت کر کے کچھ وقت ان سے لے لیا تھا۔

"سنا نہیں میں کیا کہہ رہی ہوں؟" وہ قدرے بلند آواز میں بول رہی تھیں۔

"جی امی جان۔" وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے نا میں نے کیا کہا تھا کہ تم جو سوچ رہے ہو وہ ہو نہ پائے گا۔" وہ اسے یاد دلانے لگیں۔

"میں نے اس بچی کا ہاتھ مانگتے وقت اس کے والدین سے ایک وعدہ کیا تھا کہ ان کی بچی کو اپنی بچی ہی بناؤں گی۔ کبھی اسے بے اماں اور بے سائباں نہ ہونے دوں گی۔" انہوں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"سنو! ہم طوبیٰ کو لینے جا رہے ہیں۔" پھر فوراً ہی انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"کب؟" وہ پریشان ہو گیا۔

"ابھی اور اسی وقت۔ چلو تم جا کر تیار ہو۔" وہ سچ مچ غصے میں تھیں۔

"لیکن امی جان......" وہ سٹپٹا ہی تو گیا۔

"لیکن کیا؟ بولو...... بولو عمیر کیا تم مجھے جھوٹی ثابت کرو گے۔ کیا تم سر شرم سے جھکانے پر مُصر ہو۔" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگیں۔

"تو پھر ٹھیک ہے جاؤ اپنی مرضی کرو۔" وہ جانے کو پلٹیں۔

"امی جان! سنیں تو میں نے...... میں نے کب یہ کہا۔" وہ ہارتا ہوا بولا۔

"اچھا تو پھر......؟" وہ بدستور غصے میں تھیں۔

"میں آتا ہوں تیار ہو کر۔" وہ ناچار اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس میں بھلا اتنی ہمت کہاں تھی کہ وہ اپنی ماں کا کہا غلط کر دے۔ اسے جھوٹا بنا دے جو اس کے لئے دنیا کی

سب سے سچی ہستی تھیں وہ ان کے حکم کی سرتابی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ سب وہ جبراً نہیں ادب اور احترام میں بسی محبت کے تحت نہ کر سکتا تھا جو اسے اپنی ماں سے واقعی تھی۔

"دیکھو کوئی بھی حرکت ایسی نہ کرنا جس سے کرنل صاحب کی فیملی کو محسوس ہو کہ تم میں اور طوبیٰ میں کچھ تلخی آئی تھی۔" وہ اسے راستے میں ہی سمجھا رہی تھیں۔ "اور سنو! طوبیٰ کے لئے اپنے دل سے سارا میل نکال کر جانا اور وہ ساری محبتیں بحال کروان سارے جذبوں میں جوش بھرو جو طوبیٰ کے نام تھے۔" اب وہ ذرا مسکرا رہی تھیں۔ بس وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ صبورہ خاتون جانتی تھیں وہ انہیں شرمندہ نہ کروائے گا۔

جب وہ "خان ولاز" پہنچے سب لوگ ان کے بے چینی سے منتظر تھے۔ کرنل صاحب بہت گرم جوشی سے آگے بڑھے۔

"آؤ جوان بہت دن لگا دیئے آنے میں۔" وہ اسے گلے لگا کر تھپکتے ہوئے بولے۔

"جی......جی......" وہ کچھ بوکھلا گیا۔

"بابا جان یہ وہاں پر مصروف ہو گئے تھے نا اس لئے۔" فوراً ہی پاس کھڑی طوبیٰ بول پڑی۔

"دیکھ لیں عمیر بھائی آپ سے پہلے آپ کا کمپیوٹر بولتا ہے۔" سمیر اس کی طرف بانہیں پھیلاتا ہوا آیا اور اسے گلے سے لگا کر پوچھنے لگا۔

"کیا رہا ٹور؟ بیجنگ کانفرنس۔" تب عمیر کو سمجھ آئی کہ ان لوگوں نے اس کے یہاں ہوتے ہوئے بھی اس کی غیر حاضری کو کس طرح چھپا لیا تھا۔ وہ طوبیٰ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا جو اس کی نظر پڑتے ہی نظریں چرا گئی تھی۔ گرے کلر کے چھوٹے چیک دار جارجٹ کے سوٹ میں ہلکا ہلکا میک اپ کیے وہ ایک ہی لمحے میں اپنا تاثر چھوڑ گئی تھی۔ عمیر نے فوراً اپنے دل کو روکا اور نویرہ اور تانیہ کا حال چال پوچھنے لگا۔

"عمیر بھائی خوب سیر کر لی ہو گی آپ نے چین کی۔ بیجنگ کے علاوہ کہاں کہاں گئے؟" تانیہ پوچھنے لگی۔ "مگر وقت ہی کہاں ملا ہو گا؟" پھر خود ہی اس نے جواب دے دیا۔

"بھئی یہ کیا تم لوگوں نے اسے آتے ہی گھیر لیا۔ ذرا صبر تو کرو۔ سانس لینے دو اسے۔" سعدیہ خان نے اپنے داماد کی سائیڈ فوراً لی اور عمیر کو لگا انہوں نے اسے سخت امتحان سے بچا لیا ہو۔ پھر ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران چائے پی گئی۔

☆======☆======☆

رات کے کھانے سے فارغ ہو کر جب وہ باہر جانے لگا تو صبورہ خاتون پہلے سے

برآمدے میں موجود تھیں۔

''بس بیٹا گزرنے والے سب دنوں کی باتیں اور عادتیں اب ترک کر دو وہ چند روز ہماری تمہاری آزمائش کے تھے۔ خیریت سے گزر گئے۔ اب جاؤ اپنے اصل کی طرف جاؤ تمہارا محور اندر تمہارا منتظر ہے۔ جاؤ۔'' انہوں نے اسے وہیں سے واپس کر دیا۔

''اور سنو عمیر۔'' ان کی آواز نے اس کے جاتے قدم روک لئے۔ ''چند روز بعد ارم کی شادی ہے میں اپنے گھر میں سچ مچ کی خوشیاں اور رونقیں دیکھنا چاہتی ہوں دلوں کو ملا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔ زبردستی یا سمجھوتے میں گھٹے ہوئے دل اور زردیاں ملے ہوئے چہرے نہیں۔''

انہوں نے بڑی خوب صورتی اور گہرائی کے ساتھ اسے سمجھا دیا کہ وہ کیا چاہتی ہیں۔ وہ ان پر ایک زخمی سی نگاہ ڈال کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ مگر اندر جانے کو اس کا دل نہ چاہ رہا تھا۔ لہٰذا وہ چپکے سے پچھلے صحن میں چلا گیا۔ اس کا دل گھبرا رہا تھا۔ بالکل گم صم سا۔

وہ کرسی پر بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ دودھیا چاندنی میں نہایا ہوا آسمان۔ روشن چمکتا ہوا چاند جو شاید بہت خوش تھا۔ ٹھنڈی کرنیں جو زمین تک آ رہی تھیں تو ان کے نور سے ہر چیز نہائی ہوئی لگ رہی تھی پودے، پھول، گھاس جیسے ہر چیز پر روشنی انڈیلی جا رہی ہو اس کا دماغ کچھ کچھ کھلنے لگا اور دل جو بند سا پڑا تھا چاندنی کی پھوار میں نہایا تو کھلنے لگا۔

اپنے کمرے کی پچھلی کھڑکی سے لگی طوبیٰ جو کب سے ایک ٹک اپنے محبوب کو تک رہی تھی اس کے بجھے بجھے چہرے پر مسکراہٹ کو دیکھ کر ہلکے دل کے ساتھ وہاں سے ہٹ گئی اور جب دو نفل شکرانے کے ادا کر کے وہ اپنے بستر پر جا کر لیٹی تو اس کے چہرے پر ایک نور کا ہالہ تھا اور ہونٹوں پر گہری خوب صورت مسکراہٹ۔

رات کے تیسرے پہر جب وہ چپکے سے اپنے کمرے میں واپس آیا تو موتیا اور گلاب کی خوشبو نے فوراً ہی اس کا استقبال کیا۔ اس نے جھک کر اپنے رکے ہوئے قدموں کی طرف دیکھا تو وہاں اپنا آپ بچھائے اس سے لپٹی ہوئی کچھ پتیاں مسکرا کر بولیں۔ ''خوش آمدید'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے قدم آگے بڑھنے لگے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ کمرے کی ہر چیز مسکرا رہی تھی نکھری سنوری اپنی جگہ پر براجمان۔ یہ وہ کمرا لگ ہی نہ رہا تھا جو پچھلے ایک ماہ سے اس کے ساتھ تھا۔ بکھرا ہوا۔ میلا اور اداس کمرا وہ جان بوجھ کر نظریں بچا گیا اور باتھ روم میں جا گھسا۔۔۔۔ وہاں اس کے گرے ریشمی سوٹ کی خوشبو چاروں طرف شرارتیں کرتی پھر رہی تھی جو آج اس نے پہن رکھا تھا۔ دھلا چمکتا باتھ روم کھل کر مسکرا رہا تھا۔ اس خوشبو کا وہ بھی عادی ہو چکا تھا اس کے نہ ہونے سے کیسا ویران اور اداس ہو گیا تھا اور آج کیسا۔ وہ وہاں کی اس

خوشبو سے بھی دامن بچا کر باہر آ گیا۔

''کیا مصیبت ہے۔'' وہ تو عجیب امتحان میں گھر گیا تھا یہ خوشبو تو چاروں طرف سے اس کا گھیراؤ کر رہی تھی۔ اسے احساس دلا رہی تھی کہ جس سے وہ نظریں چرا رہا ہے وہ تو آنکھوں میں چھپی ہوئی ہے۔ جس سے دامن بچا رہا ہے وہ تو دامن کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اس نے جھنجھلا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا اور بستر سے تکیہ کھینچنے لگا۔

''چھن۔۔۔۔۔ن۔۔۔۔۔ن'' اس کا ہاتھ شاید تکیے پر تھا تکیہ کھینچنے سے چوڑیاں چھنک گئیں۔ بے ساختہ نظریں اٹھ گئیں سامنے ہی وہ اپنے مہکتے ہوئے وجود کے ساتھ ایک اٹل حقیقت بن کر موجود تھی۔ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ وہ بے خبر سوئی ہوئی بے حد معصوم اور حسین لگ رہی تھی۔ وہ خود بخود بستر پر بیٹھ گیا۔ ایک ٹک اسے دیکھے گیا۔ جانے کیا کیا اس کے دل و دماغ میں ہوتا رہا۔ ایک جنگ سی جاری تھی۔ آخر اس نے اپنی نظریں اس کی طرف سے ہٹائیں اور تکیہ اٹھا کر سامنے صوفے پر جا لیٹا۔

☆======☆======☆

ثمینہ۔۔۔۔۔ ثمینہ او ثمینہ۔'' وہ اسے زور زور سے آوازیں دے رہا تھا۔

''جی میں آ رہی تھی۔'' وہ بیچاری فوراً دوڑی آ گئی۔

''اتنی دیر سے بکواس کر رہا ہوں سنتی ہی نہیں ہو۔۔۔۔۔ کہاں مر جاتی ہو۔'' وہ اسے بہت ہی نفرت آمیز لہجے میں بلایا کرتا تھا۔

''جی میں نماز پڑھ رہی تھی۔'' وہ سہم کر کھڑی ہو گئی۔

''نماز پڑھ رہی تھی۔ حاجن بی بی سارا دن نمازیں ہی نہ پڑھتی رہا کرو اور بھی بہت کام ہوتے ہیں۔'' اس نے بڑے طنز سے دوپٹے میں لپٹی سر جھکائے کھڑی ثمینہ کا مذاق اڑایا۔

''نماز تو سب سے اہم اور ضروری کام ہے۔'' وہ ہولے سے بولی۔

''زیادہ نصیحتیں مت کیا کرو ہر وقت، چلو جا کر تیار ہو جاؤ۔ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی۔'' وہ فریج سے بوتل نکال کر ڈرنک بنانے لگا۔

''انیق یہ مت پیا کریں زہر ہے یہ آپ کو ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہے۔'' وہ آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے گلاس پکڑتی ہوئی بولی۔

''بکواس کرتا ہے ڈاکٹر اور تم بھی۔'' اس نے زور سے اسے پرے دھکیلا اور گلاس اغٹ پی گیا۔

''جلدی کرو تیار ہو کر آؤ۔'' وہ صوفے پر گر سا گیا۔ اب اس میں طاقت بہت کم ہو گئی

تھی وہ جلدی ہی تھک جاتا تھا۔ غصہ اسے بہت آنے لگا تھا۔ قوتِ برداشت بھی بہت کم ہوگئی تھی۔

''انیق!'' کچھ ہی دیر کے بعد اس کی نرم نرم سی آواز دوبارہ ابھری۔

''کیا ہے......'' اس نے بیزاری سے جواب دیا اور اس پر نظر پڑتے ہی وہ آگ بگولہ ہوگیا۔

''یہ، یہ تم نے کیا پہن لیا ہے تم، تم بالکل جاہل ہو جنگلی......'' وہ غرا کر اس کی طرف لپکا۔

''انیق! میں وہ لباس نہیں پہن سکتی۔'' وہ رو پڑی۔

''بکومت۔'' اس نے ایک تھپڑ اس کے پھول سے گال پر دے مارا۔

''میں نے تم سے خدمت گزاری کے لئے شادی نہیں کی۔ گھر میں بٹھانے کے لئے شادی نہیں کی۔'' وہ بکنے لگا۔

''تمہاری وہ بہن وہ گیتی آرا وہ بھی بہت پارسا بنتی تھی شروع شروع میں......'' وہ گیتی آرا کا نام لے کر ہنسنے لگا۔

''یہ نہیں پہنوں گی یہ نہیں کروں گی اور پھر......'' وہ ہنستے ہنستے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''پھر تمہیں پتا ہے ثمینہ بی بی اس نے کیا کیا نہیں کیا۔ واہ کیسے کیسے ڈریس نہیں پہنے اس نے......'' وہ عجیب سے انداز میں اس کا ذکر کر رہا تھا جو عجیب ہونے کے ساتھ ساتھ خاصا واہیات بھی تھا۔ ثمینہ کا دل تڑپ اٹھا اسے اپنی بہن کے بارے میں ایسی باتیں اچھی نہ لگیں۔

''تم بھی نخرے تو دکھاؤ گی ناں ہے ناں؟'' اس نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

''مگر یاد رکھو کہ کرنا تمہیں وہی کچھ پڑے گا جو میں چاہوں گا......'' دوسرے ہی لمحے اس نے اس کا چہرہ ایک جھٹکے سے دوسری طرف موڑ دیا۔'' جاؤ اور جا کر تیار ہو جاؤ۔'' اس کے انداز میں ایک تحکم تھا۔ وہ بیچاری چپ چاپ چلی گئی۔

''میرے اللہ یہ میں کس آزمائش میں پھنس گئی ہوں......'' وہ ڈریسنگ روم میں بیٹھ کر رونے لگی۔ اسے تو بالکل بھی اندازہ نہ تھا کہ اسے ایسی صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ تو انیق یزدانی نے کچھ اس طرح سے اس کے گھر والوں سے اس کا رشتہ مانگا تھا کہ اس کی امی بیچاری اسے نعمت سمجھ بیٹھیں اور پھر انیق کے انداز میں رشتہ مانگتے وقت درخواست سے زیادہ دھمکی چھپی ہوئی تھی۔

''بھئی جلدی کرو......'' وہ باہر سے دھاڑا ثمینہ ناچار جلدی سے کپڑے تبدیل کرنے

لی۔ وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان تھی'' کہ آخر انیق یزدانی کو دنیا میں لڑکیوں کی کیا کمی تھی ایک سے ایک ماڈرن لڑکی اس کے ساتھ شادی کرنے کو تیار تھی۔ پھر انیق نے اسی کا انتخاب کیوں کیا؟''

وہ کسی نئی ایڈورٹائزنگ کمپنی کی اوپننگ سیریمنی پر جا رہے تھے جہاں وہ اور انیق چیف گیسٹ تھے۔

''اوہ واؤ تم میں بھی بڑا حسن ہے گیتی آراء کی طرح۔'' اسے وہ سر سے پاؤں تک گھورتا واتعریف کر رہا تھا۔

☆======☆======☆

ارم کی شادی میں صرف دس روز باقی تھے۔ گھر میں خوب گہما گہمی تھی۔ گھر کے کام کاج...... بازار کے چکر' لانے والی اشیاء کی لسٹیں' جیولرز اور فرنیچرز مارٹ کے چکر' ہر ایک مصروف تھا۔ رامین اور طوبیٰ بہت محبت اور خوشی کے ساتھ ارم کا ایک ایک کام کر رہی تھیں انہوں نے ارم کو بالکل آرام سے بٹھا دیا تھا کمرے تک سے نہ نکلنے دیتیں وہ تنگ آ کر چیخ پڑتی۔

''طوبیٰ! کم از کم تم تو میرا خیال کرو کیوں مجھے قیدی بنا دیا ہے۔''

''قیدی کہاں۔ عیش کرو خیالات کے تانے بانے بُنو پیا کے خواب دیکھو۔'' اس نے شرارت سے چھیڑا۔

''رہنے دو مجھے نہیں کرنا یہ سب......'' وہ خفا ہوگئی۔

''تو پھر......؟ بس بیٹھو ٹک کر اندر ورنہ باہر نکلو گی تو کالی ہو جاؤ گی۔'' اس نے جاتے جاتے بلند آواز میں کہا۔

''خیر آ جائے گی آج میری غمگسار......'' وہ رمشاء کو یاد کر کے خوش ہوگئی۔ وہ آج شام کی فلائیٹ سے آ رہی تھی۔ ارم بے حد خوش تھی وہ اس کی بہترین دوست جو تھی۔ رامین بھی ان کے آنے پر کھلی جا رہی تھی۔

''آپا! آج تو آپ بے حد خوش ہیں۔'' سلاد بناتی طوبیٰ نے ان کے چہرے پر کھلنے والے رنگ دیکھ کر کہا۔

''ہاں بہت......'' جواباً وہ مسکرا دیں۔

''اچھا آپا اب رمشاء کے بارے میں بھی فیصلہ ہو جانا چاہیے۔'' اس نے رمشاء کے بارے میں بات شروع کر دی۔

''فیصلہ تو اس کی قسمت نے کرنا ہے۔'' وہ کچھ اداس سی ہو گئیں۔

''اس بار فیصلہ ہو کر رہے گا اور بہت اچھا ہو گا۔'' طوبیٰ نے سلاد بناتے بناتے چھری کو ہوا میں اس طرح لہرایا کہ رامین کی ہنسی نکل گئی۔

''اچھا جی...... اب آپ کو الہام بھی ہونے لگے ہیں۔'' وہ شرارت سے بولیں۔

''الہام نہیں سو فیصد درست بات ہے جی؟'' وہ ذرا ہنستے ہوئے بولی۔

''کیا واقعی......'' وہ ذرا سنجیدہ ہو گئیں۔ ''کیا حشام نے تم سے کچھ کہا ہے؟''

''آپا! حشام نے اپنی امی جان کو کافی حد تک منا لیا ہے اور دیکھ لیجئے گا اس بار رمشاء کے آنے پر حشام کی امی ضرور آپ کو پیغام دیں گی۔'' اس نے رامین کو خوشخبری سنانے کے انداز میں اصل بات بتا ہی دی اور یہ سب کام طوبیٰ ہی نے کروایا تھا۔ اس نے نہ صرف حشام کو بہت ہمت بندھائی تھی بلکہ وہ دو تین بار حشام کی امی سے بھی اسی سلسلے میں بات کر چکی تھی جس کا ذکر اس نے رامین سے نہیں کیا تھا۔

''خدا کرے طوبیٰ ایسا ہی ہو......'' وہ خوش ہو گئیں۔

''جی آپا! ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہو گا۔'' اس نے پیار سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''اچھا طوبیٰ ایک بات تو بتاؤ؟'' وہ اس کے مسکراتے چہرے پر اداس آنکھیں دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

''جی' جی پوچھیں۔'' وہ بوکھلا سی گئیں۔

''عمیر نے تم سے کچھ کہا۔'' وہ سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

''نہیں کچھ بھی تو نہیں کہا۔'' وہ اداس لہجے میں بولی۔

''آپا! انہوں نے تو مجھ سے بات کرنی ہی چھوڑ دی ہے۔'' وہ نم آنکھوں کو چھپانے لگی۔

''تم نے اپنا خیال جو رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ دیکھا ہے کیسی مرجھائی مرجھائی رہتی ہو۔'' وہ پیار سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''وہ تو میری طرف دیکھتے ہی نہیں۔'' اب آنسو گالوں پر پھسلنے لگے تھے۔

وہ اس کا ہاتھ تھام کے اسے کرسی پر بٹھا کر خود اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔

''اپنا خیال رکھا کرو طوبیٰ سجا اور سنورا کرو......'' وہ اسے سمجھانے لگیں۔

''مگر کس کے لئے کروں وہ تو مجھ سے اجنبی ہو چکے ہیں۔''

''اگر وہ اجنبی بن رہا ہے تو تم پہچان کرا دو اپنی۔'' وہ ذرا شرارت سے اس کا کندھا دبا کر بولیں۔ ''وہ بات نہیں کرتا تو تم اسے بات کرنے پر مجبور کر دو۔ تم تو حسین اور اسمارٹ بھی

ا اور پھر بھی پیا کے من نہیں اتر رہیں۔ بنو اپنی جادوگری دکھاؤ۔'' وہ آج بہت شوخ ہو رہی ہیں ''پہنو آج تم اس کا پسندیدہ پیلا رنگ' موتیے کے گجرے اور بنو سنورو پھر دیکھو وہ کس رح اجنبی رہتا ہے۔'' انہوں نے اس کے کان میں شرارت سے سرگوشی کی۔

''رامین آپا' آپ اور یہ سب باتیں۔'' وہ حیا سے سرخ پڑتی انہیں حیرت سے دیکھ رہی ی کیونکہ ان دونوں کے درمیان میں آج سے پہلے ایسی کوئی گفتگو نہ ہوئی تھی۔

''تمہاری آپا ہوں تو تمہیں سمجھانا بھی تو میرا ہی فرض ہے۔'' وہ ذرا گردن کو تان کر یں تو طوبیٰ کو ہنسی آ گئی۔

''ایسے' ایسے رکھا کرو ہشاش بشاش چہرہ۔'' انہوں نے پیار سے اسے دیکھا۔ پھر دونوں انا لگانے کے لئے بی بی جان کو آواز دینے لگیں۔ جو کافی دیر سے کچن میں سے غائب یں۔

☆======☆======☆

رات کے کھانے پر خاصی رونق تھی۔ رمشاء کے آ جانے سے ہی گھر بھرا بھرا لگنے لگا ۔ ارم کی خوشی تو دیدنی تھی۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ پیاری ہو کر آئی تھی۔ سیاہ لباس میں تو اور بھی قیامت لگ رہی تھی طوبیٰ نے تو چپکے سے ان کے کان میں کہہ بھی دیا تھا۔

''اب حشام قیامت کھڑی کر کے رہے گا۔'' اور وہ گلابی ہو کر اس سے کنی کترا گئی تھی۔

رخان بھی سالی کے ساتھ بڑے چہک رہے تھے۔ ہلکی پھلکی گپ شپ کے ساتھ ماحول بڑا ا لگ رہا تھا اور اچھی تو وہ بھی بے حد لگ رہی تھی۔ پیلے تارکشی کے کام والے سوٹ پر بڑا جارجٹ کا دوپٹہ کندھوں پر ڈالے۔ ہلکا ہلکا میک اپ کیے۔ وہ واقعی دل چاہ لینے کی حد تک ا لگ رہی تھی۔ رامین نے چوری چوری دیکھتے عمیر کی چوری کئی بار پکڑی تھی۔ وہ کیا کرتا اکا تو خود پر بس نہیں چل رہا تھا۔ اس کا دل تو مچل مچل کے سینے سے نکلا جا رہا تھا۔ طوبیٰ نے ا ان نظروں کی سرسراتی لپکتی تپش محسوس کر لی تھی۔ اس لئے وہ زیادہ خوش تھی۔

رات کو اپنے کمرے میں آتے آتے ایک تو ویسے ہی دیر ہو گئی تھی۔ اس پر بھی عمیر مزید ۔ دیر تک کمرے میں نہیں آیا تھا۔ وہ اندر بے چین اور پریشان تھی اور وہ باہر اپنے آپ لڑ رہا تھا۔ اس کا دل کہتا تھا کہ وہ اسی کی ہے پھر وہ کیوں خود کو سزا دے رہا ہے جبکہ دماغ گھسا غصہ اسے سیدھی راہ پر آنے ہی نہ دے رہا تھا بار بار بہکا کر اور طرف لے جاتا۔

''یہ تم سے پہلے بھی کسی اور کے خیالوں کا محور رہ چکی ہے۔ اس طرح ٹوٹ کر کسی اور ھی دیکھا ہے۔ چھوا ہے۔'' اس کا دماغ پھٹنے لگا اس کے اندر آندھیاں چلنے لگیں۔

''وہ میری نہیں تو میری زندگی میں آئی کیوں تھی؟''

''وہ تم سے پہلے بھی کسی اور کی زندگی میں تھی۔''

شیطان وہیں کا وہیں جما کھڑا تھا۔ ''تو پھر اب میری زندگی میں کیوں ہے؟'' وہ شدت کرب سے مچلا۔

''اس لئے کہ تم مجبور ہو۔'' وہ اپنی مکروہ شکل سے مسکرایا۔

''مگر میں مجبور نہیں رہ سکتا۔'' وہ بے بس ہو رہا تھا۔

''تو ٹھیک ہے ارم کی شادی کے بعد یہ مجبوری ختم کر دینا۔'' شیطان نے اپنا مشورہ دیا۔

''یہ کیسے ممکن ہوگا امی جان۔'' ماں کا حکم اس کے آگے دیوار تھا۔

''تو فرار حاصل کر لو۔'' ایک اور مشورہ ملا۔

''وہ کیسے......''

''تمہارے پاس تو بڑی زبردست آپشن ہے۔ بیرون ملک چلے جاؤ اور وہاں سے۔'' وہ اپنے نوکیلے دانت نکال کر ہنسنے لگا۔

''بیرون ملک......'' اسے یہ تجویز اچھی لگی۔

''ٹھیک ہے میں اندر ہی اندر اپنے جانے کی تیاری کرتا رہتا ہوں۔'' وہ پوری طرح سے شیطان کے جال میں آ گیا اور وہ اپنی تمام تر شیطانیت اور کمینگی سے ہنسنے لگا۔ ''یاہو۔'' نعرے لگاتا ہنستے ہنستے اس کے پیٹ میں بل پڑنے لگے۔

''میں نے ایک چاہنے والے میاں بیوی کو الگ ہونے پر تیار کر لیا ہے اور یہ کام کائنات میں میرا سب سے بڑا کارنامہ کہلاتا ہے۔ جب میں دو محبت کرنے والے میاں بیوی کو طلاق کے ذریعے الگ کر دیتا ہوں تو گویا اپنے شیطان ہونے کا پروف دے لیتا ہوں۔ ہا' ہا' ہا' وہ دھواں بن کر غائب ہو گیا اور عمیر اپنے اندر حسد اور نفرت کی بے پناہ آگ بھر کے اندر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جہاں آتے ہی اس نے ایک معصوم اور چاہت سے لبریز دل کی بری طرح توہین کرتے ہوئے توڑ دیا۔

''یہ تم بن سنور کے مجھ پر کیا ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتی ہو آج کل۔'' اس نے اس کے ہاتھوں میں پہنے موتیے کے سب گجرے نوچ کر توڑ ڈالے......

وہ جس نے پہلے کبھی اسے اس روپ میں نہ دیکھا تھا تڑپ اٹھی۔

''خدا جانے پہلے کن کن اداؤں سے کام لیتی رہی ہو......'' آج وہ پوری طرح شیطان کے جال میں تھا اس لئے اپنی پاکباز بیوی پر تہمت دھر گیا۔

''عمیر پلیز۔'' وہ بیچاری تھرا ہی تو اٹھی۔

''آپ کو مجھ سے نفرت ہے۔ جی بھر کے کریں۔ میں آپ سے محبت کی بھیک آج کے بعد نہیں مانگوں گی لیکن میں وہ نہیں جو آپ نے مجھے سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ میرا دامن میرا خدا جانتا ہے کتنا پاک ہے میں کیا تھی اور کیا ہوں یہ بھی وہی اللہ جانتا ہے......'' کہتے کہتے اس کا وجود کانپنے لگا اور آنکھیں سمندر ہو گئیں۔

''اسی اللہ کا واسطہ دیتی ہوں میں آپ کو آج کے بعد مجھ پر ایسا کوئی گندا الزام نہ لگایئے گا......'' وہ ہاتھ باندھے کھڑے اپنے بے خطا ہونے کی مکمل تصویر تھی۔ اگر شیطان نے اس کی آنکھوں پر اپنے ہاتھ نہ رکھ لئے ہوتے تو وہ اسی لمحے اس معصوم کو اٹھا کر گلے سے لگا لیتا۔ مگر اس کی بینائی تو جا چکی تھی۔

''میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں ارم کی شادی کے بعد خود یہاں سے چلی جاؤں گی۔ بس تب تک مجھے [illegible]شت کر لیں۔'' اس نے ایک آخری منت کی اور شکستہ قدموں سے چلتی ہوئی باتھ روم میں [illegible] گئی۔ اس کے کانوں میں عمیر کے کہے ہوئے الفاظ کا سیسہ ابل رہا تھا اور دل ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔

☆======☆======☆

گیتی آراء کی جس پوسٹ مارٹم رپورٹ کی جاوید احمد کے پاس فوٹو کاپی تھی۔ اس سے صاف ثابت تھا کہ قاتل نے بڑی پلاننگ کے ساتھ اور بڑی بے دردی کے ساتھ اس کا قتل کیا۔ اسے پہلے کوئی نشہ آور ڈرنک بڑی زیادہ مقدار میں پلایا گیا تھا اور پھر کئی درندوں نے مل کے اس کے ساتھ برا سلوک کیا تھا اور جب وہ بے ہوش ہو گئی تو اس کا سر کسی تیز دھار آلے سے کاٹ دیا گیا تھا۔

''ایسی پوسٹ مارٹم رپورٹ۔'' سمیر کا جسم سنسنا کر رہ گیا وہ کانپ اٹھا تھا۔ ''اتنا تشدد ایسا ظلم' ایسے ظالموں کو تو کیفر کردار تک لازمی پہنچانا چاہیے......'' اس کے اندر غم و غصے کی لہر اٹھی۔

''کیا اس کی اصل کاپی دوبارہ بنوائی جا سکتی ہے۔'' وہ جاوید احمد سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں مگر ہمیں بہت محنت کرنی پڑے گی اور رازداری بھی برتنی ہوگی۔'' وہ اسے بتانے لگا کہ اس ڈاکٹر کا ٹرانسفر اسی وقت کسی بہت دور دراز کے علاقے میں کروا گیا تھا اس کا پتا لگانا پڑے گا اور سمیر اب تم میرے فلیٹ پر مت آیا کرنا۔ بلکہ میں یہ فلیٹ چھوڑ رہا ہوں۔ اور آئندہ ہم کسی اور جگہ پر ملا کریں گے۔'' وہ بے حد محتاط ہونا چاہتا تھا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے اور اس کے لئے ہم کچھ اور ذمہ دار لوگوں کی مدد بھی لے سکتے ہیں۔''

سمیر نے اس کے ارادے پر ہامی بھرتے ہوئے اپنا آئیڈیا بھی پیش کر دیا۔

''مثلاً۔ کون ذمہ دار لوگ؟'' وہ جاننا چاہ رہا تھا۔ پھر سمیر نے اسے زیدی صاحب کے بارے میں بتایا جو پہلے باقاعدہ فوج میں ہی تھے مگر آج کل اپنی پرائیویٹ ڈیٹکٹو ایجنسی بنا رکھی تھی۔ ان کی فورس بہت ذہن لوگوں پر مشتمل تھی۔ جو ان کے کام کو بہت آسان بنا سکتے تھے۔

''چلو ٹھیک ہے ہم کل ہی ان سے مل لیں گے۔'' جاوید احمد نے اس کے آئیڈیے کو پسند کرتے ہوئے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

☆======☆======☆

زیدی صاحب نے ساری بات بڑے انہماک سے بیٹھ کر سنی اور اس پوسٹ مارٹم رپورٹ کو بھی بڑے غور سے دیکھا۔

''ایک تو یہ رپورٹ دوبارہ سے نکلوانی پڑے گی۔'' انہوں نے بھی پوسٹ مارٹم رپورٹ دوبارہ نکلوانے کی بات کی۔

''دوسرا ہمیں ایسا کوئی آدمی تلاش کرنا پڑے گا جو گیتی آرا کے بہت قریب رہا ہو۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

''مثلاً وہ کون ہو سکتا ہے؟'' اب جاوید احمد کی ساری ذہانت لوٹ آئی تھی وہ بہت دلچسپی اور غور سے ہر بات سن رہا تھا۔

''کوئی ملازم کوئی سہیلی؟'' وہ بہت سارے نکتوں پر ایک ساتھ غور کر رہے تھے۔

''سہیلی، سہیلی ہاں ندا علی مگر ندا تو پچھلے کافی عرصے سے ملک چھوڑ کر جا چکی ہے۔''

جاوید احمد کو ندا یاد آ گئی۔

''کس ملک میں گئی ہے کچھ تو علم ہو گا کوئی تو رشتے دار اس کا یہاں رہتا ہو گا؟'' وہ پوچھنے لگے۔

''شاید اب تو اس کا کوئی بھی رشتے دار نہیں رہتا یہاں وہ سب لوگ شاید کینیڈا شفٹ ہو گئے تھے۔'' جاوید نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بتایا۔

''کوئی ایسا ملازم جو گیتی آرا کے زیادہ قریب رہا ہو۔''

''ہاں ایک بوڑھا ملازم ہے جو گیتی آراء کے اسلام آباد والے فلیٹ پر ہوتا تھا۔'' جاوید کو وہ بوڑھا ملازم یاد آ گیا جو اسے کئی بار گیتی آرا کے فلیٹ پر ملا تھا بہت اچھا بابا تھا بہت دعائیں دیا کرتا تھا۔

''ٹھیک ہے اس کا پتا کرو اور کچھ پوچھنے کی کوشش کرو شاید وہ کچھ بتا سکے۔''

''ٹھیک ہے سر ہم یہ دونوں کام کر لیں تو پھر آپ سے رابطہ کرتے ہیں۔'' سمیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دراصل پوسٹ مارٹم رپورٹ ہمیں حاصل ہو جائے تو پھر ہم پرانی ایف آئی آر کی کاپی نکلوا کر کیس دوبارہ سے شروع کرا دیں گے اور ملازم سے ہو سکتا ہمیں ایسی کوئی کلیو مل جائے جس سے ہمیں کسی نتیجے پر جانے کے لئے کچھ آسانیاں حاصل ہو سکیں۔ انہوں نے بڑی نرمی سے انہیں ساری ت سمجھا دی۔

''یہ کام جتنی جلدی ہو جائیں اچھا ہو گا۔''

''جی ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہو گا۔''

☆======☆======☆

''امی جان! آپ نے مجھے کس عذاب میں ڈال دیا ہے۔'' وہ آتے ہی ماں کے گلے لگ کر پھوٹ پڑی۔

''کیا ہوا۔ کیا ہوا میری بچی!'' وہ پریشان ہو گئیں۔

''امی! انیق یزدانی اچھا آدمی نہیں ہے۔ وہ ہمارے اندازوں سے کہیں زیادہ برا ہے۔ وہ بہت خراب ہے۔'' وہ روئے جا رہی تھی اور ماں کو بتاتی جا رہی تھی۔

''امی جی! میں مر جاؤں گی مگر وہ کچھ ہرگز نہ کروں گی جو وہ چاہتا ہے۔''

''کیا چاہتا ہے؟'' ان کا بوڑھا اور پہلے سے غمزدہ دل تھر تھر کانپنے لگا۔

''امی جی! اس نے گیتی آپی کے ساتھ بھی یہ سب زبردستی کیا ہو گا۔ میری معصوم بہن کو اس نے ڈرا دھمکا کر برا بنایا تھا۔'' اس کی آنکھوں کے سامنے گیتی آرا کی معصوم شکل آ گئی۔

''مجھے تو لگتا ہے اسی نے میری آپی کو۔'' کہتے کہتے اس کی ہچکی لگ گئی۔ گیتی آرا کی بغیر سر کی لاش کو یاد کر کے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کس طرح بے حرمت کر کے اسے مارا ظالموں نے۔ اس کے اندر بے پناہ نفرت پھیل گئی۔

''ایسی باتیں مت کر ثمینہ ایسی باتیں مت کر...... کسی نے سن لیا تو۔'' اس کی امی مارے خوف کے گھبرا گئیں۔

''اب وہ تمہارا شوہر ہے تمہیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ شوہر کی بات مانا کرو۔'' وہ اسے سمجھانے لگیں۔

''چاہے وہ بے حیائی اور بدکاری کی بات کرے؟'' وہ ماں کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

وہ بیچاری کیا جواب دیتیں چپ کی چپ رہ گئیں۔

"نہیں امی یہ ہمارے اللہ اور رسول ﷺ کی حکم عدولی ہے میں ایک دنیاوی رشتے کے لئے اپنی آخرت خراب نہیں کر سکتی۔" وہ ایک فیصلہ کر کے بولی۔ "اب میں اس کے گھر کو چھوڑ آئی ہوں اور پلٹ کر واپس نہ جاؤں گی۔ چاہے وہ جتنا بھی ظلم کر لے۔" وہ ماں کے زرد پڑتے چہرے کی طرف دیکھے بغیر اندر اپنے کمرے میں چلی گئی اس کی چھوٹی بہن اور چھوٹے دونوں بھائی جواب اتنے چھوٹے نہ رہے تھے ماں کو آنکھوں ہی آنکھوں میں سمجھانے لگے۔

"کہ آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

"ثمینہ آپی! یہ گیتی آپا کی ڈائری۔" رات کو جب وہ عشاء کی نماز کے بعد سجدے میں رو رو کر دعائیں کر کے اٹھی تو دانیہ اس کے پاس کھڑی تھی وہ براؤن ڈائری اس کے ہاتھ میں تھی جس میں گیتی روز رات کو کچھ لکھا کرتی تھی۔

"یہ تمہیں کہاں سے ملی؟" اس نے لپک کر وہ ڈائری چھین لی۔

"یہ ہم نے آپا کے کمرے کی صفائی کی تھی تو ان کے کارپٹ کے نیچے سے ملی' آئیں میں آپ کو دکھاؤں وہاں اور بھی کچھ ہے۔" وہ حیران پریشان سی ثمینہ کو اپنے ساتھ لے گئی۔

گیتی آرا نے اپنا کمرا بہت اچھا ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا اور وہاں وہ بہن بھائی کم ہی جاتے تھے۔ اس کے کمرے کے مغربی کونے میں ایک طرف سے دانیہ نے کارپٹ کا کونا موڑا تو وہاں فرش کی اینٹیں نکال کر ایک جگہ بنائی گئی تھی۔ جس میں سے ایک چھوٹا سا لکڑی کا بکس برآمد ہوا تھا۔ اس میں اس براؤن ڈائری کے علاوہ ایک فائل اور دو ویڈیو کیسٹس بھی موجود تھیں۔

"یہ سب کیا ہے دانیہ؟" ثمینہ نے کانپتے ہاتھوں سے وہ بکس بند کر دیا۔

"شاید کوئی بہت بڑے راز ہوں جو آپا نے اس قدر سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔" دانیہ نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

"ثمینہ آپی! یہ ڈائری میں نے پڑھی ہے۔" وہ اس کے قریب بیٹھ کر اسے بتانے لگی۔

"کیا...... کیا ہے۔ اس میں۔" اس کے تو ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

"بہت کچھ ایسا جو ہم کسی سے نہیں کہہ سکتے۔ آپا پر بیتے ہوئے ایک ایک لمحے کی اذیتوں کا ذکر ہے۔ انیق یزدانی اور خالد خان کے کالے کرتوتوں کی سب داستان ہے اور' اور۔" بتاتے بتاتے وہ رو پڑی۔

"اور کیا...... کہہ دے ورنہ میرا دل پھٹ جائے۔" ثمینہ کی سانسیں حلق میں پھنس رہی تھیں۔

"ندا آپی کسی بیرون ملک نہیں گئیں انہیں۔" اس کی باقاعدہ ہچکی بندھ گئی۔ "انہیں قتل کر

دیا گیا تھا۔" اس کے الفاظ بم کی طرح ثمینہ کے کانوں میں پھٹ گئے۔

"کیا...... کیا کہہ رہی ہو تم......؟" ثمینہ نے دانیہ کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔

"آپی میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ آپ یہ ڈائری پڑھ کر تو دیکھیں۔" دانیہ نے اپنی نم آنکھیں صاف کرتے ہوئے ثمینہ کو کندھوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا۔

"اور یہ......" ثمینہ نے ان دونوں ویڈیو کیسٹس کی طرح اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ دیکھنے کی مجھے ہمت ہی نہیں ہوئی۔" اس نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں کچھ خوف سا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" وہ بھی خوفزدہ ہی تھی۔

"سنو......" دانیہ واپس جانے لگی تو اس نے آواز دے کر روک لیا۔

"تم آج یہیں میرے پاس سو جاؤ۔" وہ اس کمرے میں اکیلے سونے سے ڈر رہی تھی۔

"جی بہتر...... میں ذرا امی جان کو دوا کھلا کر آتی ہوں۔" وہ پھر آنے کا کہہ کر چلی گئی۔

ثمینہ نے کانپتے ہاتھوں سے وہ ڈائری اٹھائی اور بیڈ کے اوپر پاؤں رکھ کر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اسے گیتی آراء بہت زیادہ یاد آ رہی تھی۔ وہ غور سے اس کے کمرے کو دیکھنے لگی۔ کتنے شوق سے اس نے کمرے کی ہر چیز کو سجایا تھا۔ مرنے سے پہلے کے کچھ دنوں میں تو وہ بہت ہی خوش رہنے لگی تھی۔ انیق یزدانی سے منگنی ہو جانے کے بعد وہ سمجھنے لگی تھی کہ اب وہ باقی کی زندگی شاید بہت سکون سے گزارے گی۔ مگر اسے کیا خبر تھی کہ یہی چند روز تو ہیں جنہیں وہ شوق سے اور سکون سے گزار رہی تھی۔ اور پھر یہی چند روز تو باقی رہ گئے تھے اس کی زندگی میں۔

"آہ...... میری بہن۔" اس کے سینے پر بہن کے سب دکھوں کا بوجھ آن گرا۔

"کاش آپا تم اس راستے پر قدم ہی نہ رکھتیں۔" اس نے بیڈ کی سائیڈ پر پڑی گیتی آراء کی تصویر اٹھا لی۔ جس میں وہ بہت خوش لگ رہی تھی اور بہت حسین بھی۔

اس نے تصویر کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے اور بہت سے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ بہہ کر تصویر کے شیشے کو بھگونے لگے۔

ڈائری کو بڑی ہمت کے بعد اس نے کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔ شروع کے صفحات میں تو گیتی آراء کی خوشی ہی خوشی نظر آ رہی تھی۔ وہ ایڈورٹائزنگ کی دنیا میں آ کر بہت خوش تھی۔ خالد خان کا ذکر اس نے کچھ ناپسندیدگی سے ہی کیا تھا مگر انیق یزدانی تو پہلی نظر میں ہی اس کے دل میں اتر گیا تھا۔

ثمینہ نے بہت سے صفحات ایک ساتھ پلٹ ڈالے۔ اسے انیق یزدانی کے لئے گیتی

آراء کی محبت اور شدتیں اچھی نہ لگیں جو وقت کے ساتھ ساتھ مزید بڑھتی گئی تھیں۔ آگے سنگاپور جانے کا ذکر تھا جس کے بارے میں وہ بے حد خوش تھی۔ کراچی میں رکے تو انیق یزدانی کے ساتھ گزارے ہوئے وقت اور ایک ساتھ گزاری گئی اس رات کا بھی ذکر تھا جس کے بعد وہ انیق کی بہت گرویدہ ہوگئی تھی۔ پھر انیق تو ان لوگوں کے ساتھ سنگاپور نہیں گیا تھا لیکن خالد خان کے ساتھ ان کی پوری ٹیم سنگاپور پہنچی تھی۔ یہاں آکر بھی وہ بہت خوش تھی۔

مگر...... اگلے صفحات میں اس نے جو ذکر کیا تھا وہ بہت دھچکا دینے والا تھا۔ جس ایڈورٹائزنگ کے لئے اسے بطور ماڈل اپنے ساتھ لے جایا گیا تھا اور پھر جس طرح سے اسے بلیک میل کرکے زبردستی اس سے یہ کام کروایا گیا تھا وہ دل کو دکھا دینے والا ذکر تھا۔

''اوہ میرے اللہ...... میری بہن کی تو بخشش فرمانا۔'' اس نے ڈائری کو بند کر دیا اور ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

''گیتی! گیتی! تم نے یہ سب کیوں کیا۔ کیوں اس گند میں قدم رکھنا پسند کرلیا۔'' وہ تصور کرکے ہی کانپ رہی تھی۔ ''تم نے یہ سب کیسے کرلیا تھا؟ کیسے تم نے اپنے آپ کو بے ستر کیا اور...... اور...... میرے اللہ......'' اس کا دل گھبرانے لگا۔ وہ اٹھ کر باہر آگئی۔

☆======☆======☆

''گیتی آراء کے ملازم بابا کا پتا کیسے چلے گا کہ اب وہ کہاں ہے؟'' جاوید احمد سمیر سے پوچھ رہا تھا۔ آج سمیر خان ایک ہفتے کے بعد دوبارہ جاوید احمد کے پاس آیا تھا۔ اس عرصے میں جاوید احمد نے یہ تو معلوم کرلیا تھا کہ اس ڈاکٹر کی پوسٹنگ صوبہ پنجاب کے ایک چھوٹے سے علاقے مظفر گڑھ میں تھی۔ مگر گیتی آرا کے پرانے ملازم کے بارے میں معلوم کرنے میں وہ فی الحال ناکام تھا۔

''یار! تم لوگوں کا تو اچھا خاصا آنا جانا تھا ان کے گھر، تم ان کے گھر جا کر کسی بہانے سے کیوں نہیں معلوم کرتے؟'' جاوید احمد کے ذہن میں خیال آیا۔

''ہاں، میں ان کی طرف جا تو سکتا ہوں۔'' سمیر بھی کچھ سوچنے لگا۔

''اور میرا خیال ہے کہ وہ لوگ میرے ساتھ کچھ نہ کچھ تعاون بھی ضرور کریں گے۔'' اسے اچھی خاصی امید تھی۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔ تم آج شام کو ہی ان کی طرف جاؤ گے اور کل کسی وقت ہم لوگ مظفر گڑھ کے لئے نکلیں گے۔ وہاں ہمیں ہوسکتا ہے دو چار روز لگ جائیں۔''

وہ دونوں بیٹھ کر آئندہ کا پروگرام طے کرنے لگے۔

''جاوید بھائی میں نے کچھ چھٹیاں لے لی ہیں اسی کام کے لئے۔'' سمیر بتانے لگا۔

''ہاں یہ بہتر ہے۔'' جاوید کچھ مطمئن ہوگیا۔ ''آج ہمیں زیدی صاحب سے بھی ملنا ہے۔'' سمیر کہنے لگا۔

''ہاں مگر تم پہلے ان کی طرف چکر لگا آؤ تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' جاوید کا اشارہ گیتی آرا کے گھر کی طرف تھا۔

''آپ کا مطلب ہے ہوسکتا ہے ہمیں کوئی کلیو ہی مل جائے۔'' وہ سمجھ گیا تھا۔

''بالکل!'' وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''ان شاءاللہ تعالیٰ!'' دونوں نے ایک ساتھ کہا اور مسکرا دیئے۔

''چلو اب اچھی سی چائے پیتے ہیں مگر نیچے جا کر۔'' جاوید احمد اس کے کندھے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

''ضرور، ضرور۔'' دونوں سیڑھیاں اتر کر نیچے آگئے جہاں بھائی اللہ بخش کے چھوٹے سے ہوٹل کی چائے انہیں بہت پسند تھی۔

☆======☆======☆

وہ ساری ڈائری پڑھ چکی تھی۔ جس میں بہت بڑے بڑے انکشافات کئے گئے تھے۔ ایسے ہولناک انکشافات اور ایسے راز کھلے تھے کہ ثمینہ بیچاری تو سنسنا کر رہ گئی تھی۔ اس کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے تھے۔ طوبیٰ کا اغوا اور اسے جس جس بے جا میں رکھا گیا تھا اس کا سب ذکر تھا۔ ندا نے طوبیٰ کو وہاں سے نکالنے میں گیتی آرا کی پوری پوری مدد کی تھی۔ بڑا ہی بولڈ اسٹیپ تھا جو ندا نے بغیر کسی سوچ بچار کے لے لیا تھا اور اس کی سزا اسے یہ ملی تھی کہ وہ بیچاری اپنی جان سے ہی چلی گئی تھی۔ واقعی ندا کو مار دیا گیا تھا۔ یہ جان کر ثمینہ کانپ ہی تو گئی تھی۔

رات سے اس کی عجیب حالت تھی۔ ایک خوف بری طرح اس پر طاری تھا اس قدر خطرناک لوگ۔ گیتی نے کیسی پُر خطر راہوں کو چن لیا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ یقیناً گیتی آرا کو بھی انہی لوگوں نے قتل کیا ہوگا۔ مگر اس کے قتل کی کوئی شہادت، کوئی ثبوت اس کے پاس نہ تھا۔

''مجھے یہ ڈائری پولیس کو دے دینی چاہیے۔'' وہ سوچ رہی تھی۔

''مگر پولیس تو خود ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ بات الٹ ہی نہ جائے اور گیتی کی اتنی محنت ضائع ہی جائے۔'' وہ ڈائری کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

''ثمینہ آپی! سمیر بھائی آئے ہیں۔'' دانیہ نے آکر اس کے خیالات کا تانا بانا توڑ دیا۔

''سمیر بھائی!'' وہ کچھ سمجھی نہ تھی۔

"سمیر بھائی! کرنل صمد خان کے بیٹے۔ طوبیٰ آپا کے بھائی۔" ثمینہ نے اسے سمجھانے والے انداز میں بتایا۔

"طوبیٰ آپی......" وہ چونک اٹھی۔ "سمیر بھائی۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی الماری کی طرف بڑھی۔ ڈائری کو وہاں چھپایا اور چادر کو اچھی طرح لپیٹتی باہر آ گئی۔ یہ تو بہت اچھا ہو گیا کہ سمیر آ گیا۔ وہ کچھ پُر امید سی تھی۔ ایک راہ اسے نظر آ گئی تھی۔

☆======☆======☆

رمشاء کے آ جانے سے ارم تو جیسے کھل گئی تھی۔ اب وہ دونوں سارا سارا دن کمرے میں سر جوڑے بیٹھی رہتیں۔ ارم کی شادی میں صرف ایک ہفتہ رہ گیا تھا اور آج ارم کو ابٹن لگایا جانا تھا۔ گھر میں اچھی خاصی گہما گہمی تھی اور تو زیادہ باہر کے مہمان نہ تھے بس ارم کی خالہ زاد بہنیں تھیں اس کی کچھ سہیلیاں تھیں۔ طوبیٰ کے گھر والے تھے اور حسام کے گھر والے۔ مائرہ بھی رات سے یہیں پر تھی اور اب اگلا پورا ہفتہ اس نے یہیں پر رہنا تھا۔ حالانکہ صبورہ خاتون ان رسم و رواج کے خلاف تھیں اور زیادہ ہنگامے پسند نہیں کرتی تھیں مگر ان سب بچیوں نے مل کر اتنا زور ڈالا تھا کہ وہ آج کے اس ابٹن کے باقاعدہ فنکشن کے لئے مان گئی تھی۔

رامین نے بہت خوبصورت پیلے رنگ کا چنری سوٹ گوٹا لگوا کر ارم کے لئے بنوایا تھا۔ باقی لڑکیوں نے بھی پیلے اور سبز رنگ کے جوڑے بنوائے تھے۔ ارم کی خالہ زاد بہن بھی رات سے یہیں تھی۔ خوب رونق لگی ہوئی تھی۔

"آؤ بھئی جلدی آ جاؤ۔ بچیو چائے آ گئی ہے۔" مائرہ چائے کی ٹرالی کھینچتی ہوئی اندر داخل ہوئی جس میں چائے کے علاوہ بھی اور بہت کچھ تھا۔

"لو آ گئی چٹوری۔" ماریہ جو اپنے ناخنوں کی کٹنگ کر کے انہیں فائل کر رہی تھی دیکھتے ہی بولی۔

"ہاں واقعی! چٹورے ہی اس کے قریب آئیں۔ باقیوں کا روزہ ہے۔" اس نے ماریہ کی طرف چائے کا کپ بڑھایا مگر جب اس نے لینا چاہا تو وہ اس نے وہ کپ ارم کو دے دیا۔

"تمہارا مطلب ہے یہ کھا کھا کر موٹی ہو جائے۔ خیال کرو یہ دلہن ہے۔" ماریہ نے ارم کے سامنے سے کبابوں والی پلیٹ اٹھالی اور اس پر خوب سارا چلی ساس انڈیلتی ہوئی بولی۔

"بس کرو ماریہ۔ مر جاؤ گی اتنی مرچیں کھا کر۔"

ارم نے اس کے ہاتھ سے ساس والی بوتل چھین لی ورنہ تو وہ شاید اور بھی ڈالتی۔ "موٹی بے شک نہ ہو مگر اسے فاقے بھی تو مت کراؤ۔ سوکھ ہی نہ جائے بیچاری۔" رمشاء کو بہت محبت

آئی تو اس نے اٹھ کر ایک پلیٹ میں تھوڑی نمکو اور ایک کباب رکھ کر ارم کو بھی دے دیا ورنہ وہ ساری تو ڈھیٹ بنی بڑے مزے سے اپنا اپنا کھا رہی تھیں۔

"کیا...... کیا بکواس ہے یہ۔" ارم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہوں...... کبھی موٹی کبھی سوکھی۔ یہ تم لوگوں نے میرا کیا مذاق بنا رکھا ہے۔ نہ میں موٹی ہوں نہ ہوں گی۔ آئی ایم آل ریڈی اسمارٹ...... اور ان شاء اللہ تعالیٰ رہوں گی۔" اس نے بڑی ادا سے خود کو اسمارٹ کہا اور ٹرالی کو اپنی طرف کھینچ کر اپنی پلیٹ میں پیسٹری اور ایگ رول بھی رکھ لیا۔

"بھئی سنا ہے کہ شادی کے بعد لڑکیاں ضرور موٹی ہوتی ہیں اس لئے سمجھانا ہمارا فرض تھا۔" مائرہ نے خالص بڑی بوڑھیوں والے انداز میں کچھ اس طرح کہا کہ سب کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"اچھا بڑی بی جب تمہاری شادی ہو گی تو مت کھانا۔" ارم نے مائرہ کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔

"اچھا اچھا اب بس جلدی جلدی کرو اور یہ جو ڈھیر کپڑوں کا پڑا ہے اس کی طرف بھی توجہ دو۔" رمشاء نے ان کپڑوں کی طرف اشارہ کیا جو استری کرنے کے لئے بڑے جوش سے نکالے گئے تھے کہ پورے ہفتے کے لئے کپڑے استری کر کے ہینگروں پر لٹکا کر رکھ لئے جائیں تا کہ یہ ایک کام تو ختم ہو۔ یہ مشورہ کلثومیہ کا تھا اور اس نے یہ کام لیا بھی اپنے ذمے تھا۔ مگر صرف کپڑے اکٹھے کرنے میں ہی اس کا جوش تھا اب اتنے سارے کپڑے استری کرنے کے لئے اس کا دل ہرگز نہ کر رہا تھا۔

"بھئی روز کے روز ہی کر لیں گے، چھوڑو پرے۔" نہایت لاپروائی سے وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"واہ واہ اب ایسا نہیں ہو سکتا محترمہ! اب تو کرنے پڑیں گے۔" مائرہ بھلا کب اسے مکرنے دیتی۔ اسے تو خود استری کرنا سب سے بڑا عذاب لگا کرتا تھا۔

"تو ٹھیک ہے اپنے اپنے کر لو......" وہ بھی ایک ہی ڈھیٹ تھی کہاں اتنی آسانی سے مانتی۔

"ماریہ تم میرے ہاتھ سے قتل ہو جاؤ گی۔" مائرہ اس کی طرف جھپٹی مگر وہ ارم کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ بہر حال طے یہ پایا کہ استری ماریہ ہی کرے گی شام کے لئے باقی کے انتظامات مائدہ اور رمشاء مل کر کریں گی۔ وہ بیچاری منہ بسورتی استری کرنے بیٹھ گئی تھی۔

☆======☆======☆

ابٹن کی رسم کیا تھی بس لڑکیوں کا شوق تھا صبورہ خاتون نے کہہ دیا تھا کہ بچیاں اپنا شوق پورا کر لیں اور باقاعدہ سات سہاگنوں کو جا کر ارم کو ابٹن لگانے کی ضرورت نہیں' یہ سب ہندوؤں کی رسم و رواج سے متاثر ہو کر بنائی گئی رسمیں ہیں۔ ورنہ ان کا مذہب یا ہمارے معاشرے سے کوئی تعلق نہیں' ہاں ابٹن لگانے کا یہ تصور اچھا ہے کہ اس سے ذرا لڑکی کا رنگ و روپ سنور جاتا ہے اور سنگھار کا حکم ہمارے مذہب میں ایک عورت کو ہے اور اسے پسند بھی کیا گیا ہے۔ ارم کو بس پیلا سوٹ پہنا کر مہمانوں کے ساتھ بٹھا دیا گیا اور لڑکیوں نے کچھ دیر ڈھولک پر کچھ دیر گا لیا تھا وہ بھی بڑی آہستہ آواز میں البتہ سب کا اکٹھے ہو کر بیٹھ جانا ہی بہت اچھا لگ رہا تھا آج تو حسام کی امی کا موڈ بھی اچھا ہی تھا۔

بعد میں ڈنر کا انتظام تھا رمشاء اور مائرہ بھاگی پھر رہی تھیں جب کہ ماریہ بہت مزے سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''اس موٹی کو دیکھو کیسے مزے میں بیٹھی ہے۔؟'' مائرہ نے ٹھنڈے پانی کے جگ کھانے کی میز پر لگاتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دانت کچکچائے۔

''ہاں یہ استری کا کام کر کے فارغ ہو گئی' اور ہم رات گئے تک......'' رمشاء نے ایک لمبی سرد آہ کھینچی......دونوں پچھتا رہی تھیں کہ اچھا ہوتا اپنے اپنے کپڑے خود استری کر لیتیں کم از کم اب ماریہ بھی ان کا ہاتھ تو بٹاتی۔

وہ کھانا کھا کر فارغ ہوئیں تو مرد حضرات بھی دانت نکالتے آ گئے۔

''چلو بھئی بچیو! اب اچھی سی چائے پلا دو......'' سعد خان نے کرسی پر نیم دراز ہوتے ہی فرمائش کر دی۔

''بچیوں میں سے کون سی بچی......؟'' ماریہ کو فوراً ہی اپنی فکر پڑ گئی۔

''بچیوں میں سے کون سی بچی سب سے اچھی چائے بناتی ہے۔'' سعد خان مسکراتے ہوئے سوچنے لگے۔ سامنے کھڑی مائرہ نے ہاتھ باندھ کر اشارہ ماریہ ہی کی طرف کر دیا۔ وہ واقعی بہت تھک چکی تھی۔

''مائرہ......اوں......ہوں...... یہ تو بہت بدذائقہ چائے بناتی ہے۔'' انہوں نے ذرا برا سا منہ بنایا۔

''اور یہ رمشا یہ تو صرف قہوہ ہی اچھا بنا سکتی ہے۔'' اور......اور......ارم......'' انہوں نے ارم کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا کرتے ہیں بھائی جان؟'' عمیر نے حیرت سے بھائی کی طرف دیکھا۔

''اب کیا اس سے چائے بنوائیں گے۔ یہ تو اب مہمان ہے۔'' عمیر کو پیلے جوڑے میں گجرے پہنے سمٹی سی اپنی بہن بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

''ارے ہاں یار! یہ تو مہمان ہے۔'' انہوں نے پیار سے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔ ان کی آنکھوں میں اداسی سے چھا جانے والی دھند بھی تھی۔

''یہ اپنی ماریہ...... ہاں یہ بہت اچھی اور زبردست چائے بناتی ہے۔'' عمیر نے ماریہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی تعریف کی۔

''نہیں' نہیں مجھے ہرگز چائے بنانی نہیں آتی......پلیز!'' وہ چیخ پڑی۔

''آتی ہے' بہت اچھی بنانی آتی ہے۔'' باقی کے سب کزنز بھی چلا کر اسی کو کہنے لگے۔

''ماریہ......ماریہ......'' انہوں نے تو باقاعدہ نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ مجبوراً اسے ہار ماننی پڑی۔

''چلو میں تمہاری مدد کرتی ہوں۔'' طوبیٰ نے اس کی رونی شکل دیکھ کر پیار سے کہا۔

''طوبیٰ بھابی زندہ باد۔'' اس نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ وہ دونوں چائے بنانے کے لئے کچن کی طرف چلی گئیں۔

جاتی ہوئی طوبیٰ کی کمر پر لہراتی سیاہ چوٹی نے عمیر کی سرد مہری کے باوجود اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔ وہ کافی دیر سے اپنی نظروں پر کنٹرول کئے ہوئے تھا کیونکہ ساری گڑبڑ تو نظریں ہی کرتی تھیں۔ باوجود سخت کنٹرول کے بھی یہ آنکھیں باز نہیں آتی تھیں۔ وہ گرے کلر پر سلور کام والے سوٹ میں میرون لپ اسٹک لگائے بے اچھی لگ رہی تھی۔ زیادہ میک اپ وہ نہ تو کرتی تھی نہ ہی اسے کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ ویسے ہی بہت بہت چارمنگ تھی۔ وہ خود بھی لپ اسٹک کو ہی پسند کیا کرتی تھی۔

حسام آج خلاف توقع بہت چپ چپ بیٹھا تھا اور اس بات کو رمشاء نے کافی محسوس کیا تھا۔ وہ خود کئی بار چوری چوری نظروں سے اس کی طرف دیکھ چکی تھی مگر وہ تو آج اس کی طرف دیکھ ہی نہ رہا تھا۔ خدا جانے کیا ہو گیا ہے۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ تو اسے دیکھنے کے لئے تڑپا کرتا تھا اور اس کی تو آنکھیں ہی ایک لمحے میں ہزار باتیں کہہ جایا کرتی تھیں۔ اور آج...... آج تو وہ اس کی طرف اٹھ ہی نہیں رہی تھیں۔ اندر ہی اندر اس کے دل میں آنسو جمع ہوتے جا رہے تھے۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس کا دل رونے کو چاہ رہا تھا۔

''لیجئے جناب! چائے......بہت اچھی چائے۔'' کچھ ہی دیر کے بعد ماریہ آوازیں لگاتی آ گئی۔

"ویسے یہ کون سا اسٹیشن ہے؟ کیا لاہور آ گیا؟" ماریہ کے چھوٹے بھائی ہادی نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ وہ کچھ اس طرح سے ایک دم اٹھ کر یہ سوال کر رہا تھا کہ سب کو ہنسی نکل گئی۔ کیونکہ اکثر اسٹیشنوں پر ہی ایسی آوازیں آیا کرتی تھیں۔ "چائے...... چائے گرم...... چائے والا۔"

"ہادی تم......" وہ چائے کی ٹرے میز پر رکھ کر ہادی کی طرف اسے مارنے کو بھاگی مگر وہ کہاں اس کے ہاتھ آنے والا تھا۔ وہ بھاگ گیا اور سب کے قہقہوں سے لان گونج اٹھا۔

رات کو وہ لوگ بہت دیر سے فارغ ہوئیں۔ پھر ارم کے کمرے میں آ کر بھی کچھ دیر بیٹھی رہیں۔ رمشاء کچھ اداس اداس سی تھی۔ طوبیٰ نے رامین کو ٹہوکا دے کر اس کی طرف متوجہ کیا۔ وہ بھی اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی دیکھ رہی تھیں۔ انہیں سمجھ میں آ گیا تھا کہ وہ حشام کے رویے کی وجہ سے اداس ہے مگر وہ بھی کیا کر سکتی تھیں وہ بھی تو مجبور تھی کل شام کو ہی تو حشام نے ساری بات بتائی تھی۔ جب وہ خود کہہ چکا تھا تو وہ کیا کرتی۔ لہٰذا وہ بھی چپ ہو گئی تھیں۔

☆======☆======☆

کافی دیر کے بعد جب طوبیٰ اپنے کمرے میں آئی تو بھی عمیر کمرے میں موجود نہ تھا۔ اب وہ رات کو بہت ہی دیر سے کمرے میں آیا کرتا تھا۔ پچھلے صحن میں بیٹھ کر وہ گھنٹوں برباد کر دیا کرتا تھا۔ طوبیٰ نے کھڑکی کا ذرا سا پردہ سرکا کر دیکھا۔ عمیر وہاں نہیں تھا۔ وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔ پھر آ کر اندر دیکھا۔ اس کے بیڈ روم سے ملحق اسٹڈی روم میں روشنی ہو رہی تھی جہاں وہ اکثر اپنے کیس دیکھا کرتا تھا۔ وہ بلا ارادہ ہی اندر چلی گئی۔ وہ کچھ پڑھ رہا تھا۔ خوشبو کو اپنے قریب پا کر چونک گیا۔ فوراً آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔ وہ سامنے ہی کھڑی تھی۔ سوگوار سی، مگر بے حد جاذب نظر۔ دل میں اتر جانے والی۔ اس نے فوراً ہی نظریں پھیر لیں۔ طوبیٰ کے دل پر چوٹ سی لگی۔

"میں...... میں چائے کا پوچھنے آئی تھی۔" وہ لرزتی سی آواز میں بولی۔

"چائے...... نہیں تم سو جاؤ۔" اس نے سر جھکائے جھکائے ہی کہا مگر اس کا انداز ذرا نرم ہی تھا۔ وہ چپ چاپ واپس آ گئی۔ یہی عمیر تھا جو اسٹڈی میں اگر ہوتا تو ہزاروں بہانوں سے بار بار آتا تھا۔ "طوبیٰ ذرا چائے۔"

"پلیز ایک گلاس پانی۔"

"ایک منٹ ادھر آنا۔ یہ دیکھنا میری آنکھ میں کچھ چلا گیا ہے۔"

اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا کرتا تھا۔

"عمیر اس طرح آپ کیسے کام کریں گے؟ پلیز آپ دھیان سے کام کریں۔" وہ اٹھ کر جانا چاہتی۔

"تم اٹھ جاؤ گی تو میرے لئے کام کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بیٹھو گی تو میرا سارا دھیان ایک ہی جگہ رہے گا۔" وہ محبت سے سرشار لہجے میں کہتا۔ وہ پاس بیٹھی رہتی اور وہ واقعی بڑے انہماک سے کام کرتا رہتا اور آج وہی عمیر تھا جو اس کے وجود سے یوں بدظن ہو چکا تھا۔

"یا اللہ! یہ سب تیری ہی طرف سے ہے جو مجھ پر یہ آزمائش آ گئی ہے۔ بس تُو ہی مجھے بے گناہ ثابت کرنا۔ میری گواہی بھیج میرے اللہ...... کہ میں بے قصور ہوں۔" وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکی اور باتھ روم میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

☆======☆======☆

سمیر نے گیتی آراء کے گھر والوں کو اعتماد میں لے کر ساری بات بتا دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ لوگ بہت شریف اور قابل اعتماد ہیں اور اگر کچھ جانتے ہوئے تو اس کی مدد ضرور کریں گے۔ ویسے بھی اب ان کے گھر میں کوئی مرد تو تھا نہیں بھائی دونوں بے شک اپنے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو چکے تھے لیکن تھے تو چھوٹے ہی۔ ثمینہ تو خود چاہ رہی تھی کہ اس وقت انہیں کوئی ایسا آدمی ملے جو ان کی مدد کر سکے۔ ایسے میں سمیر کا خود چلے آنا اسے نعمت ہی لگ رہا تھا۔

"سمیر بھائی اچھا ہوا آپ آ گئے شاید اللہ یہ چاہتا ہے کہ ہماری مدد کرے اور ظالم بے نقاب ہوں۔"

ثمینہ نے گیتی آرا کی ڈائری لا کر اسے تھما دی۔

"یہ آپی کی پرسنل ڈائری ہے اس میں سے آپ کو بہت کچھ ملے گا...... اور یہ...... یہ بھی آپی نے شاید کسی مشکل وقت کے لئے ہی چھپا رکھی تھیں۔" اس نے وہ ویڈیو کیسٹس بھی اسے دے دیں۔ وہ رو رہی تھی۔

"یہ لوگ بے حد ظالم اور سفاک ہیں۔ بس ذرا محتاط ہو کر کیجئے گا جو بھی کرنا ہو۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

"اب آپ نے انیق یزدانی کو یوں ایک دم نہیں چھوڑنا بلکہ وہاں رہ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی ہے کہ وہ لوگ آج کل کیا کر رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ ہمیں وہاں سے کوئی اور کلیو بھی مل جائیں۔"

وہ ثمینہ کو سمجھانے لگا۔

"وہاں جانے کو میرا دل ہرگز نہیں کرتا سمیر بھائی۔" اسے اس ماحول کا سوچ کر ہی

کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ کو کچھ روز کے لئے وہاں پر ضرور جانا پڑے گا۔ اس کے بعد ان شاء اللہ سارے مسئلے ہی حل ہو جائیں گے۔ پھر جس طرح طوبیٰ میری بہن ہے اس طرح گیتی بھی میری بہن تھی۔ آپ بھی میری بہن ہیں اور یہ مشن اس ملک' اس سرزمین کی ماؤں بیٹیوں کی حرمت کی حفاظت کے لئے ہی شروع کیا گیا ہے اب ظالم کی رسی دراز نہیں رہی۔"

وہ خود بات کرتے کرتے اٹک رہا تھا اس کے دل میں گیتی آرا کے قتل کا واقعی صدمہ تھا' اس کی آواز جذبات اور دکھ سے رُندھ رہی تھی۔

"اس بھائی پر بھروسا رکھنا۔" جاتے جاتے اس نے ثمینہ اور دانیہ کے سروں پر ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دی۔ گیتی آرا کے ذکر پر وہ سب رو رہے تھے۔ وہ بھلا کب بھولی تھی کسی کو۔ اور کیسے بھول سکتی تھی۔ ان کی امی جان کی تو با قاعدہ ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"میری بچی درندوں کے چنگل میں پھنس گئی تھی۔ ظالموں نے......" آگے ان کی زبان گنگ ہو گئی اور گلے سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلنے لگیں۔

"امی جان خدا سے دعا کریں وہ آپی کے خون کا بدلہ ضرور لے گا۔" دانیہ ماں کے گلے سے لگ گئی۔ اس کے دونوں بھائیوں کا خون غیرت سے کھول رہا تھا ان کا جی چاہ رہا تھا کہ جا کر خالد خان اور انیق کو بم سے اُڑا دیں۔ مگر سمیر نے جاتے جاتے انہیں بہت اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ سب نے نارمل رہنا ہے۔ اور انیق کو تو کسی بھی طرح کوئی غیر معمولی بات محسوس نہ ہو۔ ورنہ ان کا سب کیا دھرا خاک ہو جائے گا۔

وہ ایسی کچھ پلاننگ کر رہے تھے کہ سارے کے سارے ظالم بے نقاب ہوں اگلے روز انیق یزدانی کا ڈرائیور آیا تو وہ چپ چاپ تیار ہو کر چل دی۔ حالانکہ یہ بے حد مشکل کام تھا۔

وہ جانتی تھی کہ وہ اپنا کڑا امتحان لینے چلی ہے۔ جس شخص کے وجود سے اسے شدید نفرت ہو چکی تھی وہ بھلا اس کے ساتھ کس طرح اپنے شب و روز گزارے گی وہ بھی خوشدلی کے ساتھ مگر یہ تو اسے اب کرنا ہی تھا...... "اوہو آج تو بہت اچھی لگ رہی ہو......؟"

وہ گھر آئی تو انیق گھر پر ہی تھا ویسے بھی وہ اب زیادہ تر گھر ہی میں رہا کرتا تھا۔ اس کی کچھ طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تھی جس کی وجہ سے اس کا مزاج بے حد بگڑ گیا تھا۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے۔" وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتی ہوئی پوچھنے لگی۔

"میں کچھ دیر پہلے تو گھبرا رہا تھا مگر اب......" اس نے پاس بیٹھی ثمینہ کو کھینچ کر اپنے قریب کر لیا۔ "اب لڑکھڑا رہا ہوں' وہ تو مذاق سے کہہ رہا تھا مگر واقعی وہ لڑکھڑا رہا تھا۔ اسے

اس کے منہ سے شدید بدبو کے بھبکے آ رہے تھے۔ ڈرنک کرتے رہنے کی وجہ سے اب اس کے معدے سے بھی جیسے سڑن اٹھتی تھی۔ دیکھنے میں اتنا سوٹڈ بوٹڈ بندہ اور اندر سے ایسا سڑا ہوا۔ ثمینہ کو ایک دم ابکائی سی آ گئی' مگر وہ کیا کرتی۔ مجبور تھی شدید مجبور' یہی تو اس کا کڑا امتحان تھا۔ اس نے کوئی ردِعمل نہ کیا۔ نہ کوئی مزاحمت کی۔ بس دل ہی دل میں دعائیں کرتی رہی کہ' میرے اللہ تُو مجھے اس ماحول سے نجات دے۔"

"آج تو تم واقعی بدل گئی ہو اس لئے زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔" اس نے دیکھا کہ ثمینہ کے انداز میں مزاحمت نہیں محبت ہے تو وہ تعریف کرنے لگا۔

"اچھا ایک ڈرنک پلیز......" اس نے بھی منت والے انداز میں کہا ورنہ پہلے تو ہمیشہ حکم دے کر کہا کرتا تھا اس نے مسکرا کر گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور کانپتے ہاتھوں اور لرزتے دل کے ساتھ اسے بھرنے لگی۔ اس کا دل رو رو کر خدا سے معافی مانگ رہا تھا وہ اس وقت مجبور تھی۔

☆======☆======☆

سطوت کے بیوٹی پارلرز پر واقعی بہت کچھ غلط ہوتا تھا۔ خواتین وہاں پر لباس تبدیل کرتیں یا فل باڈی ویکس کرواتیں۔ یا باڈی مساج لیتیں تو خفیہ کیمرے ان کی ویڈیو بنا لیتے تھے اور پھر اس ویڈیو اور تصویروں کی وجہ سے انہیں بلیک میل کر کے ان سے بہت سارے غلط کام کروائے جاتے تھے جن میں اپنے مطلب کی ماڈلنگ سے لے کر اور بہت غلاظت کے کام تھے اور ایک کام یہ بھی تھا کہ بڑے بڑے آفیسرز اور سیاست دانوں کی بیویوں یا بیٹیوں کو بلیک میل کر کے ان کے ذریعے ان کے شوہروں سے بہت سارے ناجائز کام لے لئے جاتے تھے۔ بڑے بڑے ٹینڈر پاس کرانا۔ حساس اداروں میں اپنے مطلب کے لوگوں کی اپائنٹ منٹ کروانا ان کے ٹرانسفر کرانا...... یہ لوگ تو آکاس بیل کی طرح ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے گھُن کی طرح ملک و معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے تھے۔ اور ان پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہ تھا اسی لئے ایس پی عمران نے بڑے ہی محتاط انداز میں پلان تیار کیا تھا کہ کب اور کس وقت ان پارلرز پر ریڈ کرایا جائے۔ تاکہ کوئی ایسی غلطی نہ رہ جائے جس کی وجہ سے ان کی ساری محنت پانی میں مل جائے۔ انہوں نے کچھ خواتین کو تیار کر لیا تھا کہ وہ وہاں جا کر کچھ ڈریسنگ یا مساج وغیرہ کرائیں اور عین موقع پر وہ وہاں پر چھاپے ماریں گے۔ اے ایس پی شاہد بٹ حشام اور عمیر سب وہاں موجود تھے۔

واپسی پر حشام چپ چپ تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"ایسے لوگوں کے پاس کتنا دماغ ہوتا ہے۔ واقعی ان کی ذہانت کی داد دینی پڑے گی۔" وہ کہنے لگا۔

"دیکھوناں ہر جگہ کا استعمال یہ لوگ کس طرح اپنے مطلب کے لئے کر لیتے ہیں۔ اب کوئی سوچ سکتا ہے کہ بیوٹی پارلرز میں بھی ایسے کام ہو سکتے ہیں اب خواتین بیچاری مارے خوف کے وہاں بھی جانا چھوڑ دیں گی۔"

"کیوں میں کیا بکواس کر رہا ہوں؟" عمیر کو مسلسل چپ دیکھ کر اسے غصہ آ گیا۔

"ہاں ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو میں بھی یہی سوچ رہا تھا......" اس کا دماغ بری طرح الجھا ہوا تھا۔

"بیچاری معصوم جو پھنستی ہوں گی ان کے جال میں ان کی زندگیاں تو یہ لوگ بری طرح برباد کر دیتے ہوں گے۔" حشام ایسے معاملات میں بہت حساس تھا اسے رہ رہ کر تاؤ آ رہا تھا۔

"یہ لوگ بہت شاطر ہوتے ہیں......شیطان ان کے جسم میں حلول کر جاتا ہے۔" عمیر نے تو بس ایک آدھ بات ہی کی تھی جبکہ حشام مسلسل بولے جا رہا تھا۔

"ایک بات تو بتاؤ یہ تمہیں آخر ہوتا کیا جا رہا ہے؟" وہ اسے کئی روز سے گم صم دیکھ رہا تھا۔

"بس ایسے ہی ذرا طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔" اس نے بہانہ بنایا۔

"کیا' کیا ہوا کیوں طبیعت ٹھیک نہیں رہتیں۔" وہ کچھ پریشان سا ہو گیا۔

"کسی ڈاکٹر کو دکھایا......؟"

"ارے نہیں یار اب اتنی بھی خراب نہیں۔" اسے حشام کے یوں سنجیدہ ہونے پر پیار آ گیا۔

"شکر ہے تم مسکرائے تو......" وہ اسے مسکراتا دیکھ کر کچھ مطمئن ہوا۔

"اچھا زیادہ بکواس نہیں" وہ کچھ جھینپ سا گیا۔

"ویسے عمیر ایک بات تو بتاؤ۔ آج کل کیا تمہارے اور طوبیٰ بھابی کے درمیان کچھ ٹینشن چل رہی ہے؟" وہ پوچھنے لگا۔ عمیر ایک دم بوکھلا گیا۔

"نہیں، نہیں تو۔"

"نہیں یار کچھ تو ہے۔ تمہاری یہ خاموشی یہ اترا ہوا منہ۔"

اس نے ہنستے ہوئے بات کو ٹالنا چاہا مگر وہ بھلا کب ٹالنے سے ٹلنے والا تھا...... وہ بھی ایک منجھا ہوا وکیل تھا...... آخر عمیر کو یہ کہہ کر اپنی جان چھڑوانی پڑی کہ بس ذرا چھوٹی سی بات پر خفگی ہو گئی تھی مگر اب وہ اسے منا لے گا۔ تب جا کر اس نے اس کی جان چھوڑ دی۔

☆======☆======☆

رات کو وہ دیر تک باہر صحن میں بیٹھا رہا مگر بے قراری اور بے سکونی چین ہی نہ لینے دے رہی تھی...... طرح طرح کے خیالات تھے جو دماغ خراب کر رہے تھے۔ دل کہنے لگا تھا کہ وہ بے خطا ہے بے قصور ہے اسے معاف کر دو مگر دوسرے ہی لمحے کوئی اندر سے بولتا۔ "چاہے کچھ بھی ہے...... وہ بے خطا سہی مگر ان چھوئی نہیں۔" بس یہیں پر آ کر دماغ کی سوئی اڑ جاتی تھی۔ اس سے آگے اسے اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا۔ ایسا اندھیرا جس میں سوائے اس کے کہ وہ طوبیٰ کو چھوڑ دے اسے اور کوئی راہ نہیں ملتی تھی۔

وہ اپنی کنپٹیاں دباتا ہوا اندر آ گیا اس کے سر میں واقعی سخت درد ہو رہا تھا۔ وہ اندر آیا تو سامنے ہی وہ عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی۔ اس نے وقت دیکھا تقریباً رات کے ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا۔ ہمیشہ وہ دیر سے ہی نماز پڑھتی تھی۔ کہا کرتی تھی کہ رات کو جب ہر طرف خاموشی ہو عبادت کرنے کا مزہ زیادہ ہوتا ہے۔ بڑا لطف ہے مالک سے باتیں کرنے میں' دن بھر' کی ساری باتیں کہہ کر بڑا سکون مل جاتا ہے۔ کیونکہ رب سے زیادہ قریبی دوست کوئی دوسرا بھلا کب ہو سکتا ہے اور پھر اللہ وہ تو نہ صرف سنتا ہے بلکہ سب کچھ کر بھی سکتا ہے اور کسی اور سے کہتا بھی نہیں۔

وہ وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ بے اختیار ہی اسے دیکھنے لگا۔ وہ بڑے انہماک سے نماز پڑھ رہی تھی۔ دنیا سے بے خبر اسے تو شاید عمیر کے اندر آ جانے اور یوں سامنے بیٹھ کر دیکھنے کا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ بے حد معصوم لگ رہی تھی۔ اس کے دوپٹے میں لپٹے چہرے کو دیکھ کر نور کے ہالے میں سے جھانکتے سفید دودھیا چاند کا گمان ہوتا تھا وہ غور سے دیکھنے لگا۔ چاند کو غور سے دیکھنے پر اس میں موجود جو سیاہ حلقے نظر آنے لگتے ہیں بالکل اسی طرح اس کے دماغ میں گھسے خناس نے اس کے دیکھنے کا زاویہ بدلنا شروع کر دیا۔ نظروں پر وہم کی گرد چڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ اسے اس کے وجود پر کئی سیاہ دھبے نظر آنے لگے۔ وہ اپنا چکراتا سر پکڑ کے ندر اسٹڈی میں چلا گیا مگر وہاں بھی سکون نہ تھا۔ سر کا درد واقعی بہت زیادہ بڑھ گیا تھا وہ سر کو تھامے باہر آ گیا اور آ کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو اسے اس طرح پریشان یکھ کر فوراً آگے بڑھی۔

"عمیر کیا آپ کے سر میں درد ہے؟" بے اختیار ہی اس کے ہاتھ آگے بڑھ گئے اور ں کی پیشانی کو چھونے لگے جو بخار سے بری طرح جل رہی تھی۔

"آپ کو تو بخار ہے۔" اس کی تو جان ہی نکل گئی۔

''نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے اس کا ہاتھ پرے ہٹا دیا۔

''ٹھیک نہیں آپ مجھ سے ناراض ہیں مگر اس وقت مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں۔'' وہ تیزی سے باہر چلی گئی۔ جلدی جلدی چائے بنا کر اس نے کچن میں پڑا میڈیسن بکس کھولا اور بخار کی دوا نکال کر کمرے میں آ گئی۔ جب وہ واپس آ گئی بخار کی شدت کی وجہ سے عمیر پر غنودگی چھا رہی تھی۔

''لیں آپ یہ چائے لے لیں۔''

''نہیں پہلے ٹیبلٹ لیں۔'' وہ خود بوکھلا رہی تھی۔

اس نے اس کا سر اپنے بازو کے سہارے سے اوپر اٹھایا اور گولی اس کے منہ میں رکھ کر پانی پلا دیا۔ پھر اسے اپنے سہارے سے بٹھا کر گھونٹ گھونٹ چائے پلانے لگی...... اس کا جلتا ہوا جسم اور سرخ آنکھیں...... طوبیٰ کا دل سینے سے باہر آ رہا تھا۔ وہ اس کی پیشانی پر بار بار ہاتھ پھیر رہی تھی اور کچھ پڑھ پڑھ کر اس پر پھونک رہی تھی۔ وہ غنودگی میں تھا اسے خبر ہی نہ تھی کہ اس کا سر کس کی گود میں ہے وہ بالکل ایک چھوٹے بچے کی طرح کر رہا تھا۔ طوبیٰ کا ہاتھ اپنے گال کے نیچے لے کر وہ شاید سو گیا تھا اور وہ محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی روئے جا رہی تھی۔

☆======☆======☆

سمیر کے ہاتھ میں گیتی آرا کی ڈائری آ جانے سے بہت سے ثبوت آ گئے تھے۔ ندا کا قتل اس ڈائری سے ثابت ہو چکا تھا اور ان کے کالے کرتوتوں کی بے شمار داستانیں گیتی آرا اس ڈائری میں رقم کر گئی تھی۔ جس نے بہت سے شرفاء کے چہروں سے نقاب کھینچ لئے تھے۔ بہت بڑے بڑے نام تھے جو منظرِ عام پر آتے تو تہلکہ مچ جاتا۔

''دیکھو...... یہ دیکھو ہمارا تو پورے کا پورا معاشرہ ہی ایسی کالی بھیڑوں سے بھرا پڑا ہے۔'' جاوید احمد نے ڈائری سمیر کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔

''ہاں دیکھیں۔'' اس نے شرم سے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

''کس طرح سے یہ لوگ معصوم لڑکیوں کو پھنسا کر انہیں برباد کرتے ہیں...... ان میں بہت سے بڑے بڑے ایسے لوگ تھے جو بظاہر تو معاشرے کے لئے بہت عزت دار کہلاتے تھے اور بڑا درد دل رکھتے تھے مگر وہ لوگ اندر سے کتنے گھناؤنے تھے۔ ان کی یہ ویڈیو دیکھ کر پتا لگتا تھا۔ بہت نامی اور بڑی فلم ایکٹریسوں کے سیاست دانوں اور بڑے عہدیداروں کے ساتھ گندے اسکینڈل جو بنتے ہیں وہ ہرگز غلط نہیں ہوتے اس کا ثبوت ان کیسٹس میں موجود

تھا۔ گیتی آراء کی کیسٹس میں موجود تھا۔ گیتی آراء نے کیسٹس بڑی محنت سے ریکارڈ کی تھیں لگتا تھا وہ گھر میں مختلف لوگوں کی کیسٹس لا کر ان میں سے ٹکڑے جوڑتی تھی۔ ''بڑی محنت کرنی پڑی ہو گی گیتی کو۔''

''آہ وہ زندہ رہ جاتی تو شاید بہت سے چہروں پر سے نقاب کھینچ لیتی۔'' باتیں کرتے کرتے جاوید احمد کی آواز اور آنکھوں دونوں میں نمی اتر آئی...... کئی لوگوں کے ساتھ گیتی خود بھی تھی۔ جسے دیکھ کر اسے زیادہ دکھ ہوا تھا۔

''یہ تو بارود ہیں سمیر...... چاروں طرف آگ لگا دیں گی۔'' جاوید احمد کے لہجے میں بہت سے اندیشے بول رہے تھے۔

''اگر اتنے بڑے بڑے نام منظرِ عام پر آئے تو کیا وہ لوگ چپ رہیں گے؟'' یہ پریشان کرنے والا نکتہ تھا۔

''ظاہر ہے وہ تو بے حد منظم ہیں بہت لمبے لمبے ہاتھ ہیں ان کے۔''

سمیر بھی خاصا پریشان تھا۔ ''تو ٹھیک ہے کوئی بھی بات لیک آؤٹ کرنے سے پہلے ہمیں زیدی صاحب سے مل کر کچھ سوچنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو وہ لوگ چنگاری پا کر ہی محتاط ہو جائیں اور آگ کو دبانے کا انتظام پہلے سے ہی کر لیں۔'' جاوید احمد جو کہہ رہا تھا سمیر بالکل وہی سوچ رہا تھا۔

''ہمارا مشن ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانا ہے بس اسے ناکام نہیں ہونا چاہیے۔'' سمیر کی آنکھوں میں انتقام اور غیرت مندی خون بن کر اتر آئی تھی۔

''ان شاء اللہ تعالیٰ۔'' جاوید احمد بہت تو نہیں مگر کافی پُرامید تھا۔ اس نے اپنے ایک دو قابلِ اعتماد صحافی دوستوں کو تیار کر لیا تھا جو مختلف روزناموں کے کرائم رپورٹر تھے۔ انہوں نے ان بڑے ناموں کے گھٹیا کرداروں پر رپورٹیں بھی تیار کر لی تھیں بس وہ کسی بھی روز جاوید احمد کا اشارہ پاتے ہی انہیں لگانے کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

مظفر گڑھ جا کر اس ڈاکٹر سے وہ گیتی آراء کے قتل کی پوسٹ مارٹم رپورٹ کی کاپی بھی بنوا لائے تھے...... وہ ڈاکٹر بڑی ہی مشکل سے اس شرط پر راضی ہوا تھا کہ وہ رپورٹ اس وقت استعمال کی جائے گی جب ان کا مشن مکمل طور پر کامیاب ہونے والا ہو۔

اب انہیں یہ پتا لگانا تھا کہ آخر وہ چار پانچ لوگ تھے کون جنہوں نے گیتی آرا کی اجتماعی بے حرمتی کرنے کے بعد اسے قتل کیا تھا...... یہ سوچتے وقت جاوید احمد کے دماغ کی نسیں پھٹنے لگتی تھیں۔ کاش اسی وقت وہ لوگ اس کے سامنے آ جاتے تو وہ ان کی بوٹیاں نوچ لیتا۔

"چلیں جاوید بھائی زیدی صاحب کے پاس جانا ہے۔" چائے پینے کے بعد گم صم بیٹھے جاوید کو سمیر نے ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں چلو فوراً۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆======☆======☆

زیدی صاحب کے آفس میں وہ تینوں کافی دیر تک سر جوڑے بیٹھے کچھ ڈسکس کرتے رہے۔ لائحہ عمل بناتے رہے کہ کس طرح کرنا چاہیے۔

"ہمارا سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ ہماری پولیس میں ہی اتنے مخبر ہیں دشمنوں کے، جن کی وجہ سے ان پر ہاتھ ڈالا ہی نہیں جا سکتا۔ اصل مجرم صاف بچ کر نکل جاتے ہیں......اور اکثر بے گناہوں کو بنا کسی ثبوت کے ہمارا قانون بڑی بڑی سزائیں دے دیتا ہے۔" زیدی صاحب جوان لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتے تھے بالکل حقیقت بتا رہے تھے۔

"تو پھر سر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" جاوید پوچھنے لگا۔

"کیا اتنے بڑے بڑے بھیڑیوں کو ہم معاشرہ گندا کرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیں؟" وہ جذباتی ہو رہا تھا۔ "باقی بھیڑیوں کو تو ہم بعد میں بے نقاب کرتے رہیں گے پہلے تو میرا خیال ہے گناہ اور غلاظت کے ان اڈوں کو ہی ختم کر دینا چاہیے جہاں پر یہ سب کالے کارنامے انجام دیئے جاتے ہیں۔" زیدی صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب سر......؟" سمیر کچھ سمجھ نہ پایا۔

"مطلب صاف ہے کہ اگر ہم سارے معاملات پولیس کے سپرد کرتے ہیں یا عدالت میں لے کر جاتے ہیں تو وہاں سے انصاف ملنے کا چانس زیرو ہی ہے بلکہ وہ لوگ الرٹ ہو کر اپنے بچاؤ کے لئے چور دروازوں سے نکل جائیں گے۔" وہ انہیں سمجھانے لگے۔

"یہ لوگ صرف ندا یا گیتی آرا کے قاتل نہیں، خدا جانے ان کے ہاتھوں کتنی جانیں اور کتنی عزتیں ضائع ہو چکی ہیں۔ ہزاروں لاکھوں نا معلوم کتنی، نا معلوم یہ سلسلہ کب سے جاری ہے۔" ذرا توقف کے بعد وہ دوبارہ کہنے لگے۔

"جب قاضی اور قانون آپ کا حق پر ساتھ نہ دیں تو پھر وہاں تلوار کا حکم ہے۔ اگر تمہارے بازو میں اتنا دم ہے تو پھر......"

بات کو ادھورا چھوڑ کر وہ ان دونوں کی طرف دیکھنے لگے......جوان کا مطلب سمجھ رہے تھے۔

"مگر یہ سب اتنا آسان نہ ہو گا؟" سمیر کچھ متفکر تھا۔

"آسان کام عام لوگوں کے لئے ہوتے ہیں مجاہدوں کے لئے نہیں۔" وہ اسے گہری

نظروں سے دیکھ کر مسکرائے۔

"ٹھیک ہے سر پھر اسے پلان کر لیتے ہیں۔" وہ دونوں بھی راضی ہو گئے۔

"ہاں اس کے لئے مجھے کچھ تھوڑا سا وقت چاہیے۔ بس یہی ایک دو روز۔" وہ اس عرصے میں کچھ مزید پہلوؤں پر غور کرنا چاہتے تھے۔

"ہاں سمیر صمد خان سے کہو کہ وہ مجھے فوراً ملیں۔"

"جی بہت بہتر انکل......" اس نے فرمانبرداری سے کہا۔

"او کے!" انہوں نے مسکراتے ہوئے دونوں سے باری باری بڑی گرمجوشی کے ساتھ ہاتھ ملایا وہ بھی جب ان کے آفس سے باہر نکلے تو خاصے فریش تھے ان کے چہروں پر امید کے چمکیلے رنگ کھل رہے تھے۔

☆======☆======☆

اگلی صبح جب عمیر کو ذرا ہوش آیا بخار کچھ کم ہوا تو بڑی مشکل سے وہ اٹھ کر باتھ روم میں گیا ذرا نہا کر خود کو بہتر محسوس کرنے لگا مگر بخار صرف کم ہوا تھا اترا نہیں تھا کمزوری بہت زیادہ تھی سر کے درد میں بھی کمی ضرور ہو گئی تھی مگر وہ ابھی سر میں موجود تھا۔ وہ نہا کر باہر نکلا تو وہ سامنے ہی تولیہ لئے کھڑی تھی۔ اس نے بغیر کچھ کہے تولیہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"آ جائیں ناشتا کر لیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کے اسے بیڈ تک لے آئی۔

"میرا جی نہیں چاہ رہا ناشتا کرنے کو۔" اس نے ناشتا دیکھ کر صاف انکار کر دیا۔

"اچھا یہ صرف انڈے لے لیں اور تھوڑا سا دودھ۔" وہ پیار سے کہنے لگی۔

"نہیں چاہیے کچھ بھی......" اس نے قدرے سختی سے کہا پہلے تو وہ پریشان ہو گئی ذرا سہم سی گئی مگر اس کا بخار سے اترا چہرہ دیکھ کر پھر شروع ہو گئی۔

"پلیز......" اور زبردستی ہی فرائی انڈا اسے کھلانا شروع کر دیا۔

"میں کھا سکتا ہوں......" وہ اب بھی اکڑ میں ہی تھا پلیٹ اس کے ہاتھ سے لے کر انڈا خود ہی کھانے لگا طوبیٰ نے دیکھا اس طرح غصے میں وہ بہت جلد پورا انڈا کھا گیا تھا۔

"اچھا یہ لیں چائے بھی تو آپ کو پینی آتی ہے۔" اس نے چائے بنا کر کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"پلیز تم جاؤ یہاں سے" وہ کچھ شرمندہ سا ہو رہا تھا۔ طوبیٰ نے بھی زیادہ ضد کرنی مناسب نہ سمجھی اور دوا اس کے سامنے رکھ کر اسے کھانے کا اشارہ کر کے باہر نکل گئی۔ بعد میں اس نے چائے بھی پی لی اور بخار کی دوا بھی کھا لی۔ وہ آفس جانا چاہتا تھا مگر عجیب سی کمزوری

محسوس ہو رہی تھی۔ اٹھتا تھا تو سر چکرانے لگتا تھا۔ آنکھوں میں بھی بہت درد تھا' اس نے جانے کا ارادہ ملتوی کرتے کمبل ٹانگوں پر لیا اور لیٹ گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں مگر ان کے اندر بہت سے مناظر روشن تھے بہت صاف اور واضح' طوبیٰ کو اس کی زندگی میں آئے جتنے بھی مہینے دن اور لمحے ہوئے تھے ان سب میں سے کسی ایک بھی پل میں اسے ایسا نہ لگا تھا کہ طوبیٰ میں کہیں کھوٹ ہے وہ بالکل کھری تھی۔ اپنی محبت میں' اپنے رویوں میں اور اپنے کردار میں وہ تو بے حد چاہنے والی لڑکی تھی۔ اگر وہ اسے محبت کرتا تھا تو وہ بھی تو اسے ٹوٹ کر چاہنے لگی تھی۔ اسے تو کہیں بھی جھول نظر نہ آتا تھا۔ اگر اسے کوئی اس طرح سے طوبیٰ کے ماضی کے سیاہ حصے کے بارے میں نہ بتاتا تو وہ تو خود اس کے کردار کی بلندی کا سب سے بڑا گواہ تھا۔

"مگر وہ تصویریں...... وہ...... وہ ہیں تو طوبیٰ ہی کی۔" اس کا دماغ سنسنا اٹھا اور اس نے اپنی آنکھوں کے نیچے جل اٹھنے والی آگ سے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

☆======☆======☆

"میرا خیال ہے بیٹا کہ ہمیں یہ سارے حالات سعد خان کے ساتھ لازمی ڈسکس کر لینے چاہئیں آفٹر آل اس نے ہماری بہت مدد کی ہے اور اسے سب کچھ علم بھی تھا۔" کرنل عبدالصمد خان سمیر کو مشورہ دے رہے تھے۔

"جی بابا جان میں خود یہی چاہتا ہوں۔" سمیر پہلے ہی چاہ رہا تھا کہ سعد سے بھی مشورہ لیا جائے۔

"تو پھر ٹھیک ہے اسے فون کر کے کہہ دو کہ آج آفس سے واپسی پر ہمارے ہاں آ جائے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"مگر بابا جان ارم کی شادی میں دو روز رہ گئے ہیں ایسے ہیں' وہ ڈسٹرب نہ ہو جائے۔" اسے فکر تھی کہ سعد خان بہن کی شادی کی خوشی کو پھیکا نہ کر لیں۔

"وہ ایک جنٹل مین فوجی ہے بڑے معرکے مارتا ہے۔ ہمارے مشن ہماری خوشیوں کے ساتھ ہر گھڑی منسلک رہتے ہیں نہ خوشیاں متاثر ہوتی ہیں نہ مشن...... تم فون کرو۔" وہ سینہ ٹھونکتے ہوئے بڑے فخر سے کہہ رہے تھے اور اس وقت سمیر کو اپنے بابا بہت ہی اچھے لگے وہ واقعی کرنل تھے ریٹائرڈ ہونے کے باوجود محاذ پر دشمن کے خلاف پُر جوش اور پُر ہمت۔"

"جی بابا......" وہ مسکراتا ہوا سعد خان کا ٹیلی فون نمبر ملانے لگا۔

"میں تمہاری والدہ سے کہتا ہوں دو پہر کے کھانے پر کچھ اہتمام کر لیں۔" وہ سعد یہ خان سے کہنے کچن کی طرف چل دیئے۔ اب ان کے جھکے شانے اٹھ چکے تھے۔ اور چال میں

دوبارہ سے وہی دبدبہ آ گیا۔ ورنہ طوبیٰ کے غم نے تو انہیں نڈھال کر کے رکھ دیا تھا۔

وہ اپنے باپ کے شان سے اٹھتے اور اعتماد سے زمین پر جمتے قدموں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کیسے نپے تلے قدموں سے چلا کرتے تھے کچھ اتنے وقار کے ساتھ کہ دیکھنے والا ان کی چال کو دیکھ کر ہی پوری شخصیت سے متاثر ہو جایا کرتا تھا۔

"اللہ تیرا شکر ہے تُو نے ہمارا ہاتھ تھام لیا۔" وہ دل ہی دل میں اپنے اللہ کا شکر ادا کرنے لگا۔

"السلام علیکم۔" ابھی ابھی نویرہ کالج سے واپس آئی تھیں۔

"وعلیکم السلام۔" وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"اور سب خیریت ہے۔" وہ وہیں ٹی وی لاؤنج میں دھرے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"الحمدللہ۔"

"آپ کہیں' کالج کیسا چل رہا ہے؟" وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"مگر یہ گھر کچھ ٹھیک نہیں چل رہا۔" وہ ذرا سنجیدگی سے بولیں۔

"ہیں...... گھر...... کیا ہوا......؟" اب وہ ذرا پریشان ہو گیا تھا۔

"بھئی دیکھو ناں میں کالج چلی جاتی ہوں تانیہ یونیورسٹی چلی جاتی ہے۔ اور امی جان بالکل تنہا سارا دن گزارتی ہیں ان کی صحت تمہارے سامنے ہے۔" وہ اصل موضوع کی طرف آ رہی تھیں۔

"جنت بی بی میں بھی اب اتنی ہمت نہیں کہ وہ اس گھر کی جنت کو سنوار سکیں۔" وہ ذرا غصے سے بولیں۔

"آپا جان! آپ مجھ سے کیوں خفا ہو رہی ہیں۔" وہ انہیں غصے ہوتے دیکھ کر سچ مچ پریشان ہو گیا۔

'اس لئے کہ تم کسی کے کام کے نہیں ہو۔" وہ اپنا بیگ اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگیں۔

"سنیں تو......" اس نے آگے بڑھ کر کندھوں سے تھام لیا۔

"اب تم سنو...... اور مان بھی لو ورنہ......" انہوں نے آنکھیں دکھائیں۔

"اچھا آپ مجھے کسی روز دکھا تو دیں۔" اب وہ سیدھی راہ پر آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے کل مجھے کالج سے لینے آ جانا۔" وہ اس کے گال کو پیار سے چھوتی ہوئی بولیں۔

"کل......" وہ سر کھجانے لگا۔

''تو پھر رہنے دو۔'' وہ پھر خفا ہو گئیں۔
''اچھا اچھا کل ہی سہی۔'' اس نے فوراً کان پکڑ لئے۔ دراصل نوریہ کو اپنی ایک اسٹوڈنٹ بے حد اچھی لگتی تھی اور اس پر ان کا دل بری طرح آ گیا تھا وہ اسے اپنی چھوٹی سی جنت میں لانا چاہتی تھیں مگر سمیر تھا کہ مان ہی نہ رہا تھا کہتا تھا کہ میں ابھی چھوٹا ہوں پہلے تانیہ کی شادی کریں پھر میری باری ہوگی۔ مگر اس کے گھر والوں نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی تھی کہ تانیہ تم سے بھی چھوٹی ہے لہٰذا پہلے تمہاری ہی شادی ہوگی۔ جو لڑکی نوریہ نے پسند کی تھی بہت خوبصورت تھی اس کے علاوہ بہت اچھے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ کردار اور اخلاق میں اول تھی۔ اور کیا چاہیے تھا نوریہ کو' سمیر ویسے بھی بے حد پیارا تھا اس لئے اسے سب میں سے چن کر اس کے لئے اسے ڈھونڈا تھا' وہ دل ہی دل میں یہ طے کرتی آ رہی تھیں کہ سمیر حمنی کو دیکھ لے تو وہ فوراً جا کر ان لوگوں سے بات کر لیں۔ انہوں نے تانیہ کو اس سے ملوا دیا تھا وہ بھی بے حد خوش تھی۔
''چلو یہ کام بھی خیریت سے ہو جائے گا۔''
اپنے کمرے میں آ کر وہ ذرا لیٹ گئیں۔ کچھ ہی دیر کے بعد جنت بی بی آ گئیں۔
''بیٹا یہ ڈاکیا لایا ہے کہتا ہے یہاں دستخط کر دو۔'' وہ ایک بڑا سا لفافہ ہاتھ میں لئے کھڑی تھیں نوریہ نے پہلے رسید پر دستخط کر دیئے۔
''بی بی جان ذرا ایک کپ چائے پلوا دیجئے گا۔'' وہ لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھتی ہوئی بولیں۔
''اچھا بیٹا ابھی لاتے ہیں۔''
وہ مسکراتی ہوئی رسید ڈاکیے کو واپس کرنے چل دیں۔
''فرام کینیڈا۔'' وہ لفافے کی دوسری طرف کینیڈا لکھا دیکھ کر کچھ حیران ہوئیں۔
''کس کا ہو سکتا ہے؟'' وہ اندازے لگاتی کھولنے لگیں۔ اس میں کچھ قانونی کاغذات تھے وہ اپنا چشمہ پرس سے نکال کر پڑھنے لگیں۔
''طلاق...... مجھے طلاق ہو گئی۔'' ان کے لب ہولے ہولے پھڑپھڑا رہے تھے اور کانپتے ہاتھوں سے وہ سب کاغذ نکل کر زمین پر بکھر چکے تھے...... بالکل ان کے دل کے ہونے والے ننھے ننھے ٹکڑوں کی طرح۔ ''میرے اللہ!'' وہ اپنا چکراتا ہوا سر تھام کر وہیں زمین پر بیٹھ گئیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا گہرا ہو رہا تھا اور دل کی دھڑکنیں جیسے مدھم پڑنے لگی ہوں...... ''طلاق'' زمین اور آسمان کے درمیان سب سے ناپسندیدہ چیز۔ جسے خود اللہ تعالیٰ نے بھی پسند نہیں کیا۔ اور ایسی صورت میں تو یہ ظلم کہلاتی ہے جب عورت کو بلا وجہ اور بلا

خطا ایک مرد خود سے الگ کر دے۔
''تنویر! آپ نے یہ کیا کیا......؟ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھتے...... مجھ سے نہ ملتے مگر مجھ سے میری شناخت تو نہ چھینتے......'' وہ بہت مضبوط اعصاب رکھنے کے باوجود رونے لگیں۔ سارے جسم کی ہمت پل بھر میں ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ آنسو خود بخود گالوں پر پھسل رہے تھے۔
کچھ دیر پہلے تک وہ جب مسز نوریہ تنویر تھیں تو کیسی مضبوط اور عزت دار تھیں اور اب کیسے لمحہ بھر میں ان کاغذ کے چند پُرزوں نے ان کی شخصیت مسخ کر دی تھی۔ ان کے تو پاؤں تلے سے زمین اور سر پر سے آسمان ہٹ گیا تھا۔ بے اماں اور بے نشاں کھوکھلی بوسیدہ عورت۔ جس کے ماتھے پر کسی کی ملکیت کی تختی نہ تھی۔ جسے مکین نے کوڑے کرکٹ کے لئے خالی کر دیا تھا۔
وہ کاغذ سمیٹ کر دیکھنے لگیں۔ یہ قانون بھی عجیب ہیں۔ مردوں کے لئے یہ بھی یکطرفہ ہی ہیں۔ شوہر دنیا کے کسی کونے پر بیٹھا ہوا اور جب چاہے بیوی کو اپنی زوجیت سے نکال دے۔ بقول اس کے وہ تو اسے آزاد کر دیتا ہے مگر درحقیقت وہ اسے باقی کی عمر کے لئے معاشرے کی نظروں میں قید کر دیتا ہے۔ طلاق یافتہ عورت کے لئے قصور یا بے قصور ہونے کا تو سوال ہی نہیں بس اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ وہ مطلقہ ہے۔
''نوریہ! نوریہ......!'' سعدیہ خان انہیں آوازیں دیتی آ رہی تھیں۔
''امی جان!'' انہوں نے فٹافٹ وہ کانچ کے ٹکڑے سمیٹے جنہوں نے ان کی زندگی کو ہمیشہ کے لئے ناسور بنا دیا تھا اور اپنے بیڈ کی دراز کھول کر اس میں ڈال دیئے۔
''نوریہ!'' سعدیہ خان اب اندر آ چکی تھیں۔
''بھئی کہاں ہو؟'' وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ ''اچھا باتھ روم میں!'' باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز سن کر انہوں نے اندازہ لگا لیا اور وہیں آرام کرسی پر بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے لگیں۔ اندر وہ اپنی سرخ اور متورم آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مار مار کر اندر کا لہو چھپانے کی کوشش کر رہی تھیں جو عکس بن کر آنکھوں سے عیاں ہو رہا تھا۔
''اگر یہ خبر امی جان یا بابا کو پتا چل گئی تو......؟'' وہ پریشانی اور ندامت کے مارے خوفزدہ ہو گئیں۔
''نہیں' نہیں میں کسی کو بھی خبر نہ ہونے دوں گی۔'' انہوں نے اپنے دل میں عہد کیا۔
جلدی جلدی اپنے آپ کو فریش کر کے تولیے سے منہ صاف کرتی باہر نکل آئیں۔
''جی امی جان!'' وہ مسکرا کر پوچھنے لگیں۔
''آؤ بیٹا! سب کھانے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ غور سے ان کا چہرہ دیکھ رہی

تھیں۔ باوجود گہری مسکراہٹ کے انہیں وہاں پر اور بھی کچھ نظر آ رہا تھا۔

”کیا بات ہے‘ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟“ وہ فکر مند ہو گئی تھیں۔

”جی...... جی امی جان!“ وہ گڑبڑا گئیں کہ کہیں ان کی چوری پکڑی تو نہیں گئی۔

”اچھا تو پھر پریشان ہو؟“ وہ کچھ مطمئن نہ تھیں۔

”نہیں امی جان! آپ کو تو وہم ہو گیا ہے۔“ نویرہ نے ماں کو کندھوں سے تھام لیا اور پیار سے دیکھنے لگیں۔

”منہ تو تمہارا اترا ہوا ہے۔ دیکھو کیسا ذرا سا نکل آیا ہے۔“ ان کی ممتا اپنی روایتی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بولی۔

”کہاں امی جان! بلکہ آج کل تو مجھے لگتا ہے کہ میں ویٹ گین کر گئی ہوں۔“ وہ اپنے آپ کو غور سے دیکھنے لگیں۔

”خاک گین کر گئی ہو۔ اپنا ذرا خیال نہیں رکھتی ہو۔“ وہ کچھ خفا سی تھیں۔

”بس آج کل کالج میں ایگزامز ہو رہے تھے اس لئے کچھ ذمہ داری زیادہ ہونے کی وجہ سے شاید تھکن سے آپ کو ایسا لگ رہا ہے۔ بہرحال میں اب اپنا خیال رکھوں گی۔“ انہوں نے ایک اور بہانے سے ماں کو مطمئن کرنا چاہا جو کچھ کارگر ثابت ہو ہی گیا۔

”ٹھیک ہے مگر تم خود پر دھیان نہیں دیتی ہو۔“ وہ مسکرا دیں مگر کچھ ناراضگی سے۔

”اب دوں گی۔ وعدہ۔“ وہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر ہنس دیں اور اندر دل میں درد کی بہت سی لہریں شدت سے اٹھیں اور پورے لہو میں پھیل گئیں مگر ضبط کے بندھن توڑ نہ سکیں۔

وہ دونوں کھانے کی میز کی طرف چلی گئیں۔

☆======☆======☆

سطوت اور خالد خان کے درمیان ٹینشن کافی بڑھ گئی تھی۔ اور اس کی وجہ انیلا بٹ تھی۔ جو تھی تو ایک لیڈی پولیس آفیسر مگر ماڈل گرل بن کر کچھ عرصہ قبل ہی ان کی ایڈورٹائزنگ کمپنی میں آئی تھی۔ انیلا بٹ نے بڑی جلدی اور مہارت سے خالد خان کو اپنی زلفوں کے جال میں پھنسا لیا تھا۔ اب خالد خان مکمل طور پر انیلا کے اشاروں پر ناچ رہا تھا۔ وہ انیلا کو ایک بار حاصل کر لینے کے چارم میں انیلا کی سب باتیں مانتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی طرف سے گیم چل رہا تھا۔ اگر ایک بار مچھلی پھنس گئی تو میرے اشاروں پر ناچے گی مگر مچھلی تو اب تک پھسلے ہی جا رہی تھی۔

”انیلا! میں تم سے بہت خفا ہوں۔“ آج تو وہ زچ ہو چکا تھا۔ اس لئے سچ مچ غصے میں آ گیا۔

”وہ کیوں بھلا۔“ وہ ایک ادا سے اٹھلا کر بولی۔

”یار! تم مجھ پر اعتبار ہی نہیں کرتی ہو۔“ وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتا ماتھے پر کئی تیوریاں ڈالے بیٹھا تھا۔

”اعتبار نہیں کرتی...... میں......؟“ وہ حیرانی سے بولی اور مچل کر اس کے سامنے آ گئی۔

”خالد! تم مجھے کہہ رہے ہو......“ اس کے انداز میں زمانے بھر کی مٹھاس تھی۔

”ہاں تمہیں...... اور کسے کہہ رہا ہوں۔“ وہ بدستور منہ پھلائے ہوئے تھا۔

”اپنا دل‘ اپنی محبتیں‘ دن اور راتیں تم پر نچھاور کئے بیٹھی ہوں اور تم کہہ رہے ہو کہ میں تم پر اعتبار نہیں کرتی۔“ اب وہ کچھ خفا ہو گئی۔

”صرف دن...... راتیں نہیں۔“ وہ بڑے گہرے انداز میں اسے دیکھتا ہوا قریب آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں بڑی شیطانی ہوس تھی۔ ایک لمحے کو تو انیلا گڑبڑا گئی۔ مگر معاملات کو ہینڈل کرنا اسے بھی آتا تھا۔

”راتیں بھی تمہاری امانت ہیں مگر وقت آنے پر۔“ اس نے اسے دھکیل کر پرے کر دیا جو ذرا زیادہ قریب آ گیا تھا۔

”وقت...... وقت‘ کب آئے گا وقت؟“ وہ جھنجھلا گیا۔

”جب تم مجھ سے شادی کرو گے۔“ وہ بڑی ادا سے شرما کر نکل گئی۔

”شادی ابھی کر لیتا ہوں۔ جو کہو تمہارے نام کرنے کو تیار ہوں۔“ وہ بہت بے صبرا ہو رہا تھا۔

”اور کچھ نہیں بس صرف اپنا آپ مکمل طور پر میرے نام کر دو۔“ وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

”اوہ شٹ! یہ بھی کرنا پڑے گا۔ میں خود اس چڑیل سے تنگ آ گیا ہوں۔“ وہ سطوت کے بارے میں کہہ رہا تھا۔

”تو بس پھر مجھے کیا انکار ہے‘ لیکن ڈرتی ہوں۔“ ساتھ ہی اس نے خوف ظاہر کر دیا۔

”کس بات سے ڈرتی ہو اب؟“ وہ پوری آنکھیں کھول کر دیکھنے لگا۔

”کل کسی اور انیلا کے چکر میں مجھے چڑیل کہنے لگو گے تو پھر؟“ اس نے ہنستے ہنستے سچ بول دیا جو خالد خان کو برا لگا۔

”چڑیل‘ چڑیل ہوتی ہے اور......“ اس نے دوبارہ انیلا کے قریب آ کر کہا۔

”اور......“ اسے اس کی قربت سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

”حسن کا اپنا نشہ ہوتا ہے۔“ وہ بہکنے لگا۔

''ہاں نشہ......'' انیلا نے ایک لمبی سانس چھوڑ کر ایک گلاس بھر کے اسے پیش کر دیا جسے وہ ایک ہی سانس میں چڑھا گیا۔

''محبت......حسن اور جوانی میری کمزوری ہے۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا اس کے کندھے پر سر رکھ کر لڑھک گیا۔

اور یہی وہ چاہتی تھی۔ اس نے جلدی سے خالد خان کو پرے کر کے لٹایا اور تیزی سے اٹھ کر اپنا کام کرنے لگی۔

یہ خالد خان کا وہ ذاتی اور خفیہ کمرا تھا جہاں پر وہ اکثر اپنا دل بہلایا کرتا تھا اور یہیں پر بیٹھ کر وہ سارے دھندے کی پلاننگ کیا کرتا تھا۔ اسی کمرے سے ملحق ایک اور چھوٹا کمرا تھا جس میں بہت سی الماریاں اور ایک چھوٹا سا ٹیلی فون ایکسچینج تھا۔ اس کمرے کا علم انیق یزدانی' خالد خان اور سطوت خان کے علاوہ صرف ایک آدھ اور کو معلوم تھا۔ یا پھر اب انیلا نے بڑی تگ ودو کے بعد اس کا پتا چلایا تھا۔ وہ دراصل ان لوگوں کے اندر تک گھس گئی تھی کچھ اس نے اپنے حسن سے اور کچھ ٹریننگ اور ذہانت کی چالوں سے خالد خان جیسے شاطر بندے کو پھنسالیا تھا۔

وہ جلدی سے اس چھوٹے کمرے میں آ کر کچھ تلاش کرنے لگی۔ اسے کچھ حساس فائلوں کی تلاش تھی۔ تھوڑی سی محنت کے بعد اسے وہ فائلیں مل گئیں۔ اس نے جلدی سے ان فائلوں کے اندر سے اپنی ضرورت کے کاغذات نکالے اور انہیں بڑی مہارت سے ہینڈ بیگ کی اندرونی جیبوں میں چھپالیا۔ ایک چھوٹا سا خفیہ قسم کا ٹرانسمیٹر جو اس کے بیگ میں موجود تھا وہ اس نے وہاں ٹیلی فون والی بڑی میز کے نیچے خفیہ جگہ پر چپکایا۔ آج رات کو خالد خان ایک بڑی ڈیلنگ کرنے والا تھا اور اس کے بارے میں جو بھی ٹیلی فون کالز آنے والی تھیں اور جو بھی معاملات طے ہونے تھے وہ اسی جگہ سے ہونے تھے۔ اپنا کام مکمل کر کے وہ تیزی سے باہر آئی۔ خالد خان ابھی تک بے خبر پڑا خراٹے لے رہا تھا اس نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''خبیث!'' وہ زیر لب بڑبڑائی اور پھر اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی انہیں ایک اسٹائل سے لہراتی اس کمرے سے باہر نکل گئی۔ کوریڈور میں ہی اسے وہ نوجوان مل گیا جو اگرچہ قوتِ گویائی سے تو محروم تھا مگر اللہ نے اسے اور نعمتوں اور صلاحیتوں سے نواز رکھا تھا۔ یہ وہی نوجوان تھا جس نے ندا کی بھی مدد کی تھی اور اب انیلا کی بھی مدد کر رہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف مسکراتے ہوئے فاتحانہ انداز میں دیکھا مگر اک اندازِ اجنبیت کے ساتھ پاس سے گزر کر مختلف سمتوں میں چلے گئے۔

☆======☆======☆

سمیر نے سعد خان سے مل کر انہیں ساری صورتِ حال بتا دی تھی۔ وہ ویڈیو کیسٹ اور گیتی آرا کی ڈائری بھی انہیں دے دی تھی۔ جمہوری حکومت کے زوال کے بعد فی الحال ملک کا سارا نظام ویسے بھی فوج کے ہاتھ میں تھا۔ میجر سعد خان کو بھی کرائم برانچز کا انچارج بنا دیا تھا۔ یوں وہ اپنے اختیارات سے کافی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

ڈی ایس پی عمران نیازی' اے ایس پی شاہد بٹ سے وہ پہلے ہی سب معلومات لے چکے تھے۔ انہوں نے ایک میٹنگ آپریشن کلین اَپ کرنے کے لئے ارینج کرنے کو کہا تھا۔ وہ میٹنگ کسی بھی آفس کے بجائے کرنل عبدالصمد خان (ریٹائرڈ) کے گھر پر بہت خفیہ طریقے سے رکھی گئی تھی۔

سب لوگ باری باری وہیں پر جمع ہوئے تھے۔ حسام اور عنیزہ بھی آ چکے تھے۔ انیلا اور راحیلہ بٹ دونوں آ چکی تھیں۔ باقی سب لوگ موجود تھے۔ بس انہیں زیدی صاحب کا انتظار تھا۔ انہوں نے چونکہ اسلام آباد سے لاہور آنا تھا۔ موسم خراب ہونے کی وجہ سے ان کی فلائٹ کچھ لیٹ ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے سب کو انتظار کرنا پڑا تھا۔ زیدی صاحب آ گئے تو میٹنگ شروع ہو گئی۔

اندر کچن میں تانیہ اور نویرہ جنت بی بی کے ساتھ خاصی مصروف تھیں۔ کرنل صاحب نے کہا تھا کہ پہلے چائے اور پھر لنچ ہونا چاہیے۔ چائے بالکل تیار تھی۔ سمیر فٹافٹ چائے کے فلاسک اندر لے گیا۔ سعدیہ خان آج بہت مطمئن تھیں ان کا رواں رواں دعائیں مانگ رہا تھا۔

''یا اللہ! تُو ظالموں کو عبرت ناک شکست دینا۔ بے گناہ اور معصوم بچیوں کے ان قاتلوں کو نیست و نابود کر دینا۔''

وہ بھی کچن میں کھڑی تانیہ اور نویرہ کی مدد کر رہی تھیں۔

☆======☆======☆

''ان ویڈیو کیسٹس' ڈائری اور انیلا بٹ کی لائی ہوئی ان معلومات اور ڈاکومنٹس سے صاف طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ خالد خان اور انیق یزدانی کے ساتھ پوری ایک ٹیم ہے جو نہ صرف ملکی سطح پر بلکہ ملک سے باہر بھی ہماری عزت اور تشخص کو بری طرح مسخ کر رہی ہے اور اب زیادہ دیر تک ان لوگوں کو کھلا چھوڑنا ممکن نہیں رہا۔ یہ وہ ناسور ہیں جنہیں جڑوں سمیت نکالنا پڑے گا۔ اب اگر اس میں ہمارے اپنے بھی کچھ اعضا ضائع ہو جائیں تو نقصان نہیں قربانی ہو گی۔'' زیدی صاحب جنہیں سینئر ہونے کی وجہ سے زیادہ تجربہ تھا وہی آج کی میٹنگ کو لیڈ کر رہے تھے۔

"ہمارا لائحہ عمل کسی صورت بھی فلاپ نہیں ہونا چاہیے۔" ڈی ایس پی عمران بڑے اعتماد سے بولا۔

"لائحہ عمل کے پیچھے جو سچے جذبے کارفرما ہیں وہ اس کی کامیابی کی دلیل ہیں۔" شاہد بٹ نے بھی مسکراتے ہوئے یہ کہنا ضروری سمجھا۔

"بے شک۔" کرنل صاحب کو اس کی بات اچھی لگی۔

"دو روز کے بعد خالد خان کچھ غیر ملکیوں کو ایک عشائیہ دے رہا ہے' جو بظاہر تو کچھ ثقافتی طائفوں پر بات چیت کے لئے ہے اور اس میں وزیر ثقافت مہمان خصوصی ہیں مگر اس کے بعد غیر ملکیوں کے ساتھ اور بہت سے معاملات طے پانے والے ہیں جو خان ایڈورٹائزنگ کی بلڈنگ میں بنے خفیہ ہال میں ہونے والے ہیں۔" اینلا نے بڑی تفصیل سے انہیں خالد خان کا سارا پروگرام بتا دیا۔

"گڈ...... آپ نے بہت اچھی انفارمیشن دی ہے۔" عمران نیازی نے اپنی ساتھی کی تعریف کی۔

"شکریہ سر...... یہ میری ڈیوٹی تھی۔"

"مزید وہاں کیا کیا ہوگا اس کی خبر ہمیں خالد خان کی ٹیلی فون کالز سے ملتی رہے گی۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"ٹیلی فون کالز سے کس طرح؟" حشام کو کچھ سمجھ نہ آیا تھا۔

"وہ اس طرح......" اس نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے ایک ٹرانسمیٹر نکال کر دکھایا۔ یہ بہت جدید ٹیکنالوجی کا تحفہ تھا۔ اسی طرح کا ایک سیٹ اینلا خالد خان کے اس چھوٹے اور ذاتی ٹیلی فون ایکسچینج میں نصب کر آئی تھی اور دوسرا اس کے پاس تھا۔ یعنی وہاں جو بھی بات ہوتی وہ اس پر سنی جا سکتی تھی۔

"راحیلہ! آپ بتائیں کیا رپورٹ ہے؟" عمران نیازی نے راحیلہ سے پوچھا جس کی ڈیوٹی سطوت کے بیوٹی پارلرز پر تھی۔

"سر! سب سے زیادہ گڑبڑ یہاں لاہور والی برانچ میں ہے۔" وہ بتانے لگی۔

"میں نے خود وہاں پر آبزرویشن کی ہے۔"

"کیا ثبوت پکے ملیں گے؟" شاہد بٹ پوچھنے لگا۔

"بالکل سر! وہاں پر بڑے جدید اور خفیہ کیمرے موجود ہیں جو سٹل فوٹوگرافی اور ویڈیو دونوں بناتے ہیں۔" اس نے نہایت اعتماد سے جواب دیا۔ "نیو ٹاؤن والے پارلر پر سے

ساری پک اینڈ ڈراپ ہوتی ہے۔"

وہ تفصیل سے بتانے لگی۔

پھر سب نے چائے پی۔ چائے کے دوران ہی وہ لوگ اپنا پلان ڈسکس کرتے رہے۔ عمران نیازی کا پلان تھا کہ سب جگہ ایک ہی وقت میں ریڈ کیا جائے۔

"میرا خیال ہے کہ فی الحال بیوٹی پارلرز پر ریڈ نہ کیا جائے۔" کافی دیر سے خاموش بیٹھے سعد خان نے مشورہ دیا۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بیوٹی پارلرز پر ریڈ ہوا تو وہ لوگ پہلے سے ہی الرٹ ہو جائیں گے اور یہ ہماری کامیابی کے لئے خطرہ ہوگا۔ پہلے بڑے بڑے مگرمچھ پکڑو' ان پارلرز کو بے نقاب بعد میں بھی کیا جا سکتا ہے۔" سعد کی بات کرنل صاحب کے دل کو لگی۔

"یہ سطوت تو خود بخود ہر بات مانے گی۔ اصل کامیابی تو ان سب کا ہمارے ہاتھ لگنا ہے۔" شاہد بٹ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"میرا مشورہ کچھ اور ہے۔" زیدی صاحب جو کب سے خاموش بیٹھے یہ سب سن رہے تھے بڑی سنجیدگی سے بولے۔

"جی' جی...... کہیے۔" سب کی توجہ ان کی طرف ہوگئی۔

"ہمارے ہاں انصاف اور احتساب کے جو معیار اور عدالتیں ہیں سب کے سامنے ہی ہیں۔" انہوں نے بات شروع کی۔ "آپ دیکھ لیں کیسے کیسے بڑے مجرم اور ظالم لوگ معاشرے کے منظرِ عام پر آئے ہیں۔ ان کے گھناؤنے چہروں سے نقاب بھی الٹ دیئے گئے تھے۔ ان کے خلاف ہر ثبوت بھی مہیا ہو جاتا ہے مگر ہوتا کیا ہے؟" وہ سب کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"یا تو وہ لوگ ملک چھوڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور جو قانون کے ہاتھوں میں آ جاتے ہیں وہ بھی قانون کے اندھے پن سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لمبے لمبے مقدمے چلتے ہیں۔ انہیں اپیلیں اور اپیلیں کرنے کا حق ملتا رہتا ہے۔ رسی دراز ہوتی رہتی اور وہ مزے سے ایسی جیلوں میں رہ رہے ہوتے ہیں جہاں انہیں باہر سے زیادہ عیش اور عیاشیاں میسر ہوتی ہیں۔" وہ بات کرتے کرتے ٹھہر جاتے تھے۔

سب بہت غور سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ واقعی سچ کہہ رہے تھے۔ "کسی ایک بڑے سیاست دان' بڑے غنڈے بدمعاش' بڑے ملکی غدار' یا کسی بھی مگرمچھ کے پکڑے جانے اور پھر عبرت ناک سزا پانے کی کیا کوئی مثال ملتی ہے۔ ہمارے قانون کی کسی کتاب میں' کیا

کسی ڈپارٹمنٹ کے ریکارڈ میں......'' وہ عمران نیازی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔
جواب میں اس کی نظریں شرمندگی سے جھک گئیں۔

''اور پھر اگر وہ پکڑے بھی جاتے ہیں تو کتنے عرصے کے لئے؟ جو اتنے وسیع پیمانے پر یہ کام کر رہے ہیں ان کے پیچھے ان کو سپورٹ کرنے والا کوئی نہ ہوگا؟ پھر اخبارات اپنی اپنی بولیں گے......انوسٹی گیشنز ہوں گی...... کتنے گھروں کی عزتیں اچھلیں گی، کتنی عزتوں کے بھرم کھلیں گے، کتنی بیٹیاں جو مظلوم ہیں بدنام ہوں گی۔ اور یہ معاشرہ...... یہ جن کے لئے ہم یہ آپریشن کلین اَپ کرنے جا رہے ہیں اور ظالموں کو عبرتناک سزائیں دینے کا سوچ رہے ہیں۔ یہ اتنی سطحی سوچ رکھتا ہے کہ چار دن تو ہمارے ملک کے اخبارات میں گرما گرمی رہے گی۔ ان کی اشاعت و فروخت لوگوں کی دلچسپی کی وجہ سے بڑھ جائے گی مگر بعد میں ظالموں کے انجام کو سب بھول جائیں گے۔ مگر اس سارے قصے میں جو معصوم چہرے سامنے آئیں گے انہیں باقی کی زندگی یہی معاشرہ اپنی گندی نظروں اور گندی باتوں سے مسخ کرتا رہے گا۔''

وہ اپنی بات مکمل کر کے ایک لمحے کو چپ ہوئے اور سب کے چہروں کی طرف دیکھنے لگے۔ وہاں موجود سب لوگوں کے چہروں پر نہایت شرمندگی کے آثار تھے۔ وہاں سب ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ زیدی صاحب غلط نہیں کہہ رہے تھے بلکہ سچ کہہ رہے تھے۔ اس کی گواہی ان سب کے چہروں پر موجود تھی۔

''اللہ کا اور اللہ کے رسولؐ کا بھی حکم ہے کہ ظالموں کے خلاف جہاد کرو اور جب ان کے ظلم حد سے بڑھ جائیں تو انہیں قتل کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا۔ ایسی صورتِ حال میں قتال کا حکم واجب ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے جو کرپشن مچا رکھی ہے اور جتنی بے حیائی اور ظلم معاشرے میں پھیلا دیا ہے وہ ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب کسی قسم کا رسک لے کر یہ سوچنا کہ قانون انہیں سزا دے گا بیوقوفی ہوگی۔'' وہ پھر خاموش ہو کر سب کو دیکھنے لگے۔

''آپ کا مطلب ہے......'' سعد خان کو بات سمجھ میں تو آ گئی تھی مگر وہ ذرا شش و پنج میں تھے۔

''بالکل، میرا مطلب وہی ہے جو تم سمجھے ہو۔'' وہ ذرا سا مسکرائے۔

''مگر سر! اس طرح تو ہم قانون کی خلاف ورزی کریں گے۔ قانون کو ہاتھ میں لے لیں گے۔'' عمران نیازی بھی ذرا ہچکچا رہا تھا۔

''کس قانون کو...... جو ہمارا بنایا ہوا ہے ہی نہیں...... ہم تو مسلمان ہیں ایک اللہ اور ایک رسولؐ کے ماننے والے۔ جن کا واضح حکم ہے کہ مجرم کے جرم کے ثبوت کے ساتھ ہی

اسے فوری اور عبرتناک سزا کھلے عام دی جائے۔ جو قانون چور کے ہاتھ کاٹنے اور قاتل کا سر قلم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ آپ اس قانون کی بات کر رہے ہیں یا اس قانون کی جو انگریز ہمارے لئے چھوڑ گیا تھا۔ جس میں مجرم کو زیادہ سے زیادہ مواقع ملتے ہیں اور مظلوم کو بے خطا سزا ہو جاتی ہے۔ کس قانون کی بات کر رہے ہیں آپ؟'' اب ان کے لہجے میں بڑا گہرا طنز تھا۔ عمران نیازی اپنی کہی ہوئی بات پر اور بھی نادم ہو گیا۔

''اگر آپ واقعی ظالم کو سزا دینے کا سوچ کر آئے بیٹھے ہیں تو وہی کریں گے جو اب آپ پر فرض ہے۔ آپ کو یہ پورا حق ہے کہ آپ ان کا خاتمہ کریں۔ برائی کی جڑیں تک کاٹ دیں اور اگر آپ قانون کے چکر میں رہنا چاہتے ہیں تو پھر رہنے دیں اس سارے قصے کو یہیں پر......'' وہ ذرا غصے میں آ گئے تھے۔

''ندا کا قتل ہو گیا۔ اس کا لہو تک دبا دیا گیا۔ گیتی آراء کی بے حرمتی ہوئی، بہیمانہ قتل ہوا۔ اخباروں نے شہ سرخیاں بنائیں، مقدمہ چلا مگر کیا ہوا؟''

انہوں نے ایسی مثال دے ڈالی جو انہی لوگوں کے ساتھ وابستہ تھی اور زیادہ پرانی بھی نہ تھی۔ واقعی لوگوں کے سامنے جو بات ثابت ہوئی وہ یہ تھی کہ گیتی آرا ایک کرپٹ لڑکی تھی۔ کئی لوگوں کے ساتھ مل کر عیاشی کر رہی تھی۔ کسی وجہ سے تنازعہ ہوا اور کسی نے اس کا قتل کر دیا۔ لوگوں نے اُلٹا اسی پر تھو تھو کی کہ اچھا ہوا بری تھی برے انجام کو پہنچی۔

کچھ دیر تک ماحول پر گہری خاموشی چھائی رہی۔ کوئی بھی کچھ نہ کہہ رہا تھا۔ سب اپنی اپنی جگہ کچھ سوچ رہے تھے۔

''چلیں ایسا کرتے ہیں کہ پہلے سب لنچ کر لیں۔ باقی کا لائحہ عمل پھر ترتیب دے لیں گے۔'' سمیر نے ماحول کو ذرا سنجیدہ ہوتے دیکھ کر کھانے کی آفر کر دی۔ ویسے بھی کھانا لگ چکا تھا اور گرم اور لذیذ کھانے کی خوشبو پورے ڈائننگ ہال میں پھیل رہی تھی۔ بھوک بھی سب کو لگی ہوئی تھی لہٰذا کسی نے بھی انکار نہ کیا اور سب کھانے کی میز پر آ گئے۔

کھانے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی رہی اور کھانے کے بعد پھر دوبارہ سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ سب زیدی صاحب کی بات سے متفق ہو گئے تھے اور ٹھیک دو روز بعد جب خالد خان اپنے غیر ملکی دوستوں کے ساتھ اپنے خفیہ اڈوں پر اپنے گھناؤنے کاروبار کے اہم معاملات طے کر رہا ہوگا تو انہیں کیا کرنا ہے اور انیق یزدانی کو گیتی آرا کے قتل میں ملوث ہونے پر گرفتار کرنا ہے۔

☆======☆======☆

مہندی سے لکھ دوری ہاتھوں پہ سکھیو میرے سانوریا کا نام
کیسا سہانا سے ہے لگن کا مجھ کو سنورنے سے کام

ڈھولک کی تھاپ پر مہندی کے گیت گائے جا رہے تھے۔ آج تو لان میں اس قدر شور تھا' اتنا ہنگامہ تھا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دے رہی تھی۔ آج صبورہ خاتون کی کسی نے نہ مانی تھی بلکہ انہیں اپنی ضد پر منوالیا۔ ارم کی مہندی کا فنکشن لڑکیوں نے اپنی مرضی سے ترتیب دیا تھا۔ کوئٹہ سے اس کے سب سسرال والے آج ہی آ گئے تھے۔ انہوں نے شادی کی خاطر یہاں قریب ہی ایک گھر چند روز کے لئے کرائے پر لیا تھا اور اب وہ لوگ وہاں سے تیار ہو کر ارم کو مہندی لگانے آ گئے تھے۔ ڈھولک پر گیتوں کا مقابلہ جاری تھا۔ دونوں طرف لڑکیاں گلے پھاڑ پھاڑ کر لگی ہوئی تھیں۔ کوئی بھی ہارنے کو تیار نہ تھا۔ آخر صبورہ خاتون سے نہ رہا گیا۔

"بھئی بچیو! اب بس کرو۔ رسم کرنے دو دیر ہو رہی ہے۔" انہیں زیادہ رات تک شور شرابہ ویسے بھی پسند نہ تھا اور اب تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

"بس خالہ جان...... تھوڑی دیر......" ماریہ نے تالی بجاتے بجاتے منت کی۔

"نہیں بس اب بہت گالیا۔ سب کو بھوک بھی لگی ہے۔ کھانے کو دیر ہو رہی ہے۔"

انہوں نے اپنا حکم سنا دیا اب انہیں کون مناتا۔ خیر بات بھی درست تھی کافی دیر ہو چکی تھی۔ ناچار سب کو ڈھولک ہٹانی پڑی۔ ارم پیلے اور سبز رنگ کے چنری والے گوٹے دار سوٹ میں بہت ہی نکھری نکھری اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کا چہرہ ایسا چمکدار دکھائی دے رہا تھا جیسے گلابوں سے دھلا ہو۔ صبورہ خاتون نے بیٹی کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھا اور ہزار ضبط کے باوجود ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ ارم نے ایک اداس سی نظر ماں پر ڈالی وہ زیادہ دیر وہاں رک نہ سکیں اور اسٹیج سے یہ کہتی ہوئی ہٹ گئیں۔

"جلدی کرو' مہندی لگا دو...... میں کھانے کا انتظام دیکھتی ہوں۔" وہ اپنے آف وائٹ چائنا سلک کے خوبصورت کڑھائی والے دوپٹے کو سنبھالتی کھانے کے انتظام دیکھنے چل دیں۔

پھر تو اسٹیج پر ایک شور ہو گیا۔ قہقہے' شرارتیں' چھیڑ چھاڑ' مٹھائی ایک دوسرے کے منہ میں زبردستی ٹھونسی گئی۔ جب ارم کو مہندی لگ گئی' بار بار اس کی چچی جان اس کا ماتھا چوم کر نثار ہو رہی تھیں۔ قاسم خان کی دونوں چھوٹی بہنیں اپنی ہونے والی بھابی کو پیار سے چھیڑ رہی تھیں تب کسی نے ذرا کونے میں کھڑی رمشاء کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹا اور اسٹیج پر ارم کے ساتھ بٹھا دیا وہ ہکا بکا تھی کہ آخر یہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔

"جلدی کرو بھئی دوسری رسم بھی کرو۔" جانے اتنے بڑے مجمع میں سے یہ کس کی آواز

تھی۔ مگر وہ تو حیرت کا بت ہی بن گئی۔

"دوسری رسم؟" وہ سوچتی اور الجھتی ہی رہ گئی۔ اسے تو کچھ بھی خبر نہ ہو سکی کہ کس کس نے اس کے ہاتھ پر مہندی لگا دی تھی۔ مٹھائی اس کے منہ میں ٹھونس دی تھی۔ بس وہ تو پتھر تھی تو اس بات پر کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔

بہر حال اسے اسی گنگ حالت میں دوبارہ کسی نے بازو سے تھاما اور ارم کے ساتھ ہی لے جا کر کمرے میں دھکیل دیا وہ تو ارم کی طرف بھی نہ دیکھ رہی تھی کہ جانے اس کے چہرے پر کتنے سوال ہوں گے۔ ان کا وہ کیا جواب دے گی۔ وہ تو خود سراپا سوال تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ کسی نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ مگر ایسا سنجیدہ مذاق' کس لئے؟ پھر اسے اس کمرے میں سے نکلنے کا موقع ہی نہ ملا۔ ساری رات اسی بھنور میں غوطے لگاتے گزر گئی۔

☆======☆======☆

شادی کا فنکشن رات کا تھا۔ سارا دن عجیب سی بھاگم دوڑ میں گزر گیا۔ سب کو فکر تھی کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے خیریت سے ہو جائے۔ صبورہ خاتون جواب تک بڑے حوصلے سے بڑی ذمہ دار بنی ہوئی تھیں آج بیٹی کی جدائی کا خیال ایک گہری اداسی اور عجیب سا خوف بن کر دل میں سما گیا تھا۔ آج انہوں نے سارے کام اپنی دونوں بہوؤں کے سپرد کر دیئے تھے۔ ویسے بھی ان کا بلڈ پریشر بھی رات سے ذرا ہائی ہی تھا۔ اس لئے وہ زیادہ چل پھر نہیں رہی تھیں۔ رامین اور طوبیٰ بڑی ذمہ داری اور محبت سے سب کو اٹینڈ کر رہی تھیں۔

"طوبیٰ! تم جا کر رمشاء سے بات کرو۔" وہ دونوں کسی کام سے کچن میں اکٹھی ہوئی تھیں۔ رامین طوبیٰ سے کہنے لگیں۔

"آپا! میں...... میں کیا کہوں گی۔" وہ پریشان ہو گئی۔ "پلیز...... مجھ میں تو ہمت نہیں۔" وہ منت کرنے لگیں۔

"اچھا میں جاتی ہوں...... لیکن ہے بڑا مشکل کام۔" وہ جاتے جاتے مڑی۔ ارم کو تیار کرنے کے لئے بیوٹیشن کو انہوں نے گھر پر بلایا تھا اور وہ آ چکی تھی۔

طوبیٰ خود بھی ابھی تیار ہو کر آئی تھی۔ آج اس نے جامنی رنگ کا بھاری کامدار سوٹ پہنا تھا جس پر بڑے ماڈران اسٹائل سے مکیش اور کڑھائی کا کام کیا ہوا تھا۔ آج تو وہ بہت ہی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ عمیر نے کئی بار بہانے بہانے سے آ کر اسے دل میں اتارا تھا۔ عمیر کے دل کی کیفیت اب پہلے سے کچھ مختلف تھی۔ وہم و گمان کے سلسلے کچھ کم ہو گئے تھے اور اچھی سوچ ذرا جگہ بنا رہی تھی۔

وہ کمرے میں آئی تو رمشاء گم صم سی بیٹھی تھی۔ رات سے وہ کمرے سے باہر ہی نہ نکلی تھی۔ ماریہ منتیں کر کر کے گئی تھی مگر اس نے ناشتا بھی نہ کیا تھا صرف چائے ہی پی تھی۔ وہ بھی اس کے بے حد اصرار پر۔ طوبیٰ اندر آئی تو ماریہ نے اس کی طرف آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا کہ وہ نہیں مان رہی اور خود باہر کھسک گئی۔

''رمشاء!'' وہ پیار سے اسے پکارتی اس کے قریب بیٹھ گئی۔ جواب میں اس نے صرف ایک خالی اور سپاٹ نظر اس پر ڈالی تھی۔

''رمشاء! تم قسمت کو کتنا مانتی ہو؟'' وہ بات کرنے کے لئے راستہ بنانے لگی۔ مگر وہ پھر بھی چپ رہی۔

''تمہارے والدین بہت پریشان تھے۔ انہوں نے رامین آپا سے بہت اصرار سے کہا تھا ایسا کرنے کو۔'' وہ خود بخود بات کرتی گئی مگر اس کے دونوں ہاتھ اس نے اپنے ہاتھوں میں لے لئے تھے جنہیں وہ پیار سے ہولے ہولے دبا رہی تھی۔

''حشام نے بہت کوشش کی مگر اس کی امی مانی ہی نہیں۔ وہ کیا کرتا۔'' حشام کے نام پر اس نے ایک زخمی سی نگاہ طوبیٰ پر دوبارہ ڈالی۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

''حشام بہت اچھا انسان ہے وہ تمہیں پورے حق اور عزت کے ساتھ اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا'' طوبیٰ نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس نے محسوس کیا کہ رمشاء کا جسم ہولے ہولے لرز رہا ہے۔ ایک لمحے کو طوبیٰ کا سارا ضبط جواب دے گیا۔ مگر پھر اس نے خود پر قابو پا لیا۔

''سارے کھیل قسمت کے ہوتے ہیں۔ حشام تمہارے نصیب میں نہ تھا۔'' اس نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر اسے پیار کیا۔ اس کا لرزتا جسم اب باقاعدہ جھٹکے کھا رہا تھا۔ وہ جانے کب سے خود پر قابو کئے بیٹھی تھی۔ رو ہی پڑی۔

''طوبیٰ!'' اس کے لبوں سے سسکیاں نکلنے لگیں۔

''اچھا چلو رو لو تمہارا جی ہلکا ہو جائے گا۔'' اس نے بھی اسے رونے دیا۔ کچھ دیر بعد طوبیٰ نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے واش روم میں لے گئی۔

''اب جو کچھ میں کہتی جاؤں چپ چاپ کرتی جانا۔'' اس نے اس کے چہرے کی طرف کچھ اس انداز میں دیکھا کہ رمشاء انکار نہ کر سکی۔ ''چلو اب اچھے بچوں کی طرح نہا لو۔ فریش ہو جاؤ۔ میں ابھی تمہارے کھانے کے لئے کچھ لے کر آتی ہوں۔ ٹھیک!'' وہ پیار سے اس کے گال تھپتھپا کر چلی گئی اور اس نے بغیر کسی بھی سوچ کے، بغیر کسی جذبے اور تاثر کے باتھ روم کا دروازہ بند کر لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اندر سے نہانے اور پانی کے گرنے کا پتا چلنے لگا۔

☆======☆======☆

دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر قیامت لگ رہی تھیں۔ بیوٹیشن واقعی کمال کی تھی اور کچھ دونوں کا اپنا اپنا حسن بھی کمال ہی کا تھا۔ سب لوگ بہت تعریفیں کر رہے تھے۔ نظریں تھیں کہ ٹھہر ہی نہ رہی تھیں۔ سرخ رنگ کے خوبصورت کام والے مہارانی اسٹائل کے لہنگا سوٹ میں دلہن بنی بہت ہی جچ رہی تھیں۔ رمشاء کی آنکھیں رونے کی وجہ سے متورم تھیں جس کی وجہ سے اور بھی حسین لگ رہی تھی۔

طوبیٰ اور رامین کئی بار ان کی نظریں اتار چکی تھیں۔ وہ دونوں اس وقت رمشاء کی حالت کو محسوس کر رہی تھیں۔ اس نے نکاح کے وقت بغیر کچھ پوچھے اور دیکھے صرف کانپتے ہاتھوں کے ساتھ دستخط کر دیئے تھے۔ اس بیچاری نے تو یہ بھی نہ پوچھا تھا کہ آخر اس کی قسمت کا ستارہ اب کس کے ساتھ جڑا تھا۔ وہ کس کی زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہے۔ بس اس کی آنکھوں کے سامنے ایک گہری دھند تھی اور دل میں سمندر تھا جو اندر ہی اندر اپنے طوفان دبا رہا تھا۔ آنکھیں بند ہوئی تھیں ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے ہو رہے بس اسے تو یہ لگ رہا تھا کہ کچھ دیر بعد اس کے بدن میں سے جان نکل جائے گی۔ دھڑکنیں تو اب بھی حشام کے نام کی مالا جپ رہی تھیں وہ دل کو سرزنش کر رہی تھی کہ جو اپنا رہا ہی نہیں اسے کیوں پکار رہا ہے مگر وہ تو خودسری پر آمادہ تھا۔

☆======☆======☆

ارم اور رمشاء کی رخصتی ہوتے ہوتے رات کے ساڑھے گیارہ بج ہی گئے تھے مگر خدا کا شکر ہے کہ سب کچھ بہت اچھا اور خیریت سے ہو گیا تھا۔ صبورہ خاتون بہت حوصلے والی عورت تھیں۔ مگر آج بہت عرصے کے بعد ان کا دل قابو میں نہ رہا۔ ارم کی رخصتی تک تو وہ بہت ہمت میں رہیں مگر بعد میں ان کا بلڈ پریشر خاصا ہائی ہو گیا تھا۔ سب بہت پریشان ہو گئے تھے۔ سعد خان جا کر ڈاکٹر کو لے آئے تھے۔ رامین اور طوبیٰ ان کے ہاتھ دبا رہی تھیں دونوں بالکل اسی طرح پریشان تھیں جیسے بیٹیاں ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر نے آ کر بلڈ پریشر دیکھا اور دوا دے دی۔

''انہیں آرام کرنے دیں۔'' اس نے مشورہ دیا۔

''وقتی ڈپریشن سے ایسا ہو گیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جلدی ٹھیک ہو جائیں گی۔'' وہ تسلی دے کر چلا گیا۔

''اب میں ٹھیک ہوں میری بچیو!'' انہوں نے طوبیٰ اور رامین کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے گالوں سے لگا لئے۔

''جاؤ! اب تم لوگ بھی آرام کرو۔'' انہوں نے آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔ ان پر کچھ

غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر نے ایک انجکشن بھی لگایا تھا۔ شاید اسی وجہ سے انہیں نیند آ رہی تھی۔

''جی امی جان!'' وہ پھر بھی محبت سے ان کے قریب بیٹھی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گہری نیند سو گئیں۔

''چلو اب انہیں سونے دو۔'' سعد خان نے رامین کو اٹھنے کو کہا۔

''جی۔'' وہ ان کے اوپر کمبل درست کر کے کھڑی ہو گئیں۔

''میں آج یہیں سو جاتی ہوں امی جان کی طبیعت خراب ہے۔'' طوبیٰ نے وہاں سے جانے سے انکار کر دیا۔

''امی جان اکیلی نہیں ہیں۔ ماریہ ہے ان کے پاس۔'' سعد خان نے قریب بیٹھی ماریہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں ماریہ؟''

''جی...... جی بھائی جان۔'' وہ فوراً ہامی بھرتی، جمائیاں لیتی قریب آ گئی۔ جس پر سب کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''چلو عمیر! لے کر جاؤ طوبیٰ کو...... اور سنو......'' انہوں نے عمیر کی طرف کڑی نظروں سے دیکھا۔

''خیال رکھا کرو اس کا۔''

وہ طوبیٰ کے چہرے پر کئی روز سے اداسی دیکھ کر بہت کچھ سمجھ چکے تھے۔

''جی بھائی جان۔'' وہ نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

''گڈ۔'' انہوں نے بھائی کا کندھا تھپکا۔

''چلو طوبیٰ جا کر آرام کرو۔ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔'' انہوں نے ذرا تحکمانہ انداز میں کہا تو طوبیٰ انکار نہ کر سکی اور چپ چاپ عمیر کے ساتھ چل دی۔

☆======☆======☆

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو ایک دلفریب اور مسحور کر دینے والی خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ گلاب کی پتیوں سے سجے راستے پر قدم رکھتی وہ بیڈ تک آ گئی۔ کسی نے اسے کندھوں سے تھام رکھا تھا۔ اس کی جھکی نظریں بالکل کچھ نہیں دیکھ رہی تھیں کہ وہ کہاں آئی ہے۔ کس کا گھر ہے اور کون اس کے ساتھ ہے۔ تازہ سرخ گلابوں سے مہکتا بستر زمین سے چھت تک گلاب ہی گلاب۔ کسی نے بڑی محنت اور محبت سے یہ کمرا سجایا تھا۔ گلاب کی لڑیاں

ہٹا کر کسی نے اسے بستر پر بٹھا دیا تھا اور آنے والا واپس چلا گیا۔ سرگوشیاں کرتی، سرسراتی خوشبو اسے تنہا پا کر آ گئی اور گدگدیاں کرنے لگی۔ چھیڑنے لگی۔ اتنی خوشبو...... ایسا سماں...... اس کا تو جی گھبرانے لگا تھا۔ بے ساختہ نظریں اٹھا کر دیکھا تو گلاب ہی گلاب تھے۔ ہنستے، کھلکھلاتے...... کچھ پوچھتے گلاب۔

اس نے پہلو بدل کر دیکھا تو بہت سی گلاب کی پتیاں مسکرا رہی تھیں۔ اسے الجھن ہو رہی تھی۔ جی چاہا سب کچھ نوچ ڈالے۔ اٹھے اور جا کر سارے گہنے اتار دے۔ عروسی جوڑے کو اتار کے آگ لگا دے، بال کھولے اور رونا شروع کر دے۔ وہ اندر ہی اندر تلملا رہی تھی۔ چاہتی تھی کہ اٹھ کر ایسا کر ڈالے مگر کسی کی آہٹ سنائی دینے پر وہ دوبارہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔ کوئی اندر آ چکا تھا۔ اس کی خوشبو اس سے پہلے اندر آئی تھی۔ خوشبو تو جانی پہچانی تھی آہٹ ذرا قریب آ گئی اور خوشبو اس سے بھی قریب۔ وہ اور بھی سمٹ گئی۔ جسم تھرتھرانے لگا۔ سارا لہو جیسے دل کی رگوں میں آ کر جم گیا۔

''یا اللہ! مجھ پر رحم کرنا۔'' آنکھوں کے بند میں ننھا سا شگاف پڑ ہی گیا اور ٹپ سے دو قطرے گالوں پر جا گرے۔ وہ ساکت و جامد مورتی بن چکی تھی۔

''اوں...... ہوں...... ہوں......'' کسی نے گلا کھنکارا اور گلاب کی لڑیاں ہٹا کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''السلام علیکم!'' کسی نے دوبارہ گلا کھنکار کر سلام کیا، اسے لگا یہ آواز پہلے سنی ہے مگر اس کا سارا دھیان تو خود کو سنبھالنے پر تھا کہ بے ہوش ہو کر گر نہ پڑے۔

''زہے نصیب کہ آپ نے میری زندگی میں قدم رکھا۔'' کسی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبا لیا۔ ٹھنڈا برف ہاتھ کانپتا ہوا۔

''بندے کو دیکھیں گی نہیں؟'' اب اس کی جرأت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ ٹھوڑی سے پکڑ کر چہرہ اوپر کر لیا تھا۔ گرم گرم سانسیں اور گہری گہری نظریں اسے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں اور دم تھا کہ نکلنے کو تھا۔

''اچھا چلیں میرا نام ہی پوچھ لیں۔'' کوئی شوخی سے مسکرایا تھا۔

''بندے کا تو اس قدر ہوشربا حسن میں زیادہ دیر صبر کرنا مشکل ہے اس لئے خود ہی بتا دیتا ہوں کہ...... ناچیز کو حسام کہتے ہیں۔'' کس نے کان کے بالکل قریب آ کر کہا۔

''حسام......'' بند دل کی ساری رگیں کھل گئیں اور لہو ایک خواب کی طرح اچھل کر پورے جسم میں پھیلنے لگا۔

''حسام!'' دوبارہ ذرا بلند آواز میں کہا گیا۔

"آپ کا خادم...... چاہنے والا" اس نے جھک کر اس کی پلکوں کے نیچے جھانکا۔

ٹپ......ٹپ......ٹپ قطرے تیزی سے گر رہے تھے۔ برسات شروع ہو چکی تھی۔ جسم باقاعدہ لرزش میں تھا اور لبوں سے ہلکی ہلکی سسکیاں بھی نکل رہی تھیں۔

"ارے ارے...... یہ کیا؟" وہ پریشان ہو گیا اور سارا ڈرامہ بھول کر اسے سنبھالنے لگا۔

"مجھے معاف کر دو رمشاء...... پلیز...... پلیز...... میں نے تو یہ سب تمہیں سرپرائز دینے کے لئے کیا تھا۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔" اس نے اس کے کانپتے وجود کو اپنی مضبوط بانہوں کے گھیرے میں لیا۔

"دیکھو میں نے اپنا وعدہ نبھا دیا ہے۔ حشام رمشاء کا ہی تھا۔ کسی اور کا کیسے ہو سکتا تھا۔ لو سنبھالو اپنا آدھا حصہ...... تمہیں میں نے ستایا ہے۔ چاہو تو سزا دے دو اور چاہو تو معاف کر دو۔" وہ اس کے ہاتھ تھام کے سر جھکا کے بیڈ سے نیچے بیٹھ گیا۔ سسکیاں، ہچکیوں میں بدل گئیں اور رونے کی آواز بھی دبی دبی سی نکلنے لگی تھی۔

"میں نے تمہیں بہت ستایا، بہت رُلایا ہے رمشاء مگر وہ سارے لمحے گزر گئے جو دکھ کے تھے۔ اب کبھی میں تمہاری آنکھوں میں ایک بھی آنسو نہ آنے دوں گا۔ وعدہ۔" وہ معصوم سی شکل بنا کر اس کی طرف التجائیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"پلیز معاف کر دو۔" بڑا بھولا منہ بنا کر منت کی گئی۔ روتی ہوئی رمشاء کو ایسی احمقانہ شکل دیکھ کر ایک ہنسی آ گئی۔ وہ اپنی ہنسی کو تو روک گئی مگر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

"اوہ شکر ہے خدایا۔" وہ ایک دم اپنے کپڑے جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا ایسے جیسے کسی معرکے سے جیت کر لوٹا ہو اور راستے کی دُھول جھاڑ رہا ہو۔ وہ اٹھ کر دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گیا اور گنگناتے ہوئے اپنی جیب میں سے کچھ نکالنے لگا۔

"بہارو پھول برساؤ میرا محبوب آیا ہے"

وہ ایسے گا رہا تھا جیسے پرانا ہیرو ہو آواز بھی اچھی نہ تھی۔ رمشاء نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی ہنسی کو روکا جواب رک نہ رہی تھی اور اس نے ڈائمنڈ کی ایک نازک سی خوبصورت رِنگ رمشاء کے مرمریں ہاتھ میں پہنا دی۔ وہ اس کے خوبصورت ہاتھوں کو غور سے دیکھتا ایک شعر کہہ رہا تھا۔ آج وہ بہت رومانٹک ہو رہا تھا۔

سونے جیسا تن تیرا چاندی جیسے ہاتھ
پریتم تجھ کو چاند کہوں یا پورے چاند کی رات

بے خود ہو کر اس نے اس ہاتھوں کو اپنے لبوں سے لگا لیا اور دیواروں سے چمٹی، چھت

سے لٹکی خوشبو نے شرما کے اپنی نظریں جھکا لیں۔ پورے کمرے میں سرگوشیاں اور سرسراہٹیں بکھرنے لگیں۔ جو محبت اور شدتوں سے بھرپور تھیں۔

☆======☆======☆

رات کو جب وہ اپنے کمرے میں واپس آئی تو واقعی تھکن اس کے اعصاب پر سوار تھی۔ کئی روز تو مسلسل ہو گئے تھے رات کو دیر تک جاگتے اور کام کرتے۔ مہمانوں کی دیکھ بھال، انتظامات کو دیکھنا۔ وہ واقعی بہت بری طرح تھک گئی تھی۔ باتھ روم میں جا کر وہ گرم پانی سے منہ ہاتھ دھو کر وضو کر کے باہر نکلی تو ذرا فریش تھی۔ اس نے دیکھا وہ کمرے میں موجود نہ تھا۔ اسٹڈی سے روشنی آ رہی تھی۔ اس نے ایک نظر اسٹڈی روم کی طرف دیکھا پھر جائے نماز بچھا کر عشا کی نماز پڑھنے لگی۔ آج کل عشاء کی نماز کو اسی طرح دیر ہو جاتی تھی۔

اس نے قضا کر کے نماز پڑھی۔ جسم میں بہت درد ہو رہا تھا نماز سے فارغ ہو کر وہ بستر پر آ گئی۔ آج کل اس کے پاؤں بہت سُوج جایا کرتے تھے۔ وہ انہیں ہلکے ہلکے ملتی رہی۔

عمیر اسٹڈی سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں بھی جائے نماز تھی اور سر پر ٹوپی۔ وہ نماز پڑھ کر آیا تھا۔ طوبیٰ کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ عمیر نے دوبارہ نماز شروع کر دی تھی ورنہ پچھلے کئی روز سے طوبیٰ دیکھ رہی تھی کہ عمیر کی نماز میں باقاعدگی نہ رہی تھی۔ اس نے ٹانگیں سیدھی کیں اور کمبل سینے تک اوڑھ کر لیٹ گئی۔ کچھ ہی دیر کے بعد عمیر بھی لیٹ چکا تھا۔ لائٹ آف ہو چکی تھی اب نیند اس کی آنکھوں میں اتر رہی تھی۔ جب اس کے ہاتھ پر کسی کے لمس کی گرماہٹ اُتری۔ اس کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا اور نیند بھاگ کر دور جا کھڑی ہوئی۔ اس نے اس کا ہاتھ اٹھا کر اپنے سینے پر رکھ لیا تھا اور اسے مضبوط گرفت میں لے کر شاید سو گیا تھا۔ طوبیٰ نے بہت چاہا کہ اپنا ہاتھ چھڑا لے مگر گرفت خاصی مضبوط تھی۔ اس نے بھی کوشش چھوڑ دی۔ پہلے وہ اس طرح سویا کرتا تھا اور آج جب اس نے دوبارہ اس کا ہاتھ تھاما تھا تو اسے لگا کہ صدیوں کے سمندر درمیان میں آ گئے تھے۔ فاصلے پگڈنڈیوں کی طرح دور تک نظر آ رہے تھے۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنی گیلی ہو جانے والی آنکھوں کو صاف کیا اور زور سے آنکھیں میچ لیں۔

☆======☆======☆

انیق یزدانی آج کل زیادہ تر گھر میں ہی رہتا تھا۔ اس کے بدن میں سے ساری گرمی اور جوش اب نکل چکا تھا۔ اس کی جگہ کمزوری آ گئی تھی۔ اب تو اس کے ہاتھوں میں بھی رعشہ آنے لگا تھا۔ مگر رسّی جل جانے کے باوجود اس کے بل ابھی باقی تھے۔ آواز میں سے کرختگی نہ

گئی تھی حالانکہ آواز میں دراڑیں آ گئی تھیں۔

آج کل اس کا سارا کاروبار ٹیلی فون کالز پر ہی طے ہو رہا تھا۔ اور اب وہ ہمیشہ کے لئے ملک چھوڑ کر جانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ اپنی عیاشی کے لئے اس نے گھر پر بھی بہت کچھ ارینج کر رکھا تھا۔ ثمینہ سے اب وہ قدرے نرمی سے بات کرتا تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اب ثمینہ اس کی ضرورت ہے۔ وہ اس کی بہت خدمت کرتی تھی۔

''انیق! اگر آپ کہیں تو میں آج کچھ دیر کے لئے امی کی طرف ہو آؤں۔''

وہ چائے بنا کر انیق کے لئے لائی تھی اسے ذرا خوشگوار موڈ میں دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''امی کی طرف......'' وہ کچھ سوچنے لگا۔

''واپس کب آؤ گی؟'' وہ اب اس کے بغیر رہنے سے جانے کیوں ڈرتا تھا۔

''شام کو آ جاؤں گی۔'' وہ قریب آ کر بیٹھ گئی۔

''اچھا پھر ٹھیک ہے' چلی جاؤ۔ ڈرائیور سے کہو تمہیں چھوڑ آئے گا۔'' اس نے خوشدلی سے اجازت دے دی۔

''ٹھیک ہے آپ زیادہ ڈرنک نہیں کریں گے۔'' اس نے جاتے جاتے تنبیہہ کی۔

''اچھا نہیں کروں گا۔'' جانے کیوں وہ فوراً مان گیا۔ ورنہ پہلے تو اس بات پر وہ ہمیشہ چڑ جاتا تھا۔

''گڈ۔'' وہ خوش ہو کر چلی گئی۔ تیار ہو کر وہ آئی تو پھر انیق کے پاس آ گئی۔ وہ بہت گم صم تھا' الجھن سی تھی۔

''انیق!'' اس نے ہولے سے پکارا۔

''آں ہاں۔'' اس نے جیسے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''تم ابھی تک گئی نہیں۔''

''میں بس جا ہی رہی تھی۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''تو پھر جاؤ۔'' وہ دوبارہ ریموٹ کنٹرول سے چینل بدلنے لگا۔ اس کی فراغت کا اب یہی کام تھا۔

''انیق! میں نے آپ کو کبھی کوئی دُکھ دیا ہو تو مجھے معاف کر دینا''۔ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور آنکھیں نم۔ وہ ٹی وی بند کر کے اسے غور سے دیکھنے لگا۔

''یہ کیا ڈرامہ ہے۔'' وہ جیسے مذاق کے موڈ میں تھا۔

''بس میرا دل جانے کیوں آج پریشان ہے۔ مجھے معاف کر دیں گے نا؟'' وہ اس کے

ہاتھ تھام کے رونے لگی۔

''چلو معاف کر دیا۔ اب جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے اس کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو کھول دیا۔

''انیق! میں شاید اچھی بیوی نہیں ہوں۔'' وہ پھر رونے لگی۔

وہ جانے یہ سب کیوں کہہ رہی تھی۔ اس کے جذبوں کو اس کی محبت کو انیق یزدانی جیسا پتھر انسان سمجھ ہی نہ سکا تھا۔ وہ تو بس اس کی ضرورت تھی کبھی مداحت کے لئے اور کبھی مدارات کے لئے۔

''اچھا اب میرا داغ مت خراب کرو۔ جانا ہے تو جاؤ۔'' وہ ہتھے سے اکھڑنے لگا۔ ثمینہ نے بہت محبت سے اسے دیکھا۔ ان نظروں میں جانے کیا تھا ایک لمحے کو تو انیق کا جی چاہا کہ اسے روک لے نہ جانے دے مگر وہ کب احساسات کا پابند تھا دوبارہ فوراً ریموٹ لے کر بیٹھ گیا۔

''اچھا مجھے وہ فون پکڑاتی جانا۔'' اس نے جاتی ہوئی ثمینہ کو آواز دی۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر پاس پڑا کارڈلیس اسے تھما دیا اور جاتے جاتے پھر ایک الوداعی نظر اس پر ڈالی اور تھکے قدموں سے باہر نکل گئی۔ اس کا دل بار بار کہہ رہا تھا۔

''انیق! مجھے معاف کر دینا میں ایک وفادار بیوی نہ بن سکی۔ کیونکہ مجھ پر وطن کی حُرمت کے بہت تقاضے تھے۔ میں اگر تم سے وفا کرتی تو گیتی آراء کا خون تمام عمر میری گردن پر رہتا۔ ندا اور جانے کتنی بے خطاؤں کا لہو' اس ایک بندے سے وفا میں کر ہی نہ سکتی تھی جو صرف میرا شوہر نہیں بلکہ ایک ظالم اور قاتل بھی ہے۔''

اس نے اپنے پگھلتے دل پر جبر کا ایک پتھر رکھا اور اپنی آنکھوں کو رگڑ کر صاف کرتی آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی جہاں ڈرائیور پہلے سے اس کا منتظر تھا۔ اس کی گاڑی یزدانی ہاؤس سے نکل کر روڈ پر ذرا آگے گئی تو اس نے دیکھا سائیڈ پر قطار میں کھڑی کئی فوجی اور پولیس کی گاڑیاں ہارن بجاتی یزدانی ہاؤس میں داخل ہو گئی تھیں اس [illegible] اپنے کانوں پر دونوں ہاتھ رکھ لئے اور آنکھیں زور سے بند کر لیں وہ یہ آوازیں سننے اور یہ منظر دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی تھی۔

''کاش آپ میرے شوہر نہ ہوتے۔''

اس کے لبوں سے ایک ہچکی نکلی۔

''بیگم صاحبہ! یہ پولیس ہمارے گھر پر کیوں گئی ہے؟'' ڈرائیور نے گھبرا کر پوچھا وہ واپس مڑنا چاہ رہا تھا۔

''تم سیدھی راہ پر گاڑی چلاؤ اور پلٹ کر مت دیکھو۔'' اس کی ٹوٹتی ہوئی آواز میں ایک

حکم تھا۔ وہ بیچارا چپ چاپ گاڑی چلانے لگا۔

☆======☆======☆

خان ایڈورٹائزنگ کمپنی کے خفیہ تہہ خانے میں اس وقت بہت گرما گرمی چل رہی تھی۔ خالد خان نے ایک بہت بڑی ڈیلنگ کی تھی اور اسی کی خوشی میں یہ جشن جاری تھا۔ وہ ایک بہت بڑا ثقافتی طائفہ لے کر مختلف ملکوں کے دورے پر جا رہا تھا اور ہر ملک میں اس نے اسٹیج پر پرفارم کرنے کے علاوہ وہاں کے رؤسا اور مالدار لوگوں سے بھی بہت کچھ کمانا تھا اور اس کے علاوہ اور بہت سی فائلیں تھیں جو وہ اپنے ساتھ لے کر جا رہا تھا جن کے بھاری معاوضے اسے ملنے والے تھے۔ اپنے انڈر ورلڈ گراؤنڈ کا وہ آج چیئر مین بھی منتخب ہوا تھا۔ کئی خوشیاں ایک ساتھ تھیں۔ خوب رنگ جما ہوا تھا۔ کیا یورپ کے کیبرے ہوٹلز میں ہوتا ہوگا جو یہاں پر ہو رہا تھا۔ شباب وشراب اپنے عروج پر تھے۔

سطوت بھی آج بہت خوش تھی کیونکہ خالد خان نے دوبارہ اس کے ساتھ صلح کر لی تھی۔ اس طائفے کے ساتھ سطوت کا جانا بہت ضروری تھا اس لئے یہ صلح اس نے مجبوری میں کی تھی۔ اس کے معزز مہمانوں میں انگریز اور نیگرو بھی تھے اور بگڑے ہوئے رئیس اور سیاست دان بھی تھے۔ اس کے علاوہ کچھ عیاش عربی بھی تھے جو دل کھول کر لٹانے میں مشہور تھے۔ سرور کی یہ محفل اپنے پورے عروج پر تھی۔ کسی کو بالکل بھی ہوش نہ تھا۔

سطوت پر ایک مہمان پوری طرح مہربان تھا اور وہ اس کی مہربانی سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے موڈ میں تھی۔ سب مدہوش، بے ہوش ہونے کے قریب تھے۔ مگر انہیں یہ خبر نہ تھی کہ باہر موت کے فرشتے ان کے لئے کیسا عبرتناک جال بنا چکے ہیں اور بڑی سرعت سے یہ جال ان پر تان دیا گیا تھا۔ خان بلڈنگ کے چاروں طرف کچھ نقاب پوش پُراسراری حرکات میں کئی راتوں سے مصروف تھے مگر آج جیسے وہ بہت مطمئن ہو چکے تھے۔

کچھ دیر کے بعد وہ نقاب پوش ہیولے گاڑیوں میں بیٹھ کر خان بلڈنگ سے دور ہٹ گئے اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد فضا ہولناک دھماکوں سے لرز اٹھی۔ آسمان تک شعلے اور دھواں پھیل گیا جہاں خان بلڈنگ کی اینٹیں روئی کے گالوں کی طرح اُڑ کر دور دور بکھر گئی تھیں وہیں بے شمار جسمانی اعضا بھی تھے جو فضا میں اچھل اچھل کر جانے کہاں کہاں گر رہے تھے۔ قیامت کا ایک سماں تھا جس نے بہت سے شیطانوں کو دھجیاں بنا کر اُڑا دیا تھا۔

''چلو...... خس کم جہاں پاک۔'' زیدی صاحب نے دوبارہ مڑ کر پیچھے دیکھا اور سب کو واپس جانے کا کہہ کر جانے کیا پڑھنے لگے۔ شاید وہ اللہ کے حضور شکرانے کے الفاظ ادا کر

رہے تھے جس نے انہیں اس جہاد میں غازی بنا دیا تھا۔

وہ سب کی سب گاڑیاں اب حکومتی سائرن بجاتی شور مچاتی دوبارہ اسی جگہ پلٹ آئی تھیں جہاں اب خان بلڈنگ کے بجائے راکھ کا ڈھیر تھا جس کے نیچے بہت سے جسموں کی ہڈیاں دب چکی تھیں ان کے علاوہ اور بہت سی گاڑیاں پل بھر میں وہاں آ گئی تھیں۔ پولیس، فوج، پریس...... سب کے سب حیران، پریشان کہ کیا ہوا۔ کیسے ہوا۔ کس نے کیا؟ کی آوازیں آدھی رات کا سینہ چیرتی فضا میں پھیل رہی تھی۔

☆======☆======☆

''آج کی تازہ خبر۔ ملک کے مشہور اور نامور بزنس مین اور شوبز کے پرنس انیق یزدانی کو گرفتار کر لیا گیا۔ آج کی تازہ خبر۔''

اگلے روز علی الصبح سڑکوں، ریلوے اسٹیشنوں اور پبلک پلیسز پر اخبار بیچنے والے لڑکوں کی زبان پر یہی شہ سرخی تھی جسے وہ بار بار دہرا رہے تھے۔

''انیق یزدانی نے اپنی منگیتر گیتی آراء سمیت کئی بے گناہ لڑکیوں کا قتل کیا تھا۔ آج کی تازہ خبر۔''

وہ ساتھ ساتھ اخبار کا متن بھی پڑھ کر سنا رہے تھے اور لوگ دھڑا دھڑ اخبار خرید رہے تھے۔

''خان ایڈورٹائزنگ کی بلڈنگ راکھ کا ڈھیر بن گئی۔ ہزاروں لوگ دب کر جان بحق ہو گئے۔'' اگلے روز کے اخبارات ان اہم خبروں سے بھرے پڑے تھے۔

''خان بلڈنگ کو کسی نے بموں سے اُڑا دیا۔''

''خان بلڈنگ کے اندر کچھ اسلحہ اور بارود اس طرح کا موجود تھا جو کسی بے احتیاطی سے بھڑک اٹھا اور پوری بلڈنگ فضا میں اُڑ گئی۔''

''خان بلڈنگ میں کئی غیر ملکی مہمان تھے اور کسی شرپسند پارٹی نے جان بوجھ کر اسے بموں سے اڑا دیا۔'' ملک کے ہر اخبار نے اپنے انداز میں اس کی پیشن گوئی کی تھی۔

اس ایک بڑی خبر نے انیق یزدانی کی گرفتاری کو زیادہ اہمیت نہ ملنے دی تھی۔ عوام تو خان بلڈنگ کے بارے میں متجسس تھے۔ انیق یزدانی کیا کیا۔ کیوں گرفتار ہوا؟ کسی نے دلچسپی لی، کسی نے نہ لی۔ کئی روز تک اخبارات میں سرخیاں لگتی رہیں، کراس کو ٹیچن ہوتے رہے حکومت کا دباؤ پولیس اور پریس پر رہا۔

انویسٹی گیشن چلتی رہی۔ نامعلوم افراد کے خلاف ایف آئی آر کٹی اور بات تحقیقی پارٹیوں

کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ پہلے پہل بہت شور رہا۔ مگر چند ہی روز کے بعد یہ خبر شہ سرخی سے دوکالمی خبر اور پھر بیک صفحے کی خبر بن کر رہ گئی۔ غیر ملکی سفارت خانوں اور ان ممالک کی حکومتوں نے بھی شروع شروع میں شور مچایا حکومت پر دباؤ ڈالا پھر وہ گرمی ذرا نرمی میں بدل گئی۔

"دیکھا میں نہ کہتا تھا...... کچھ نہیں ہوگا۔"

زیدی صاحب جو تمام اخبارات کو باری باری دیکھ چکے تھے کہنے لگے۔

"واقعی سر! آپ کا پلان کمال کا تھا۔"

سمیر جو بہت خوش تھا' کہنے لگا۔

"بیٹا کمال ہمارے پلان میں نہیں اس حکم جہاد میں تھا جو لازم ہو چکا تھا۔ ہم اللہ کی راہ پر لڑنے نکلے تھے اللہ ہمارے ساتھ تھا۔"

"بے شک سر!" سمیہ نے بھی مان لیا۔

"اگر ہم ایسا نہ کرتے تو کبھی یہ لوگ اپنے انجام کو نہ پہنچتے۔"

"ایسا کرنا ضروری تھا۔ بعض صورتوں میں ایسی خفیہ راہیں اور ایسی پلاننگ کرنی پڑتی ہے" وہ انہیں سمجھا رہے تھے۔

"اور اسے! حکمت عملی کہتے ہیں۔" شاہد بٹ جو زیدی صاحب کا بہت معترف ہو چکا تھا کہنے لگا۔

"بے شک" لیکن کاش ہمارے ملک میں ایسا اسلامی نظام سچ مچ قائم ہو جائے کہ معاشرے میں ایسی بے حیائی پھل ہی نہ سکے۔ ایسے گناہ کے اڈے قائم ہی نہ ہوں اور کاش ہمارا نظام انصاف' نظام مصطفیٰ ﷺ پر قائم ہو جائے تو گناہ گاروں کو سرِ عام سزائیں دی جائیں تاکہ لوگ عبرت پکڑیں۔ یوں خاموشی سے ان کا خاتمہ نہ کیا جائے۔" ان کے لبوں سے ایک افسوس بھری سرد آہ نکلی۔

"آمین اللہ کرے ایسا ہو جائے۔" سب نے ایک ساتھ کہا۔

☆======☆======☆

انیق یزدانی پر سارے قتل ثابت تو ہو گئے تھے۔ ایک تو گیتی آرا کی پوسٹ مارٹم رپورٹ سے اور دوسرا ثمینہ کے ہاتھ وہ ویڈیو کیسٹ لگ گیا تھا جب گیتی آرا کو یہ لوگ ریسٹ ہاؤس لے گئے تو اپنی درندگی کو مزید انجوائے کرنے کے لئے انہوں نے ویڈیو بنانی شروع کر دی تھی۔ ایسی ویڈیو یہ لوگ بعد میں مہنگے داموں فروخت کیا کرتے تھے مگر ان پانچوں کی قسمت خراب تھی کہ درندگی کا نشانہ بنا لینے کے بعد یہ لوگ کیمرے آف کرنا بھول گئے تھے اور پھر

جس طرح انہوں نے گیتی آرا کو بے ہوش کر کے تیز دھار آلے سے اس کا سر تن سے جدا کیا تھا وہ سب کا سب ویڈیو روم کے اسٹور سے ملی تھی جسے اس نے سمیر کے ذریعے قانون تک پہنچایا تھا۔ ثمینہ نے ہی انیق کو گرفتار کرنے میں قانون کی پوری مدد کی تھی۔ تب جا کر یہ بڑا مگر مچھ پکڑا گیا۔

دوران تفتیش عمران نیازی نے تین بار انیق یزدانی کا جسمانی ریمانڈ لیا تھا اور جتنا کچھ وہ اس شیطان کے ساتھ کر سکتا تھا اس نے کیا تھا۔ وہ بہت سے گناہ قبول کر چکا تھا مگر اب وہ اس قابل نہ رہا تھا کہ اس کا مزید جسمانی ریمانڈ لیا جاتا۔ وہ بہت بیمار رہتا تھا۔ میڈیکل رپورٹس سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ "ایڈز" کا شکار ہے اور اس کی آخری اسٹیج پر ہے۔

عدالت نے اسے گیتی آرا اور ندا کا قتل ثابت ہو جانے پر پھانسی کا حکم سنا دیا تھا مگر وکیل نے یہ کہہ کر پھانسی کی سزا معطل کرا دی تھی کہ "جناب والا! یہ شخص جو انسان کے روپ میں ابلیسِ اعظم ہے جس نے گناہ اور ظلم کی انتہا کر رکھی تھی اسے صرف پھانسی سے نہ مارا جائے اس طرح تو اس کی موت آسان جائے۔ اسے خدا کی طرف سے جو سزا ملی ہے وہی اس کی اصل سزا ہے۔ اس کے جسم کو گھل گھل کر ختم ہو جانے دیں تاکہ یہ اپنی اصل سزا کو پائے۔ ایسی عبرتناک سزا تو اللہ ہی دے سکتا ہے بے شک اس کی رسّی دراز ہے مگر ہے اس کے ہاتھ میں وہ جب کھینچتا ہے تو انسان کو چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیتا ہے۔"

یہ وکیلِ جرح عمیر ہی تھا اور جج اس کی دلیلوں سے اتنا متاثر ہوا تھا کہ اس نے بھی اللہ کے فیصلے کو اپنے فیصلے پر مقدم ہی جانا۔ انیق جواب خود موت مانگ رہا تھا پھانسی نہ ہونے پر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا کیونکہ جو تیزاب اس کے اندر پھیلا ہوا تھا وہ موت کے ذائقے سے بدتر تھا۔ اس کی تنی ہوئی گردن آج بری طرح جھکی ہوئی تھی۔

☆======☆======☆

عمیر آج گھر آیا تو ڈھیر سارے موتیے کے گجرے لے کر آیا۔ طوبیٰ کی پسندیدہ چاکلیٹ کا ڈبہ اور بہت سے تحفے جہاں وہ زیادہ خوش تھا وہیں بہت شرمندہ اور نادم بھی تھا۔ وہ اتنا شرمندہ تھا کہ طوبیٰ سے نظریں ملانے کی اس میں ہمت ہی نہ تھی۔ رات کو جب وہ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئی تو وہیں آ کر بیٹھ گیا اس کے دونوں ہاتھ تھام کر وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

"طوبیٰ میں تمہارا گناہ گار ہوں۔ میں نے تمہاری پاکیزگی پر شک کیا۔ میں ذلیل تھا۔ گھٹیا تھا۔ آج میں اسی جائے نماز پر کھڑا ہو کر تمہاری پاکیزگی کی گواہی دیتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔" وہ رو رہا تھا۔

طوبیٰ جو ہمیشہ سے بہت کھلا دل رکھتی تھی پل بھر میں اس کا سابقہ رویہ بھول گئی اور اس کے ہاتھوں کو کھول کر چومنے لگی۔

''میں کیا کرتا میں بھی ایک مرد تھا جو شک اور شیطان سے مل کر بنتا ہے۔ میرے اندر کا شیطان مجھ پر غالب رہا۔'' وہ اب بھی رو رہا تھا۔

''آپ ادھر آ جائیں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے بیڈ پر لے آئی۔ لا کر پانی پلایا۔

''یہ بات ہی ایسی تھی عمیر آپ کیا کوئی بھی مرد ہوتا ایسا ہی کرتا۔ مگر مجھے اپنے اللہ پر بھروسا تھا کہ وہ میری بے گناہی ثابت کرے گا۔'' اب وہ بھی رو رہی تھی۔ ''آپ نے اپنا دل صاف کر لیا میں سمجھتی ہوں میری خوش قسمتی ہے۔''

''میں نے اپنا دل واقعی صاف کر لیا طوبیٰ!'' وہ اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر مسکرا دیا۔

''میں ایک کم ظرف مرد تھا مجھے شرمندگی ہے لیکن میں سمجھ گیا ہوں کہ عورت واقعی بے خطا اور بے زبان ہوتی ہے۔ اگر تمہارے ساتھ سچ مچ بھی کچھ ہو جاتا تو بھی اب میں تمہیں معاف کر دیتا اور اسی طرح محبت کرتا۔ کیونکہ حالات یا کوئی سانحہ اگر کسی لڑکی کو مسخ کر جائے تو وہ اس سانحے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لڑکی کو معاشرے میں عزت ملنی چاہیے۔ ہم دونوں مل کر کل سے اسی مقصد اسی سلوگن کے ساتھ ایک مہم کا آغاز کریں گے۔ ایسی تمام لڑکیوں کو ان کی کھوئی ہوئی عزت اور مقام دلائیں گے۔'' اس نے اتنے جوش سے تقریر والے انداز میں کہا کہ طوبیٰ کو ہنسی آ گئی۔

''وعدہ!'' اس نے اپنا ہاتھ اس کے آگے پھیلا دیا۔

''وعدہ!'' وہ بھی مسکرا دیا۔ اس نے وہ سارے پھول اس کی گود میں ڈالے اور کمرا خوشبو اور محبت کے خمار سے بھر گیا۔ ان دیواروں پر جمی گزری راتوں کے آنسوؤں کی سب لکیریں مدھم پڑنے لگیں۔

☆=====ختم شد=====☆